تاریخ کوروڈیہ

(بھاگلپور)

جلد اوّل

مُصنّف

ارشد جمیل

کوروڈیہہ کی قدیم مسجد

مسجد کے صحن کا منظر
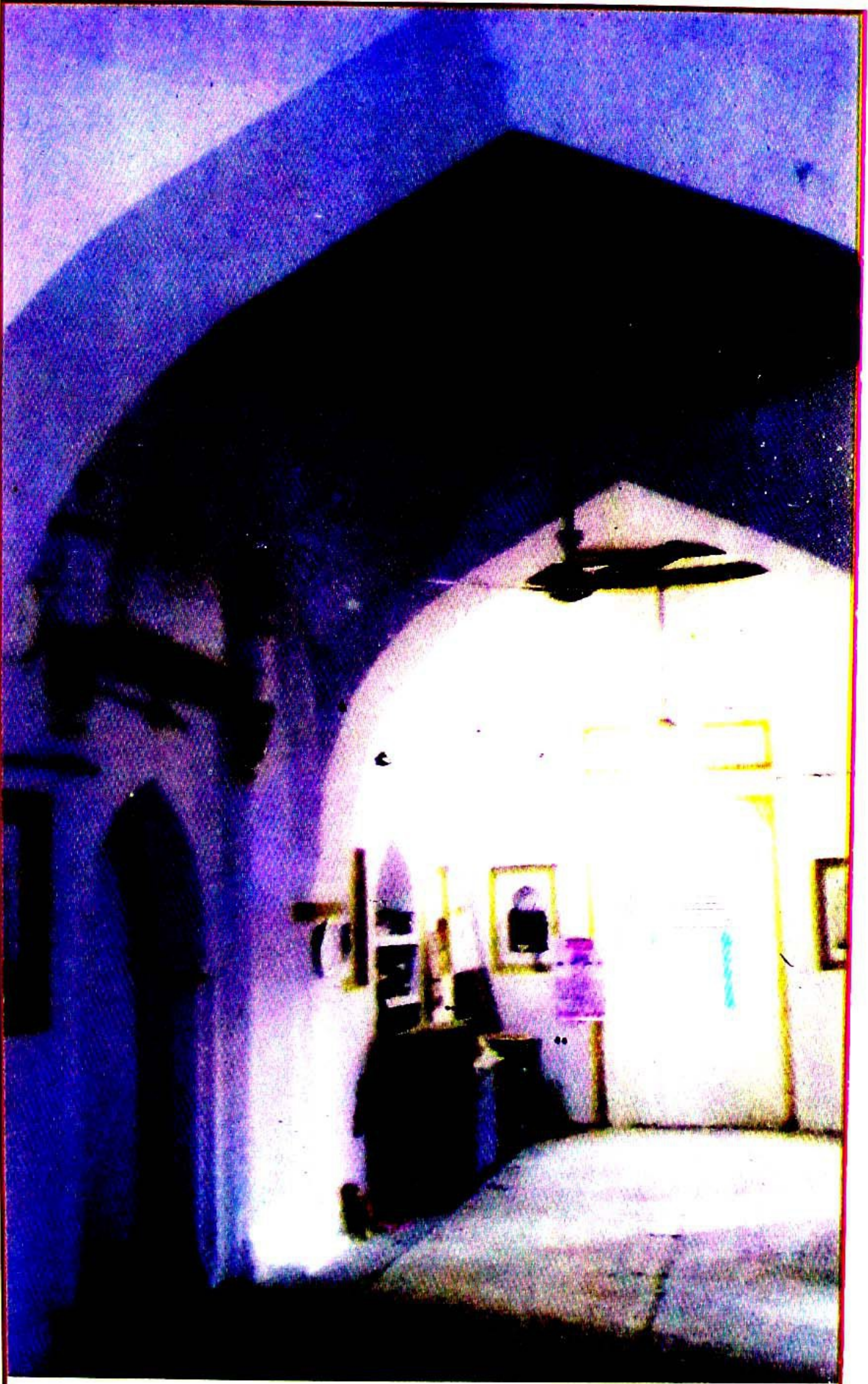
مسجد کا اندرونی منظر

مسجد کا صدر دروازہ

استاذی پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب (م۔۲۰۰۴ء) کے ذریعہ تیار کردہ نقشہ
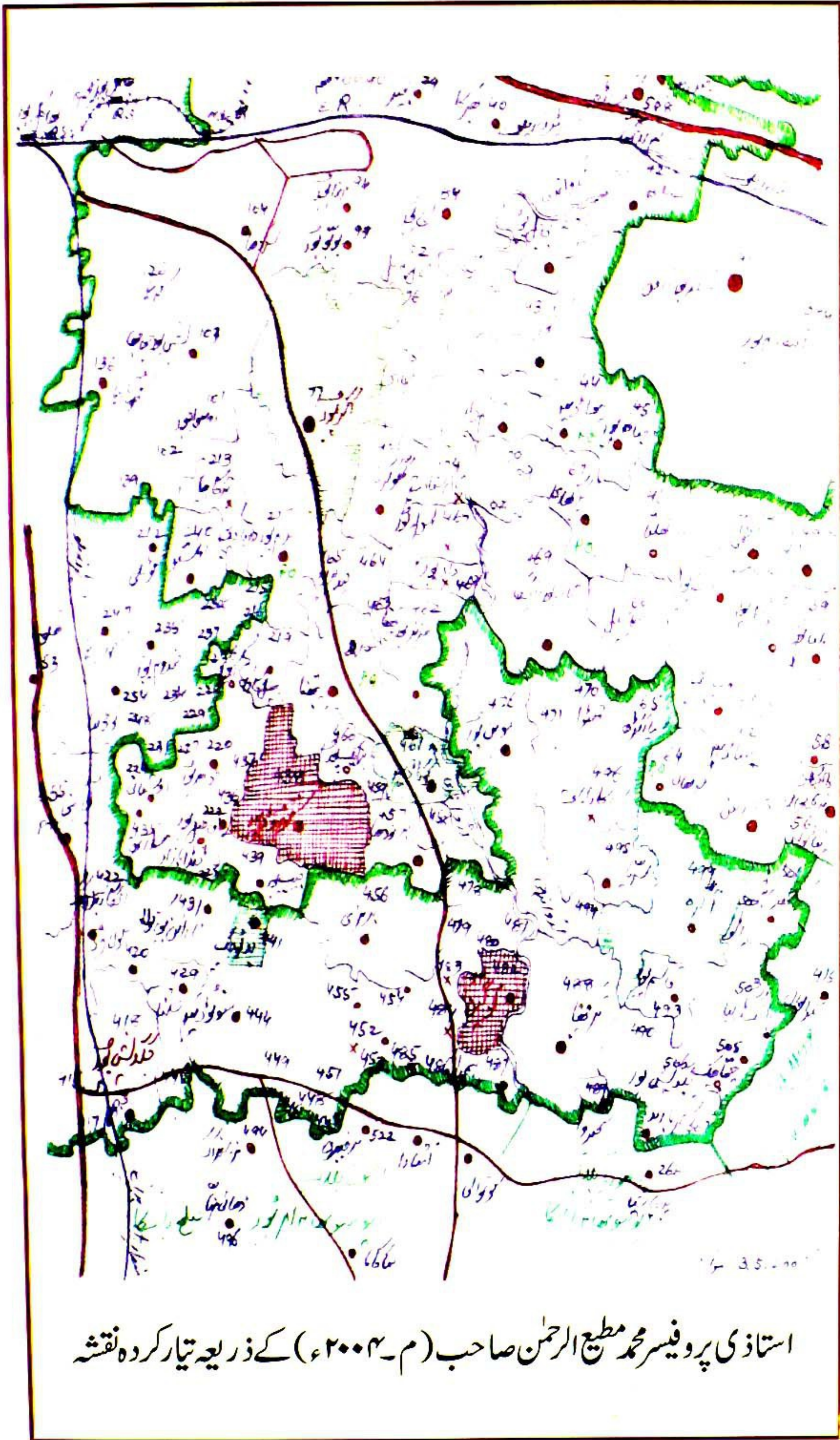
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا دسترسم بود، زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقهٔ صد پاره ندارم

شیخ علی حزیںؔ

تاریخ کورڈیہہ

(بھاگلپور)

جلد اوّل

ڈاکٹر ارشد جمیل

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

TARIKH-E-KURUDIH
(Bhagalpur) Vol.Ist

By: Dr. Arshad Jamil

Year of Edition 2011
ISBN 978-81-8223-890-9

Price Rs. 300/-

نام کتاب	:	تاریخِ کوروڈیہہ (بھاگلپور) جلد اوّل
تصنیف	:	ڈاکٹر ارشد جمیل
تاریخِ پیدائش	:	۲۳ر جنوری ۱۹۵۳ء
آبائی وطن	:	موضع کوروڈیہہ، بھاگلپور
تعلیم	:	فاضل، کامل، ایم۔ اے۔ (فارسی، اردو)، پی۔ ایچ۔ ڈی۔
مشغلہ	:	استاد شعبۂ اردو، متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ
سنہ اشاعت	:	۲۰۱۱ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۳۰۰ روپے
کمپوزنگ	:	احسان عالم، گلیکسی کمپیوٹرس، رحم خاں، دربھنگہ
مطبع	:	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

حضرت مولانا شمس الاسلام صاحبؒ
حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ
اور
الحاج نثار احمد صاحبؒ
کے نام

بعد از وفات تربتِ ما درز میں مجوئے
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزار ماست

مولانا رومؔ

بنام خدا

اے نامِ تو بہترین سرِ آغاز
بی نامِ تو نامہ کے کُنم باز
نظامیؔ

فہرست

یادوں کے چراغ

ذکرِ ہم نفساں

کوروڈیہہ۔جلوہ گاہِ عارفاں

(خاندانی شجرے)

قطعۂ تاریخ

از

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

کوروڈیہہ، ضلع بھاگلپور کا ایک قدیم تاریخی اور علمی گاؤں ہے۔ یہ شہر سے تقریباً ۱۵ رکیلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ عہد اسلامیہ میں اس کا نام عصمت اللہ پور تھا۔ قدیم دستاویز میں یہ نام موجود ہے۔ لیکن اب عصمت اللہ پور کا وجود نہیں ہے۔ وہ کب اور کیسے ویران ہوا اس کی کوئی تاریخی شہادت دستیاب نہیں۔ اب وہ ویران شدہ جگہ ''ڈیہہ'' کے نام سے موسوم ہے اور یہ سو بیگھہ پر محیط ہے۔ یہاں کی باقیات میں عہد مغلیہ کے سکے، پختہ مکان کی بنیادیں، ایک عدد پختہ کنواں، تالاب پر پختہ گھاٹ بطور آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہیں۔ ایک پختہ عمارت کی شکستہ دیواریں اب بھی اس کی عظمت رفتہ کی گواہ ہیں۔ مختلف قسم کے آلات، ظروف اور دیگر آثار بھی وقتاً فوقتاً دستیاب ہوئے ہیں۔ جب یہ گاؤں نیست و نابود ہو گیا تو اس سے متصل بجانب شمال ایک دوسرا گاؤں آباد ہوا۔ یا پھر یہ گاؤں اسی قدیم بستی کی باقیات ہے اور اب یہی گاؤں کوروڈیہہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲۱۱ھ کا ایک قدیم فارسی دستاویز مرزا نور الحسن بیگ کے پاس میں نے دیکھا تھا جس میں عصمت اللہ پور المعروف بہ کوروڈیہ تحریر تھا۔ شاہ عالم بادشاہ ثانی کے عہد کا ایک سکہ میں نے خود دیکھا ہے، جس کی ایک طرف ''شاہ عالم باشاہ ثانی'' اور دوسری طرف ''سال جلوس بست'' درج تھا۔

شاہ عالم بادشاہ ثانی کا عہد ۱۱۷۳ھ سے ۱۲۲۱ھ تک ہے (۱۷۵۹ء۔۱۸۰۶ء) اس طرح ان کی مدت حکومت کل ۴۶ سال تھی۔ اس عہد میں کوروڈیہہ کی ایک معزز اور معروف شخصیت قاضی نعیم اللہ کی تھی۔ وہ ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) میں عہدۂ قضاء پر مامور تھے۔ اس خاندان میں کئی حضرات قاضی کے عہدہ پر فائز رہے اسی خاندان کی ایک معروف و محترم شخصیت مولانا محمد یونس مرحوم (م۔۲۰۱۰ء) کی تھی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنے بزرگوں کے کئی مہروں کو دکھایا تھا۔ ان میں سے ایک مہر کی عبارت یہ ہے:

''خادم شرع رسول اللہ قاضی عبدالفتاح

نائب قاضی نعیم اللہ ۱۱۸۴ھ''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی نعیم اللہ شاہ عالم بادشاہ ثانی کے عہد میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کے والد قاضی صبیح اللہ اور ان کے لڑکے قاضی حبیب اللہ بھی عہدہ قضاہ پر مامور تھے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات نہیں ملتے ہیں۔ ''رشتوں کی تلاش'' میں اس خاندان کا شجرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

مرزا عبداللہ بیگ عہد مغلیہ کے آخری دور میں صوبہ دار کے عہدہ پر فائز تھے۔ کب اور کہاں؟ اسکا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ اس عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کو جاگیر میں تین سو بیگھ زمین عطا ہوئی تھی۔ ۱۴۴ بیگھ زمین صرف موضع کوروڈیہہ میں تھی جو چودھری بھڑوکر اسٹیٹ کی زمینداری کا حصہ تھا۔ گاؤں کی قدیم پختہ مسجد انہی کی زمین پر ۱۳۴۴ھ میں تعمیر ہوئی ہے۔ اس خاندان کے افراد آج بھی اس بستی میں آباد ہیں اور اس کی بچی کچھی زمین بھی ان کے قبضہ وتصرف میں ہے۔

کوروڈیہہ کے علاوہ اس علاقے میں عہد مغلیہ کی کئی اور بستیاں آج بھی آباد ہیں۔ جیسے پورینی، سنہولی (سنہلی)، انگاری، بھڑوکر (بڈوکھر)، ڈنڈا بازار (دندانتوہ)، استو، سنوڈیہہ (سن ڈیہہ)، بڈّھیا (برڈیہہ) سلیم پور، کیلا پور، کجریلی وغیرہ۔ ان قدیم بستیوں کے نام میں اب جزوی طور پر کچھ صوتی تبدیلی ہوگئی ہے۔ ان قدیم ناموں کو قوسین میں لکھ دیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض بستیاں مسلم آبادی سے خالی ہوگئیں اور بعض بستیاں معدوم ہوچکی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد سہول عثمانیؒ (سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وسابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند) کی مرتبہ ''قدیم تاریخ قصبہ پورینی'' (مطبوعہ ۱۹۴۹ء) سے ان بستیوں کے علاوہ اس علاقے کی تقریباً پچھتر مشہور علماء، مفتیان، فقہا اور عمائدین وغیرہ کے اسماء کا بھی علم ہوتا ہے۔ قدیم تاریخ قصبہ پورینی میں ایک محضر نامہ فارسی زبان میں ۱۱۵۳ھ کا شامل ہے۔ یہ بنیادی معلومات کا اہم ذریعہ ہے۔ محضر نامہ کی درجہ ذیل عبارت سے اس کی تصنیف کی تاریخ کا علم ہوتا ہے:۔

> ''تاریخ پنجم شہر رمضان المبارک ۲۳ بست سوم، جلوس محمد شاہی موافق
> ۱۲۵۳ھ یک ہزار و یک صد و پنجاہ وسہ ہجری نبوی مطابق ۱۱۴۸ فصلی
> یک ہزار و یک صد وچہل وہشت فصلی است'' ص:۳۹

اس محضرنامہ میں ایک نام شیخ ضیاء الحق ولد شیخ قاضی رضی الدین بھاگلپوری کا بھی ہے۔ یہ وہی قاضی رضی الدین بھاگلپوری (م۔۱۰۹۶ء) ہیں جو فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں سے تھے۔ ان کا آبائی وطن کیلا پور تھا، بعد میں ان کے وارثین منتقل ہوکر قصبہ پورینی کے قریب مصطفیٰ پور میں آباد ہو گئے۔ حضرت مولانا محمد سہول عثمانی کا تعلق اسی خانوادہ سے تھا۔ کبھی یہ علاقہ عالموں، قاضیوں اور فقیہوں سے آباد تھا۔

اس علاقہ میں تعلیم کو عام کرنے میں مدرسہ شہبازیہ بھاگلپور کا اہم کردار رہا ہے۔ حضرت مولانا شہباز محمدؒ اپنے وقت کے ایک جید عالم دین، مشہور محدث حافظ حجر عسقلانی کے شاگرد، کئی کتابوں کے مصنف، مدرسہ شہبازیہ کے استاذ کل اور بلند پایہ روحانی پیشوا تھے۔ آپ نے شہنشاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کے زمانے کو پایا۔ قاضی رضی الدین بھاگلپوری حضرت مولانا شہباز احمدؒ (م۔۱۰۵۰ء/۱۶۴۰ء) کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ حضرت مولانا محمد سہول عثمانیؒ نے بھی مدرسہ شہبازیہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔

ذیل کی عبارت سے مدرسہ شہبازیہ، بھاگلپور کی تاریخی حیثیت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:۔

''W.W. Hunter کے مرتبہ بنگال منسکرپٹ ریکارڈ کے صفحہ ۳۷ پر منقول ہے۔ ۱۷۸۳ میں سرجون شور کی صدارت میں فورٹ ولیم کو جن قدیمی مدرسوں کی اجمالی تفصیلات وخاکے فراہم ہو سکے ان ہی مدرسوں میں بھاگلپور کا مدرسہ شہبازیہ بھی درس وتدریس کا ایک بڑا مرکز تھا''۔

''حقیقت مدرسہ حضرت مولانا شہباز محمد قدس سرہ واقع در پرگنہ بھاگلپور ایں ست:۔

کہ حضرت مولانا مغفور در عہد ہمایون بادشاہ بمقام اوساس دیورہ ضلع بہار متولد شدند۔ در پنجاہ سال علوم ظاہری و باطنی حاصل ساختہ در عہد جہانگیر بادشاہ در بھاگلپور رسیدہ۔ مع عیال و اطفال متوطن شدند و تا چہل و پنجاہ بہ تدریس علوم ظاہری و باطنی و ارشاد و تلقین مریدان و معتقدان مشغول بودہ مدرسہ ومسجد ودیگر مکان ہائے کاہی بنا فرمودہ در

۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) درعہد شاجہاں بادشاہ رحلت فرمودند وخرچ طلباء و فقراء ازنذورات و از پیداوار موازی پانصدونود بیگہ زمین لاخراج مخدوم پور گوراوچاند پوراوڈیہی وملاچک کہ ازعہدان حضرت مقرر بودو پیداوار سالیانۂ آں تخمیناً سہ صد روپیہ می شود مقرر شدہ می آید۔ و بعد وفات آنحضرت نشاں شاہزادہ شجاع ہم مطابق آں بابت اراضی مذکورہ حاصل گردید۔ چنانچہ پیداوار اراضی مذکورہ تابعلاقۂ ایں قدر مدرسہ وتدریس طلباء باقی است۔

(ماہنامہ سہیل: بھاگلپور کا موجودہ ادبی ماحول نمبر ص:۵۱)
مرتبہ پروفیسر لطف الرحمٰن مطبوعہ ۱۹۶۹ء

شہنشاہ اورنگ زیبؒ (م۔۱۷۰۷ء) کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوگیا۔ پھر اس خاندان میں کوئی ایسا دوسرا حکمراں پیدا نہیں ہوا جو مغلیہ سلطنت کی ساکھ کو باقی رکھتا۔ دن بدن انگریزوں کی طاقت بڑھتی گئی۔ آخر کار ۱۸۵۷ء کے غدر نے مغلیہ سلطنت کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو ہمیشہ کے لئے گل کردیا اور آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر گرفتار ہوکر رنگون میں قید کردئے گئے ؎

نہ دبایا زیر زمیں انہیں ، نہ دیا کسی نے کفن انہیں
نہ ہوا نصیب وطن انہیں، نہ کہیں نشان مزار ہے

(بہادر شاہ ظفر)

۱۸۵۷ء کے غدر نے ہندوستان کی صورت کو مسخ کردیا تھا۔ یہاں کی قدریں، آداب معاشرت اور نظام تعلیم سب درہم برہم ہوگئے۔ علماء، فضلاء اور امرا تختۂ دار پر لٹکا دئے گئے۔ صرف دلی اور اس کے نواح میں سولہ ہزار سے زائد علماء شہید کئے گئے تھے۔ تعلیم گاہیں تہس نہس کردی گئیں۔ انگریزوں کی سازش تھی کہ ہندوستانیوں کے ذہن وفکر کو اس قدر مسخ کردیا جائے کہ وہ شکل سے بھلے ہی ہندوستانی نظر آئیں لیکن ذہن وفکر کے اعتبار سے انگریز ہوں۔ اس وقت پورا ہندوستان خوف وہراس اور یاسیت کا

شکار تھا۔غدر میں سب سے زیادہ جانی اور مالی نقصان مسلمانوں کا ہوااور سب سے زیادہ عتاب کے شکار بھی یہی ہوئے۔

انہیں حالات میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ (م۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) نے دین کی حفاظت اوراس کی استقامت کے لئے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء بروز جمعرات دارالعلوم دیوبند کی بنیادرکھی۔۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر میں علوم دینیہ کے احیاءِنواور دینی تحریک کا یہ نقطۂ آغاز تھا۔

اس ادارہ نے مختلف محاذوں پر امت مسلمہ کی صحیح قیادت اور رہنمائی کی، اوراس کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے منصوبہ بند کوششیں کیں۔ دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے۔اس ادارہ نے عالم اسلام کو کثیر تعداد میں علماء، مشائخ، مفتی، مبلغ، صحافی، مجاہد اور مختلف محاذ پر کام کرنے والے افراد فراہم کئے۔حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر عثمانیؒ، مفتی محمد کفایت اللہؒ، مفتی محمد شفیعؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ وغیرہ جیسی قد آور اور تاریخ ساز شخصیتیں یہاں سے پیدا ہوئیں۔ان حضرات نے اوران کے شاگردوں نے پورے برصغیر میں مدارس اسلامیہ کا جال پھیلا دیا۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ، فارغین اور طلباء نے تحریک آزادئ ہند میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تاریخ شاہد ہے۔مولانا محمود حسن دیوبندی کی ریشمی رومال تحریک آزادئ ہند کا ایک روشن باب ہے۔ لیکن انگریزوں کی عیاری اور اپنوں کی دغابازی سے یہ تحریک ناکام ہوئی۔حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلامؒ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ گرفتار ہوکر جزیرۂ مالٹا میں قید کردیئے گئے۔ یہاں انہیں سخت اذیتیں دی گئیں۔لیکن جوشِ حریت میں کمی نہیں آئی۔حضرت شیخ الہند کے وصال (۱۹۲۰ء) کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ اور بھی سیاست میں سرگرم عمل ہو گئے۔

۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا اور مفتی محمد کفایت اللہ اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ ہندوستان کے جید علماء اس تنظیم کے اراکین تھے۔کانگریس کے ساتھ علماء دیوبند نے تحریک

آزادی ہند میں جس سرگرمی سے حصہ لیا اب یہ تاریخ ہند کا ایک زریں باب ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغین اور شیخ الاسلام کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد بھاگلپور کے جنوبی مشرقی علاقے میں موجود تھی۔ تحریک آزادی اپنے شباب پر تھی اور پورے ہندوستان میں آپ کا مسلسل دورہ ہو رہا تھا۔ اس سلسلے میں کئی بار ضلع بھاگلپور میں آپ تشریف فرما ہوئے۔ آپ کی ذات سے بھاگلپور کا یہ مشرقی علاقہ جمعیۃ العلماء اور کانگریس کا ایک گڑھ بن گیا اور یہ علاقہ متحدہ قومیت اور وطنی وحدت کا حامی رہا۔ اس علاقے نے دوقومی نظریے کی کبھی حمایت نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم ہند کے موقعے پر اس علاقے سے ہجرت کے نام پر کوئی آبادی منتقل نہیں ہوئی بلکہ اس نظریہ وفکر کے حامل رہے اور دارالعلوم دیوبند یا اس سلسلے کے اداروں میں تعلیم حاصل کی۔

حضرت مولانا محمد سہول عثمانیؒ، استاذ دارالعلوم دیوبند نے ۱۹۰۱ء میں حضرت شیخ الہند کی اجازت سے اپنے ایک عزیز شاگرد شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ امروہوی (م۔ ۱۹۵۴ء) کو مدرسہ نعمانیہ پورینی بھاگلپور میں مدرس اول بنا کر بھیجا۔ آپ کی ذات سے اس مدرسہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اس علاقے میں آپ کے بہت سے شاگرد پیدا ہوئے۔ موضع کوروڈیہہ میں حافظ اطہر حسین (م۔ ۱۹۴۲ء)، حافظ محفوظ حسین (م۔ ۱۹۶۱ء) اور مولانا شمس الاسلام (م۔ ۱۹۶۹ء) آپ کے اولین شاگردوں میں سے تھے۔ جب حضرت شیخ الادب یہاں سے شاہجہاں پور اور پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تو ان حضرات نے بھی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اس طرح دارالعلوم دیوبند سے کوروڈیہہ کا براہ راست تعلیمی رشتہ استوار ہوا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۴ھ میں بھاگلپور شہر سے ۹ رکیلومیٹر جنوب میں حضرت شیخ الہند کے شاگرد مولانا عبدالحمید پورینی (م۔ ۱۹۵۹ء)، مولانا محمد غنی سمریا (م۔ ۱۹۶۶ء) اور مولانا حافظ دیانت احمد چکدریا (م۔ ۱۹۷۱ء) نے اپنے استاد کے نام پر موضع سمریا میں مدرسہ محمودیہ کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ نے دینی تعلیم کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی اور پورا علاقہ علم کی روشنی سے منور ہو گیا۔ اس علاقے میں کوئی ایسا گاؤں نہیں ہے جہاں اس ادارہ کے فارغین موجود نہ ہوں۔ ضلع

بھاگلپور کا یہ دوسرا بڑا دینی ادارہ ہے۔

بھاگلپور شہر سے جنوب مشرق میں موضع کوروڈیہہ سے متصل ریاستی شاہراہ نمبر۱۲ پر موضع پتھنہ میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ کے نام سے ۱۹۳۳ء/۱۳۵۴ھ میں تیسرا بڑا دینی ادارہ قائم ہوا۔ اس کی نسبت حضرت شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی ؒ کی طرف ہے۔ حضرت شیخ الادب ؒ تاحیات اس کے سرپرست رہے۔ اس کے اولین اساتذہ میں حضرت مولانا خلیل احمد ؒ، صدر مدرس (م۔ ۲۰۰۹ء)، مولانا عبدالسلام ؒ مدرس دوم (م۔۱۹۶۹ء) اور حافظ نجابت حسین (م۔۱۹۸۵ء) کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

ان اداروں کے بعد اور بھی کئی دینی ادارے قائم ہوئے۔ فارغین دارالعلوم دیو بند نے پھر ایک بار اس علاقہ کو علوم اسلامیہ کا ایک بڑا مرکز بنا دیا۔ ’’تاریخ کوروڈیہہ‘‘ محض ایک علامت ہے ورنہ علاقے کی ہر ایک بستی مستقل اپنی تاریخ رکھتی ہے۔

موجودہ نسل اپنے ماضی اور اپنے بزرگوں کی خدمات سے دور ہوتی جارہی ہے۔ ’’تاریخ کوروڈیہہ‘‘ کی تصنیف کے اصل محرکات یہی ہیں۔ قومیں اپنے ماضی سے زندہ رہتی ہیں۔ جن کا کوئی ماضی نہیں تاریخ اس کو فراموش کر دیتی ہے۔ تاریخ کوروڈیہہ کھوئے ہوؤں کی جستجو اور یادوں کی بازیافت کا ایک سلسلہ ہے۔ بقول شخصے ’’نقش ماضی سے نقش حال درخشاں رہتا ہے‘‘۔

اس کتاب میں کئی ابواب قائم کیے گئے ہیں جیسے ’’یادوں کے چراغ‘‘ اس میں گاؤں کی ان اہم اور معروف شخصیتوں پر میرے تاثرات ہیں جو اب ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کی یادیں دل میں فروزاں ہیں۔ ’’ذکر ہم نفساں‘‘ کے ذیل میں گاؤں کے موجودہ عالموں کے احوال و کوائف کے تذکرے ہیں۔ ’’کاروان شوق‘‘ میں گاؤں کے حفاظ کرام کی فہرست اور ’’زائرین حرمین شریفین‘‘ میں یہاں کے حجاج کرام کی ایک مکمل فہرست شامل ہے۔ ’’سرچشمۂ ہدایت‘‘ کے تحت ان معروف و مشہور دینی اداروں کی مختصر تاریخ اور یہاں کے چند نامور اور مشہور اساتذۂ کرام کا تعارف ہے جن سے براہ راست گاؤں والوں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ ’’کوروڈیہہ۔ جلوہ گاہ عارفاں‘‘ کے باب میں ان ارواح مقدسہ کے مختصر حالات زندگی درج ہیں جن کے قدوم میمنت لزوم سے سرزمین کوروڈیہہ کو مستفیض و مستنیر ہونے کا

شرف حاصل رہا ہے۔ ''نقشہائے دگر'' میں بزرگان دین، علماء کرام اور علمی وادبی شخصیات کے خطوط اور تحریروں کے عکس شامل ہیں۔ ''رشتوں کی تلاش'' میں گاؤں کے قدیم خاندانوں کے مکمل شجرے پیش کئے گئے ہیں۔ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۸۹ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد جو خاندان مختلف جگہوں سے آکر گاؤں میں آباد ہو گئے ہیں۔ یہ سب مزدور پیشہ ہیں اور ان میں تعلیم کی ابھی سخت کمی ہے۔ وہ قدیم آبادی سے الگ ہیں۔ اس فہرست میں ''داستاں میری'' میں راقم الحروف کے احوال وکوائف، ادارے جہاں تعلیم پائی، ان اداروں کے تذکرے، اس وقت کا ماحول اور چند مشہور اساتذہ کے مختصر حالات درج ہیں۔ اس کا دوسرا حصہ دربھنگہ میں میری مدت ملازمت پر محیط ہے۔ اس میں ان روحانی، علمی اور ادبی شخصیتوں پر میرے ذاتی تاثرات ہیں جن سے میرے تعلقات تھے یا میں ان سے متعارف تھا اور اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ اس میں کچھ ایسے افراد بھی شامل ہیں جن کا تذکرہ کسی واقعہ یا شخص کے ذیل میں محض ضمناً آیا ہے اور ابھی وہ حیات سے ہیں۔ اس میں جو بھی واقعات وحالات درج ہیں وہ سب تاریخی نوعیت کی ہیں۔ یہ حصہ قارئین حضرات کے لئے خصوصی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ اشخاص اور واقعات کے تذکرے میں حقائق اور تاریخی صداقتؔ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ''ذکر ہم نفساں'' میں جو تاریخی واقعات درج ہیں وہ سب متعلقہ افراد کے ذریعے فراہم کردہ مواد پر مبنی ہیں۔ افسوس ہے کہ اس باب میں بہت سے حضرات استحقاق کے باوجود شامل نہیں ہو سکے۔ میں ان کے حالات وکوائف حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اس کمی کا راقم الحروف کو احساس ہے۔

محترم پروفیسر لطف الرحمٰن صاحب سابق صدر شعبۂ اردو بھاگلپور یونیورسٹی بھاگلپور ایک عرصہ سے اس شہر میں مقیم ہیں اور اب تو یہ آپ کا وطن ثانی ہے۔ آپ اس علاقے سے بخوبی واقف ہیں اور اس کے بیشتر گاؤں میں آپ کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی تحریر معتبر اور اہم ہے۔ محترم جناب حقانی القاسمی نے بھی تفصیل سے اظہار خیال فرمایا ہے۔ میں ان حضرات کا بیحد ممنوں ہوں کہ اپنا قیمتی وقت اس کے لئے فارغ کیا۔ یقیناً اس سے کتاب کی وقعت میں اضافہ ہوگا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب میں نے ان حضرات کو اس کتاب کا مسودہ ارسال کیا تو اس میں ''داستاں میری'' شامل نہیں

تھا۔ یہ بعد میں لکھا گیا ہے۔ اس لئے ان حضرات تحریروں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

پروفیسر سید شاہ ضیاء الرحمٰن صاحب میرے رفیق کار رہے ہیں۔ آپ نے بھی اس کتاب پر چند جملے تحریر فرمائے۔ میرے لئے یہ خوشی کی بات ہے۔ محترم جناب اے۔ یو۔ آصف (نئی دہلی) ایک سینئر صحافی ہیں اور در بھنگہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میرے بڑے مخلص اور کرم فرما ہیں۔ جب کبھی در بھنگہ تشریف لاتے ہیں تو ملاقات کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ میری خواہش پر آپ نے بھی ایک مختصر مگر جامع تحریر ارسال فرمائی۔ میں ان حضرات کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب پروفیسر عبدالمنان طرزیؔ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس کتاب کی ترتیب و تکمیل میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور ازراہ کرم قطعۂ تاریخ بھی منظوم کرنے کی زحمت فرمائی۔ دیگر احباب میں پروفیسر منصور عمر، ڈاکٹر انیس صدری اور ڈاکٹر سید محمد رضوان اللہ کا بھی شکر گزار ہوں، اگر ان حضرات کا پیہم اصرار نہیں ہوتا تو شاید اب بھی یہ کتاب منظر عام پر نہیں آتی۔ ڈاکٹر ظفر سعید اور ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ اپنے گاؤں کے ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ''تاریخ کوروڈیہہ'' کی ترتیب و تدوین میں میرا بھرپور تعاون کیا ہے۔ خصوصاً مولانا عبدالرقیب آزادؔ اور مولوی رفیع احمد کا کہ ان حضرات نے حفاظ کرام کی مکمل فہرست فراہم کی۔ میں نے اس کو صرف حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کر دیا ہے۔

عزیز گرامی جناب حکیم غزالی انور ہلال نے ''نقش ہائے دگر'' کی تمام تر ذمہ داریوں کو اپنے سر لے کر ایک حد تک میرے بوجھ کو ہلکا کیا۔ اس کی ترتیب، تدوین اور تزئین میں عزیز گرامی کا مکمل تعاون حاصل رہا ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ ان کو بہتر جزا عطا فرمائے۔ برخوردار عزیزی محمد اسامہ ارشد کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اس نے پروف ریڈنگ میں بڑی دقت نظری سے کام لیا اور محنت سے اس کو انجام دیا ورنہ اپنی تحریر کی پروف ریڈنگ بہت مشکل ہے۔ جناب احسان عالم کا بھی احسان ہے کہ آپ نے کمپوزنگ کرنے میں بڑی زحمتیں اٹھائیں خصوصاً شجروں کی ترتیب میں، میں تو ہمت ہار چکا تھا لیکن ان کی دل جمعی نے اس مشکل کو آسان کر دیا۔ میں ان کا اور ان کے چھوٹے بھائی حکیم ارشاد عالم کا

بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ بھی میرے بہی خواہ ہیں۔

میں اپنی شریک حیات کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر ان کا تعاون نہیں ہوتا تو خاندانی شجرے اس صورت میں مکمل نہیں ہو پاتے۔قدم قدم پر اس کی مدد میری دشواریوں کو آسان تر کرتی گئی۔اس کام کے لئے اس نے بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا نیز اپنے تمام بیٹے اور بیٹیوں کے لئے بھی دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ سبھوں نے اس کام میں میرا ہر طرح سے تعاون کیا، اللہ نے شادکام رکھے۔

سب سے زیادہ شکر اس رب کریم کا ادا کرتا ہوں جس نے مجھ کو توفیق بخشی اور اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اس میں جو خوبیاں ہیں وہ سب بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کی دعاؤں کی برکت ہے اور جو خامیاں ہیں اس میں میری کم علمی، کم مائیگی اور نا تجربہ کاری کو دخل ہے۔مجھے اس کے اعتراف میں کوئی عار نہیں۔

وما توفیقی الاباللہ

ارشد جمیل

۲۲/۱۰/۲۰۱۱ء

قیصر منزل دربھنگہ

پروفیسر لطف الرحمٰن

مقدمہ

ڈاکٹر ارشد جمیل، للت نرائن متھلا یونیورسٹی دربھنگہ کے پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ میں اردو کے استاذ ہیں۔ ان کی تعلیم کا آغاز عربی نصاب کے پس منظر میں ہوا۔ آگے چل کر انہوں نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی سے فاضل عربی، فاضل فارسی اور کامل کی سندیں حاصل کیں اور پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ فارسی اور ایم۔اے۔ اردو میں امتیازی کامیابی حاصل کی اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔ ڈاکٹر ارشد جمیل ایک سنجیدہ، مخلص اور ذمہ دار استاذ ہیں۔ فارسی اور اردو ادب پر ان کی گہری نظر ہے۔ مطالعۂ ادب ان کی فطرت ثانی ہے۔ جس نے ان کو ادب اور شعر و سخن میں متمول بنا دیا ہے۔

وہ بھاگل پور کی ایک نواحی بستی کوروڈیہہ کے رہنے والے ہیں۔ یہ بستی علماء، شرفاء اور اہل علم و دانش کا دیرینہ مرکز رہی ہے۔ ڈاکٹر ارشد جمیل اس بستی کے جس خاندان کی نمائندگی کرتے ہیں وہ بھاگل پور ضلعے کی مسلم آبادی میں دولت و ثروت اور علم و دانش کے اعتبار سے ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ یہ بستی دیگر تقریباً ایسی ہی بستیوں کے مرکز میں آباد ہے اس کے قرب و جوار میں ذہر پور، پیتھنا، اوستو، سنہولی، بدلو چک، ہرنا وغیرہ آباد ہیں۔ یہ بستیاں بھی علم و فضل اور امارت و ثروت میں ممتاز رہی ہیں۔ لیکن ان تمام بستیوں میں کوروڈیہہ کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ ڈاکٹر ارشد جمیل نے کوروڈیہہ کی ایک تاریخ مرتب کی ہے۔ جس میں اس بستی کی خصوصیت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بستی عہد اسلامی میں آباد کی گئی تھی۔ ڈاکٹر ارشد جمیل صاحب کی تحقیق کے مطابق بھاگل پور سے تقریباً پندرہ کیلو میٹر جنوب مشرق میں واقع ایک بستی ''عصمت اللہ پور'' تھی۔ جس کا ذکر قدیم دستاویزوں میں

موجود ہے۔لیکن ''عصمت اللہ پور'' کا وجود عدم ہو چکا ہے۔اب اس کی جگہ کوروڈیہہ سے موسوم یہ آبادی موجود ہے۔

ڈاکٹر ارشد جمیل کے مطابق ایک عرصے تک یہ بستی عصمت اللہ پور عرف کوروڈیہہ کے نام سے موسوم رہی لیکن اب صرف کوروڈیہہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

ڈاکٹر ارشد جمیل کی یہ کاوش درج ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔جو علی الترتیب درج ذیل ہیں:

۱۔یادوں کے چراغ	۲۔ذکرِ ہم نفساں
۳۔کاروانِ شوق	۴۔زائرین حرمین شریفین
۵۔سرچشمۂ ہدایت	۶۔کوروڈیہہ۔جلوہ گاہ عارفاں
۷۔نقش ہائے دگر	۸۔رشتوں کی تلاش

تاریخ کوروڈیہہ کا پہلا باب ''یادوں کے چراغ'' ہے۔جس میں مذکورہ بستیوں کی اہم شخصیتوں کے مختصر حالات وخدمات بیان کئے گئے ہیں۔جس سے واضح طور پر یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ یہ علاقہ ابتدا ہی سے علماء،فضلاء،دانشوروں اور مختلف سماجی اور معاشرتی تحریکات سے وابستہ اصحاب کا مرکز رہی ہے۔ایسی معروف وممتاز شخصیتوں میں حاجی عبدالصمد،شیخ مہر علی،مولانا عبدالمجید،حافظ اطہر حسین،حافظ محفوظ حسین،شیخ الفت حسین،مولانا شمس الاسلام،مولانا عبدالسلام،حاجی نثار احمد،مولانا عبدالحکیم،مولانا محمد شہاب الدینؒ،مرزا نورالحسن بیگ،مولوی محمد یٰسین،حافظ عبدالرحمٰن،مرزا علی حسن بیگ،مولوی محمد احسان،حافظ محمود حسن،مولانا محمد شمس الدین،بابو محمد عیاض الدین،محمد کفایت اللہ،مولوی محمد یامین،حکیم محمود حسن،مولوی محمد عبدالعزیز،استانی بی بی مقبولن،مولوی محمد فضل الرحمٰن،مولانا عبدالمنان قاسمی،مولوی محمد کمال الدین،مولانا (ڈاکٹر) محمد عبدالحمید،حافظ مولانا شمیم احمد قاسمی،حافظ محمد بشیرالدین،حاجی کرامت علی،مولوی محمد حبیب الرحمٰن،حاجی عبدالحلیم،بابو محمد ریاض الدین،والدہ محترمہ،مولانا محمد یونس اور مولوی جواد علی وغیرہم ہیں۔

تاریخ کوروڈیہہ کا دوسرا چیپٹر بھی ایسے ہی اصحاب پر مشتمل ہے جو کوروڈیہہ اور آس پاس کے علاقوں میں اپنی عالمانہ شناخت رکھتے ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی پہلو سے جریدۂ عالم پر اپنی دوامیت ثبت کی ہے۔اس باب سے خاص طور پر اسلامی علوم کی مختلف مراکز اوران سے وابستہ مختلف تحریکوں کی تاریخ سامنے آتی ہے جس کا سلسلہ تقریباً پورے بہار میں پھیلا ہوا ہے۔ خاص طور پر پٹنہ شہر اور مضافات میں کوروڈیہہ کے علمائے کرام کی بےلوث دینی اور علمی خدمات کا تفصیلی حال سامنے آتا ہے۔اس بستی کے ایک لائق وفایق فرزند مولانا محمد قاسم نے پٹنہ کے نزدیک جامعہ مدنیہ سبل پور کی بنیاد ڈالی اوراب یہ ادارہ علم ودانش کا مشہور مرکز ہے۔اس بستی کے متعدد افراد آج بھی بہار، یوپی اور ملک کے مختلف مدارس میں درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔متعدد افراد جدید علوم کے حصول کے بعد ملک کے مختلف حصوں میں درس وتدریس کے علاوہ دیگر خدمات پر بھی مامور ہیں۔

کوروڈیہہ کے تقریباً ۱۲۰ اصحاب زیارت حرمین شریفین سے مستفیض ہوئے جن کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔اس بستی نے ۱۲۴ حفاظ پیدا کئے جن کے نام مع ولدیت حروف تہجی کے اعتبار سے اس میں درج ہیں۔ان میں چند کا انتقال ہو چکا ہے، باقی حیات سے ہیں۔

''سرچشمۂ ہدایت'' کے تحت ان اداروں کا تعارف پیش کیا گیا ہے جن میں کوروڈیہہ کے اصحاب نے نسلاً بعد نسلٍ تعلیم حاصل کی ہے۔ایسے اداروں میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، مدرسہ نعمانیہ پورینی، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مدرسہ عزیزیہ بہار شریف، مدرسہ محمودیہ سمریہ، مدرسہ اعزازیہ چھتنہ بھاگلپور، مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہہ اور جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ وغیرہ ہیں۔

چھٹے باب میں ایسی عظیم علمی اور روحانی شخصیتوں کے مختصر حالات زندگی اور دیگر کوائف پر روشنی ڈالی گئی ہے جو قصبہ کوروڈیہہ میں موقع بہ موقع تشریف فرماں ہوئیں۔ ایسے لوگوں میں مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد سہول عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی، شیخ الادب والفقہ استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا قاری محمد طیب، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا

اسعد مدنیؒ، مولانا خلیل احمدؒ، (اولین صدر مدرس مدرسہ اعزازیہ پتھنہ) اور مولانا اشفاق احمدؒ (سابق استاد مدرسہ محمودیہ سمریہ وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

ساتویں باب ''نقش ہائے دگر'' میں چند معروف، روحانی، علمی ادبی اور سماجی شخصیتوں کے خطوط کے عکس پیش کئے گئے ہیں۔ جن سے، اس امر کی شہادت سامنے آتی ہے کہ قصبۂ کوروڈیہہ کے علماء و فضلاء کا رابطہ ہر عہد میں ملک کے دیگر معروف ومشہور روحانی اور ادبی شخصیتوں سے رہا ہے۔

اس کا آخری باب ''رشتوں کی تلاش'' بے حد جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر ارشد جمیل نے اس سلسلے میں صدیوں کی تاریخ اور خاندانی رسوم و روابط کی تفصیل بے حد وضاحت کے ساتھ مرتب کردی ہے۔ جو ایک شجرے کی حیثیت میں از ابتدا تا حال منضبط ہے۔ جس کے لئے ڈاکٹر ارشد جمیل مبارکباد کے مستحق ہیں۔ صدیوں پر مشتمل اس خاندانی شجرے کی ترتیب وتنظیم مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن العمل تھی۔ اس لئے کہ کتنی نسلیں ماضی کے گرد و غبار میں پنہاں ہوگئیں جن کے متعلق کوئی واضح تفصیل تحریری طور پر کہیں موجود نہیں ہے۔ لیکن ارشد جمیل نے مختلف علمی اور تحقیقی طریقہ ہائے کار پر عمل کرتے ہوئے معروضی نقطۂ نظر سے اس شجرے کو تکمیل تک پہنچایا ہے۔ جس کے لئے اس علاقے کی آبادی ان کی رہین منت رہے گی۔ کیونکہ کوروڈیہہ کی قریبی، رشتہ داریاں ان بستیوں میں رہی ہیں۔

پروفیسر ارشد جمیل کی کتاب ''تاریخ کوروڈیہہ'' (بھاگل پور) اس اعتبار سے ایک اہم تحقیقی و تاریخی کام ہے کہ اس کے ذریعہ نہ صرف کوروڈیہہ بلکہ بحیثیت مجموعی بھاگل پور کے اطراف و جوانب کے مسلمانوں کی قومی، ملی، اسلامی، روحانی، ثقافتی اور تہذیبی، جاہ و جمال کا منظر روشن ہوتا ہے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے ایک علامتی حیثیت رکھتی ہے کہ پورے صوبۂ بہار میں قصبہ قصبہ، قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی انہیں بنیادوں پر گذشتہ کئی صدیوں سے اپنی انفرادیت کے ساتھ قائم و دائم ہے۔

پروفیسر ارشد جمیل نے ۱۵، ۱۶ مئی ۲۰۰۴ء میں موضع کوروڈیہہ میں جلسۂ سیرت النبی ﷺ کے موقع پر ایک خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا جس میں انہوں نے اس بستی کے تعلق سے بعض مخصوص پہلوؤں پر

روشنی ڈالی تھی اور یہ ثابت کیا تھا کہ یہ تاریخی قصبہ علمی اور روحانی برکتوں کا گہوارہ رہا ہے۔

پروفیسر ارشد جمیل کی یہ تاریخی اور تحقیقی کاوش بے حد گراں قدر ہے۔ یہ کتاب صرف علاقائی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ یہ تاریخ وسیر کے علوم میں قابل قدر اضافہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اہل علم و دانش اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے۔

ڈاکٹر ارشد جمیل نے اپنی اس تصنیف میں کوروڈیہہ کے آس پاس کی بستیوں کے بعض علماء کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن میں مولانا محمد سہول عثمانی (مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پہلے پرنسپل) کا نام بطور خاص اکابرین میں شامل ہے۔ حضرت مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی ریشمی رومال کی تحریک جنگ آزادی کا ایک بے حد اہم باب ہے۔ بھاگل پور کے مضافات کے ایک قصبہ پورینی کے باشندہ مولانا محمد سہول عثمانی بھی مذکورہ تحریک کے ایک اہم کارکن تھے۔ گرچہ مولانا محمود حسن اور مولانا حسین احمد مدنی کی گرفتاری کے ساتھ ہی ریشمی رومال کی تحریک آزادی ناکام ہوگئی اور دونوں بزرگوں پر مصر میں مقدمہ چلا کر برطانوی سامراج نے جزیرۂ مالٹا میں انہیں قید کر دیا جہاں دونوں عظیم المرتبت شخصیتوں نے کئی سال قید و بند میں گذارے۔ بعض لوگوں نے ریشمی رومال کی تحریک کے خلاف برطانوی سامراج کے لئے مخبری کی تھی۔ جس کے نتیجے میں یہ تحریک ناکامیاب ہوگئی۔ لیکن اتنی بات طئے ہے کہ کوروڈیہہ سمیت اس علاقے کی مختلف بستیوں کے علماء نے جنگ آزادی کی تحریکوں میں بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ میری حقیر رائے میں اگر تاریخ کوروڈیہہ میں مزید ایک باب کا اضافہ کر کے ایسی شخصیتوں کے مختصر حالات و کوائف قلم بند کر دیئے جاتے تو اس کتاب کی قدر و قیمت دوچند ہو جاتی۔

ڈاکٹر ارشد جمیل نے اس کتاب کی تحقیق و تدوین میں سائنٹفک اصولوں سے کام لیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ایک اہم تحقیقی کارنامہ بن گئی ہے۔ ڈاکٹر ارشد جمیل کا انداز بیان بھی سادہ، عام فہم، معنی اور ادبی حسن سے مملو ہے۔ بعض جگہوں پر فارسی اور اردو کے برمحل اشعار کے استعمال نے ان کے اسلوب میں قابل قدر حسن و دلکشی پیدا کر دی ہے۔ جس نے معنویت کی سنجیدگی اور گیرائی میں اضافہ کیا ہے۔

تاریخ کوروڈیہہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد دستاویز ہے۔ جس کی بنا پر بھاگلپور ضلع کی مسلم آبادی کے ذہن وشعور کا اندازہ ممکن ہے جو صدیوں سے اسلامی وروحانی اقدار وروایات کے تحفظ میں خارجی و داخلی سطح پر کارفرما رہا ہے۔ اور آج بھی قومی وملی تعمیر میں اسی خلوص اور جاں سپاری کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔ میں ایک بار پھر اس اہم تاریخی وتحقیقی کارنامے کے لئے ڈاکٹر ارشد جمیل کو ہدیہ تہنیت پیش کرتا ہوں۔

☆☆☆

19-3-2011

F-7,Sapna Apartments
Naya Tola, Patna-800004
Mob: 919835064584

یادوں کی جستجو کا سلسلہ

عمرانی یادداشت کی گمشدگی انسانی سماج کا بہت بڑا المیہ ہے۔

ماضی میں جب تحریری وسائل معدوم تھے تو یادداشت کا ہر اہم منظر پتھروں پہ نقش کردیا جاتا تھا یا لوح ذہن پر اس طرح مرتسم کہ نسل در نسل وہ منظر منتقل ہوتا رہتا۔ وہی منظر تحریری زمانے میں ایک تاریخی حقیقت میں تبدیل ہو کر انسانی تہذیب کی تفہیم کا ایک بڑا حوالہ بنا۔ تاریخ کا فی نفسہ کوئی وجود نہیں ہے، یہ تو وقوعات، واردات، مناظر اور مقامات سے مشروط ہے۔ یہی تمام عناصر تاریخ کی تشکیل کرتے ہیں۔ ہر عہد کی اپنی تاریخ ہوتی ہے اور یہی تاریخ انسانی تہذیب کے عروج و زوال کا تعین کرتی ہے۔ ہماری آنکھیں عروج کی عبارتیں اور زوال کے زائچے، تاریخ کے آئینے میں ہی دیکھتی ہیں۔ جن علاقوں کے حساس اور دراک ذہنوں نے تاریخ کے اس رمز کو سمجھا، انہوں نے اپنی معاشرت اور ثقافت کے ہر رنگ کو اس طرح محفوظ کردیا کہ مستقبل کی نسل اسے مسخ نہ کرسکے۔ اور نہ اس میں کسی طرح کی تحریف یا ترمیم ممکن ہو۔

جن قوموں کی اجتماعی تاریخ نہیں ہوتی، جن کے پاس وراثت کا شعور نہیں ہوتا، وہ قومیں صفحہ ہستی سے بہت جلد نابود ہو جاتی ہیں۔ ان کی شناخت اور تشخص کی داستانیں مٹ جاتی ہیں۔ نام و نشان ختم ہو جاتے ہیں۔ اقبال نے عمرانی شعور کی بنیاد پر ہی کہا تھا: یونان مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے۔ یہ ممالک اب بھی زندہ ہیں مگر ان کی سطوتیں، رفعتیں اور عظمتیں گم ہو گئی ہیں۔ اقوام و ملل اپنی تہذیبوں سے زندہ رہتے ہیں

ارشد جمیل کے ذہن نے اس حقیقت کا ادراک کیا اسی لئے ان کے تجسس کو یہ سمت ملی اور تشخص

کی تلاش میں وہ حال سے ماضی تک پہنچ گئے۔

ارشد جمیل نے اجتماعی ماضی سے رشتہ جوڑتے ہوئے حال کی رعنائیوں کو مستقبل کے حوالے کردیا ہے۔اوراس ابدی حال سے روشناس کرادیا ہے جس میں ماضی،حال اور مستقبل تینوں زمانے شامل ہیں اور یہ ثابت کردیا کہ دسنہ، دریاباد، گنگوہ اور کاندھلہ کی طرح کوروڈیہہ بھی ایک ایسا گاؤں یا قصبہ ہے جو اپنے دامن میں درخشانی کی ایک عظیم روایت سمیٹے ہوئے ہے۔اور آثارقدیمہ کے اکتشافات نے تو اس کی تاریخی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے:

"موضع کوروڈیہہ، ضلع بھاگل پور کا ایک گاؤں ہے۔مسلم دور حکومت میں اس کا پرانا نام عصمت اللہ پور تھا۔موجودہ گاؤں سے دوسو میٹر جنوب میں ایک سو بیگھہ پر پھیلا ہوا ایک قطعہ اراضی ہے جو ڈیہہ کے نام سے موسوم ہے۔یہ جگہ یہاں کی قدیم تہذیب وثقافت اور تاریخ وآثار کی امین ہے۔موقع بموقع اس کی کھدائی سے قدیم ظروف، آلات اور مختلف عہد کے سکے، پختہ عمارت کی بنیادیں، تالاب پر پختہ سیڑھیاں اور ایک عدد پختہ کنواں کی دریافت، یہ سب اس کی عظمت رفتہ کی یادگاریں ہیں۔"

ہندوستان کی قدیم تاریخ وتہذیب کے نقوش جن گاؤں میں موجود ہیں، وہ اب ویران ہو چکے ہیں۔یہ گاؤں بھی ویران ہوا اور کوروڈیہہ کے نام سے ایک دوسری بستی آباد ہوگئی۔جس کی تہذیبی اور تعلیمی نقوش "تاریخ کوروڈیہہ" کے نام سے ارشد جمیل نے ترتیب دی ہے۔

اپنے علاقے کے تاریخی وتہذیبی نقوش کی بازیافت کا یہ عمل لمحہ موجود میں خاص اہمیت اور معنویت کا حامل ہے کہ آئندہ ثقافتی تاریخ کی تشکیل کے وقت یہی عمل معتبر حوالہ بن جائے گا۔ارشد جمیل نے اس تحریری یادداشت کے ذریعے اپنے منطقے کو منور کرنے کی نہ صرف کوشش کی ہے بلکہ تاریخ کے ایک زریں عہد سے اس کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ایسے ہی رشتوں سے تاریخ میں علاقوں کی عظمت مندرج ہوتی ہے شیخ مہرعلی کا ذکراس کا رشتہ عہد مغلیہ سے جوڑتا ہے کہ ان کے اجداد میں قاضی بدرالدین اور قاضی

نورالدین مغلیہ دور میں عہدہ قضاۃ پر مامور تھے اور کورو ڈیہہ ان کی ننہیال ہے اسی طرح مرزا نورالحسن بیگ کے تذکرے سے بھی یہ رشتہ اور مستحکم ہو جاتا ہے ان کے حوالے سے ارشد جمیل لکھتے ہیں

''پورے گاؤں میں مرزا صاحب کا خاندان تنہا ہے جو مغل ترک میں سے ہے۔عہد مغلیہ میں ان کے جد امجد مرزا عبداللہ بیگ فوج میں صوبہ دار تھے جب ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو جاگیر میں تین سو بیگھ زمین ملی۔۴۴ بیگھ تو صرف موضع کورو ڈیہہ میں تھی جو چودھری کی زمینداری کا حصہ تھا یہ شاہ آباد آرہ کے رہنے والے تھے''۔

ارشد جمیل نے اپنی تحریری یادداشت کے متن میں ان حاشیائی افراد کو مرکزیت عطا کی ہے جو صدیوں سے تاریخ اور تذکرہ کے تعصبات کا شکار ہوتے رہے ہیں۔تاریخ میں ارباب اقتدار اور صاحبان جاہ وحشمت کے قصیدے لکھے جاتے رہے ہیں۔سماج کے ان معماروں کی خدمات کا تو کبھی اعتراف ہی نہیں کیا گیا جن کی وجہ سے معاشرہ میں مثبت اقدار نمو پاتی رہیں مگر ارشد جمیل نے بیشتر ان افراد کا بھی ذکر کیا ہے جو معاشرے کے لئے مشعل یا مثال کی حیثیت رکھتے ہیں ایسی ہی ایک شخصیت مرزا علی حسن بیگ عرف سپاہی جی کی ہے جن کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''سپاہی جی ایک عام انسان تھے۔بظاہر ان کے اندر کوئی خاص بات نہیں تھی جو ان کو ممتاز ومنفرد کرنے کا ذریعہ بنتی۔وہ زیادہ تعلیم یافتہ بھی نہیں تھے۔۔۔۔ان کی زندگی کا اصلی جوہر خدمت گذاری وفاداری جفاکشی، فرماں برداری، وقت کی پابندی، اور مذہب سے وابستگی تھی۔۔۔۔ان کا زیادہ وقت مسجد میں گزرتا تھا۔مسجد کی صفائی اور جھاڑ پونچھ میں لگے رہتے تھے''

یہیں ایک اور شخصیت بھی تھی جس کی وجہ سے اس وجود کو بھی روشنی ملی، تاریکی جس کی تقدیر ہے۔ارشد جمیل نے اس شخصیت کی انقلابی جہت کو یوں روشن کیا ہے:

''استانی بی بی مقبولن گاؤں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔

باصلاحیت اور وسیع المطالعہ۔ ڈپٹی نذیر احمد سے بہت متاثر تھیں۔ ان کے تمام
ناولوں کو پڑھا تھا۔ مراۃ العروس اور بنات النعش کا خصوصی مطالعہ کیا تھا۔ لڑکوں
کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کو بھی وہ ضروری سمجھتی تھیں۔ اسی خیال سے انہوں نے
اپنے گھر پر لڑکیوں کا ایک مدرسہ کھولا۔ گاؤں کی بیشتر لڑکیاں ان کی طالبہ تھیں۔
آج سے ستر پچھتر سال پہلے انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ جبکہ
ان دنوں تعلیم نسواں عام نہیں تھی ۔۔۔۔ استانی صاحبہ گاؤں کی پہلی خاتون ہیں
جنہوں نے لڑکیوں میں تعلیمی رجحان کو عام کرنے میں انقلابی اقدام کیا۔''

ارشد جمیل نے اپنی مٹی کے ماہتابوں کو اس طرح سمیٹ لیا ہے کہ آنے والی نسل کی زبان پر یہ
شکوہ یا شعر نہیں آئے گا:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

ارشد جمیل کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں خطیب البغدادی، ابن الحوقل، مقدسی، مسعودی، ابن
حائک ہمدانی، محمود بن عمر زمخشری، سعدان بن مبارک، ابوسعید اسمعی، کے جغرافیائی شعور کا اثر ضرور رہا
ہے۔ ورنہ اوروں کی طرح وہ بھی نقوش و مناظر کو خاموشی سے دیکھتے رہتے اور قلم کو جنبش دینے کی زحمت
نہ کرتے۔ انہوں نے منتشر شیرازوں کو شاید یہ سوچ کر سمیٹ لیا کہ:

کون جوڑے گا ٹوٹی ہوئی کرچیاں
ساری بستی میں اک شیشہ گر بھی نہیں

ان کے تذکرے کا مرکزی باب 'یادرفتگاں' ہے۔ فراموش کاری کے عہد میں یہ باب بہت
اہمیت کا حامل ہے کہ کتنی اہم ہستیاں دشت فراموشی میں گم ہو چکی ہیں۔ کتنے اہم نام حافظے سے محو ہو
چکے ہیں۔ ایسے میں اگر یادوں کی بازیافت کا عمل اور کھوئے ہوؤں کی جستجو کا سلسلہ جاری رہے تو
معاشرے کی تہذیب و ترتیب میں اس سے مدد مل سکتی ہے۔

گزری ساعتوں کے حرف وحکایات سے ہی سماج کی شمعیں روشن رکھی جا سکتی ہیں۔ نقش ماضی سے نفس حال درخشاں رہتا ہے۔

اقبال نے بہت پہلے کہا تھا:

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں

ارشد جمیل نے یادرفتگاں میں کھوئے ہوئے لمحوں کو روشن کر دیا ہے اور دلوں کو درد سے آباد کر دیا ہے۔ وہ درد بھی جو رگوں میں پیوست ہو کر آنسوؤں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ آنسو لفظوں میں یوں بہتے ہیں:

''مہر ومحبت، شفقت والفت اور ایثار وقربانی کی سراپا تصویر، میرے عدم سے وجود میں آنے کا سبب، پرورش و پرداخت اور اخلاق وتربیت کا مصدر و منبع۔ خواہش وضد کے سامنے نرم مانند حریر و پرنیاں۔ جن کی باتوں میں محبت وشیرینی۔ میرے آرام کی خاطر ہر تکلیف وصعوبت کو برداشت کرنے کے لئے ہمہ دم تیار، ہر دکھ درد کے لئے مداوا وغم گسار، جلال پدری کے سامنے سراپا جمال و ترحم گسار۔ ان کی دعائیں میری قسمت کی نگہبان، میری شخصیت کی تعمیر وترقی کے لئے ہمہ دم دست بدعا۔۔۔'' والدہ محترمہ کی ایسی تصویر کہ آنکھوں کی زمین نم ہو جائے۔

ایک باب 'ذکر ہم نفساں' سے متعلق ہے جو اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے بغیر نقش ناتکمل رہے گا۔

غالب کا ایک شعر ہے:

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

دامان خیال یار کا چھوٹ جانا اس دور کا عجب سانحہ ہے۔

گرمی نشاط تصور سے محروم اس خنک عہد میں یادوں کے الاؤ اب روشن نہیں رہے کہ ذہنوں میں بڑی سرد راتیں بسی ہوئی ہیں۔اور حافظہ بھی نقطہ انجماد میں ہے۔

ارشد جمیل نے یادوں کا جو کولاژ تیار کیا ہے اس میں کئی ٹکڑے تو ایسے ہیں کہ اگر وہ نہ جوڑے جاتے تو شاید مستقبل کے پاس یاد کرنے کا کوئی حوالہ نہ ہوتا۔کہ ساری ہستی حباب کی سی ہے۔اور گل کو کتنا ثبات ہے، یہ کلی خوب جانتی ہے۔

ارشد جمیل نے شجروں کی تفصیلات درج کر کے تبار شناسی کا ثبوت دیا ہے۔نجابت اور اصالت خون کے لئے ماضی میں تشجیر کی بڑی اہمیت رہی ہے۔سلسلہ نسب کو مشجر شکل میں پیش کرنے کا طریقہ کار بہت سے ممالک میں رہا ہے خاص طور پر اہل عرب میں حفظ انساب کا اہتمام رہا ہے اور یہ ضروری بھی ہے کہ اپنی جڑ اور جذر سے واقفیت رہے۔ھویت اور حقوق کے تعلق سے بھی اس کی معنویت ہے۔ارشد جمیل نے بڑی محنت اور ریاضت سے شجرے کی تلاش کی ہے۔اور اس جستجو کے پیچھے ان کا ایک اہم مقصد بھی پنہاں ہے۔جس کی توضیح انہوں نے یوں کی ہے:

> ''یہاں کی قدیم آبادی آٹھ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ہر ایک خاندان کا شجرہ نہایت احتیاط سے مرتب کیا گیا ہے اور حروف تہجی کے اعتبار سے ان شجروں کی نشاندہی کی گئی ہے۔۔۔ان خاندانوں میں ایک عرصے سے شادی بیاہ اور آپسی رشتہ داریاں قائم ہیں۔آپسی رشتہ مناکحت کی وجہ سے ''برادری'' کا ایک لفظ عام ہو گیا ہے۔نئی نسل اپنی پرانی برادری سے نابلد ہوتی جارہی ہے اور آپسی دوری بڑھتی جارہی ہے۔۔۔۔اگر برادری میں کوئی مالی طور پر پچھڑ گیا ہے تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔محض اس وجہ سے کہ ان کو یہ علم نہیں ہے کہ یہ بھی ہماری برادری اور خاندان کا ایک فرد ہے۔ان شجروں کے مطالعہ سے ایک حد تک یہ غلط فہمیاں دور ہوں گی۔ایک عرصے سے ایک خاندان میں

دوسرے خاندان کا ازدواجی رشتہ قائم ہے جس سے آپسی رشتہ داریاں بڑی گنجلک
ہوگئی ہیں۔ رشتے کی ان گتھیوں کو سلجھانے والے بھی اب نہیں رہے جس سے اور
بھی دشواری پیدا ہوگئی ہے۔ انشاء اللہ ان شجروں سے رہنمائی ہوگی۔''

نسب یا شناخت کی مجہولیت سے محفوظ رکھنے کے علاوہ یہ اس حدیث کی تعمیل بھی ہے: تعلموا انسابکم تصلوا ارحامکم۔ ابن الکلبی کی جمھرۃ النسب، ابن حزم کی جمھرۃ انساب العرب، سمعانی کی کتاب الانساب اسی سلسلے کی کتابیں ہیں۔ یہ نسلی مفاخرت یا عصبیت کے لئے نہیں بلکہ خاندانی یا قبائلی انتشار کو وحدت میں بدلنے کا ایک ذریعہ ہے۔

ارشد جمیل کی کتاب سامنے نہ ہوتی تو اور گاؤں کی طرح یہ بھی مجہول یا مبہم نظر آتا مگر مطالعہ سے محسوس ہوا کہ یہ ایک غیر معمولی گاؤں ہے جہاں سے عشق بلا خیز کا وہ قافلہ گزرا ہے جس نے بہت سی بستیوں کی تقدیریں بدل دی ہیں۔ جن کی وجہ سے بستیوں میں نور و نکہت کی وہ بارش ہوئی کہ مٹی زرخیز و شاداب ہوگئی۔ مولانا محمد علی مونگیری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد سہول بھاگل پوری، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا اعزاز علی شیخ الادب، قاری محمد طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، قاری فخر الدین گیاوی، مولانا عبدالحمید پورینی کا مقدس لمس جس مٹی کو مل جائے، وہ خود بخود مفتخر ہو جاتی ہے۔ ارشد جمیل کے یہ مشک آمیز اور عطر بیز جملے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''اپنے عہد کے علماء ربانین اور دین مبین کی معروف پیر طریقت ہستیوں کا اس گاؤں سے بڑا گہرا رشتہ رہا ہے۔ ان کے نقوش پا اس سرزمین کی پیشانی پر غرہ امتیاز ہیں۔۔۔ انہی بزرگوں کا فیضان نظر ہے کہ ماشاء اللہ ایک سو چوبیس حفاظ قرآن اور دو سو کے قریب علماء کرام ایک سو بیس حجاج کرام سے یہ گاؤں مفتخر اور ممتاز ہے۔''

علماء، حفاظ اور حجاج کی کثرت نے ایک چھوٹے سے گاؤں کو جو درخشانی اور تابانی عطا کی ہے اس کی نظیر ماضی میں تو ملتی ہے، حال میں نہیں۔ پورا گاؤں ہی آفتاب و ماہتاب سے منور ہے۔ اتنی

شمعیں فروزاں ہیں کہ سب کا شمار مشکل ہے۔

مشرقی علوم کے مراکز (دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ نعمانیہ پورینی، مدرسہ عزیزیہ بہار شریف، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگل پور، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، مدرسہ اعزازیہ پتھنہ، مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہہ) سے گاؤں کا رشتہ اس کے مذہبی اور مشرقی مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔ اور یہاں کی علمی اور روحانی پرواز کا بھی۔

روحانیت کی روشنی یوں پھیلی ہوئی ہے کہ اس گاؤں میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے مریدین (مولانا عبدالمجید، حافظ اطہر حسین، حافظ محفوظ حسین، مولانا شمس الاسلام، مولانا عبدالسلام، مولانا عبدالحکیم، شیخ محمد کفایت اللہ، حکیم محمود حسن، ڈاکٹر محمد عبدالحمید، حاجی محمد عبدالرزاق وغیرہ) کی تعداد اچھی خاصی ہے اور علمی پرواز اتنی اونچی ہے کہ یہاں کے مکیں، دوسرے مقاموں کو منور کر رہے ہیں ان بستیوں میں علم کی شمع جلا رہے ہیں جہاں تیرگی ہے ایسے افراد میں مولانا محمد یونس اور مولانا محمد قاسم کے نام نمایاں ہیں جن کی جد و جہد سے نہ صرف خواندگی میں اضافہ ہوا بلکہ لوگوں کے مزاج میں بھی تبدیلی آئی مولانا یونس کی تعلیمی انقلاب کے تعلق سے ارشد جمیل لکھتے ہیں جس میں ترغیبی اشاروں کو سمجھا جائے تو تعلیمی سطح پر انقلابات کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں:

> ''مولانا محمد یونس صاحب تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ سوپول سہرسہ میں استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۸ میں جب آپ کی ملازمت ایس ایس ہائی اسکول سوپول میں ہوگئی تو آپ نے مدرسہ کی ملازمت ترک کردی۔ یہ علاقہ بہت ہی پسماندہ اور ناخواندہ تھا۔ اسکول کے آس پاس ایسے مسلمان آباد تھے جو مالی طور پر بہت کمزور تھے۔ یہ لوگ مزدور پیشہ اور دین سے بہت دور تھے۔ آپ نے ان کے اندر دینی شعور پیدا کرنے کے لئے سخت محنت کی اور انہیں دین سے قریب کیا۔ گاؤں میں شبینہ اسکول قائم کیا اور بڑے بوڑھوں کو دین سے آشنا کیا اور نوجوانوں کو تعلیم کے لئے اکسایا۔''

اپنے محدود دائرے میں یہ اپنے عمل کے اعتبار سے سر سید تھے ایسے ہی سر سید اگر ہر علاقے میں پیدا ہو جاتے تو ہمارے ملک کی تقدیر اور تصویر بدل جاتی۔

کوروڈیہہ کے ایک سپوت نے تصویر بدلنے کی کوشش کی تو ناکامی نہیں، کامیابی ملی کہ ان کا عزم محکم تھا ان کی کوشش سے ایک ویرانہ تابندہ خطہ میں تبدیل ہو گیا جس کی تفصیل ارشد جمیل کی زبان میں یوں ہے:

''موضع سبل پور پٹنہ بائی پاس پر پچی درگاہ کے قریب واقع ہے اور یہ ایک قدیم تاریخی بستی ہے۔ پہلے یہاں مسلمانوں کی زمینداری تھی اور شرفاء آباد تھے۔۱۹۴۶ کے فرقہ وارانہ فساد کے موقع پر یہ علاقہ ویران ہو گیا۔ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی آبادی بچ گئی جو بہت خوشحال نہیں ہے۔۔۔۔۱۹۸۹ء میں مولانا قاسم نے اس سرزمین پر ایک ادارہ 'جامعہ مدنیہ' کے نام سے قائم کیا۔۔ جامعہ مدنیہ میں صرف ۸ طالب علموں سے تعلیم کا آغاز ہوا۔۔ اور ابھی سات سو سے زائد طلبا۔ تقریبا چالیس باصلاحیت اساتذہ کی نگرانی میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔'

ارشد جمیل نے تاریخ کوروڈیہہ کی شکل میں ایک ایسا نگار خانہ ہماری آنکھوں کو دے دیا ہے جس میں ہم مختلف اشخاص اماکن اور اداروں کی متحرک تصویریں دیکھ سکتے ہیں ان تصویروں میں ماضی کا جلال اور حال کا زوال بھی نظر آ سکتا ہے اس طرح کا ایک منظر مولانا شمس الاسلام تلمیذ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے تذکرے میں سامنے آیا ہے:

''تعلیم کا ایسا ماحول تھا کہ مغرب کے بعد ہر دروازے پر چراغ جلتا اور عشاء تک بچے جھوم جھوم کر پڑھتے رہتے۔ مولانا کی تعلیم کا ہی فیض اور برکت تھی کہ جاہل باپ کے بیٹے عالم پیدا ہوئے۔ آج وہی گاؤں ہے جہاں پانچ ادارے قائم ہیں اور درجنوں اساتذہ موجود ہیں پھر بھی ہر طرف سے یہی آواز اٹھتی ہے کہ بچے جاہل ہوئے ہیں۔ اب تو دروازے پر چراغ جلنے کا کیا سوال

کسی دوازے پر بچے پڑھتے بھی نظر نہیں آتے۔ آخر عمر میں مولانا اکثر کہا کرتے تھے کہ تعلیم بڑھ رہی ہے اور علم گھٹ رہا ہے۔''

دروازوں کے چراغ تو بجھ گئے ہیں مگر ارشد جمیل کی کتاب سے ذہن میں کتنے چراغ جل اٹھے ہیں، یادوں کے بجھے ہوئے سویرے روشن ہو گئے ہیں۔

ارشد جمیل نے نقش پائے رفتگاں کی صدا کو محسوس کیا ہے اسلئے شوق منزل میں مستانہ وار چل پڑے اور ان جواہر کو ڈھونڈ نکالا جن کی تابانی سے یہ جہاں روشن ہے۔

ارشد جمیل کی یہ کتاب مستقبل میں دستاویزی تحقیق کی بنیاد ثابت ہوگی کہ یہ صرف ایک علاقہ نہیں بلکہ بالواسطہ بہت سے دینی اداروں، مذہبی مراکز اور اماکن کی بھی تاریخ ہے خاص طور پر دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کے توسیعی سلسلے کے طور پر اس کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ دیوبند سے اس علاقے کا جو تعلیمی رشتہ ہے، یہ بھی مطالعات دیوبند کا ایک اہم موضوع بن سکتا ہے۔ کہ دیوبند کی تاریخ مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے اجزاء کی ترتیب سے ہی تشکیل پاتی ہے۔

کوروڈیہہ کی خاک ہمارے لئے سرمہ چشم ہے کہ یہ سرزمین ایسی ہستیوں کی زادگاہ ہے جن کی آنکھوں میں شیخ الہند، شیخ الاسلام اور شیخ الادب کی علمیت، روحانیت اور عظمت کی تصویریں نقش تھیں۔ انہی شخصیتوں کا فیض ہے کہ کوروڈیہہ ایک کرہ علم میں تبدیل ہو گیا۔

☆☆☆

Haqqani Al-Qasmi
C/O Abid Anwar
d-64 Flat No 10
Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar
New Delhi -25

Cell : 9873747593

یادوں کے چراغ

حاجی عبدالصمد

(م۔۱۹۰۵ء)

حاجی عبدالصمد کے بارے میں بہت تفصیلات معلوم نہیں ہیں۔ ان کے والد جناب شیخ محمد عرف بھکاری موضع پورینی ضلع بھاگلپور کے رہنے والے تھے۔ جناب عبدالصمد کی شادی کوروڈیہ میں محمد امام الدین کی بہن اور محمد کفیل الدین کی پھوپھی سے ہوئی تھی۔ بعد میں وہ اپنی سسرال میں منتقل ہو گئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے اچھی خاصی زمین جائداد حاصل کی۔ دینی مزاج کے حامل تھے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ خوشحال اور پرسکون زندگی بسر کی۔ ۱۹۰۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔ گاؤں کے قبرستان میں واحد پختہ قبر ان ہی کی ہے۔ خاندانی شجرہ کی تفصیل ''رشتوں کی تلاش'' میں دیکھئے۔

شیخ مہر علی

(م۔۱۹۲۰ء)

شیخ مہر علی کے مورث اعلیٰ اعظم گڑھ یوپی کے رہنے والے تھے۔ ان کے اجداد میں قاضی بدرالدین اور قاضی نورالدین عہد مغلیہ میں عہدۂ قضاۃ پر مامور تھے۔ شیخ مہر علی کے والد شیخ علی محمد کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ وہ حج بیت اللہ کے لئے گئے تھے۔ بعد میں ان کے خاندان کے افراد بھاگلپور تشریف لائے اور پورینی کے قریب ایک گاؤں ہزرا میں فروکش ہوئے۔

کوروڈیہ شیخ مہر علی کی ننیہال ہے وہ اپنے چھ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور تعلیم یافتہ

تھے۔ عربی اور فارسی کی اچھی صلاحیت تھی۔ وہ گھر کے بچوں کو خود ہی درس دیتے تھے۔ شیخ الفت حسین جو ان کے منجھلے بیٹے تھے انہوں نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی تھی اور حاجی نثار احمد صاحب نے بھی قرآن اور اردو اپنے چچا سے ہی پڑھا تھا۔ آخر عمر میں ان کی آنکھ کی بینائی ختم ہوگئی تھی۔ مسجد کے سامنے ان کا دروازہ تھا۔ جن کے دونوں جانب ایک ایک کمرہ تھا۔ اس وقت مسجد کچی تھی جس کی بنیاد ۱۳۰۱ف میں رکھی گئی تھی۔ نمازی ان کے دروازہ سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ ایک سیلاب میں وہ دروازہ ختم ہوگیا تو مسجد سے دکھن دوسرے دروازہ کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ بھی ۱۹۶۶ء کے سیلاب میں متاثر ہوا اور ۱۹۹۵ء کے سیلاب میں تو زمیں بوس ہوگیا۔ موجودہ دروازہ جو مسجد دروازہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے اب محض اپنے وجود کے لئے وہ ایک علامت اور نشان ہے۔ یہ بڑا تاریخی دروازہ ہے۔ یہ علم و آگہی کا مرکز، عدل و انصاف کی داستان کہن کا امین اور بزرگان دین کے نقوش پا ان کی جبین نیاز پر غرۂ امتیاز ہے۔ آج بھی یہ دروازہ مسجد کے نمازیوں کا پڑاؤ اور دعوت حق کا خاموش داعی ہے۔ لوگ آتے ہیں، بیٹھتے ہیں، لیٹتے ہیں، باتیں کرتے ہیں اور وقت پہ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ بعد نماز مختلف موضوعات و مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ انہیں کوئی نہیں روکتا اور ٹوکتا ہے، سب ہی اسے اپنا سمجھتے ہیں۔ اس دروازہ نے شروع سے ہی اپنی آغوش سبھوں کے لئے کھلا رکھا ہے۔ ۱۹۹۵ء کے سیلاب میں جب اس کا چھپر الٹ گیا، دیواریں ٹوٹ گئیں اور آشیانہ اجڑ گیا۔ پھر بھی ان کے شیدائی اس سے چمٹے رہے۔ جن کو جہاں جگہ ملی زمین پر، لکڑی کے کندہ پر، اینٹ پتھر پر وہیں بیٹھ گئے، باتیں کیں اور مجلس برخاست ہوئی۔ یہاں بیٹھنے والوں کی نمازیں قضا نہیں ہوتیں اور نماز نہ پڑھنے والے بھی مسجد کے فیض سے بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوتے ہیں۔

شیخ مہر علی کا انتقال ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۳۹ھ اور ۱۳۲۸ف میں ہوا۔ اپنی وصیت کے مطابق مسجد کے دروازہ کے شمال جانب مدفون ہوئے۔ اس احاطہ میں ان کی واحد قبر ہے۔ جہاں کبھی ان کا رہائشی کمرہ تھا۔ وہ مذہبی، خوش اخلاق اور بڑے وضعدار آدمی تھے۔ اللہ کے گھر کا قرب زندگی اور موت دونوں حالت میں نصیب ہوا۔ اللہ ان کے خطاؤں کو درگذر فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

پروفیسر عبدالمنان طرزیؔ نے ان کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ منظوم کیا ہے جو درج ذیل ہے:

زندگی اللہ سے تھی آپ کو جتنی ملی   فضل ہے یہ بھی اسی کا، آج وہ پوری ہوئی
قبر ہو بعد فنا اللہ کے گھر سے قریب   اقرباء سے اپنے ان کی تھی وصیت بھی یہی
آدمی دیں دار بھی تھے اور بہت نیک و شریف   گھر کے بچوں کو وہ دیتے رہے تدریس بھی
اہل خانہ ہیں دعا گو طرزیؔ اب ان کے لئے   کہتے ہیں اغفرلہٗ اپنی زباں سے اب سبھی

لیجئے اچھی جزا اللہ سے بھی مل گئی
+۳۰۸

کیجئے خلد بریں کی سیر بھی مہر علی
۱۶۱۲ = ۱۹۲۰ء

مولانا عبدالمجید

(م ۔ ۱۹۴۱ء ۱۳۶۲ھ)

حضرت مولانا عبدالمجید قاسمی نے اپنے ہم عمروں میں سب سے مختصر زندگی پائی۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے محض پانچ سال بعد تپ دق کے مرض میں ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۱ء کو اس جہان فانی سے رخت سفر باندھا۔ ان کے ہمدرسوں میں مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالسلام صاحب تھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں مولانا شمس الاسلام صاحب سے حاصل کی پھر مدرسہ محمودیہ سمریہ ضلع بھاگلپور میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ اصلاح المسلمین چمپانگر ضلع بھاگلپور میں استاد مقرر ہوئے۔ اسی دوران تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ ان دنوں یہ مرض بڑا موذی تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے مریض بہت کم جاں بر ہو پاتے تھے۔

حاجی نثار احمد صاحب کی صاحبزادی بی بی ھویرا سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ان سے صرف ایک لڑکی بی بی حدیثہ پیدا ہوئیں۔ان کی بیوہ نے باقی زندگی اپنے والد کے ساتھ نہایت صبر وشکر اور رضائے الٰہی کے سایہ میں گذار دی۔وہ بہت ہی ذکی وفہیم خاتون تھیں۔مہمان نوازی، قرابت مندوں کے ساتھ خوب صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔والد نے ان کی دلداری میں گھر کی پوری ذمہ داری ان کے سپرد کردی تھی۔وہ اپنے والد کی بے حد مزاج شناس تھیں۔اس لئے بہت لاڈلی تھیں۔۱۹۵۵ء میں اپنے والد کے ساتھ حج سے سرفراز ہوئیں۔میری والدہ اپنے بھائی اور بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔خالہ نے میری پرورش و پرداخت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا۔میں ان کو بڑی اماں کہا کرتا تھا۔وہ مجھ سے بیحد شفقت ومحبت کرتی تھیں۔جب میں پڑھنے جاتا یا پڑھ کر آتا وہ مجھے اپنے بوسوں سے ڈھانک لیتیں۔وہ میرے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتی تھیں۔ان کا لمس اور قرب میرے لئے جان بخش تھا۔آج بھی ان کی یاد میرے لئے بڑی دولت ہے۔میں ان کی دعاؤں کے زینے سے چڑھ کر اس مقام تک پہونچا۔ان کی یادوں نے مجھے کبھی تنہا نہیں ہونے دیا۔یکم جنوری ۲۰۰۳ء کو ان کا انتقال ہوا۔خدا ان پر رحم فرمائے۔

نانا جان نے اپنی یتیم نواسی کی شادی اپنے بڑے پوتا محمد حسن (م۔۱۹۸۸ء) سے کی جن سے عائشہ، حفصہ، سید حسن اور پرویز حسن پیدا ہوئے۔لیکن نانا جان کی تمنا اس شادی سے بر نہیں آئی۔

مولانا عبدالمجید صاجب کی یادگار اب ان کی اکلوتی بیٹی ہے جو اپنی ماں کی طرح صبر وشکر اور صلہ رحمی کی ایک علامت ہے۔ان کی ذات خویش واقارب کے لئے شجر سایہ دار کی طرح ہے۔اللہ ان کی عمر دراز کرے۔آمین

☆☆☆

حافظ محمد اطہر حسین

(م۔۱۹۴۲ء)

جناب حافظ محمد اطہر حسین ابن حاجی محمد لیاقت حسین گاؤں کی ایک مشہور شخصیت تھی۔ آپ ایک خوشحال اور مذہبی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا حاجی عبدالصمد صاحب پورینی ضلع بھاگلپور کے رہنے والے تھے۔ شادی کے بعد کوروڈیہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ موضع پورینی علاقے میں ایک قدیم تاریخی اور علمی گاؤں ہے۔ حضرت مولانا مفتی سہول عثمانی (م۔۱۹۴۹ء/۱۳۶۹ھ) جیسی عظیم شخصیت کا تعلق اسی گاؤں سے تھا۔ اٹھارہویں صدی میں اس علاقہ میں کوئی دینی اور مذہبی ادارہ نہیں تھا جہاں بچوں کی تعلیم ہو سکے۔ اس مقصد سے آپ کے خسر جناب فقیر حسن سررشتہ دار محکمہ تعلیم نے ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں مدرسہ نعمانیہ کے نام سے ایک خانگی مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی ۱۹۰۳ء میں جب مولانا مفتی محمد سہول صاحب دارالعلوم دیوبند میں استاد تھے تو آپ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (م۔۱۹۲۰ء) کی اجازت سے حضرت مولانا اعزاز علیؒ (م۔۱۹۵۴ء/۱۳۷۴ھ) کو مدرس اول بنا کر بھیجا۔ اس طرح یہ گاؤں دینی تعلیم کے لئے مرجع خلائق بن گیا۔ اس مدرسہ سے بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ بہر حال حافظ محمد اطہر حسین نے بھی اپنی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی ۱۹۱۰ء میں حضرت شیخ الادبؒ یہاں سے مدرسہ افضل العلوم شاہجہاں پور (یوپی) تشریف لے گئے۔ تو اس علاقے کے طلباء کے لئے یہ ادارہ دوسرا مرجع بن گیا۔ حافظ اطہر حسین صاحب نے بھی اس مدرسہ کا رخ کیا اور یہاں سے قرآن پاک حفظ کیا اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ حضرت شیخ الادب جب ۱۹۱۱ء میں یہاں سے دارالعلوم دیوبند طلب کر لئے گئے تو حافظ محمد اطہر حسین صاحب نے بھی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اس طرح موضع کوروڈیہ کا دارالعلوم دیوبند اور یہاں کے اساتذہ سے براہ راست تعلق پیدا ہو گیا۔

حافظ محمد اطہر حسین نے دارالعلوم دیوبند میں شرح وقایہ، کنز الدقائق، شرح جامی، نور الانوار وغیرہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ اپنی خانگی ذمہ داری کی وجہ سے مزید تعلیم جاری نہیں رکھ سکے۔ لیکن دیوبند اور

علماء دیوبند سے آپ کا تعلق ہمیشہ استوار رہا۔ آج بھی دیوبند میں یہاں کے طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور دیوبند کے اساتذہ کرام کے ورود مسعود کا سلسلہ جاری ہے۔ اس گاؤں میں دارالعلوم دیوبند کی بڑی بڑی شخصیتیں تشریف فرماں ہوئی ہیں۔ حضرت مولانا شمس الاسلام صاحبؒ موضع کوروڈیہ میں جن کی حیثیت استاذالاساتذہ کی ہے وہ آپ کے تعلیمی سفر میں برابر ساتھ رہے۔

حافظ محمد اطہر حسینؒ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ اس گاؤں کے دوسرے حافظ قرآن ہیں۔ آپ سے قبل یہاں اعظم گڑھ یوپی سے حافظ حب علی صاحب رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے آتے تھے۔ پھر آپ خود ہی تراویح پڑھانے لگے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا۔ جب آپ کے بھانجہ حافظ محمد صالح صاحب حافظ قرآن ہو گئے تو آپ نے یہ ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔

مولانا (ڈاکٹر) عبدالحمید صاحب کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ فرصت میں گاؤں آتے تو حافظ محمد اطہر حسین صاحب ہم لوگوں کو بلاتے اور گھنٹوں علمی گفتگو کرتے۔ کتابیں نکلتیں اور بحث و مباحثہ ہوتا۔ اس مجلس میں مولانا عبدالسلام صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب اور مولانا عبدالمجیدؒ صاحب وغیرہ بھی شریک ہوتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ گاؤں میں علمی ماحول پیدا ہو اور دین کی طرف لوگ راغب ہوں۔ اس گفتگو میں گاؤں کے بڑے بوڑھے بھی شریک ہوتے تھے۔ اس طرح اس گاؤں میں علمی ماحول پیدا کرنے میں مولانا شمس الاسلام صاحب کے علاوہ حافظ محمد اطہر حسین صاحب بھی کافی سرگرم رہے ہیں۔ گھر میں دولت کی فراوانی تھی کروفر کی زندگی گذاری۔ بڑے خوش پوش اور خوش وضع انسان تھے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے گاؤں میں معہد ارشد کے نام سے جو ادارہ قائم کیا ہے وہ انہی کی زمین پر ہے۔ جس کو ان کے بڑے صاحبزادہ جناب محمد ضیاء الرحمٰن صاحب نے عطا کی ہے۔ اس پر ایک بڑی مسجد کی بنیاد بھی رکھی گئی ہے اور اس علاقہ کو اطہر نگر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں ترقی عطا کرے۔ آمین

☆☆☆

حافظ محفوظ حسین

(م۔۱۹۶۱ء)

حافظ محفوظ حسین ابن محبت علی نے ابتدائی تعلیم مدرسہ نعمانیہ میں حاصل کی اس کے بعد مدرسہ افضل العلوم شاہجہاں پور (یوپی) میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے قرآن کا حفظ مکمل کیا اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے شرح جامی، شرح وقایہ۔ کنزالدقائق اور شرح عقائد نسفی تک کی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ حضرت شیخ الادبؒ سے بہت قریب رہے۔ان کو قرآن بھی سناتے اور دیگر درسی کتابیں بھی ان سے پڑھتے تھے۔اس درمیان میں آپ کے والد کی طبیعت بہت خراب ہوگئی اور بینائی بھی بہت کمزور ہوگئی۔ اس لئے بحالت مجبوری آپ نے اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کردیا اور امور خانہ داری میں مصروف ہوگئے۔

آپ گاؤں کے پہلے حافظ قرآن تھے۔ میں نے آپ کو بچپن میں دیکھا تھا۔سرخ وسفید رنگ، میانہ قد، کشادہ پیشانی، گھنی سفید داڑھی، سر پر سفید سلی ہوئی ٹوپی، آنکھوں پر سیاہ فریم کی عینک، سفید لمبا کلی دار کرتا اور لنگی میں ہمیشہ ملبوس رہتے۔ایک لمبی پتلی چھڑی ہاتھ میں ضرور ہوتی۔ بڑی پروقار شخصیت تھی۔

آپ جلال و جمال کے مظہر تھے۔مزاج میں بڑی تندی تھی۔ بداخلاقی اور بدتمیزی کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔تعلیم کے بڑے حمایتی تھے۔بچوں کو تعلیم کے اوقات میں اگر کھیل کود میں دیکھتے تو انہیں سخت ڈانٹ پلاتے۔اپنی چھڑی سے ان کو ڈرا دھمکا کر مدرسہ بھیج دیتے۔صورت حال یہ تھی کہ کھیلتے بچے ان کو دیکھ کر دبک جاتے۔ پڑھائی کے معاملے میں وہ کوئی حیلہ وحجت سننے کے روادار نہیں تھے۔ میں بھی ایک دفعہ ان کی زد میں آگیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ہم گھر کے باہر کھیل رہے تھے غالباً جمعرات کا دن تھا۔ وہ آپہونچے۔ دیکھتے ہی بولے آج مدرسہ کیوں نہیں گئے؟۔دیکھتے ہو یہ لاٹھی۔ میں مارے خوف کے کانپنے لگا اور دھیرے سے کہا اب جائیں گے تو مولوی صاحب ماریں گے۔ بولے کہ کتاب لاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ میں سر جھکائے ان کے ساتھ مکتب چلا آیا۔ان دنوں مولانا شمس الاسلام صاحب کا مسند درس

آراستہ تھا۔آپ کی وجہ سے میں مولانا کی سرزنش سے بچ گیا۔والد صاحب اس دن گھر پر نہیں تھے۔ حضرت حافظ صاحب کی آواز ایسی کڑک دار تھی کہ بچوں کی سٹی پٹی گم ہو جاتی۔ان دنوں بچوں کے والدین ایسے موقعوں پر کچھ بھی نہیں بولتے بلکہ ان کا شکریہ ادا کرتے تھے۔اگر آج ایسا معاملہ ہوجائے تو کہنے سننے والوں پر آفت آجاتی ہے۔

حافظ صاحب شریعت کے سخت پابند تھے۔نماز پنج گانہ مسجد میں جماعت کے ساتھ ہی ادا کرتے تھے۔موسم کوئی بھی ہو ان کے معمولات میں کچھ فرق نہیں آتا۔وہ رشتہ وقرابت داری کو خوب نبھاتے تھے۔مجھے یاد ہے کہ وہ نفل روزہ میں بھی مسجد دروازہ پر تشریف لاتے اور اپنے ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ ملکر افطار کرتے۔ایک مقصد یہ بھی تھا کہ نماز باجماعت ترک نہ ہو۔۱۹۵۵ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔اس سفر حج میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبدالحمید صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سمریا اور حاجی نثار احمد مہتمم مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ کی معیت آپ کو نصیب تھی۔آپ مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور اور مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ کے آخر عمر تک رکن رہے۔حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے آپ بیعت تھے۔۱۹۶۱ء میں آپ کا انتقال ہوا اور گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

☆☆☆

شیخ الفت حسین

(م۔۱۹۶۶ء)

شیخ الفت حسین ابن شیخ مہر علی، میاں جی کے نام سے مشہور تھے۔اپنے بھائیوں میں آپ سب

سے زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ انہوں نے فارسی، اردو اور عربی اپنے والد سے پڑھی۔ فارسی پر بڑی اچھی نظر تھی۔ فارسی اور اردو کی منظوم و منثور داستانیں بھی ان کے مطالعہ میں رہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں ان کا زمانہ پایا۔ ان کی خاص باتیں جو میرے حافظہ میں محفوظ رہ گئی ہیں ضبط تحریر میں لائی جا رہی ہیں۔

شیخ الفت حسین بڑے باغ و بہار آدمی تھے۔ قصہ گوئی اور داستان سرائی میں ایک خاص ملکہ تھا۔ آپ بہت پرلطف انداز میں طویل طویل داستانیں سناتے تھے۔ بعض داستانیں کئی شب میں پوری ہوتی تھیں۔ خصوصاً جاڑے کے زمانے میں ہم لوگ آپ کے لحاف میں دبک جاتے اور داستان کی دنیا میں کھو جاتے۔ کبھی گذارش کرتے کہ دادا جان آج سب سے اچھی کہانی سنائیے۔ آپ کہتے کہ میرے پاس سبھی اچھی کہانیاں ہیں۔ دادا جان کو حقہ پینے کا بہت شوق تھا۔ خمیرہ تمبا کو استعمال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "حقہ دودی کردہ بیار" کا کیا معنی ہے، بتاؤ!۔ میں نہیں بتا سکا۔ آپ نے ایک ایک لفظ کا ترجمہ کر کے بتایا۔ فارسی کے بہت سے اشعار انہیں یاد تھے۔ حتیٰ کہ لمبی لمبی دعائیں اور مناجات بھی ازبر تھے۔ عموماً فارسی اشعار میں ہی دعا مانگتے تھے۔ فارسی مناجات کے بہت سے اشعار ان سے سن کر مجھے یاد ہو گئے تھے۔ ان کی طبیعت میں بڑی بزلہ سنجی تھی۔ ایک بار آپ نے مجھ سے کہا چلو مجھے غسل کرا دو۔ میں ان کو لیکر کنویں پر آیا۔ پانی نکالا اور غسل کرایا اور کہا کہ لنگی چھوڑ دیجئے میں اس کو دھو دیتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ میری لاٹھی کو بھی غسل کرا دو۔ یہ بھی تازہ دم ہو جائے گی۔ میں نے کہا دادا جان، لاٹھی کیا غسل کرے گی وہ آدمی تھوڑا ہی ہے۔ فرمایا کہ وہ آدمی کے ساتھ تو رہتی ہے، اور میرے ساتھ تو ہر وقت ہی رہتی ہے اگر غسل نہیں کراؤ گے تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیگی۔ جب لاٹھی دھو کر ان کے ہاتھ میں دیا تو کہنے لگے دیکھو اب یہ کیسی خوش ہے اور چمچما رہی ہے۔

آپ کی طبیعت میں بڑی پاکی اور صفائی تھی۔ آخر وقت تک آپ کا لباس صاف ستھرا رہا۔ کیا مجال کہ کوئی اجنبی اور مشتبہ آدمی آپ کے بستر پر بیٹھ جائے۔ اگر کوئی بیٹھ جاتا تو آپ اس کو اٹھا دیتے اور کہتے پانی سے تو پیشاب کرتے نہیں اور آ کر بیٹھ گئے۔ دروازہ پر اکثر پنچایت ہوا کرتی تھی۔ گاؤں کے علاوہ دوسرے گاؤں کے لوگ بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔ اس موقع پر بھی آپ بہ مشکل کسی کو اپنے

بستر پر بیٹھنے کی اجازت دیتے۔

آخر وقت تک حافظہ نے آپ کا ساتھ دیا۔ بہت سی پرانی باتیں سناتے تھے۔ کبھی ۱۹۳۴ء کے زلزلہ کے بارے میں کبھی ۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فساد کے بارے میں۔ مجھے ان چیزوں سے زیادہ گاؤں کی قدیم تاریخ، لوگوں کے احوال اور معاشرتی زندگی سے متعلق حالات سننے سے دلچسپی تھی اس لئے میں ان سے کرید کرید کر پوچھتا لیکن آپ ناراض نہیں ہوتے۔ بس یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ بابا اب بس کرو۔ باقی کل۔ ہم لوگ دروازہ پر اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ عم محترم جناب ڈاکٹر عبدالحمید صاحب سے پڑھتے تھے۔ جب ہم لوگوں کو دوپہر کی چھٹی ہو جاتی تو آپ کہتے تختی پوتا۔ ہم لوگ کہتے ہاں پوتا۔ یہ سن کر خوب ہنستے اور کہتے اب غسل کرلو۔ مقصد یہ ہوتا کہ آپ خود غسل کرنا چاہتے ہیں۔

داداجان نے بڑا ہی دینی مزاج پایا تھا۔ اسلامی قصے اور کہانیاں بھی سناتے تھے۔ میں نے ان کو صوم وصلوٰۃ کا سخت پابند دیکھا۔ مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ ان کو تعلیم سے محبت تھی۔ ان کی سارے لڑکے تعلیم یافتہ ہوئے۔ آپ مدرسہ اسلامیہ اعزاز پتھنہ کے بہت دنوں تک رکن رہے۔

آخری عمر میں صحت کمزور ہوگئی تھی۔ اکثر دست ہو جاتا اور رات میں کپڑا بھی گندہ ہو جاتا۔ جناب بھائی مولوی محمد احسن صاحب نے ہم لوگوں میں سب سے زیادہ ان کی خدمت کی۔ ۱۹۶۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔ نماز جنازہ آپ کے منجھلے صاحبزادہ جناب مولانا عبدالحکیم صاحب نے پڑھائی اور خاندانی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ اللہ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین

☆☆☆

مولانا شمس الاسلامؒ

(م۔ ۱۹۶۹ء)

مولانا محمد شمس الاسلامؒ کی ذات بڑی بابرکت اور فیض رساں تھی۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم

مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگلپور میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ افضل العلوم شاہجہاں پور یوپی میں داخلہ لیا۔ پھر یہاں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وطن مالوف واپس آئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (م۔۱۹۲۰ء)، علامہ انور شاہ کشمیریؒ (م۔۱۹۳۳ء)، علامہ شبیر عثمانیؒ (م۔۱۹۴۹ء) اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی (م۔۱۹۵۶ء) جیسے جید اور اجل اساتذہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

۱۹۲۲ء میں گاؤں میں ایک مکتب قائم ہوا۔ حکومت سے اسکو منظوری مل گئی تو اس میں آپ استاد مقرر ہوئے۔ علاقے میں یہ پہلا باضابطہ تعلیمی ادارہ تھا۔ ان دنوں گاؤں میں مخلوط آبادی تھی۔ ۱۹۴۷ء سے قبل آپ کے درس میں مسلم اور غیر مسلم طلباء بھی شریک ہوتے تھے۔ غیر مسلم طلباء میں گوراڈیہہ کے کوکن گروجی نے گلستاں و بوستاں تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ مولوی محمد یٰسین (م۔۱۹۹۴ء) کے ہم درس تھے۔ تقسیم وطن اور آزادی کے بعد یہاں کی غیر مسلم آبادی دوسری جگہ ہندو آبادی میں منتقل ہوگئی جبکہ ۱۹۴۶ء کے بدترین فرقہ وارانہ فساد میں یہ گاؤں ہی نہیں بلکہ پورا علاقہ محفوظ تھا۔ آپ نے تین نسلوں تک کی آبیاری کی اور تعلیم وتربیت سے ان کے پوشیدہ جوہر کو نکھارا اور جلا بخشا۔ آپ کے بیشتر شاگردوں نے علمی دنیا میں شہرت اور ناموری حاصل کی۔ مولانا کے شاگردوں کی پہلی کھیپ جو فارغ التحصیل ہوکر آئی ان میں حضرت مولانا عبدالسلامؒ، مولانا عبدالمجید قاسمیؒ، مولانا عبدالحکیم قاسمیؒ، اور مولانا ڈاکٹر عبدالحمیدؒ کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔ گاؤں کی یہ وہ شخصیتیں ہیں جن کو مولانا کی ذات اور نظر التفات نے ذرے کو آفتاب بنا کر چمکایا جس کی چمک آج بھی باقی ہے۔

مولانا شمس الاسلام کی شخصیت بڑی وجیہ اور پرکشش تھی۔ پست قامت، کشادہ پیشانی، گھنی داڑھی، ترشی ہوئی مونچھیں، پر وقار چہرہ، زمانہ دیدہ آنکھیں جن پر عینک چڑھی رہتی، کھڑی ناک، دبلا پتلا چھریرا بدن، سر پر سفید سلی ہوئی ٹوپی، کلی دار سفید کرتا اور لنگی زیب تن فرماتے۔ رفتار میں بجلی کی سی تیزی اور گفتار میں شیرینی، طبیعت میں ظرافت۔ جب بیٹھتے تو گل افشانی گفتار سے محفل کو گل وگلزار کر دیتے۔ یہ تھے ہمارے مولانا جو سرزمین کوروڈیہ کو برسوں شمس ضیاء بار سے درخشندہ وتابندہ کرتے رہے۔

مجھے مولانا سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ میں ان دنوں ابتدائی درجات کا طالب علم تھا۔ یہ ۱۹۶۱ء

سے قبل کا واقعہ ہے آج کی طرح وہ مکتب نہیں تھ۔ مٹی کا ایک کمرے والا کھپڑیل مکان پورب رخ کا۔ اسی کے سامنے ایک کھلا میدان۔ جس میں پھولوں کی کیاریاں بناتے اور موسم کے پھول پودے لگاتے۔ اس کے ایک حصہ میں بیگن اور لہسن کی کاشت بھی کی جاتی۔ دور دور سے پانی لاتے اور اس کو پٹاتے۔ کیا مجال کہ پڑھائی ناغہ ہو۔ بھرا بھرا اسکول گاؤں کے سارے بچے آتے اور جو نہیں آتے مولانا اس کو پکڑوا کر لاتے۔ دو قسطوں میں پڑھائی ہوتی تھی اور مولانا صبح سے شام تک ویسے ہی لہک لہک کر پڑھاتے۔ ظہر کے بعد دوسری اور آخری قسط ہوتی۔ پہلے تختیاں اور کاپیاں دیکھتے اس کے بعد اسباق کا دور شروع ہوتا عصر سے قبل گنتی ہوتی اور پھر چھٹی۔ جمعرات کو آموختہ سنتے اور سبق بند رہتا۔ مولانا کے معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔ بڑے عزم و جزم والے آدمی تھے۔ تنہا صبح سے شام تک پڑھاتے اور گھر کے کاروبار خود دیکھتے تھے۔ پھر بھی ہمیشہ تر و تازہ نظر آتے۔ تعلیم کا ایسا ماحول تھا کہ مغرب کے بعد ہر دروازے پر چراغ جلتا اور عشاء تک بچے جھوم جھوم کر پڑھتے رہتے۔ مولانا کی تعلیم کا ہی فیض اور برکت تھی کہ جاہل باپ کے بیٹے عالم پیدا ہوئے۔ آج وہی گاؤں ہے جہاں پانچ ادارے قائم ہیں اور درجنوں اساتذہ موجود ہیں پھر بھی ہر طرف سے یہی آواز اٹھتی ہے کہ بچے جاہل ہو رہے ہیں۔ اب تو دروازہ پر چراغ کے جلنے کا کیا سوال کسی دروازہ پر بچے پڑھتے بھی نظر نہیں آتے۔ آخر عمر میں مولانا اکثر کہتے ”تعلیم بڑھ رہی ہے اور علم گھٹ رہا ہے“ بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا۔

مولانا بہت زیادہ سادگی پسند اور متواضع انسان تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ آدمی کام سے بڑا ہوتا ہے نام سے نہیں۔ وہ گھر کا کاروبار خود ہی دیکھتے اور کاشت اپنی نگرانی میں کراتے۔ جانوروں کو صبح و شام کھڑے ہو کر کھلاتے۔ لباس میں بڑی سادگی ہوتی مگر بڑی وضعداری، کرتا اور لنگی خاص لباس تھا۔ کندھے پر ایک رومال ضرور رکھتے۔ آخر وقت میں اکثر ہاتھ میں لاٹھی رہنے لگی تھی۔ بیڑی بھی پیتے مگر حقہ سے زیادہ شوق تھا۔ مجلس میں بیٹھنا زیادہ پسند نہیں کرتے تھے اگر موقع مل جاتا تو ضرور بیٹھتے اور بڑے تجربہ کی باتیں کرتے۔ مولانا کو آخر وقت میں خود کلامی کا عارضہ ہو گیا تھا۔ تنہا بھی چلتے تو کچھ نہ کچھ بولتے جاتے۔ مولانا حق گوئی میں بھی بے باک تھے۔ حق بات کہنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے۔ عمر کی

زیادتی کی وجہ سے زود رنج بھی ہو گئے تھے۔ جب غصہ میں آتے تو ایسے طرحدار اور ذومعنی جملے بولتے کہ سننے والے معنی کے ادھیڑ بن میں الجھ جاتے۔ ایسے موقعوں پر کنائے اور استعارے خوب خوب استعمال کرتے۔ زمانہ کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ دنیاوی عیاری اور سالوسی کو خوب سمجھتے تھے۔ تجربہ بھی خوب تھا اس لئے زمانے کے پھندے میں کم پھنستے۔ معاملات کے کھرے اور حق کے بڑے نگران تھے۔ اس میں ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ لوگ اولاد کی محبت میں اندھے ہو جاتے ہیں اور بیٹے کو ساری جائداد جیتے جی لکھ کر بے دخل ہو جاتے ہیں۔ مولانا اکثر کہتے کہ اللہ نے سب کے حصے مقرر کر دیئے ہیں مرنے کے بعد وارثین خود فیصلہ کر لینگے۔ اس معاملہ میں مولانا قابل مبارک باد تھے۔ دین و شریعت کے حامل اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ مولانا مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل تھی۔

مولانا بہت زندہ دل آدمی تھے۔ آخر وقت تک شوخی طبع اور ظرافت نہیں گئی۔ عمر کے آخر میں مولانا کو حلق کا کینسر ہو گیا تھا۔ ہفتوں بے آب ودانہ بستر مرض پر پڑے رہے۔ جو بھی ان کی عیادت کے لئے جاتے باچشم نم ان کا استقبال کرتے۔ کئی دنوں تک مولانا اس موذی مرض سے نبرد آزما رہے۔ آخر کب تک یہ بوڑھا مریض موت سے پنجہ آزمائی کرتا ہار مان لی۔

مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

۲۲ / اگست ۱۹۶۹ء مطابق ۱۳۸۹ھ کو اس جہان رنگ و بو سے رشتہ توڑ کر دار بقا کو گئے۔ نماز جنازہ حافظ نجابت حسین استو نے پڑھائی، کافی لوگ شریک جنازہ تھے۔ جو آنکھ برسوں تعلیم وتربیت کے لئے بیدار رہی آج اسے ابدی نیند سلا کر اشکبار لوٹے۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

مولانا عبدالسلام[1]

(۱۹۱۲ء-۱۹۶۹ء)

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کوروڈیہ کی ایک نامور اور برگزیدہ شخصیت تھی۔ آپ جلال و جمال کے مظہر تھے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں دفتر پارینہ را

آپ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ دراز قامت، گول چہرہ، سر کسی قدر چھوٹا، کشادہ پیشانی، تنی ہوئی بھنوئیں، لمبی کھڑی ناک، آنکھوں سے جلال و تمکنت عیاں، گھنی داڑھی، ترشی ہوئی موچھیں، گیہواں رنگ، توند کچھ آگے کو نکلی ہوئی۔ بھاری بھرکم جسم اور دوہرے کاٹھی کے تھے۔ مجمع میں ہوتے تو سب سے نمایاں رہتے اور مجلس میں سب پر چھا جاتے۔ آپ نے ایک ایسے خانوادہ میں آنکھیں کھولیں جہاں نہ دولت کی فراوانی تھی اور نہ علم کی ہی مستحکم روایت۔ گاؤں کا ماحول بھی بہت علمی نہیں تھا۔ کچھ ہی گھرانے تعلیم سے آشنا تھے۔ حضرت مولانا شمس الاسلام صاحبؒ علم کی شمع روشن کئے ہوئے تھے۔ رسم ورواج اور خرافات کی تیز آندھی میں جس کی لو تھرا رہی تھی۔ آپ اسی شمع علم کے پروانہ تھے۔ آپ کے اندر علم کا شعلہ ایسا بھڑکا کہ پوری زندگی شمع کی طرح جلتے اور پگھلتے رہے۔ ہزاروں شمعیں آپ سے فروزاں ہوئیں اور شائقین پروانہ وار نثار ہوتے رہے۔ تشنگی شوق مدرسہ محمودیہ سمریا، بھاگلپور لے گئی جہاں حضرت مولانا عبدالحمید پورینی، مولانا محمد غنی سمریا اور مولانا حافظ دیانت احمد چکدریا تشنگان علوم کو سیراب کررہے

---

[1] یہ مضمون مولانا کے وصال کے بعد لکھا گیا تھا، یہ ایک طالب علمانہ کوشش ہے۔ نظر ثانی کے بعد شامل اشاعت ہے۔

تھے۔آپ یہاں علم سے سرشار ہوکر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں شخصیتیں ڈھلتی، صلاحیتیں نکھرتی اور انسانیت سنورتی ہیں۔ حضرت اس مرکز علم نبوت سے علمی لیاقت، عالمانہ شان، معلمانہ سلیقہ، طرز معاشرت، حسن زندگی، خدمت خلق کا جذبہ، عزم واستقلال، بزرگوں کی نظر، مذہبی شوق وذوق اور درس انسانیت سے مزین ہوکر وطن واپس آئے۔

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ دوسال قبل قائم ہو چکا تھا۔ اس میں مدرس دوم مقرر ہوئے۔ جناب مولانا خلیل احمد صاحب (م۔۲۰۰۹ء) یہاں مدرس اول تھے۔آپ کے آنے کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو بڑی تقویت ملی۔آپ حضرات نے علم کی ایسی شمع روشن کی کہ طالبان علم دور دراز سے پروانہ وار امڈ پڑے۔ وہ جگہ جو کبھی ویران تھی اس میں بہار آ گئی۔ جہاں سکوت کی حکمرانی تھی وہاں قرآن وحدیث کی صدا سے فضا گنگنانے لگی۔ دین حق کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ بہت قلیل مدت میں مدرسہ اور مولانا کی ایسی شہرت ہوئی کہ ان کی پوری زندگی یہ معمہ بنا رہا کہ مدرسہ کو مولانا کی ذات نے یہ شہرت بخشی ہے یا مولانا کو مدرسہ کی وجہ سے یہ شہرت ملی ہے۔آپ ایک فرض شناس استاد اور ایک صاحب نظر معلم تھے۔ تعلیم کے معاملے میں آپ بہت سخت تھے۔اس میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کرتے۔ وقت کے بڑے پابند، ذمہ داری کا یہ احساس کہ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ آپ مدرسہ تشریف نہ لاتے۔ درس کا انداز منفرد اور جداگانہ، جب تک سبق سن نہیں لیتے، درس نہیں دیتے۔ان کے پڑھائے ہوئے اسباق نوک زبان ہیں۔ علم صرف، فقہ اور فارسی کی کتابیں ان کے زیر درس تھیں۔ مدرسہ کا معیار تعلیم شرح وقایہ، کنز الدقائق، شرح جامی اور نور الانوار وغیرہ تک تھا۔ پورے مدرسہ پر ان کا رعب وجلال غالب تھا۔ سب ہی ان کا احترام کرتے تھے۔اس وقت مدرسہ تہذیب وشائستگی، ترتیب وتنظیم اور علمی ماحول کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مدرسہ نے خوب ترقی اور شہرت حاصل کی۔ اس کا علمی وقار اور تعلیمی شہرت صوبہ کی سرحد سے عبور کر کے دوسرے صوبوں تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں کے فارغین دوسرے اداروں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور ممتاز رہتے۔ حضرت مولانا کا قیام شب وروز مدرسہ میں تھا۔ رات دن بچوں کی تعلیمی نگرانی اور تربیت ہوتی تھی۔ مولانا کا گاؤں مدرسہ

سے صرف تین کیلومیٹر کے فاصلہ پر تھا لیکن آپ ہفتہ میں ایک دن جمعرات کو گھر تشریف لاتے اور پھر سنیچر کو مدرسہ میں حاضر۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ایک واقعہ یاد آتا ہے مولانا کا تعلق اس سے محض نفسیاتی ہے۔

ان دنوں گاؤں میں ایک نائی آتا تھا جس کا نام ''لالے'' تھا۔ صحیح معنوں میں وہ پورے گاؤں کی حجامت بناتا تھا۔ اس کے آنے کی خبر پورے گاؤں میں بلائے ناگہانی کی طرح پھیل جاتی اور بچوں میں کھلبلی مچ جاتی۔ کوئی ادھر بھاگتا کوئی اُدھر۔ جو گرفتار ہوتا وہ منہ بسورتا آتا۔ جس بچے کے سر پر وہ ہاتھ پھیرتا مارے دہشت کے وہ نیم جان ہو جاتا۔ بچے تو بچے بڑوں کو بھی دن میں تارے نظر آتے۔ اس کا استرہ کیا تھا بس نام کا۔ جس سے وہ تراشتا کم اور چھیلتا زیادہ تھا۔ قینچی بھی ایسی ڈھیلی ڈھالی جس سے وہ بال کیا کاٹتا، اکھیڑتا تھا۔ جب وہ سروں پر استرہ یا قینچی چلاتا تو معلوم ہوتا میدان کارزار میں جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ ایک طرف چیخ و پکار دوسری طرف چرچر گھس گھس۔ مولانا عموماً اسی نائی سے جمعہ کو اپنی حجامت بنواتے تھے۔ مولانا جب سنیچر کو مدرسہ تشریف لے جاتے تو رنگ ہی بدلا ہوا ہوتا۔ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح دھاڑتے اور آنکھیں شعلہ بار ہوتیں۔ گویا بازار گرم رہتا۔ آج تک یہ معمہ حل نہیں ہوسکا کہ مولانا کو اپنے بال کے ضائع ہونے کا اس قدر ملال تھا یا نائی سے نبرد آزمائی کے لئے مدرسہ کارزار بنا رہتا۔ بہر حال وجہ جو بھی ہو۔ مگر واقعہ یہی ہے۔

ان واقعات کی روشنی میں یہ بتانا ہرگز مقصود نہیں ہے کہ مولانا بڑے سخت دل تھے بلکہ آپ بہت رقیق القلب اور نرم دل تھے۔ دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو جاتے اور مصیبت کی خبر سن کر رو دیتے۔ ان کے اندر شفقت و ہمدردی اس قدر تھی کہ مدرسہ میں بہت سے یتیم و نادار طلبا کی کفالت کی اور دوسروں کو اس کی خبر تک نہ ہوسکی۔ مولانا دولت مند گھرانے کے نہیں تھے۔ مدرسہ سے انیس سو ساٹھ کی دہائی میں محض ۴۰ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور کچھ گھر کی کاشت تھی۔ لیکن دل کے غنی تھے۔ ضرورت مندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتے۔ بڑوں سے ٹوٹ کر ملتے اور چھوٹوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ مزاج

میں سختی تھی مگر دل گداز تھا چھوٹوں سے بھی مذاق کر لیتے۔ مزاح کا لطیف ذوق تھا۔ ایک صاحب کے یہاں لڑکا تولد ہوا۔ بڑ دبلا پتلا۔ مولانا ان کو دیکھنے گئے۔ برجستہ بولے ''کھودا پہاڑ نکلی چوہیا''۔ ایک دن میں ان کے درس میں تھا۔ ایک صاحب آئے اور بولے مولانا بہت خوبصورت چین خریدا ہے۔ مولانا نے فرمایا: جی ہاں! بوڑھی گھوڑی لال لگام۔ مولانا جیب گھڑی استعمال کرتے تھے۔ اس کے لئے ایک خوبصورت رنگین چین خریدا تھا یا پھر کسی نے دیا تھا۔

گاؤں میں مولانا کی بڑی عزت تھی۔ بیشتر حضرات ان کے شاگرد تھے۔ بڑے بوڑھے بھی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب کہیں سے گذرتے تو لوگ کھڑے ہو جاتے یا راستہ کترا کر نکل جاتے۔ ایسی عزت اور احترام دوسروں کے حصہ میں نہیں آئی۔ گاؤں میں گھر گھر علم پہنچانے اور اس کو عام کرنے میں بڑی محنت کی۔ علم کے زور پر برائیوں اور خرابیوں پر قابو پایا۔ مولانا شمس الاسلام صاحب کے بعد آپ کی حیثیت معلم ثانی کی ہے۔

مولانا بڑے خوش لحن اور خوش آواز تھے۔ جمعہ اور عیدین کی عموماً امامت فرماتے اور اس خوش الحانی سے خطبہ پڑھتے تھے کہ سماں بندھ جاتا۔ دوران خطبہ بسا اوقات آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ دلوں پر رقت طاری ہو جاتی محسوس ہوتا کہ پوری مسجد سسک رہی ہے۔ ان کے بعد ویسا خطبہ سننے میں نہیں آیا۔ مولانا میلاد شریف میں بھی شریک ہوتے تھے اور کبھی خود بھی میلاد پڑھتے۔ تقریر کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ ہاں اتنا سنا ہے کہ ایک مرتبہ مدرسہ کے کام سے کسی گاؤں میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے اعلان کر دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد مولانا کی تقریر ہوگی۔ ادھر مولانا کو اس کی خبر تک نہیں۔ درحقیقت مولانا تقریر کے آدمی نہیں تھے۔ انکار کیا، لوگوں کے اصرار پر کھڑے ہو گئے۔ تقریباً دو ڈھائی گھنٹہ بڑی مؤثر تقریر فرمائی۔ مجمع پر خاصا اثر ہوا۔ جب مولانا سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خود خبر نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے۔

از پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت، بگو ہماں می گویم

۱۹۵۵ء مطابق ۱۳۷۵ھ میں ایک دل دوز اور روح فرسا واقعہ رونما ہوا۔ اس واقعہ نے مولانا کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کسی بد بخت نے چھٹی کے موقع پر ایک رات مدرسہ کے دفتر میں آگ لگا دی۔ مدرسہ کی بہت سی کتابیں، بہت سارے دستاویز، رجسٹر اور دیگر سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ مولانا ڈاکٹر عبدالحمید کوروڈیہ ان دنوں یہیں پریکٹس کرتے تھے۔ مدرسہ کے دفتر میں ہی ان کی ڈسپنسری بھی تھی۔ ان کا بھی بہت نقصان ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالحمید صاحب نے اپنی ڈسپنسری گاؤں میں منتقل کر لی اور وہیں علاج و معالجہ کرنے لگے۔ حضرت مولانا نے اس بد بختانہ حرکت پر مدرسہ سے مستعفی ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ خوش بختی سے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ناصری گنج، ضلع بھاگلپور اس موقع پر تشریف فرما ہوئے۔ جب ان کو اس حادثہ کی خبر ملی تو آپ نے حضرت مولانا عبدالسلامؒ کو ایک خط لکھا۔ حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا کے استاذ بھی تھے اور پیر و مرشد بھی۔ ذیل میں وہ خط من وعن نقل کیا جاتا ہے:

محترم المقام جناب مولانا عبدالسلام صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، مزاج مبارک

مدرسہ میں آگ لگنے کے واقعہ پر مطلع ہونے پر بہت افسوس ہوا۔ پھر اس امر نے اور بھی زیادہ مشوش کر دیا کہ آپ مدرسہ کی خدمات تعلیمیہ میں متامل بلکہ اس سے علاحدگی پر آمادہ ہیں محترما! اس کا تو نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ آپ کے عزائم اور قوی ہو جاتے جو کہ انبیاء علیہ السلام اور ارباب عزائم اہل اللہ کا طریقہ ہے کہ وہ خطرات اور مشکلات کے وقت اور زیادہ قوی ہو جاتے ہیں۔ اور حق کی اقامت میں سر بکف ہو کر مشکلات کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں۔ تذبذب کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ مگر آپ اس کے برعکس ہیں۔ میں آپ کی اولوالعزمی اور صداقت سے امیدوار ہوں جس خیر کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مفتاح بنایا ہے۔ اس کو اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیں گے اور کسی کمزوری کو پاس نہ آنے دیں گے۔

وتجلدی للشامتین اربھم

انی لریب الدھر لاتضعضع

امیدوار ہوں کہ مدرسہ کو بہ نسبت سابق اور زیادہ قوت کے ساتھ چلائیں گے اور کسی ضعف کو پاس نہیں آنے دیں گے........

میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عنایت فرمائے۔
آمین والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
وارد حال ناصری گنج، ۱۳ر مئی
۲۰ر شوال ۱۳۷۵ھ

ہمارے اسلاف کو دینی ادارہ سے کیسی محبت اور اس کے بقا کی کس قدر فکر تھی۔ اپنے شاگرد کو بھی کس عزت و احترام کے القاب کے ساتھ خط لکھتے ہیں۔ جس کے ہر لفظ میں سوز اور درد پنہاں ہے۔ شاگرد بھی اپنے استاد کے ہر حکم کو بجالانے کے لئے تیار و مستعد۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبدالسلامؒ صاحب نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور پہلے سے زیادہ پرعزم ہو کر دین کی خدمت اور مدرسہ کی بقا میں لگ گئے اور تادم آخر اس مدرسہ سے وابستہ و پیوستہ رہے۔ فاعتبروا یا اولوا الابصار

(میں مولانا کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا حسین احمد کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس خط کی عکسی کاپی مجھے عنایت کی)

حضرت مولانا کو مذہبی امور سے بڑا شغف تھا۔ حج بیت اللہ کی بڑی تمنا تھی۔ لیکن قسمت نے یاوری نہیں کی۔ آپ خوشی اور غم کے موقعوں پر سب کے ساتھ شریک ہوتے۔ گاؤں میں جب کسی کے گھر میت ہوتی۔ بلا تاخیر ان کے یہاں جاتے، تجہیز و تکفین میں ہاتھ بٹاتے اور نماز جنازہ میں شریک ہوتے۔ اپنے اور پرائے کا خیال رہتا۔ رشتہ داروں کے گھر جاتے اور سب کی خیریت دریافت کرتے۔ کچھ دیر بیٹھتے۔ بات چیت کرتے پھر واپس آجاتے۔

حضرت مولانا کو مچھلی شکار کرنے کا بہت شوق تھا۔ جب گاؤں کے تالاب میں مچھلی ماری جاتی تو مولانا کا شوق بے زمام ہو جاتا۔ اوروں کے ساتھ آپ بھی تالاب میں کود پڑتے۔ سر پر ٹوپی نیم آستین کرتا اور لنگی میں ہوتے۔ اس وقت مولانا کا ذوق وشوق اور حلیہ دیکھنے کے لائق ہوتا۔ آپ کی طبیعت

میں بڑی سادگی، تواضع اور خاکساری تھی۔ ہر قسم کے تکلفات سے دور لباس میں بڑی سادگی۔ عموماً کھادی کا کپڑا استعمال کرتے تھے۔ لمبا کلی دار کرتا، سلی ہوئی گنجی اور اوسط قسم کی لنگی ہی زیب تن کرتے۔ پائجامہ میں کبھی نہیں دیکھا۔ بیڑی اور حقہ سے اجتناب تھا۔ جب کوئی اصرار کرتا تو بغیر زردہ کے پان کھا لیتے۔ پیٹ کا عارضہ تھا۔ طحال بڑھ گیا تھا۔ بھات اور چنے کا ستو زیادہ استعمال کرتے تھے۔ گوشت، مچھلی سے بڑی رغبت تھی۔ مگر اس مرض نے سب کچھ چھڑا دیا۔ آخر وقت میں بغرض علاج بھاگلپور شہر لائے گئے۔ محلہ غنی چک میں جناب محمد عیاض الدین صاحب مرحوم کے باسہ میں قیام پذیر تھے۔ ایک دن میں ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ چوکی پر دراز تھے۔ پیٹ کھلا ہوا تھا اور اس پر راکھ کی مالش ہو رہی تھی۔ جس سے پیٹ کی جلد سرخ ہو گئی تھی۔ کچھ دیر خدمت میں حاضر رہا۔ آپ بہت تکلیف میں تھے۔ واپسی کی اجازت چاہی اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ پکڑ کر باچشم نم بولے بھائی دعا کرو۔ اللہ اٹھا لے۔ بہت تکلیف ہے۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔ کپکپاتے ہونٹوں سے میں صرف اتنا کہہ سکا۔ نہیں! آپ اچھے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد میں واپس آ گیا۔ جب مولانا کے وصال کی خبر ملی تو بے ساختہ زبان پر علامہ اقبال کا یہ شعر جاری ہو گیا۔

بسر آمد روزگار ایں فقیرے ۔۔۔ دگر دانائے راز آید کہ ناید

آپ پہلے حضرت مولانا سہول عثمانی (م۔ ۱۹۴۹ء) سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ و مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے تجدید بیعت کی۔ ۱۹۵۵ء میں آپ خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔

۳ر شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۹ء کو آپ کا وصال ہوا۔ ۱۰ر بجے شب میں خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ گاؤں میں ابتک نماز جنازہ میں اتنی بڑی تعداد شریک نہیں ہوئی ہے۔ خدا آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ دے اور قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین

خودی کی ہے یہ منزل اولیں ۔۔۔ مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں ہے

☆☆☆

حاجی نثار احمد

(م۔۱۹۷۶ء)

حاجی نثار احمد گاؤں کے ایک معروف و مشہور شخص تھے۔آپ شروع ہی سے مذہبی اور دین دار تھے۔ پوری زندگی شریعت کے پابند رہے۔نماز کی بڑی پابندی تھی۔نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام تھا۔موسم کوئی ہو مسجد میں ہی نماز ادا کرتے۔مسجد سے بڑی محبت تھی۔گاؤں کی قدیم مسجد کا ایک عرصہ تک اہتمام وانصرام آپ کے ہاتھوں میں رہا۔اس کی تعمیر میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔آپ نے مسجد کو پانچ بیگھ زمین وقف کی۔دین کے معاملے میں ہمیشہ پہل کرتے اور اس کی اصلاح کی فکر کرتے رہتے۔علماء دین سے بڑی محبت تھی اور دل میں ان کا بہت احترام تھا۔عہد شباب میں ہی حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ سے بیعت ہو گئے اور پوری زندگی ان سے وابستہ رہے۔دو بار حضرت مولانا کوروڈیہ تشریف فرما ہوئے اور حضرت حاجی صاحبؒ کو ان کی میز بانی کا شرف حاصل رہا۔۱۹۲۷ء میں جب ان کا وصال ہو گیا تو بہار ایک مشہور و مقبول عالم دین، روحانی پیشوا اور دین کے بڑے داعی اور مبلغ سے محروم ہو گیا۔آپ خانقاہ رحمانی مونگیر کے بانی اور سجادہ نشین تھے۔بانی ندوۃ العلما لکھنؤ ہونے کی وجہ سے پورے ہندوستان میں متعارف تھے۔حضرت حاجی صاحب کی شخصیت پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔گاؤں کو بھی ان کی ذات سے بہت فائدہ ہوا۔

حاجی نثار احمد اپنی رواداری، عدل وانصاف اور انسان دوستی کی وجہ سے علاقے میں کافی مشہور تھے۔آپ کے انصاف کا عالم یہ تھا کہ جب آپ کسی پنچایت میں شریک ہوتے تو سب کو یقین ہو جاتا کہ فیصلہ برحق ہوگا۔دور دراز گاؤں کی پنچایت میں آپ مدعو ہوتے تھے۔اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے ہر جگہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔

۳۳-۱۹۳۲ء میں آپ نے پہلا حج کیا۔ان دنوں راستہ بڑا پرخطر اور دشوار گذار تھا۔جہاز کے ذریعہ آبی راستہ ہفتوں میں طے ہوتا تھا۔سمندری سفر کے دوران عموماً طبیعت خراب ہو جاتی تھی اور کچھ لوگ جاں بحق بھی ہو جاتے۔جدہ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک جانے کا واحد ذریعہ اونٹ کی سواری

تھی۔ قافلہ کے لٹ جانے اور اسباب سفر چھن جانے کا خدشہ لگا رہتا تھا۔ چھ ماہ بعد سفر حج سے واپسی ہوئی تھی۔ ان دنوں خانۂ کعبہ کے ارد گرد زمین ہموار اور پختہ نہیں تھی۔ صفا اور مروہ کے مابین جھاڑیاں تھیں۔ حجاج کرام بہت احتیاط سے سعی کرتے تھے۔ بہر حال حاجی نثار احمد نے اپنی اہلیہ کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا۔ آپ نے دوسرا حج ۱۹۵۵ء میں کیا۔ اس سفر میں بھی آپ کی اہلیہ محترمہ (م۔۱۹۸۸ء) اور آپ کی ایک بیوہ بیٹی بی بی ھویرہ خاتون (م۔۲۰۰۳ء) بھی ساتھ تھیں۔ گاؤں سے اس سال حافظ محفوظ حسین (م۔۱۹۶۱ء) بھی آپ کے شریک سفر تھے۔ دوران سفر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (م۔۱۹۵۷ء) کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا مونگیری رحمۃ اللہ عیہ کے وصال کے بعد حضرت حاجی صاحب، حضرت شیخ الاسلامؒ سے رجوع ہوئے اور ان سے تجدید بیعت کی۔ اس بار حج کے دوران بڑی سہولت میسر رہی۔ اونٹ کی جگہ پر موٹر گاڑی عام تھی۔ سڑکیں کشادہ اور مکانات بھی عمدہ اور عالیشان بن گئے تھے۔ خانۂ کعبہ کے ارد گرد زمین ہموار ہو چکی تھی۔ پہلے سفر کے مقابلے میں سہولتیں زیادہ اور مدت کم لگی۔

حضرت حاجی صاحبؒ دین کے داعی اور علم کے بڑے شیدائی تھے۔ مدرسہ اعزازیہ پتھنہ کے قیام میں بڑے سرگرم اور فعال رہے۔ علاقے کی اکثریت کی خواہش تھی کہ مدرسہ اعزازیہ موضع کوروڈیہ میں قائم ہو اس لئے کہ یہ گاؤں مسلم آبادی کے عین مرکز میں واقع ہے۔ یہاں ہر طرف سے آنے جانے میں سہولت ہوگی۔ لیکن حضرت حاجی صاحب کا اصرار تھا کہ مدرسہ کی ضرورت سب سے زیادہ موضع پتھنہ کو ہے۔ اس لئے وہ اسی سرزمین پر قائم ہو۔ ان کی رائے ایک وزن رکھتی تھی۔ اسی پر سبھوں کا اتفاق ہوا۔ ۱۵؍محرم الحرام ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء کو مدرسہ اسلامیہ قائم ہوا۔ اس وقت اس کا نام اعزازیہ نہیں تھا۔ بعد میں اس کی نسبت حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ کی طرف ہوئی اور اس کا نام مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ رکھا گیا۔ حضرت شیخ الادبؒ اس کے سرپرست مقرر ہوئے۔ جناب نثار احمد صاحب اس کے مہتمم اور جناب مولانا محمد علاء الدین صاحب بدلو چک (م۔۱۹۶۹ء) نائب مہتمم مقرر ہوئے۔ جناب حاجی صاحب نے مدرسہ کو آٹھ بیگھ زمین عنایت کی جو آج تک مدرسہ کے قبضہ وتصرف میں ہے۔ آپ تاحیات مدرسہ کے مہتمم رہے۔ پوری زندگی مدرسہ کی بقا، تحفظ اور ترقی کے لئے دامے

، درمے، قدمے اور سخنے سرگرم عمل رہے۔ سال کے اختتام پر جب مدرسہ میں خوراکی ختم ہو جاتی تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (م۔۲۰۰۹ء) صدر مدرس ایک رقعہ حضرت حاجی صاحب کو بھیج دیتے اور آپ اپنی سواری سے مدرسہ میں خوراکی بھیج دیتے۔ ان دنوں ان کے گھر میں دولت کی ریل پیل تھی۔ غلے گھر میں اٹے نہیں پڑتے تھے۔ جدھر دیکھئے غلہ ہی غلہ، کھانے کے لئے چٹائی بچھانے کی جگہ بھی نہیں ملتی۔ راقم الحروف کا یہ آنکھوں دیکھا حال ہے۔ حضرت حاجی صاحب مدرسہ محمودیہ سمریا، ضلع بھاگلپور اور مدرسہ اسلامیہ عربیہ شاہ جنگی کے بھی رکن رہے۔ مدرسہ عربیہ کو بھی آپ نے دو بیگھے زمین وقف کی۔ گاؤں کی قدیم مسجد کے علاوہ آپ نے مکتب کو بھی زمین دی اور اس پر مکان بنوایا۔ بحمد اللہ اب وہ مکتب ترقی کر کے اردو مڈل اسکول بن گیا ہے۔ جن کے ہیڈ ماسٹر جناب ضیافت حسین ہیں۔ علاقے میں اولوالعزمی کی ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

حاجی نثار احمد صاحب بڑے مہمان نواز، غریب پرور اور قرابت مندوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ بڑی بڑی علمی اور روحانی شخصیتوں کی ضیافت کا آپ کو شرف حاصل رہا ہے۔ حضرت مولانا مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جب آپ نے حضرت مولانا حسین احمدؒ مدنی سے رجوع کیا تو آپ کی عقیدت اور محبت ان سے بے پناہ بڑھ گئی تھی۔ حضرت مدنیؒ آپ کے کاشانہ پر قدم رنجاں فرماں ہو چکے ہیں اور آپ کو ان کی ضیافت اور مہمان نوازی کا بھی شرف حاصل ہے۔ اس موقع پر حضرت مدنیؒ کے اعزاز میں جو دعوت ہوتی تھی وہ دعوت عام سے کم نہیں تھی۔ سیکڑوں لوگ آپ کے دسترخوان پر تناول فرماتے۔ مہمانوں کا سلسلہ ان کے یہاں لگا رہتا تھا۔ ان کی اہلیہ محترمہ (م۔۱۹۸۸ء) بھی بڑی وضعدار اور وسیع القلب خاتون تھیں۔ وہ اس سے کبھی بددل نہیں ہوتیں۔ بسا اوقات جب صبح میں ان کے یہاں چولھا جلتا تو ایک دفعہ رات میں ہی بجھتا۔ بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ ملازم اور مزدور بھی بڑے خوش اطوار اور خوش اخلاق ملے تھے۔ سب ہی اس میں ہاتھ بٹاتے۔ عاشورہ کے موقع پر تمام رشتہ داروں اور گاؤں والوں کی دعوت ہوتی۔ بڑے بڑے دیگ میں کھانا پکتا اور چھوٹے بڑے سبھی اس میں شریک ہوتے۔ موسم میں جب باغ سے آم ٹوٹ کر آتا تو رشتہ داروں، پاس پڑوس اور غربا میں بھی تقسیم کرتے حتیٰ کی فصل ربیعہ میں بھی مسور ہدیتہً لوگوں کے یہاں بھیجتے تھے۔

حاجی نثار احمد صاحب حاجت مندوں کی بڑی غمخواری کرتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں بدترین فرقہ وارانہ فساد میں بہار بری طرح متاثر ہوا تھا۔ مختلف علاقوں کے متاثرین کوروڈیہ میں پناہ گزین تھے۔ آپ نے ان کی باز آبادکاری میں بڑی جرات و ہمت کا مظاہرہ کیا۔ بہتوں کو اپنی زمین پر بسایا۔ یہ متاثرین زیادہ تر مزدور پیشہ تھے۔ جو بعد میں ان کے یہاں کھیتی باڑی میں تعاون کرتے رہے۔ آج بھی بہتوں کے نام یاد ہیں جن کو آپ نے اپنی زمین پر آباد کیا تھا جیسے مقبول، عیدو، طاہر، مخل، اسمٰعیل، پھیا۔ محمد سلیم، بقرالدین، اور محمد سعید وغیرہ۔ ان میں سے بیشتر کی اولاد آج بھی گاؤں میں آباد ہے۔ لوگوں کے دلوں میں حضرت حاجی صاحب کا اس قدر احترام تھا کہ لوگ ان کا نام نہیں لیتے۔ بلکہ حاجی بابا، حاجی دادا، حاجی نانا سے ہی ان کو مخاطب کرتے تھے۔ حاجی صاحب پوری زندگی اتحاد و اتفاق کی علامت بن کر رہے۔ نفرت و کدورت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اگر کبھی کسی سے سخت وست ہو جاتی تو بہت جلد اس قدر گھل مل جاتے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ گاؤں میں ان کی حیثیت ایک حکم کی تھی۔ ان کی غم خواری کی ایک اور مثال مجھے یاد ہے۔ محمد سلیم بدلو چک کے رہنے والے تھے۔ بالکل نابینا تھے۔ بہت پہلے ان کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی ایک بیٹی تھی اسماء خاتون۔ جب ان کی شادی ہوگئی تو محمد سلیم بالکل تنہا ہو گئے۔ حاجی صاحب سے دور کی سسرالی رشتہ داری تھی۔ حاجی صاحب ان کو اپنے یہاں لے آئے۔ انہوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی یہیں گذار دی۔ وہ اسی گاؤں میں مرے اور دفن ہوئے۔ ان کی بیٹی اسماء بھی مہینہ بھر آ کر رہتیں ہم ان کو نانا اور ان کی بیٹی کو خالہ کہتے تھے۔ اب ان کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔ وہ سنہولی میں بیاہی گئی تھیں۔

حاجی صاحب بڑے نڈر اور بے باک انسان تھے۔ خطرے کے موقع پر سب سے آگے رہتے۔ غالباً ۱۹۶۴ء میں مارچ اپریل کا مہینہ تھا۔ مغرب اور عشاء کے مابین پورب دکھن اور اتر کی جانب سے درجنوں شر پسندوں نے گاؤں پر حملہ کرنا چاہا۔ رات تاریک تھی۔ یہ لوگ ٹارچ جلاتے ہوئے گاؤں کے قریب تر پہنچنے والے تھے۔ جناب حاجی صاحب کو جب خبر ملی تو آپ سب سے آگے نعرہ لگاتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ راقم الحروف بھی اس میں شریک تھا۔ پھر روشنی گل ہو گئی اور پتہ نہیں چلا کہ معاملہ کیا تھا۔ اسی طرح ایک بار آب پاشی کے موقع پر دوسرے گاؤں والوں سے کچھ چپقلش ہو گئی تھی۔ کسی بدبخت نے گاؤں کے ایک معمر اور بزرگ آدمی کو مارا۔ جب حاجی نثار احمد صاحب کو اس کی

خبر ہوئی تو آپ لاٹھی لے کر نکل گئے اور آپ کے پیچھے گاؤں کے پچاسوں آدمی نکل پڑے۔ میں بھی اس قافلہ میں شریک تھا۔ اچھی طرح یاد ہے کہ جمعرات کا دن تھا اور میں مدرسہ محمودیہ سمریا سے کچھ دیر پہلے آیا تھا۔ جب ان لوگوں کو اس کی خبر ہوئی کہ حضرت حاجی صاحب آرہے ہیں تو یہ کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے، کہ اب خیر نہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ گاؤں والے ان کی ایک آواز پر ٹوٹ پڑینگے۔ آپ ظلم کے خلاف ڈٹ جاتے تھے اور پھر کچھ نہیں سنتے۔

حضرت حاجی صاحب بڑے سادہ لوح مگر وضعدار آدمی تھے۔ دراز قد، چھریرا بدن، صاف رنگ، لمبی داڑھی، پیری کی وجہ سے خمیدہ کمر، کھادی کی سفید ٹوپی، سفید کھادی کا کلی دار کرتا اور سفید لنگی میں بڑے باوقار نظر آتے اور اسی لباس میں ہر جگہ ہوتے۔ آخر عمر تک اشراق اور چاشت کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت آپ کا معمول رہا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس کے بعد ہی کہیں جاتے۔ ناشتہ عموماً دودھ روٹی کرتے۔ بہت کم خوراک تھے۔ ایام بیض عاشورہ اور شش عید کے روزے اہتمام سے رکھتے تھے۔

نانا جان کی بہت سی باتیں یاد آرہی ہیں۔ کہاں تک گفتگو کی جائے۔ اس بحر بیکراں کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ آپ اختلاج قلب کے مریض تھے۔ آخر عمر میں اس میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔ ماموں جان (حکیم محمود حسن م۔۱۹۹۹ء) قسم قسم کے شربت اور معجون نانا جان کے لئے تیار کرتے تھے۔ بظاہر کوئی اور عارضہ نہیں تھا۔ ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۷۶ مطابق ۱۳۹۶ھ کو اس دارفانی سے رخصت ہوئے۔ آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کی موت علاقے کے لئے ایک عظیم حادثہ تھی۔ آج بھی آپ اپنی خوبیوں کی وجہ سے اکثر یاد کئے جاتے ہیں۔

''رفتید و لے نہ از دل ما''

☆☆☆

مولوی محمد نورالحسن

(م۔۱۹۸۳ء)

مولوی محمد نورالحسن موضع مال پور ہرنا ضلع بھاگلپور (موجودہ ضلع بانکا) میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام محمد یوسف علی تھا۔متوسطات تک کی تعلیم مدرسہ محمودیہ سمریا ضلع بھاگلپور میں حاصل کی۔اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے عالمیت کی۔تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے کاروبار میں لگ گئے۔

آپ کی شادی کوروڈیہ میں حاجی نثار احمد صاحب کی صاحبزادی بی بی جویرہ خاتون سے ہوئی تھی۔شادی کے بعد اپنے گاؤں کو ہمیشہ کے لئے ترک کرکے کوروڈیہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔خاندانی مناقشت اور آپسی اختلاف کی وجہ سے ان کے دو اور بڑے بھائی حاجی محمد بدرالدین عرف بدو اور حاجی محمد شعور موضع بدلو چک میں آکر بس گئے تھے۔یہاں ان دونوں کی سسرال تھی۔ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد شفیق اسی گاؤں میں رہ گئے اس لئے کہ ان کی شادی بزرگ ہرنا میں مولوی محمد شفقت حسین کی بہن سے ہوئی تھی۔ ان کے بڑے بھائی حاجی محمد شعور کا آخری زمانہ کوروڈیہ میں گذرا۔وہ اپنی ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے اپنی بڑی بیٹی کے یہاں منتقل ہوگئے، جو ڈاکٹر محمد عبدالحمید صاحب سے منسوب تھیں اور ان کی اہلیہ اپنی دوسری بیٹی جو حاجی محمد قمرالحسن سنہولی سے منسوب تھیں ان کے یہاں چلی گئیں۔اس طرح ایک کا انتقال کوروڈیہ میں اور دوسرے کا سنہولی میں ہوا اور دونوں ان ہی سرزمین میں مدفون ہوئے۔

مولوی محمد نورالحسن صاحب بڑے دینی اور علمی مزاج کے حامل تھے۔صلاحیت بہت اچھی تھی اور حافظہ بھی قوی تھا۔کتابیں اکثر ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔رات میں وہ بچوں کو خود ہی پڑھاتے تھے۔علم سے بہت شغف تھا۔ان کے چاروں صاحزادے حافظ منور حسن، مولوی محمد مطہر حسن قاسمی، مولوی اطہر حسن قاسمی اور حافظ ابصر حسن نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی یقیناً یہ ان کا فیضان نظر تھا۔مولوی نورالحسن صاحب بہت ہی محنتی اور جفاکش تھے۔مزاج میں بڑی سادگی اور وضع داری تھی۔وہ خویش واقارب سے بہت ہی محبت اور شفقت سے ملتے جلتے اور ہر عمر کے لوگوں میں عزت واحترام سے دیکھے جاتے تھے۔مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام تھا۔قرآن کثرت سے تلاوت کرتے تھے اس لئے جابجا ان کو قرآن

بہت یاد تھا۔عربی وفارسی کے علاوہ اردوادب سے بھی تعلق تھا۔فارسی اور اردو کے بہت سے اشعار ان کو یاد تھے۔جب ان سے ملاقات ہوتی تو وہ ہم لوگوں سے اپنے پسندیدہ اشعار سنانے کی فرمائش کرتے اور کسی شعر کی تشریح پوچھتے کبھی وہ خود اپنے ذوق کے عمدہ اشعار سناتے اور ان کی وضاحت کرتے۔غالب اور اقبال کے اشعار ان کو بہت یاد تھے۔مسدس حالی کے بند کے بند زبانی یاد تھے۔ایک مرتبہ انہوں نے ذکر کیا کہ جگر مرادآبادی ایک مشاعرہ میں پٹنہ آئے تھے۔کیا پڑھنے کا انداز تھا؟ ہر شعر دل کو چھو لینے والا۔انہوں نے جگر کی اس غزل کے چند اشعار بھی سنائے جو جگر نے مشاعرہ میں پڑھا تھا۔اس سے ان کے ادبی ذوق اور حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

غالبًا ۱۹۶۵ء میں حکومت بہار نے پرائمری اسکول میں بحالی کے لئے درخواستیں طلب کی تھیں۔مولوی محمد نورالحسن صاحب نے بھی درخواست دی تھی۔اور ان کا ایک اسکول میں انتخاب بھی ہوگیا تھا اور جوائن بھی کرلیا۔ایک ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان کو ملازمت سے برطرف کردیا گیا ہے اس لئے کہ ملازمت کے لئے مقررہ عمر سے ان کی عمر متجاوز تھی۔درحقیقت یہ ان کا علمی ذوق اور تدریسی شوق تھا۔

۱۹۸۳ء میں وہ ایک شدید حادثہ کے شکار ہوگئے جو ان کی موت کا بظاہر سبب بنا۔گاؤں میں حاجی نثار احمد صاحب کا ایک باغ تھا جس کو انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام اولاد کے درمیان تقسیم کردیا تھا۔مولوی نورالحسن صاحب کو بھی ترکہ میں اس باغ کا کچھ حصہ ملا تھا۔آم کا موسم تھا۔وہ بعد نماز عشا اس باغ میں آئے۔تیز ہوا چل رہی تھی۔بارش ہونے لگی۔وہ اس سے بچنے کے لئے ایک پیڑ کی پناہ لی۔وہ پیڑ اندر سے کھوکھلا تھا۔تیز ہوا میں وہ جڑ سے اکھڑ گیا۔مولوی نورالحسن صاحب اس پیڑ کی زد میں آگئے۔بڑی مشکل سے ان کا باہر نکالا گیا۔بازو، پیر اور پسلی کی کئی ہڈیاں بالکل ٹوٹ گئیں۔بہت علاج ہوا۔زخم نے دوسری شکل اختیار کرلی۔اسی حادثۂ ناگہانی میں ۱۹۸۳ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔اللہ ان پر رحم فرمائے۔بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔

☆☆☆

مولوی محمد رضوان

(م۔۱۹۸۵ء)

مولوی محمد رضوان ابن مولوی محمد شہاب الدین ابن مولانا شمس الاسلام ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد کی نگرانی میں حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے۔ یہاں سے فراغت کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا۔ان دنوں یہاں ان کے نانا حافظ دیانت احمدؒ صدر مدرس تھے۔ بڑا اچھا ماحول میسر ہوا۔تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوئی۔یہاں سے فراغت کے بعد نگرپاڑا ٹیچرس ٹریننگ اسکول سے ٹریننگ کی۔اردو مڈل اسکول بانکا میں ملازمت مل گئی۔درس اور تدریس کے کام میں مشغول ہوگئے۔نیک وضع اور خوب سیرت انسان تھے۔فتنہ وفساد، جھگڑا اور لڑائی سے کوسوں دور رہتے۔تبسم آمیز گفتگو کرتے۔خوش دلی اور خندہ پیشانی سے ملتے اور اپنے حال واحوال سناتے۔غلط صحبت سے ہرممکن احتراز کرتے۔اپنے اور پرائے کا خوب خیال تھا۔بات چیت میں سنجیدہ اور متین تھے۔حق گوئی اور بے باکی ان کی زندگی کا آئین تھا۔لیکن زندگی نے وفانہیں کی بہت کم عمری میں اس بزم ہستی سے گویا روٹھ کر چلے گئے۔

۱۲/ جولائی ۱۹۸۵ء کو بانکا ہی میں وفات پائی۔ لاش گاؤں لائی گئی اور دوسرے دن آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک لڑکا محمد صبغۃ اللہ حیات سے ہیں۔اس وقت ان کی عمر تقریباً ۳۵ سال تھی۔

☆☆☆

حافظ محمد مجیب الرحمٰن

(م۔۱۹۸٦ء)

عزیزی حافظ محمد مجیب الرحمٰن ابن حافظ محمد عبدالرحمٰن گاؤں کے حفاظ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔اپنے والد کی طرح ان کو بھی قرآن بہت یاد تھا اور اپنے والد سے ہی حفظ قرآن مکمل کیا تھا۔مدرسہ اعزازیہ میں حفظ قرآن کے بعد فارسی اور عربی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔۱۹۷٦ء میں جب مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ قائم ہوا تو آپ اس میں درجہ حفظ کے استاد مقرر ہوئے۔بڑی محنت اور تن دہی سے پڑھاتے تھے۔وقت اور ذمہ داری کا خوب احساس تھا۔کبھی اس میں تساہلی نہیں کرتے۔کم عمری میں ہی بڑی سنجیدگی اور متانت پیدا ہوگئی تھی۔گفتگو میں بڑے متوازن تھے۔زندگی میں بے اعتدالیوں کے شکار نہیں ہوئے۔عام نوجوانوں سے ان کی روش جدا تھی۔بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔مزاج میں سادگی اور وضع داری تھی۔کم عمری میں ہی گردہ کی شکایت ہوگئی تھی۔علاج کے لئے اندرا گاندھی انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس پٹنہ گئے۔مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔جب زندگی روٹھ جائے تو اسے کون منائے۔۲رنومبر ۱۹۸٦ء مطابق ۲۸رصفر ۱۴۰۷ھ بروز یک شنبہ ہاسپٹل میں ہی سبھوں سے منہ موڑ کر راہی ملک عدم ہوئے۔

امارت شرعیہ پٹنہ کی میت گاڑی سے لاش گاؤں لائی گئی۔دوسرے دن بعد نماز ظہر باپ نے اپنے جواں سال بیٹے کی نماز جنازہ پڑھائی۔اس وقت ان کی عمر تیس سال کے قریب ہوگی۔پس ماندگان میں دولڑکے اور ایک لڑکی ہیں۔بڑا لڑکا حافظ محمد اویس ایک کامیاب حافظ ہیں اور اپنے باپ کے نقش قدم پر ہیں۔

آسماں راحق بود گر خوں بباد و بر زمیں

☆☆☆

مولانا محمد طالب الدین

(م۔۱۹۸۸ء)

مولانا محمد طالب الدین ابن حافظ محفوظ حسین ۲؍مارچ ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں مولانا شمس الاسلامؒ سے حاصل کرنے کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا ضلع بھاگلپور میں درجہ سوم میں داخلہ لیا اور اسی مدرسے سے ۱۹۳۹ء مطابق ۱۳۵۸ھ میں فوقانیہ کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف تشریف لے گئے اور درجہ مولوی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۲ء مطابق ۱۳۶۰ھ میں درجۂ مولوی کا بورڈ امتحان پاس کیا اور درجۂ عالم میں داخل ہوئے۔

تاریخ ہند میں ۱۹۴۲ء کا سال بڑا ہی ہنگامہ خیز رہا ہے۔ انگریزی حکومت کے خلاف پورے ملک میں آزادی کی تحریک چل رہی تھی اور یہ اپنے شباب پر تھی۔ آل انڈیا کانگریس اور جمعتہ العلماء ہند شانہ بشانہ ملک کی آزادی کے لئے سخت جدوجہد کر رہی تھی۔ اسی سال کانگریس نے ''ہندوستان چھوڑو'' کی تجویز پاس کی۔ جمعتیہ علماء ہند نے بھی اس کی پرزور تائید کی۔ مسلم رہنماؤں میں مولانا ابوالکلام آزاد (م۔۱۹۵۸ء)، مولانا حسین احمد مدنیؒ (م۔۱۹۵۷ء)، اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ پورے ملک کا دورہ کر رہے تھے۔ سیاسی اجتماعات میں ان حضرات کی تقریریں ہو رہی تھیں۔ انگریزی حکومت کے خلاف پورے ملک میں شدید نفرت کا ماحول تھا۔ مگر انگریزی حکومت اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لئے ہندوستانیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہی تھی۔ اسکول و کالج اور مدارس اسلامیہ کے اساتذہ اور طلبا بھی اس تحریک میں شامل تھے۔ مدرسہ عزیزیہ بہار شریف تحریک آزادی ہند کا ایک مرکز بن گیا تھا۔ حکومت کی طرف سے اس مدرسہ پر بھی بڑی کڑی نظر تھی۔ آخر کار مدرسہ بند ہو گیا۔ طلباء کو مدرسہ چھوڑ نے پر مجبور کر دیا گیا۔ مولانا محمد طالب الدین اس ہنگامہ خیز ماحول میں مدرسہ سے چند لڑکوں کے ساتھ پاپیادہ بھاگلپور کے لئے روانہ ہوئے اور سورج گڑھا ہوتے ہوئے مونگیر پہنچے اور بذریعہ کشتی آدم پور، بھاگلپور گھاٹ پر اترے اور پھر یہاں سے پیدل وطن واپس آئے۔ راستہ میں بڑی دشواریاں جھیلنی پڑیں۔ اس

طرح آپ کا تعلیمی سلسلہ بند ہو گیا اور گھر پر ہی رہنے لگے۔

مگر گھر کے اندر بہت بے چین تھے۔ بیکار زندگی گذارنا آپ کو پسند نہیں تھا۔۱۹۴۲ء میں آپ خاموشی سے گھر سے نکل گئے، اور کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ آدم پور ضلع بھاگلپور کے محمد عبدالغفور پورنیہ میں ڈی۔ای۔او کے دفتر میں کلرک تھے۔ ان کے ذریعہارریہ کورٹ کے ایک ال۔پی اسکول میں ملازمت مل گئی۔ آپ یہاں اپنی ملازمت کے دوران ارریہ کورٹ کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز بھی پڑھاتے تھے۔ گھر پر لوگ پریشان تھے۔ کچھ اتا پتا نہیں تھا۔ کسی طرح حکیم جمیل احمد، بھاگلپور کو خبر ملی کہ آپ ارریہ میں ہیں تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی حکیم شمس التوحید کو بھیج کر آپ کو بلوایا۔ جب حضرت مولانا عبدالحمید صاحب صدر مدرس محمودیہ سمریا کو آپ کی بیکاری کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو انگلش مقیم پور کے ایک مدرسہ میں بہ حیثیت استاد بھیج دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ وہاں بچوں کو تعلیم دینے کے علاوہ مسجد میں خود امامت کی ذمہ داری کو بھی انجام دینگے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ مدرسے کے صدر مدرس سے نباہ ممکن نہیں ہے۔ وہ نظر و نیاز کے سخت قائل تھے۔ ایک بار ایک کالا خصی مدرسہ میں بطور صدقہ آیا۔ مولانا محمد طالب الدین صاحب نے صاف انکار کر دیا کہ صدقہ کا گوشت میرے لئے حلال نہیں ہے۔ اس لئے میں اس گوشت کو نہیں کھا سکتا۔ یہ بات ان کو بری معلوم ہوئی۔ اسی طرح ایک جنازہ کے موقع پر صدر مدرس صاحب کا کہنا تھا کہ قبر میں تین مٹھی مٹی ڈالنا ضروری ہے۔ مولانا محمد طالب الدین صاحب کا کہنا تھا کہ مٹھی نہیں لپ ہے۔ اس میں شدید اختلاف ہو گیا۔ ایسے ماحول میں یہاں رہنا دشوار تھا اس لئے اپنے استاد سے اجازت لے کر مدرسہ کی ملازمت کو چھوڑ کر گھر چلے آئے۔ مولانا محمد عبدالرحمن ان دنوں یتیم خانہ قاضی ولی چک بھاگلپور کے سرپرست تھے۔ وہاں ایک استاد کی ضرورت تھی۔ انہوں نے مولانا طالب الدین صاحب کو گھر سے بلوایا اور ان سے گذارش کی کہ کچھ دنوں کے لئے یتیم خانہ کو سنبھال دو یہاں تمہاری سخت ضرورت ہے۔ مولوی محبوب حسین وکیل جو ڈاکٹر فخر الحسن کے والد تھے انہوں نے بھی اس کی تائید کر دی۔ ان حضرات سے مولانا محمد طالب الدین صاحب کے خاندان والوں کے

تعلقات تھے۔ انکار نہیں کر سکے۔ اس طرح آپ نے یہاں ۱۹۴۵ء میں تقریباً چھ ماہ کام کیا۔ اسی دوران آپ کو مولوی محمد جواد علی صاحب کورو ڈیہ، جو ان دنوں سلطان گنج کے ایک اسکول میں استاد تھے، نے اطلاع دی کہ کرشنا نند سورج مل ہائی اسکول سلطان گنج، بھاگلپور میں ایک استاد کی ضرورت ہے۔ آپ نے اس کے لئے سکریٹری صاحب کو درخواست دی۔ انہوں نے انٹرویو لے کر بحال کر دیا۔ اس طرح آپ نے ۱۱ر جولائی ۱۹۴۵ء کو ایک معاون مدرس کی حیثیت سے ۲۵ روپے ماہانہ تنخواہ اور آٹھ آنہ گرانی بھتہ پر اسکول جوائن کیا۔ یہ اسکول ان دنوں گورننگ بڈی (Govening Body) کے ماتحت تھا۔ جو آزادی کے بعد حکومت کی تحویل میں آیا۔ یہاں کی ملازمت آپ کو بہت راس آئی۔ لوگوں سے اچھے مراسم پیدا ہوئے۔ سلطان گنج بازار میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس کے بازو میں دو کمروں پر مشتمل ایک مدرسہ قائم کیا۔ بحمد اللہ آج بھی مسجد اور مدرسہ دونوں آباد ہیں۔ آپ نے اپنی ملازمت کے دوران ۱۹۶۱ء میں عالم اور ۱۹۷۰ء میں فاضل فارسی کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۷۵ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور ۱۹۷۹ء میں بہار اسکول سروس کمیشن میں ممبر نامزد ہوئے۔ ملازمت کے دوران آپ نے فارسی قواعد پر ایک کتاب بھی ترتیب دی تھی جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ مولانا محمد طالب الدین صاحب نے ایک عرصہ تک اس اسکول میں تعلیمی خدمت انجام دی اور ۳۱ر مارچ ۱۹۸۱ء کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس اسکول سے سبکدوش ہوئے۔ اساتذہ اور طلباء نے مشترکہ طور پر آپ کے اعزاز میں ایک شاندار الوداعیہ تقریب انجام دی۔ جس میں آپ کی خدمات اور اسکول سے آپ کی والہانہ محبت کو بڑی عقیدت کے ساتھ سراہا گیا۔

مولانا محمد طالب الدین صاحب کو دین سے محبت، دینی علوم اور اس کی اشاعت سے فطری لگاؤ تھا۔ آپ جب اور جہاں بھی رہے اس کے لئے کوشاں رہے۔ ان کا بیان ہے کہ ہمارے اساتذہ نے ہمیشہ اس امر کے لئے تلقین کی ہے کہ جہاں بھی رہو دین کی خدمت کرو۔ اسی میں اللہ کی رضامندی ہے۔ آپ نے تادم واپسیں اس کا خیال رکھا۔ اپنے والد کے انتقال (م۔ ۱۹۶۱ء) کے بعد اپنے بھائیوں اور

ان کی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔آپ کو اللہ نے ایک لڑکا محمد ظہیر الاسلام عطا کیا تھا وہ بھی مفقود الحواس اسی عالم میں اس نے ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو انتقال کیا۔

آپ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے ان کے انتقال (۱۹۵۷ء) کے بعد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ العلماء ہند کے دست حق پرست پر تجدید بیعت کی۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ عموماً گھر پر ہی رہے۔آپ ضیق النفس کے مریض تھے۔دن بدن کمزور ہوتے گئے۔اسی مرض میں ۹/جولائی ۱۹۸۸ء مطابق ۲۴ شوال ۱۴۰۸ھ کو اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

☆☆☆

مولانا عبدالحکیم

(۱۹۱۲ء۔۱۹۸۹ء)

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں میں حضرت مولانا شمس الاسلام صاحب سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ محمودیہ سریا بھاگلپور میں فوقانیہ تک تعلیم حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں فراغت حاصل کی۔حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ،مولانا عبدالمجید صاحب اور مولانا شمس الہدیٰ صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ افضلہ سوپول دربھنگہ آپ کے ہم جماعت تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ،حضرت علامہ انورشاہ کشمیری ،علامہ ابراہیم بلیاوی اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی وغیرہ جید اساتذہ سے کسب فیض کیا۔آپ اپنے ان اساتذہ کا تذکرہ بہت عزت واحترام سے کرتے اور ان کے اوصاف بیان کرتے تھے۔میں ان دنوں گھر پر آپ سے پڑھتا تھا۔غالباً یہ ۶۲۔۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے۔

فراغت کے بعد آپ نے موضع ڈہرپور میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تقریباً پانچ سال تک یہاں بچوں کو تعلیم دی۔ خانگی مشغولیت کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تاہم گھر پر پڑھانے کا عمل جاری رہا۔ کچھ دنوں تک آپ نے کپڑے کی تجارت بھی کی۔ آزادی سے بہت پہلے ہندوستان میں کپڑے پر کنٹرول تھا اور کوٹہ کے ذریعہ کپڑا ملتا تھا۔

یکم صفر ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۳ء کو مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں ۳۵ روپے ماہوار پر استاد مقرر ہوئے۔ آپ نے یہ ذمہ داری الحاج نثار احمد صاحب مہتمم مدرسہ کی خواہش کے احترام میں قبول کی تھی جو آپ کے والد جناب الفت حسین کے اپنے چچازاد بھائی تھے۔ ۷۴۔۱۹۷۳ء تک آپ نے نہایت ذمہ داری کے ساتھ یہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اپنی صحت اور ذاتی مجبوری کی وجہ سے اس عہدہ سے مستعفی ہوگئے۔ آپ ایک عالم باعمل اور فرض شناس انسان تھے۔ حق گوئی اور بے باکی آپ کی مشہور تھی۔ غیر شرعی امور کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے اگر کہیں کسی کو دیکھ لیتے تو بلا جھجک ٹوک دیتے خواہ کوئی ہو۔ گاؤں کی قدیم مسجد میں ایک عرصہ تک بلا معاوضہ بڑی پابندی سے امامت کے فرائض انجام دئے اور نکاح کے قاضی بھی رہے۔ اس سے جو رقم ملتی تھی وہ مسجد میں جمع ہوتی تھی اور آج تک یہ رقم مسجد میں جمع ہوتی ہے خواہ نکاح کوئی پڑھائے۔ رجسٹر نکاح میں تمام تفصیلات درج ہوتی تھیں۔ تقریباً سو سال قبل کا نکاح رجسٹر اب بھی موجود ہے۔ یہ رجسٹر نکاح دین مہر کے معاملے میں کئی بار عدالت میں پیش کیا جاچکا ہے۔

مولانا عبدالحکیم صاحب معاملات کے بڑے کھرے تھے۔ ان پر لوگوں کا اس قدر اعتماد تھا کہ کسی معاملہ میں ان کی شمولیت اس بات کی ضمانت تھی کہ سب درست اور صحیح ہوگا۔ انہوں نے بڑی پاک صاف اور متشرع زندگی گذاری۔ وہ کبھی متنازعہ شخصیت نہیں رہے۔ وہ بڑے پختہ قلم کے آدمی تھے۔ کوئی بھی معاملہ ہوگا وہ اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح کے کئی رجسٹر میری نظروں سے گذرے ہیں۔ گاؤں کے معاملات اور مسائل ان میں درج تھے۔ وہ بچوں پر بہت شفقت فرماتے تھے، ترش روئی، کدورت اور نفرت سے بہت دور تھے۔ آخر وقت میں نسیاں کا عارضہ ہوگیا تھا۔ صحت بھی دن بدن گرتی چلی گئی۔ اسی حال میں ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ بروز شنبہ انتقال کیا۔ نماز جنازہ آپ

کے چھوٹے بھائی مولانا ڈاکٹر عبدالحمید صاحب نے پڑھائی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل تھا اور فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے خلیفہ اور مجاز تھے۔ ۱۹۷۱ء میں اپنی اہلیہ اور دیگر بھائیوں کے ساتھ حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے تھے۔ ۲۷؍دسمبر ۲۰۰۴ء کو آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔ بڑی خدمت گزار، نیک سیرت، مہمان نواز اور خوش اخلاق خاتون تھیں۔ اللہ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

☆☆☆

مولانا محمد شہاب الدین

(م۔ ۱۹۹۲ء)

مولانا محمد شہاب الدین جناب مولانا شمس الاسلامؒ صاحب کے بڑے لڑکے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کرنے کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخل ہوئے۔ حضرت مولانا عبدالحمید، مولانا محمد غنی صاحب اور حافظ دیانت احمد سے کسب علم کیا۔ اس کے بعد مدرسہ عزیزیہ، بہار شریف تشریف لے گئے اور مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد یوپی سے فراغت پائی۔ فراغت کے بعد پٹنہ میں ہومیو پیتھک کالج میں داخلہ لیا اور سند حاصل کی۔ اسی دوران بیہہ پور بھاگلپور کے ایک سرکاری اسکول میں آپ کو ملازمت مل گئی۔ لیکن آپ اپنی ملازمت سے مطمئن نہیں تھے اس لئے بہت جلد اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

مولانا محمد شہاب الدین صاحب ایک باصلاحیت عالم تھے۔ مطالعے کا بہت شوق تھا۔ [illegible] زیادہ تر وقت مطالعہ میں صرف کرتے تھے۔ آپ بہت زیادہ مجلسی آدمی نہیں تھے۔ ایسی مجلس میں جس طرح کی عموماً گفتگو ہوتی ہے اس کو آپ پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ بچوں کو اپنے والد کی جگہ پر کبھی کبھی اسکول میں درس بھی دیتے تھے۔ تبلیغی جماعت سے آپ کا بڑا گہرا رشتہ تھا۔ دین کے کام کے لئے جماعت کے ساتھ

علاقوں میں گشت بھی کرتے تھے۔آپ بڑے سادہ وضع قطع میں رہتے تھے۔نمائش اور ظاہر پرستی کو پسند نہیں کرتے تھے۔جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز کی ادائیگی کا بڑا اہتمام تھا۔آپ کی تقریر بڑی مؤثر ہوتی تھی۔قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کرتے تھے۔۱۹۷۱ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے۔مولانا حسین مدنیؒ سے بیعت حاصل تھی۔آخر عمر میں نسیان کے مریض ہو گئے تھے۔۱۹۹۲ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ دین کے بڑے داعی تھے۔اپنے تمام بچوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ صرف کی ان کے تمام لڑکے بحمداللہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور دینی ادارہ سے منسلک ہیں۔آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت مولانا حافظ دیانت احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کی بڑی صاحبزادی ہیں۔وہ ایک مثالی شریک حیات بن کر ہر معاملے میں آپ کی مونس وغمخوار رہیں۔دینی امور کی انجام دہی میں انہوں نے ایک حد تک آپ کو فارغ کر دیا تھا۔انہوں نے بچوں کی تعلیم وتربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔جو گاؤں کے لئے ایک مثال ہے۔

بحمداللہ حیات سے ہیں۔خدا عمر دراز کرے۔مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ آپ نے بڑی خاموشی سے تعلیم کے معاملے میں بہتوں کی کفالت اور مالی معاونت کی ہے۔حضرت مولانا حافظ دیانت احمد کی تعلیم وتربیت کا آپ پر بہت اثر ہے۔آپ ایک وفا شعار بی بی، شفقت بھری ماں اور نیک سیرت خاتون ہیں۔آج بھی آپ داد ودہش کرتی رہتی ہیں۔اپنے حلقوں میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔راقم الحروف سے محبت رکھتی ہیں اور بڑی دعائیں دیتی ہیں۔جب کبھی بیمار ہوا عیادت کے لئے تشریف لاتیں اور ڈھارس بندھاتی رہیں۔اللہ ان کو بہتر اجر دے۔آمین

☆☆☆

مرزا انورالحسن بیگ

(م۔۱۹۹۳ء)

مرزا صاحب تقریباً ۵۸ سال کی عمر میں ۲۲ ر اور ۲۳ ر مارچ ۱۹۹۳ کی درمیانی شب میں انتقال

کرگئے۔ یہ موت اس قدر ناگہانی تھی کہ فجر کی نماز کے وقت جب ان کے چچازاد بھائی مرزا علی حسن بیگ (سپاہی جی) نے نمازیوں کو ان کی موت کی خبر دی تو سب دنگ رہ گئے۔ مرزا صاحب نے رات میں تراویح کی نماز باجماعت ادا کی تھی اور نمازیوں سے باتیں بھی ہوئی تھیں وہ بالکل ٹھیک تھے۔ یہ ۱۴۱۴ھ کے رمضان المبارک کی ۱۸ کی شب تھی۔ بہر حال موت سے کس کو رستگاری ہے۔

مرزا صاحب ایک زندہ دل اور ظریف انسان تھے۔ تعلیم تقریباً نہیں کے برابر تھی مگر تھے بہت زیرک اور ہوشمند۔ معاملہ فہمی اور مردم شناسی میں بے مثال تھے۔ قصہ گوئی اور داستان سرائی میں بڑی مہارت تھی۔ انداز بیان اس قدر عمدہ اور دلکش کہ رات بھر سنئے اور سنتے چلے جایئے۔ زبان میں بڑی نرمی اور حلاوت تھی۔ بڑوں اور چھوٹوں سے حسب مراتب گفتگو کرتے۔ بڑوں کو تو ماموں اور چچا کہہ کر ہی مخاطب کرتے۔ خدمت کا جذبہ بھی بہت تھا۔ عوامی کاموں میں پہلوتہی نہیں کرتے۔ جب بھی ان کو پکارا جاتا وہ ہمہ دم تیار رہتے۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر مطبخ کے امور کی انجام دہی میں بہت طاق تھے۔ گوشت اور سالن پکانے کا اچھا خاصہ تجربہ تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ اکثر یاد کئے جاتے اور وہ خندہ پیشانی اور خوش دلی سے اس میں شریک ہوتے۔

مرزا صاحب لاولد تھے لیکن رشتہ داروں کے بال بچوں کا پورا پورا خیال رکھتے اور رشتے کو بہتر طور پر نبھاتے۔ خوشی اور غم میں برابر شریک رہتے۔ مرزا صاحب، بھائی میں اکیلے تھے اور ایک بہن تھی۔ چچازاد بہن سے شادی ہوئی تھی جو پانچ بہنوں اور چار بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ مرزا صاحب اپنے چچا زاد بھائیوں میں ماسٹر محمد ولی حسن ساقی (اصلی نام مرزا ولی حسن بیگ) جو ڈی۔ ام۔ ہائی اسکول شیخ پورہ مونگیر میں ٹیچر تھے۔ ان کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ ان کے بچوں پر تو جان و مال سے فدا تھے۔

پورے گاؤں میں مرزا صاحب کا خاندان تنہا ہے جو مغل ترک میں سے ہے۔ عہد مغلیہ میں ان کے جدامجد مرزا عبداللہ بیگ فوج میں صوبہ دار تھے۔ جب ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو جاگیر میں تین سو بیگھہ زمین ملی۔ ۴۴ بیگھہ تو صرف موضع کوروڈیہ میں تھی۔ جو بھولا بابو کے زمینداری کا حصہ تھا یہ شاہ آباد آرہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے پس ماندگان رفتہ رفتہ برہ پورہ بھاگلپور میں قیام پذیر ہوگئے۔ یہاں

ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ بعد میں ان کے وارثین کوروڈیہ منتقل ہو گئے اور آج تک آباد ہیں۔ جاگیر تو ختم ہو گئی اور سپہ گری سے بھی یہ لوگ الگ ہو گئے۔ اب ذریعہ معاش بچی کھچی زمین ہے اور معلمی کا پیشہ۔ گاؤں کی قدیم پختہ مسجد (سن تاسیس ۲۴ رشعبان ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء) انہی کی زمین پر واقع ہے۔ ان دنوں موضع کوروڈیہ میں بھولا بابو بھڑ و کر اسٹیٹ کی زمین داری تھی۔ مسجد کی بنیاد کے وقت انہوں نے پختہ مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ کھڑی کر دی اور فرمان جاری کیا کہ میری زمین داری میں مسجد تعمیر نہیں ہو گی۔ آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ معاملہ ڈسٹرکٹ کورٹ تک پہنچا۔ انگریزوں کی حکومت تھی۔ پیمائش کے لئے سرکاری امین آئے۔ فیصلہ ہوا کہ یہ زمین عبداللہ بیگ کی زمین داری میں ہے۔ اس طرح اس مسجد کی تعمیر ممکن ہو سکی۔

مرزا کا خاندان اپنی رواداری، صلح و آشتی اور میل و محبت کے لئے معروف و مقبول ہے۔ خدمت گذاری، ملنساری اور بھائی چارگی میں گاؤں والوں کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں کہ رسم و رواج میں الگ ہوتے ہوئے بھی سبھوں کے ساتھ ہیں۔ مرزا صاحب کی موت یقیناً گاؤں کے لئے ایک بڑا نقصان ہے۔ وہ بہت دنوں تک یاد کئے جاتے رہینگے۔ سبھوں کے وہ بھیا تھے اور نورو بھیا کہہ کر پکارے جاتے تھے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆☆☆

مولوی محمد یٰسین

(۱۹۰۹ء۔۱۹۹۴ء)

مولوی محمد یٰسین ابن الفت حسین ۳ رفروری ۱۹۰۹ء کو اپنی نانیہال بدلو چک میں پیدا ہوئے اور

زندگی کا ابتدائی حصہ وہیں گذارا۔ آپ کی والدہ مولانا محمد علاء الدین[1] صاحب کی بڑی بہن تھیں۔ بڑی دین دار اور نیک خاتون۔ خود بھی تعلیم یافتہ تھیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ ان دنوں گاؤں میں تعلیم کا کوئی نظم نہیں تھا۔ اس لئے مولوی محمد یٰسین نے اپنی ابتدائی تعلیم بدلو چک میں اپنے ماموں کی نگرانی میں مولوی اخلاق احمد[2] سے حاصل کی اور یہ سلسلہ تقریباً ڈھائی سال تک چلا اور جب مولوی اخلاق احمد اپنے وطن واپس ہو گئے تو آپ نے سینو مڈل اسکول میں داخلہ لیا۔ یہاں چھ ماہ تک پڑھنے کے بعد اپنے گاؤں کوروڈیہ چلے آئے اور پاس کے ایک گاؤں برنو دا اسکول میں پڑھنا شروع کیا۔ یہ ایک غیر مسلم گاؤں ہے جہاں اساتذہ اور طلباء زیادہ تر غیر مسلم ہی تھے۔ آپ نے یہاں ہندی، حساب اور امانت کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۲ء میں جب گاؤں میں مکتب قائم ہوا اور حکومت سے اس کو منظوری مل گئی۔ مولانا شمس الاسلام صاحب اس کے پہلے مدرس مقرر ہوئے تو آپ اس اسکول میں داخل ہو کر پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔ میزان ومنشعب، نحو میر، گلستاں، بوستاں، رقعات عالم گیر، بہار دانش اور قلیوبی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ان دنوں اسکول میں غیر مسلم طلباء بھی پڑھتے تھے۔ گلستاں اور بوستاں تک کو کن

---

[1] الحاج مولانا محمد علاء الدین کا موضع بدلو چک کے ایک متمول خاندان سے تعلق تھا۔ آپ مدرسہ عالیہ کلکتہ سے فارغ تھے۔ بہت باصلاحیت۔ شعر و ادب کا بہت ستھرا ذوق تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے اور طیب تخلص تھا۔ مدرسہ اعزازیہ پتھنہ کے پہلے نائب مہتمم تھے۔ ۱۹۶۹ء مطابق ۱۳۸۸ھ میں انتقال ہوا۔ انہوں نے عربی، فارسی کی بیشتر نصابی کتابیں اپنے بھانجہ ڈاکٹر عبدالحمید کو یہ کہہ کر دے دیں کہ اب اس گھر میں اسے پڑھنے والا کوئی نہیں ہے۔ راقم حروف نے ان کی بیشتر کتابیں درجۂ فوقانیہ سے عالم تک میں پڑھی ہیں۔ ان میں جا بجا حاشیہ اور فارسی اور اردو کے اشعار درج ہیں۔ اب وہ کتابیں کہاں ہیں مجھے خبر نہیں۔

ان کی تین بیٹیاں ہوئیں۔ بڑی بیٹی ان کے بڑے بھائی کے بیٹے حاجی محمد کمال الدین (م۔ ۱۹۸۸ء مطابق ۱۴۰۸ھ) ابن محمد مکین الدین سے اور دوسری بیٹی محمد وسیم الدین مرحوم ابن محمد تمیز الدین سے منسوب ہیں اور سب سے چھوٹی بیٹی سروری بیگم کی شادی اپنے دوسرے بھائی حاجی محمد معین الدین کے بیٹے حاجی نور محمد (م۔ ۲۰۰۷ء ۔ ۱۴۲۸ھ) سے ہوئی جس سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ بحمد اللہ ابھی حیات سے ہیں۔ بہت ہی خوش اخلاق اور اپنے قرابت مندوں سے محبت کرنے والی، خوشی اور غم میں شریک ہونے والی۔ اللہ ان کی عمر کو دراز کرے۔ مولانا محمد علاء الدین صاحب کا ایک شعر یاد ہے۔

بڑی میٹھی نیند آپ سو جائیں طیب	یونہی اور یاں دیں غفلت کی کی

[2] مولوی اخلاق احمد بچوں کے اتالیق تھے اور موضع پورینی بھاگلپور کے رہنے والے تھے۔ (مصنف)

گروجی، گوراڈیہ کے کلد یپ منڈل کے والد آپ کے ہم جماعت تھے۔

مولوی محمد یٰسین نے ۱۹۲۷ء میں مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۰ء میں یہاں سے فوقانیہ کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۸ء میں آپ کی والدہ کا ہیضہ کی بیماری میں انتقال ہوگیا۔ آپ کے والد پر اس حادثہ کا اس قدر اثر ہوا کہ گھر کے سارے کاروبار سے اپنے آپ کو الگ کرلیا۔ سب سے بڑی اولاد ہونے کی وجہ سے گھر کی پوری ذمہ داری آپ کے سر آگئی۔ تین چھوٹے بھائی اور ایک بہن کی کفالت اور ان کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ آپ کے سامنے تھا۔ آمدنی کا واحد ذریعہ زمین کی پیداوار تھی۔ اس کا معتد بہ حصہ گروی یا بینک کے ذریعہ نیلام اور قرق ہو چکا تھا۔ ان دنوں گاؤں کی مالی حالت بہت بہتر نہیں تھی۔ چند گھرانے یقیناً بہت خوش حال تھے۔ یہاں سب ہی کاشتکار تھے۔ پیداوار بہت کم، سینچائی کا کوئی معقول نظم نہیں تھا لامحالہ لوگ زمین گروی رکھ کر بینک سے قرض لیتے تھے۔ وقت پر قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں زمین نیلام ہو جاتی۔ مالی دشواری اور بھائیوں کی تعلیم و تربیت کے پیش نظر اپنی تعلیم ترک کردی۔

۱۹۳۰ء میں موضع چکدریا ضلع بھاگلپور کے اردو مکتب میں آپ کو ملازمت مل گئی۔ محض سات روپے ماہانہ تنخواہ پر ۱۹۳۱ء میں۔ شیخپورہ مونگیر سے ٹیچر ٹریننگ کیا۔ اب آپ کی تنخواہ دس روپے ماہوار ہوگئی۔ اس ملازمت سے آپ کو کافی راحت ملی۔ آپ کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالحمید اس وقت مدرسہ محمودیہ سمریا میں زیر تعلیم تھے۔ یہاں سے فوقانیہ کرنے کے بعد مولانا عبدالحکیم نے دارالعلوم دیوبند اور مولانا عبدالحمید نے مدرسہ اعزیزیہ بہار شریف میں داخلہ لیا ان دونوں کے جملہ مصارف آخر تک آپ پورا کرتے رہے۔

آپ نے اپنی ملازمت کے دوران اپنے بھائیوں کو پڑھایا لکھایا، ان کی شادیاں کیں اور اپنی گروی شدہ زمین کو واگذار کرایا اور اس میں کافی اضافہ بھی کیا۔ جب زمین اچھی خاصی ہوگئی تو اس کی دیکھ ریکھ کی پوری ذمہ داری اپنے چھوٹے بھائی حاجی محمد عبدالرزاق کو سونپ دی۔ وہ مدرسہ اعزازیہ پتھنہ میں شرح وقایہ اور کنز پڑھ رہے تھے۔ ۱۹۷۵ء تک آپ کا خاندان مشترک تھا۔ انہوں نے پوری محنت اور ایمانداری سے گھر کے کاروبار کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

مولوی محمد یٰسین صاحب شروع سے مذہبی اور دین دار تھے۔ ۱۹۵۰ء میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۶۵ء میں حج بیت اللہ سے سرفراز ہوئے۔ ۲۸ر فروری ۱۹۷۱ء کو چکدریا اردو اسکول سے ہی سبکدوش ہوئے۔ اس وقت آپ کی تنخواہ ۲۳۵ روپے تھی۔

۱۹۲۸ء میں والدہ کے انتقال کے بعد آپ کی شادی موضع سنہولی میں جناب اشرف علی کی صاحبزادی بی بی زلیخا خاتون سے ہوئی۔ وہ ایک نیک سیرت، بلند حوصلہ اور بامروت خاتون ثابت ہوئیں۔ انہوں نے نہ صرف گھر گرہستی کو سنبھالا بلکہ گھر میں ماں کا کردار ادا کیا۔ آپ کے چھوٹے بھائی حاجی محمد عبدالرزاق کی عمر اس وقت تقریباً آٹھ سال کی تھی۔ وہ اپنے بھتیجوں کے لئے بھی بڑی ترحم گسار تھیں۔ ۱۹۷۶ء میں وہ حج سے فارغ ہوئیں اس کے ایک سال بعد انتقال ہو گیا۔ اللہ آپ کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائے۔ آمین

مولوی محمد یسین صاحب ایمان دار، جفاکش، سادگی پسند، کم سخن اور صلح جو انسان تھے۔ وہ اپنے اخلاق اور کردار کی وجہ سے ہر جگہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ موضع چکدریا کے بیشتر لوگ ان کے شاگرد ہیں اور آج بھی ان کے مداح ہیں۔ آپ رواداری، اخوت، مساوات اور شفقت و ایثار کے خوگر تھے۔ پوری زندگی اپنے بھائیوں اور ان کے بچوں میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی۔ سب کو ایک نظر سے دیکھتے۔ جائداد کی تقسیم میں بھی کوئی امتیاز نہیں برتا۔ ان کی زندگی میں میانہ روی اور اعتدال بہت تھا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی گھر پر بچوں کو درس دیتے رہے۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا بڑے فعال رہے۔ اہلیہ کے انتقال کے بعد اپنا کام وہ خود کرتے تھے دوسروں پر بوجھ نہیں بنے۔ آخر عمر میں سماعت کمزور ہو گئی تھی مگر حافظہ درست تھا۔ بینائی بالکل ٹھیک تھی۔ قرآن تلاوت کر لیتے تھے۔ چشمہ کبھی استعمال نہیں کیا۔ وہ صبر و ضبط کے پہاڑ تھے۔ کبھی غصہ ہوتے یا مار پیٹ کرتے نہیں دیکھا۔ گھر کے سبھی لوگ ان کی عزت اور احترام کرتے تھے۔ آپ ایثار و اتحاد کے سراپا پیکر تھے۔ خاندان پر آپ کا بڑا احسان ہے۔

۲۰ دسمبر ۱۹۹۴ء مطابق ۱۶ر رجب ۱۴۱۵ھ بروز سہ شنبہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ دوسرے

دن آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ آپ کے منجھلے بھائی مولانا عبدالحمید صاحب نے پڑھائی۔ نوراللہ مرقدہٗ۔

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

☆☆☆

حافظ عبدالرحمٰن

(م۔ ۱۹۹۵ء)

یہ الم ناک خبر پورے علاقے میں پھیل گئی کہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ یوں تو کسی کو قرار نہیں۔ ہر نفس کو موت کی آغوش میں جانا ہے۔ ہر جگہ اور ہر ایک تک اس کی رسائی ہے۔ کچھ موت اس قدر ناگہانی اور غیر متوقع ہوتی ہے کہ اچانک ان کے اٹھ جانے پر یقین نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو ایک صدمہ جانکاہ اور الم کے ساتھ۔ حافظ صاحب مرحوم کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔

۱۹رفروری ۱۹۹۵ء مطابق ۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ بروز یک شنبہ ایک معمولی علالت کے بعد حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔ مرحوم کو کوئی بڑا موذی اور جان لیوا مرض لاحق نہیں تھا بس شوگر کے مریض تھے۔ زندگی عناصر میں ظہور ترتیب کا نام ہے اور موت انہی اجزا کا پریشاں ہونا ہے۔ مرحوم نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جہاں کوئی زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ بس گاؤں کا ماحول علمی اور مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ کا فیض رواں دواں تھا۔ مرحوم نے اس مدرسہ میں الحاج حافظ نجابت حسین (م۔ ۱۹۸۵ء) سے کلام اللہ حفظ کیا اس کے بعد تجوید وقرآت کے لئے سہارنپور

تشریف لے گئے۔ تجوید کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وطن مالوف واپس آ گئے اور اپنے مادر علمی میں دوبارہ داخل ہو کر عربی و فارسی کی متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی۔ استاد یگانہ اور مربی کامل جناب مولانا خلیل احمد صاحب (م۔۲۰۰۹ء) اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ (م۔۱۹۶۹ء) کی تعلیم اور تربیت نے ان کی شخصیت کو جلا بخشی۔ گھریلو دشواری اور مالی پریشانی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکے اور بہت جلد فکر معاش نے ملازمت کے لئے مجبور کر دیا۔ آپ کئی تعلیمی اداروں میں درجۂ حفظ کے استاد مقرر ہوئے۔ ملازمت کے معاملے میں شاید آپ کو ذہنی قرار میسر نہیں تھا۔ کئی اداروں میں ملازمت ملی لیکن ٹھہر نہ سکے۔ آپ بلاشبہ بے بدل حافظ تھے۔ غضب کا حافظہ تھا۔ قرآن پاک بے حد یاد، کیا مجال کہ کہیں بھول جائیں اور متشابہات لگ جائے۔ اس علاقے نے بہتیرے حفاظ پیدا کئے لیکن حافظ عبدالرحمن جیسا کہاں۔ قویٰ مضبوط اور صحت بھی خوب۔ ایک ایک رات میں پورا قرآن سنا دیتے۔ لحن بھی سحر آگین تھا۔ فجر کی نماز میں جب لمبی قرآت فرماتے تو نمازی ایک کیف اور لحن میں گم ہو جاتے۔ بسا اوقات وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ ان کے حفظ کا شہرہ دور دور تک تھا۔ اس لئے نہ تو کبھی بیکار بیٹھے اور نہ کسی ادارہ میں آپ کو قرار ہی ملا۔ ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔

حافظ عبدالرحمن صاحب نے اپنی ملازمت موضع پورینی ضلع بھاگلپور سے شروع کی اور تقریباً چار سال یہاں درجۂ حفظ میں درس دیا۔ اس کے بعد مادر علمی مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں آپ طلب کر لئے گئے۔ یہاں آپ نے کئی سالوں تک درجہ حفظ میں بڑی تن دہی اور لگن سے پڑھایا۔ یہ ۱۹۶۰ء کے بعد کا زمانہ ہے۔ راقم حروف ان دنوں اس ادارہ میں درجہ عربی کا طالب علم تھا۔ حافظ صاحب ایک آپسی سازش کے شکار ہو گئے اور مجبوراً آپ کو یہ ادارہ چھوڑنا پڑا۔ بعدہٗ مدرسہ اسلامیہ ہنتھ بستی پور ضلع بھاگلپور میں آپ کو جگہ مل گئی۔ یہاں بھی آپ نے تقریباً چار سال تک درس حفظ دیا۔ یہاں بھی دل جمعی نصیب نہیں ہوئی اور گھر واپس آ گئے۔ موضع چلدریا ضلع بھاگلپور میں ایک دارالتحفیظ قائم ہوا یہ کوئی مستقل ادارہ نہیں تھا۔ پھر بھی چار سال تک آپ نے یہاں بچوں کو قرآن کی تعلیم دی۔ اسی دوران مدرسہ اسلامیہ برن پور ویسٹ بنگال نے آپ کو طلب کر لیا اور آپ نے یہاں تین سال تک بڑی شان و شوکت سے

تعلیمی خدمت انجام دی۔ یہ ایک قدیم دینی اور مشہور ادارہ ہے۔ دوری کی وجہ سے یہاں کی ملازمت کو ترک کر کے گھر واپس آ گئے۔ کچھ دنوں تک گھر پر درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا تا آنکہ ماسٹر محمد ولی حسن ساقی جوان دنوں کٹیہار کے ایک اسکول میں استاد تھے آپ کو اپنے ساتھ لے گئے اور آپ کٹیہار جامع مسجد کے امام مقرر ہوئے۔ موصوف کو یہ جگہ بہت راس آئی۔ آپ نے یہاں ایک مکتب بھی قائم کیا اور بچوں کو قرآن کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو کا درس دینا شروع کیا۔ یہاں تقریباً چوبیس سال تک آپ کا قیام رہا۔ جب آپ اپنی صحت سے مجبور ہو گئے تو گھر واپس آ گئے۔ دن بدن آپ کی صحت گرتی چلی گئی۔ آخرش ۱۹ ارر مضان المبارک ۱۴۱۵ھ کو اپنے دروازہ پر نماز تراویح میں ۱۲ پارہ قرآن سنا کر اپنے خالق حقیقی سے جو رحمٰن ہے انتہائی عجز وانکسار کے ساتھ عبدالرحمٰن بنکر جا ملے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔

حافظ صاحب ایک نیک طینت انسان تھے۔ طبیعت میں بڑی نرمی اور سادگی تھی۔ جفاکش اور محنتی تھے۔ کسی کام میں عار نہیں کرتے اور نہ اس کو اپنے لئے کسر شان سمجھتے۔ وہ ایک کامیاب استاد تھے۔ پوری زندگی قرآن پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ سال بھر میں نہ معلوم وہ کتنی بار قرآن ختم کر لیتے تھے۔ جہاں ہیں وہاں قرآن پڑھ رہے ہیں۔ کھیت کھلیان جا رہے ہیں قرآن کا ورد زبان پر جاری ہے۔ کھیت میں کام کر رہے ہیں، بازار جا رہے ہیں قرآن کی تلاوت جاری ہے۔ ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ قرآن کی تلاوت تھا۔ آخر دم تک وہ قرآن سے الگ نہیں ہوئے۔ اس شب میں بھی آپ نے تراویح پڑھائی جس دن آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے بے شمار حفاظ پیدا کئے۔ ان کے شاگردوں کی فہرست جس قدر لمبی ہے ان کی خوبیوں کی فہرست اس سے کچھ کم نہیں۔ یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے اس حدیث پر عمل کیا۔ خَیرُ کُم مَن تَعلَّمَ القرآنَ و عَلَّمَهٗ (بخاری)۔ آپ نے اپنے بڑے لڑکے حافظ مجیب الرحمٰن کو حفظ کرایا لیکن عزیز گرامی ۲ رنومبر ۱۹۸۶ء کو گردہ کی بیماری میں بہت کم عمری میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے وصال کے بعد ان کے لڑکے عزیزی محمد اویس کو اپنے پاس رکھ کر حفظ کرایا، اچھے حافظوں میں اب ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔ جب بھی علاقے میں حفاظ کا ذکر ہوگا اس میں حافظ عبدالرحمٰن کا احترام سے ذکر کیا جائے گا۔ اللہ قرآن پاک کی تلاوت کے صدقے میں آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت

میں داخل کرے۔ آمین ع

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

☆☆☆

مرزا علی حسن بیگ

(عرف سپاہی جی)

م۔۱۹۹۶ء

شہرت اور مقبولیت، قدر و منزلت، عزت و احترام، چھوٹے اور بڑوں میں یکساں مقبولیت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں اور نہ اس کا تعلق دولت و ثروت اور خاندانی وجاہت سے ہے۔ یہ ایک دولت ربانی ہے جن کو ملی فراواں ملی۔ ایسی ذات دنیا والوں کے لئے رحمت اور باعث راحت ہوتی ہے۔ خود کو صعب میں ڈال کر اوروں کی راحت رسانی کرتے ہیں۔ اسی کلفت میں ان کو سرور اور کیف ملتا ہے۔ دنیا میں مرکز مہر و وفا بن کر رہتے ہیں اور جب رخصت ہوتے ہیں تو ایک خلا چھوڑ جاتے ہیں۔ برسوں اس کو پر نہیں کیا جا سکتا اور ہر دل اس کمی کو محسوس کرتا ہے۔ یہی ان کی شہرت و مقبولیت کی دلیل ہوتی ہے۔ ایسی ہی شخصیتوں میں ہمارے، سپاہی جی کا شمار ہوتا ہے جو دسمبر ۱۹۹۶ء اور شعبان ۱۴۰۷ھ میں بڑی خاموشی سے اس جہانِ ہائے وہو سے رخصت ہو گئے۔

سپاہی جی ایک عام انسان تھے۔ بظاہر ان کے اندر کوئی خاص بات نہیں تھی جو ان کو ممتاز و منفرد کرنے کا ذریعہ بنتی۔ وہ زیادہ تعلیم یافتہ بھی نہیں تھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں قرآن، اردو اور فارسی کی چند بنیادی کتابیں پڑھی تھیں۔ معاش نے جب مجبور کیا تو سپہ گری کا پیشہ اختیار کیا۔ عہد برطانیہ میں سپاہی کے ایک معمولی عہدہ پر ملازمت ملی اور نمایاں خدمت انجام دی۔ جس کی وجہ سے اعلیٰ حکام میں قدر و منزلت پائی۔ ان کی زندگی کا اصلی جوہر

وفاداری، جفاکشی، فرماں برداری، وقت کی پابندی اور مذہب سے وابستگی تھی۔ اس قسم کی ملازمت میں رہ کر بھی دین و مذہب سے گہری وابستگی اور صوم وصلوٰۃ کی بڑی پابندی تھی۔ داڑھی ہمیشہ شرعی حد تک رہی۔ جہاں بھی رہے اسی امتیاز کے ساتھ رہے۔ واجبات و فرائض میں کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ ایک بار ایک سارجنٹ نے ان کو داڑھی منڈوانے کا مشورہ دیا۔ اس کے جواب میں آپ نے کہا حضور! سادہ کاغذ کا ایک ٹکرا ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ میں داڑھی تو نہیں مونڈوا سکتا یہ ہے میرا استعفیٰ نامہ۔ وہ سارجنٹ دنگ رہ گیا۔ اس کے بعد پھر کبھی ایسی نوبت نہیں آئی۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد اپنے بھائی ماسٹر محمد ولی حسن ساقیؔ اور ماسٹر محمد حسنین غالب کو اعلیٰ تعلیم دلائی اور ان کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا۔

۱۹۷۲ء میں اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ کچھ دنوں کے لئے مدنی مسافر خانہ، بھاگلپور میں ملازمت کی اس کے بعد گاؤں کی قدیم مسجد جوان کے گھر سے متصل ہے اور ان کی خاندانی زمین پر تعمیر ہوئی ہے اس کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ ۲۵ سال تک بلا معاوضہ انتہائی پابندی سے مسجد میں اذان دی۔ ان کی اذان سے لوگ اپنی اپنی گھڑیاں درست کرتے تھے۔ ان کا زیادہ وقت مسجد میں گذرتا تھا۔ مسجد کی صفائی اور جھاڑ پوچھ میں لگے رہتے تھے۔ دل مسجد سے اٹکا رہتا۔ مسجد میں قرآن کی تلاوت ان کا معمول تھا۔ آخری سانس تک مسجد کی محبت دل میں باقی رہی۔ جس وقت وصال ہوا عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں نماز کے انتظار میں تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور گھر جاتے ہوئے راستہ ہی میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ کچھ دنوں سے کمزور ہو گئے تھے۔ اذان بھی نہیں دے پا رہے تھے۔ وہ سبھوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ دوسروں کی خدمت کے لئے ہمہ دم تیار رہتے۔ بڑے حق گو اور بے باک تھے۔ مصلحت کوشی اور عصبیت ان کے لئے کبھی سدراہ نہیں بنیں۔ رہے نام اللہ کا۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

☆☆☆

مولوی محمد احسان

(م۔۱۹۹۷ء)

مولوی محمد احسان بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ بہتوں کے دلوں میں بستے تھے۔ ان کی خفگی اور گالیوں میں بھی ادائے دلبری تھی۔ کچھ لوگ تو جابجا ان کو چھیڑتے اور گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوتے۔ وہ دل کے صاف تھے۔ کینہ اور بغض تو نام کو نہیں تھا۔ ابھی لڑائی ہوئی فوراً ہی ہل مل کر محو گفتگو ہیں۔ حیرت ہوتی!

ابتدائی عمر میں قدرے لاابالی تھے۔ خورد ونوش کے کافی شوقین۔ فضول خرچی کی حد تک۔ باپ کے اکلوتے تھے۔ اسے کون مناتے اور سمجھاتے۔ طبیعت میں تیزی اور تندی تھی۔ بہت جلد رنج ہوجاتے اس سے زیادہ جلد میل کرلیتے۔ بولنے میں کافی حق گو تھے۔ اس کا خیال نہیں کرتے کہ کیا بول رہے ہیں اور کہاں بول رہے ہیں۔ اس سے لوگوں کی دل آزاری بھی ہوتی تھی۔ مگر ان کے بھولے پن پر کسی نے باز پرس نہیں کی۔ آخر عمر میں کچھ دنوں کے لئے گاؤں سے باہر چلے گئے تھے۔ روایت ہے کہ اس مدت میں بھی وہ خدمت خلق میں مصروف تھے۔ ان کو اپنی ذات پر بڑا اعتماد تھا۔ بعض دینی معاملات میں اپنے علمی حد سے بھی متجاوز ہوجاتے اور تحکمانہ لہجہ اختیار کرلیتے۔ پھر بھی لوگ اس کو گوارہ کرتے۔

وہ پیار سے کئی ناموں سے یاد کئے جاتے۔ حضرت جی، سردار جی اور ملاجی وغیرہ۔ لیکن وہ کبھی خفا نہیں ہوتے اور اسے پیار پر محمول کرتے۔ ان کا وجود سراپا پیار تھا۔ وہ سبھوں سے پیار سے ملتے۔ چھوٹے ہوں کے بڑے سبھوں کو پیار سے دیکھتے۔ ان کے اندر بڑی رواداری تھی۔ ان کے بعض احباب کا ان کے بغیر دل ہی نہیں لگتا تھا۔ آپس میں خوب چھیڑ چھاڑ کرتے۔ جب تنگ آجاتے تو کہتے۔

ہم نہ ہونگے تو بہت یاد کروگے

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں تعلیم پائی تھی۔ ذاتی مطالعہ سے اپنے کو کبھی اس سطح سے گرنے نہیں دیا۔ تلاوت کلام پاک اور فضائل اعمال کا مطالعہ بکثرت کرتے تھے۔ آخر عمر میں نماز کی بڑی پابند

ی ہوگئی تھی۔ تہجد گذار بن گئے تھے۔ ان کے عقیدت مندوں میں اضافہ بھی ہوگیا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد ان کے اپنے کچھ معمولات تھے۔ مرحوم بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔

ایک مختصر علالت کے بعد ۳ر جولائی ۱۹۹۷ء مطابق ۲۶ صفر ۱۳۱۸ھ کو دن کے گیارہ بجے داعی اجل کو لبیک کہا۔ وہ ایک معمولی مرض میں مبتلا تھے اور ایسے مریض بھی نہیں تھے کہ بستر پر موت کے انتظار میں ہوں۔ چلتے پھرتے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جس نے بھی ان کی موت کی خبر سنی، حیرت ہوئی کہ ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے۔

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

☆☆☆

حافظ محمود حسن

(م۔ ۱۹۹۸ء)

متھلا یونیورسٹی میں گرمی کی تعطیل تھی۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ گاؤں آیا ہوا تھا۔ ظہر کی نماز میں حافظ محمود حسن سے ملاقات ہوئی۔ خیریت دریافت کرنے پر بتایا کہ یرقان کی وجہ سے طبیعت گری گری رہتی ہے۔ ان کی دونوں آنکھیں بالکل زرد اور چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ پچھلے کئی مہینوں سے اس مرض میں مبتلا تھے اور پورینی کے ایک حکیم کے زیر علاج تھے۔ ہر دن کسی نہ کسی نماز میں وہ ضرور پوچھ لیتے کہ میری آنکھ دیکھئے اب کیسی ہے؟ بظاہر ان کی آنکھوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا تاہم دلجوئی میں کچھ نہ کچھ کہہ دیتا۔ ایک دن دیکھا کہ فجر کی نماز وہ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔ میں دوسری صف میں ان کے پیچھے تھا۔ نماز کے بعد میں نے ان کی خیریت دریافت کی۔ بولے رات سے کمزوری بہت معلوم ہو رہی ہے۔ میں نے ان کو مشورہ دیا کہ اب کسی دوسرے ڈاکٹر سے رجوع کیجئے۔ اس کے بعد ان کا پورا جسم کانپنے لگا۔ میں نے سہارا دے کر ان کو بیٹھایا۔ لیکن وہ گھر جانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ دوسرے دن وہ بھاگلپور شہر

لے جائے گئے۔ایک ہی دن کے بعد وہ گھر واپس آ گئے۔دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد میں ان کے گھر گیا اور دیکھا کہ وہ آنگن میں ایک چار پائی پر دراز ہیں اور دوسری چار پائی پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔میں بھی اسی چار پائی پر بیٹھ گیا۔خیریت دریافت کی۔دل گیر آواز میں بولے بس دیکھ لیجئے۔اس کے بعد ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔میں نے ان کو تسلی دی اور خاموش بیٹھ گیا۔اسی دوران ان کے لڑکے محمد اختر سلمہٗ نے اکسرے رپورٹ اور ڈاکٹر انجم پرویز کا نسخہ لاکر دکھایا۔اکسرے رپورٹ تھی۔جگر بڑھ گیا ہے،مثانہ میں پتھر ہے،دل کی دیوار قدرے پھیل گئی ہے اور نسخہ میں کچھ دوائیں تجویز ہوئی تھیں اور اس کے آخر میں لکھا تھا۔ (Refered to Tata Cancer Institute Bombay)۔حافظ صاحب کے لئے فوری طور پر بمبئی کا سفر اتنا آسان نہیں تھا۔بہر حال وہ ۱۰ر جون ۱۹۹۸ء کو پٹنہ لیجائے گئے۔۱۲ر جون ۱۹۹۸ء مطابق ۱۶ر صفر ۱۴۱۹ھ بروز جمعہ بوقت پونے پانچ بجے شام حافظ محمود حسن صاحب پٹنہ میں انتقال کر گئے۔پورے علاقے میں ان کی موت کی خبر پھیل گئی۔

دوسرے دن صبح سے ہی قرب و جوار کے لوگ ان کے جنازے میں شرکت کے لئے پہنچنے لگے۔اس وقت تک ان کی لاش نہیں آئی تھی۔اس لئے وقت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا کہ نماز جنازہ کس وقت ہوگی۔غضب کی گرمی۔لوگ گرمی کی شدت سے پریشان تھے۔آنے والے جہاں تہاں آرام کر رہے تھے اور حافظ صاحب کی آخری دیدار کے لئے سراپا شوق بنے ہوئے تھے۔دوسرے دن گیارہ بجے امارت شرعیہ پٹنہ کی میت گاڑی سے ان کی لاش لائی گئی۔جو لوگ کل سے ان کی دیدار کے لئے سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے یہ خبر سنتے ہی ان کے گھر پر ٹوٹ پڑے۔دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ گئی۔کچھ دیر بعد میں بھی اپنے بوجھل قدموں کے ساتھ ان کے گھر کی جانب روانہ ہوا۔دل بجھا بجھا اور دماغ محشر خیال بنا ہوا۔اس وقت بھی ان کے گھر پر کافی بھیڑ تھی۔لوگوں کو ہٹاتے اور بھیڑ کو چیرتے ہوئے ان کی لاش تک پہنچا۔چہرہ کھلا ہوا،پورا جسم ایک سفید چادر سے ڈھکا ہوا۔چادر جہاں تہاں بھیگ کر ان کے جسم سے چپک گئی تھی۔لاش گرمی کی وجہ سے تابوت میں برف سے ڈھک کر لائی گئی تھی۔اس لئے پورا جسم بھیگا ہوا اور چہرہ اُتھڑا ہوا اور داڑھی بے ترتیب بکھری ہوئی تھی۔حسرت و یاس کا منظر،ہر طرف آہ و بکا،لوں پر ایسی

کیفیت پیدا کررہی تھی کہ ہر آنے والا ایک نظر دیکھ کر دھاڑیں مارنے لگتا۔ میں بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پاسکا اور بے اختیار آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ لرزتے، کپکپاتے باہر نکلا اور لمبے لمبے ڈگیں بھرتا لڑکھڑاتا گھر آکر بستر پر گر پڑا۔ بہت دیر تک ذہن کے پردے پر حافظ صاحب کے نقوش بڑی تیزی سے ڈوبتے اور ابھرتے رہے۔ مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی، نہ تو یہ عین بیداری کا عالم تھا اور نہ نیند کا۔

اس دن نماز ظہر وقت مقررہ سے ایک گھنٹہ قبل ادا کی گئی۔ جنازہ قبل سے تیار تھا۔ نماز کے بعد سب لوگ براہ راست قبرستان پہنچے۔ دھوپ کی شدت اور لو کی لپٹ سے سب ہراساں، چھاؤں کی تلاش میں پیڑوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ نماز جنازہ کے لئے جب صفیں درست ہونے لگیں تو آسمان پر بادل کے ٹکرے یہاں وہاں نظر آئے۔ نماز جنازہ ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آسمان پر بادلوں کا سائبان تن گیا۔ دھوپ کہیں اور چھپ گئی۔ حافظ عبدالخالق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ استاذ گرامی مولنا عبدالسلام صاحب نوراللہ مرقدہ کی نماز جنازہ کے بعد میں نے کسی اور جنازہ میں اتنی بڑی بھیڑ نہیں دیکھی۔ سبھوں نے راحت کی سانس لی۔ جنازہ انتہائی احترام کے ساتھ بادلوں کے سائے میں قبر میں اتارا گیا۔ لوگ ابھی قبر پر مٹی ڈال ہی رہے تھے کہ پچھم سے کالی گھٹا اٹھی اور آسمان پر چھا گئی۔ جو سورج انگارے اگل رہا تھا، آسمان شعلے برسا رہا تھا اور فضا جل رہی تھی۔ پچھم ہی سے ایک ایسی جانفزا ہوا چلی کہ فضا بدل گئی۔ جو جسم دھوپ کی تمازت سے جل رہا تھا اور گرمی کی شدت سے شرابور تھا، سرد ہوا نے جسم کو برف کی چادر سے گویا ڈھانک لیا۔ جناب حافظ صاحب کو سپرد خاک کر کے گھر واپس ہو رہے تھے کہ بوندیں پڑنے لگیں۔ گویا آسمان نے بھی حافظ صاحب کو اشک بار آنکھوں سے الوداع کہا۔

حافظ محمود حسنؒ مرد پاک باز اور نیک طینت انسان تھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور حافظ نجابت حسین مرحوم سے کلام اللہ کا حفظ مکمل کیا تھا۔ فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور ملازمت میں آگئے۔ ابتدائی زندگی بڑی عسرت میں گذری تھی۔ زمین جائداد قبل ہی بینک کے ذریعہ نیلام ہو چکی تھی۔ مزید تعلیم کی کوئی صورت نہیں تھی اور ملازمت مجبوری تھی۔ پرائمری اسکول میں ملازمت ملی۔ پہلے بیہ پور، بھاگلپور، پھر موضع چکدریا اور اس

کے بعد سنہولی میں ملازمت کی۔ ملازمت کا بیشتر حصہ اسی گاؤں میں گذرا۔ یہاں وہ ناظرہ قرآن، فارسی اور اردو کا درس دیتے رہے۔ یہاں مکتب میں آپ سے کئی لڑکوں نے قرآن شریف بھی حفظ کیا تھا۔ وہ ایک جفاکش، ایماندار، محنتی اور وقت کے پابند انسان تھے۔ ملازمت کے دوران آپ جہاں بھی رہے انہیں اوصاف کے ساتھ رہے۔ آپ کے معمولات میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ ان کے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔

موضع سنہولی سے غالباً ۱۹۸۴ء میں آپ ملازمت سے سبکدوش ہوئے تھے۔ لیکن گاؤں والوں نے آپ کو بچوں کی تعلیم کے لیے یہیں روک لیا اور تقریباً چار سال تک یہاں ملازمت کے بعد بھی بچوں کو درس قرآن دیا۔ اس کے بعد آپ گاؤں چلے آئے۔ یہاں ڈاکٹر شفیع احمد صاحب کے دروازہ پر ایک مکتب قائم ہوا اور یہاں بھی بچوں کو قرآن، اردو اور فارسی کا درس دیا۔ اس کے بعد ماسٹر محمد ولی حسن ساقی کے ساتھ شیخ پورہ مونگیر چلے گئے۔ یہاں آپ یحییٰ پور کی مسجد میں امامت کرتے اور باقی وقتوں میں بچوں کو قرآن کا درس دیتے تھے۔ بعد میں آپ موضع چورور ضلع مونگیر تشریف لے گئے اور یہاں بھی یہی معمول رہا۔ اپنی صحت کی خرابی اور جان لیوا بیماری کے بعد رمضان سے قبل ہی گاؤں واپس آ گئے تھے۔

وہ نماز باجماعت کے سخت پابند تھے اور ہر حال میں مسجد ہی میں نماز ادا کرتے تھے۔ مسجد سے ان کی غیر حاضری اس بات کی علامت تھی کہ وہ گاؤں سے باہر ہیں یا سخت بیمار ہیں۔ قرآن کی تلاوت ان کا معمول تھا۔ قرآن بہت یاد تھا پھر بھی قرآن کو سامنے رکھ کر ہی تلاوت کرتے تھے۔ مسجد میں زیادہ تر وہ خود ہی امامت کرتے تھے۔ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ دین اور دینی امور سے ان کو بہت شغف تھا۔ ۱۹۹۱ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ حج سے فارغ ہوئے تھے۔ آپ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت بھی تھے۔ انہوں نے صاف ستھری زندگی گذاری۔ ایسی مجلسوں سے گریزاں رہتے جہاں لوگ وقت گذاری اور خوش گپیوں کے لئے جمع ہوتے ہوں۔ طبیعت نرم اور گداز تھی۔ معمولی واقعات وحادثات سن کر نم دیدہ ہو جاتے اور دوسروں کی تکلیف سے رنجیدہ ہوتے۔ رہن سہن میں بڑی سادگی تھی۔ گھر کے کام کاج میں جٹ جاتے اور بڑے انہماک سے کرتے۔ خدمت کا جذبہ بھی تھا۔ انہیں

وقت میں اپنے والد جناب محمد غریب اللہ مرحوم کی خوب خوب خدمت کی اور اپنے تمام بھائیوں کے مقابلے میں زیادہ حق پدری ادا کیا۔

حافظ صاحب فطرتاً عجلت پسند واقع ہوئے تھے۔ طبیعت کے خلاف اگر کوئی بات ہو جاتی تو فوراً رنج ہو جاتے لیکن اس کو کبھی کوئی دوسری شکل نہیں دیتے۔ بڑی چاق و چوبند زندگی گذاری۔ سستی تو ان سے کوسوں دور بھاگتی۔ آخر وقت تک انہوں نے اپنے اوپر سستی اور کاہلی کو طاری نہیں ہونے دیا۔ ارادہ کے بڑے پختہ تھے۔ جو کہتے وہ کر گذرتے۔ اسی عزم و ارادہ کی پختگی کا نتیجہ تھا کہ ان کی نماز قضا نہیں ہوتی تھی۔ آخری دنوں میں بھی وہ پابندی سے مسجد جاتے اور نماز پڑھاتے تھے۔ علاج کے لئے بھاگلپور شہر جانے سے پہلے انہوں نے فجر کی جو نماز ادا کی تھی مسجد میں ان کی وہ آخری نماز تھی۔ اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل ان کی ایک وقت کی نماز قضا ہوئی اور وہ نماز جمعہ تھی۔ اس وقت ان پر سکرات موت طاری تھی۔ یوں بھی اس وقت ان پر نماز فرض نہیں تھا۔ اس سے قبل وہ تمام نماز بیماری کے عالم میں بھی اشارے سے ادا کرتے رہے اور عصر کی اذان سے قبل ایک ایسے وقت میں سفر آخرت شروع کی جو دعا کی قبولیت کے لئے بہترین اوقات میں سے ہے۔ ممکن ہے رب قدیر نے اس مبارک و میمون گھڑی میں اپنے نیک بندہ کو شرف قبولیت بخش کر اپنے پاس بلالیا ہو۔ اللہ بس باقی ہوس۔

مولانا محمد شمس الدین

(م۔۱۹۹۸ء)

مولانا محمد شمس الدین کے والد کا نام محمد بقاء اللہ تھا۔ وہ بڑی کروفر کی زندگی گذارتے تھے۔ جب وہ شہر جاتے تو ان کے ملازم سامان سفر ساتھ لئے پھرتے۔ اس وقت آمد و رفت کا واحد ذریعہ بیل گاڑی تھی۔ لیکن لوگ پیدل سفر کرتے تھے۔ ندی نالے راستے میں بڑے مزاحم تھے۔ گاؤں میں سب سے زیادہ زمین شیخ بقاء اللہ کی نیلام ہوئی آخر میں قلاش ہو گئے۔ انہی حالات میں مولانا شمس الدین پروان

چڑھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا فخر الدینؒ اور علامہ ابراہیم بلیاوی جیسے نابغۂ روزگار اساتذہ سے کسب علم کیا تھا۔ آخر عمر تک وہ باقیات الصالحات میں شمار ہوتے تھے اور عالمانہ شان میں رہتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد عارضی طور پر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں کچھ دنوں درس دیا تھا۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ باصلاحیت اور صاحب علم تھے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب کہ دینی اداروں میں ہمہ شما کا انتخاب نہیں ہوتا تھا۔ کسی ادارہ میں استاد ہونا ایک فخر کی بات تھی۔ مدرسہ اعزازیہ سے آپ مدرسہ اسلامیہ گمہری ضلع مدھے پورہ چلے آئے اور یہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران مدرسہ حنفیہ مجیدیہ راج پور ضلع سوپول میں آپ طلب کر لئے گئے۔ یہ ادارہ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق تھا۔ آپ کا زیادہ تر قیام انہیں علاقوں میں رہا اور اپنی تعلیمی خدمات بھی انہی علاقوں میں پیش کیں۔ گاؤں بہت کم آتے تھے۔ جب آتے تو مسجد میں لوگوں سے ملاقات ہوتی۔ گھر سے باہر بہت کم نکلتے تھے۔ جسم بھاری تھا چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی تھی۔ گاؤں میں سسرال بھی تھی۔ رشتہ دار چھیڑ چھاڑ بہت کرتے تھے اور آپ اس سے گریز کرتے۔ جب آپ مستقل گھر پر رہنے لگے تو صرف جمعہ کے دن نظر آتے۔ صاف ستھرے لباس میں ملبوس مسجد اول وقت میں جاتے اور نماز کے بعد سیدھے گھر آجاتے۔ راستے میں جو مل گئے مسکرا کر سلام وکلام ہوا اور بس۔ طبعاً آپ بہت سادہ مزاج اور بے ریا انسان تھے۔ ۱۵ر ستمبر ۱۹۹۸ء کو بڑی خاموشی سے سفر آخرت شروع کیا۔ جن کو بھی خبر ملی وہ دنگ رہ گئے۔ چلتے پھرتے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ گاؤں کے علماء میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ (م۔ ۱۹۹۱) سے آپ بیعت تھے۔

☆☆☆

بابو محمد عیاض الدین

(م۔۱۹۹۹ء)

جناب محمد عیاض الدین ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام محمد غیاث الدین تھا۔آپ اپنی کم عمری میں ہی یتیم ہوگئے تھے۔آپ کی بڑی خالہ (قاری محمد صالح کی والدہ) نے آپ کی پرورش و پرداخت کی۔اور اپنے ماموں محمد سعید ابن حاجی محمد لیاقت حسین کی تربیت اور نگرانی میں ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے۔کچھ دنوں مدرسہ سمریا بھاگلپور میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔یہاں متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی۔شروع سے کمزور صحت کے تھے۔اکثر بیمار رہتے۔ایک بار دارالعلوم دیوبند میں شدید بیمار ہوگئے۔آپ کے بڑے بھائی جناب بابو محمد ریاض الدین (م۔۲۰۰۹ء) نے آپ کو گھر بلوالیا۔گھر پر تقریباً چھ ماہ تک زیرِ علاج رہے۔یہ تعلیمی سال آپ کا رائگاں گیا۔لمبی کھیتی باڑی تھی۔بڑے بھائی دفتری امور اور زمین کے معاملے میں اکثر شہر میں رہتے تھے۔گھر پر زمین جائداد کو دیکھنے کے لئے اور کوئی نہیں تھا۔آپ کے مربی ماموں جناب محمد سعید مرحوم جب تک حیات سے رہے وہ خود اس کی نگرانی کرتے تھے۔لیکن ان کا انتقال ہو چکا تھا۔بڑے بھائی نے گھر کی نگرانی اور ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی۔اس طرح آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔

۱۹۶۶ء میں جناب حاجی محمد جمال الدین بدلو چک کی چھوٹی صاحبزادی بی بی شمس النساء صاحبہ سے آپ کا نکاح ہوا۔آپ بہت کم آمیز اور کم سخن تھے۔مزاج میں نرمی اور طبیعت میں سادگی تھی۔جب لوگ ان سے ملتے تو زیادہ تر ان کی باتیں سنتے اور آپ بہت کم بولتے تھے۔دولت مند ہونے کے باوجود کبر و نخوت اور فخر و مباہات سے دور تھے۔فتنہ پروری اور شر انگریزی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔شکوہ شکایت اور غیبت جیسی لعنتوں سے پرہیز کرتے تھے۔جوش و جذبہ کے آدمی نہیں تھے۔اس لئے سماجی اور فلاحی امور میں پیش قدمی نہیں کرتے۔جب لوگ ان سے ملتے اور تعاون کے لئے گذارش کرتے تو ایسے

موقعوں پر تعاون سے گریز اور پہلو تہی بھی نہیں کرتے تھے۔ حاجت مندوں کی خفیہ طور پر حاجت روائی بھی کرتے لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے۔ مزاج میں سختی و درشتی نہیں تھی اس لئے بچوں کی تربیت میں وہ عمل داخل نہیں تھا جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ معاملہ میں صاف اور کھرے تھے۔ صبر وضبط کا ملکہ بہت تھا۔ پریشانیوں کو جھیل لیتے اور اس کا اظہار بہت کم کرتے۔ ان کی زندگی بڑی سہل تھی۔ زندگی کی الجھی زلفوں کو سلجھانے کی بہت فکر نہیں کرتے تھے۔ ہر موڑ پر اپنے دامن کو زندگی کے خارزاروں سے الجھنے نہیں دیا۔ اپنے چھوٹے اور بڑوں سے محبت سے ملتے اور رشتوں کا خیال رکھتے تھے۔

ایک معمولی علالت کے بعد ۶ رفروری ۱۹۹۹ء بروز شنبہ کر جی ہاسپٹل پٹنہ میں انتقال کر گئے۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ جناب حافظ محمد صالح صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ خدا مغفرت کرے آمین۔

محمد کفایت اللہ

(م۔۱۹۹۹ء)

شیخ محمد کفایت اللہ ۱۹۰۱ء میں ایک متوسط خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ داؤد علی ایک صلح جو، انصاف پسند، حق گو اور بامروت انسان تھے۔ ہندو مسلم میں یکساں مقبول و معروف تھے۔ ان دنوں گاؤں کی آبادی مخلوط تھی۔ شیخ کفایت اللہ اپنے والد کی واحد اولاد نرینہ تھے۔ آپ بھی اپنے باپ کی طرح صلح پسند، حق گو اور ملنسار آدمی تھے۔ اردو ہندی اور دیوناگری کے علاوہ امانت کے فن سے خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ ان دنوں گاؤں یا اس کے آس پاس گاؤں میں باضابطہ تعلیم کا کوئی خاص نظم نہیں تھا۔ جو بھی تعلیم حاصل کی وہ مروجہ دستور کے مطابق تھا۔ آپ کا قوی مضبوط اور حافظہ زبردست تھا۔ واقعات و جزئیات جو بھی ان کے زمانے میں رونما ہوئے ان کے حافظے میں سنہ و سال کے ساتھ محفوظ تھے اور آخر وقت تک محفوظ رہے۔ جب بھی لوگوں کو تاریخی حوالہ اور واقعاتی حالات جاننے کی

ضرورت پڑتی ان کی طرف رجوع کرتے اور وہ بے دریغ حوالے پر حوالہ دیتے چلے جاتے۔ پرانے رشتوں کی گتھیاں ہوں یا تاریخی موشگافیاں وہ اسے خوب سلجھاتے اور پوری دل چسپی کے ساتھ اس کو دہراتے چلے جاتے۔

وہ بڑے مذہبی خیال کے تھے۔ نماز روزہ کی پابندی شروع سے تھی۔ گاؤں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے وہ پہلے مرید تھے۔ ان سے پہلے لوگ خانقاہ رحمانی مونگیر کے ارادت مند تھے یا پھر حضرت مولانا محمد سہول عثمانیؒ پورینی سے بیعت ہوتے تھے۔ مرحوم کو مطالعے کا بہت شوق تھا۔ وہ اکثر کتابوں کے مطالعے میں مشغول رہتے۔ پابندی سے قرآن کی تلاوت بکثرت کرتے تھے۔ یہ عمل آخر وقت تک جاری رہا۔ نماز جماعت سے ادا کرتے۔ ضعف کے عالم میں بھی وہ مسجد نہیں چھوڑتے تھے۔

آپ کی بیشتر زمین بینک کے ذریعہ نیلام ہوگئی تھی اور معاشی طور پر پریشان حال ہوگئے تھے۔ ساٹھ ستر کی دہائی میں کسب معاش کے لئے باہر نکلنا پڑا۔ سپاہی ٹولہ پورنیہ کی مسجد میں امام مقرر ہوگئے۔ امامت کے علاوہ مسجد میں وہ بچوں کو قرآن اور اردو کا درس بھی دیتے تھے۔ جب صحت کمزور ہوگئی تو گھر واپس آگئے۔ اس وقت تک آپ کے لڑکے بھی تعلیم سے فراغت حاصل کر کے ملازمت میں آگئے تھے اور معاشی تنگ دستی بھی رفع ہو چکی تھی۔ ان کی آخری زندگی بڑی طمانیت، سکون اور آرام میں گذری۔ تمام ذمہ داریوں سے آزاد۔ کھانا اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا آپ کا معمول ہو گیا تھا۔

مطالعہ کی کثرت اور حافظہ کی قوت نے آپ کو خاصہ جانکار بنا دیا تھا۔ دینی معلومات، مسئلے کی جانکاری اور ان کی جزئیات تک رسائی ہوگئی تھی۔ بعض موقعوں پر دینی امور کے مسئلے وہ بے دریغ بیان کرتے تھے اس مناسبت سے کچھ لوگ ان کو مفتی کفایت اللہ بھی کہنے لگے تھے۔ وہ مفتی تو نہیں تھے لیکن دین کے معاملے میں ان کی جانکاری ایک عام آدمی سے بہت زیادہ تھی۔ وہ چھوٹے اور بڑے سبھوں سے یکساں ملتے۔ مزاج میں بڑی سادگی اور انکساری تھی۔ کسی سے نہیں الجھتے۔ اکثر رواداری کو راہ

دیتے۔ ان کو کسی سے کوئی مخاصمت نہیں تھی اور نہ گاؤں کے کسی شخص کو ان سے شکایت۔ آخر عمر میں وہ گر گئے تھے۔ کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور چلنا پھرنا تقریباً بند ہو گیا تھا۔ بستر پر پڑے رہتے اور تکلیف میں تھے۔ ۳؍ مارچ ۱۹۹۹ء بروز بدھ وہ اسی مرض میں انتقال کر گئے۔ مولانا حاذق القاسمی جو رشتے میں ان کے بھانجہ ہیں، نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تقریباً ایک صدی سرزمین کوروڈیہہ پر روشن رہے۔

گئی دھوپ ساتھ آفتاب کے

مولوی محمد یامین

(م۔ ۱۹۹۹ء)

مولوی محمد یامین ابن مولوی محمد یٰسین ۵؍ مارچ ۱۹۹۹ء بروز جمعہ بوقت عصر اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۳ سال تھی۔ دوسرے دن بعد نماز مغرب آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ محترم الحاج ڈاکٹر محمد عبدالحمید صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مرحوم شروع سے ہی کافی صحت مند، مضبوط قویٰ اور نڈر آدمی تھے۔ شاذ و نادر ہی بیمار ہوتے۔ مجھے یاد نہیں کہ ان کو کوئی ایسی بیماری ہوئی ہو اور وہ دو چار دن بستر پر پڑے ہوں۔ جمعہ کی نماز میں وہ شریک تھے۔ بعد نماز جمعہ محترم چچا جناب کفایت اللہ صاحب مرحوم کی قرآن خانی اور فاتحہ میں شریک تھے۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد سینہ میں درد اور سانس میں تکلیف کی شکایت کی۔ فوری طور پر کوئی دوا بھی نہیں دی جا سکی اور راہی ملک عدم ہو گئے۔

مرحوم ابتدا ہی سے کم سخن ٹھنڈے دل دماغ کے آدمی تھے۔ نہ کسی سے الجھتے اور نہ کسی کو الجھاتے۔ چھوٹے اور بڑے کے درمیان بلا تکلف بیٹھ جاتے اور حسب ضرورت کلام کرتے۔ طبیعت میں عجز و انکسار، استغنا اور قناعت کا ملکہ تھا۔ نازک سے نازک موقعوں پر بھی غصہ اور کدورت کو قریب نہیں آنے دیتے۔ حرص و آز سے کوسوں دور تھے۔ یہ سب اوصاف پدری وراثت میں ملی تھی۔ خانگی

امور کو خود ہی انجام دیتے اور نہ عار کرتے اور نہ ہی اس کے انجام دہی میں تساہلی برتتے تھے۔

ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہوئی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابوں کو پڑھنے کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا اور درجہ مولوی تک یہاں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں درجہ عالم میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۶۴ء میں فاضل حدیث کیا۔ فراغت کے بعد گھر پر رہے۔ ملازمت کی کوئی چاہت نہیں تھی۔ اس کے لئے کبھی کوشاں بھی نہیں رہے۔ ۱۹۷۶ء میں گاؤں میں مدرسہ کاشف العلوم قائم ہوا ہے۔ اس میں ان کا نام صدر مدرس کے عہدہ پر ان کی مرضی کے بغیر شامل کردیا گیا تھا۔ بہار مدرسہ بورڈ پٹنہ سے الحاق کے بعد بغیر کسی احتجاج کے اس ذمہ داری کو قبول کرلیا اور اپنے فرائض منصبی سے وابستہ ہو گئے۔ آخر عمر تک اس سے منسلک رہے۔ اپنے تمام رفقائے کار کے درمیان عمر کے تفاوت کے باوجود کافی گھل مل گئے تھے۔ ان کو نہ کبھی عہدہ کا زعم تھا اور نہ ہی کوئی تفاخر۔ مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے ایک حد تک بے ضرر۔ اس لئے نہ ان سے کوئی کتراتے اور نہ ہی ان کی موجودگی میں رازدارانہ گفتگو کے لئے دائیں بائیں جھانکتے۔ ان کے ہر عمل سے ان کی سادگی کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ شرافت کے پتلا تھے۔

وہ اپنے تمام بھائیوں کے لئے اثاثہ اور اپنے چچا وغیرہم کے لئے سہارا تھے۔ جب بھی کوئی ناگہانی افتاد پڑتی یا نازک موڑ آتا سب ان کو ہی یاد کرتے۔ کوئی بھی وقت ہو وہ بلاتردد تیار ہو جاتے۔ انہوں نے کبھی مغایرت اور امتیاز کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ وہ سبھوں سے محبت سے ملتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی چھوٹا بھائی باہر سے پڑھ کر یا پڑھا کر آتے تو وہ خود ہی سلام کرنے میں پہل کرتے اور ایک خاص جذبۂ ترحم و شفقت سے مصافحہ کے لئے بلاتکلف اپنا ہاتھ بڑھا دیتے۔ ان کی یہ سادگی ان کے چھوٹوں کو خجل اور محجوب کر دیتی۔ اب کہاں ہیں ایسے لوگ؟ وہ بھائیوں میں اکیلے تھے لیکن انہوں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ تنہا ہیں۔ اپنے تمام چھوٹے بھائیوں کو اپنا ہی بھائی سمجھتے تھے۔ حسب ضرورت اپنی افتاد بھی کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کی یہ ناگہانی موت گھر کے تمام افراد کے لئے خسران عظیم ہے۔ اللہ سب کو صبر کی توفیق دے اور مرحوم کو ان کی خوبیوں کے صدقے میں اپنی مرضیات میں داخل کرے۔

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی

حکیم محمود حسن

(م۔۱۹۹۹ء)

الحاج حکیم محمود حسن ایک خوشحال اور مذہبی خاندان میں پیدا ہوئے۔حضرت مولانا شمس الاسلام سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا۔فوقانیہ تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ علم طب کے لئے تشریف لے گئے۔لیکن آپ کے والد محترم جناب الحاج نثار احمد صاحب کی خواہش تھی کہ پہلے آپ دینی تعلیم کی تکمیل کرلیں۔مگر ایسا نہیں ہوسکا۔

حکیم صاحب نے طب کی تعلیم بطور پیشہ کے حاصل نہیں کی تھی محض تکمیل شوق کے لئے انہوں نے یہ علمی کاوش کی تھی۔وہ اس فن میں ممتاز اور یگانہ تھے۔معاش کی کوئی تنگی نہیں تھی اور نہ ہی ان کو دولت کی کوئی ہوس تھی۔اللہ نے جو کچھ دیا تھا وہ ان کے لئے کافی تھا۔اس لئے انہوں نے مطب کا کوئی اہتمام نہیں کیا بس وفور شوق میں گھر پر ہی کچھ دوائیں رکھیں۔ضرورت مند آتے اور دوائیں لے جاتے طبیعت ہوتی تو پیسے دیتے نہیں تو اس کا کوئی تقاضہ بھی نہیں کرتے۔وہ نسخہ نویسی بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے۔مریض آتے اور نسخہ لکھوا کر لے جاتے۔نسخے میں زیادہ تر مفردات لکھتے تھے۔دوائیں گھر پر منگاتے اور اس کو دیکھتے۔بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ خود گھر پر دوا تیار کرتے اور اس کو بھیج دیتے۔وہ اس کام کو بہت انہماک سے کرتے تھے۔ان کے گھر کے لوگ اچھے خاصے نیم حکیم ہو گئے تھے۔لیکن خطرۂ جان نہیں۔حکیم صاحب ایک اچھے مرض شناس تھے اور مزمن مرض کی گہرائی تک بہت جلد پہنچ جاتے۔ بہت سے مایوس اور نامراد مریض ان کی دوا سے شفایاب اور بامراد ہوئے۔ان کو اپنی تشخیص اور دوا پر پورا اعتماد تھا۔اس لئے وہ نہ تو مرض سے گھبراتے اور نہ مریض کی آہ وکراہ سے پریشان ہوتے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک صاحب اپنے چھوٹے لڑکے کو لے کر آئے اور کہا کہ حکیم صاحب یہ

بچہ رات سے خون پیشاب کر رہا ہے۔ اب نہیں بچے گا۔ آپ نے کہا کہ بالکل بچ جائے گا اور چند خوراک دوا سے خون آنا بند ہوگیا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے کہ عشا کی نماز کے بعد یہ خبر ملی کہ جناب محمد مکرم صاحب کی اہلیہ بے ہوش پڑی ہوئی ہیں۔ گاؤں کے دیگر معالج وہاں جمع ہیں۔ کچھ بھی افاقہ نہیں ہو رہا ہے۔ میں بھی وہاں گیا۔ افراتفری کی کیفیت تھی۔ انجکشن اور دوا دی جا چکی ہے لیکن کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اسی دوران حکیم صاحب بھی بلائے گئے۔ حکیم صاحب نے نبض پر اپنی انگلیاں رکھیں۔ بولے ان کو کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ بس دیر تک ایک پہلو پر لیٹی رہی ہیں۔ اچانک اٹھنے سے خون کا دوران دماغ کی طرف زیادہ ہوگیا ہے اور دماغ پر گرمی آ گئی ہے، اس کو وہ برداشت نہیں کر سکیں جس کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہوگئی ہے۔ مریضہ کے بازو کو کپڑے سے سختی سے بندھوایا۔ محض دو منٹ کے بعد وہ ہوش میں آ گئیں۔ اس طرح کئی موقعوں پر ان کی تشخیص اور نباضی کے جوہر سامنے آئے۔

حکیم صاحب کو کھیل کود سے بہت شوق تھا۔ وہ شمشیر زنی اور لاٹھی بازی میں بھی ماہر تھے۔ استاد فن کو گھر پر رکھ کر اس فن کو سیکھا تھا۔ اس فن پر ان کو کافی ناز تھا۔ وہ اس فن کی باریکیوں سے ہم لوگوں کو روشناس کراتے اور کہتے کہ پچاسوں کے نرغے میں بلا روک ٹوک لاٹھی یا تلوار کے سہارے صاف بچ کر نکل سکتا ہوں۔ ایک بار گھر پر شمشیر زنی اور لاٹھی کے کرتب بھی دکھائے تھے۔ میں نے اپنے بچپن میں ان کی تلوار اور ڈھال کو دیکھا تھا۔ پتہ نہیں اب وہ کہاں ہیں؟ اس فن کی وجہ سے وہ کافی ہمت ور اور نڈر ہو گئے تھے۔

حکیم صاحب کو گھوڑ سواری کا بھی شوق تھا۔ ایک سدھایا ہوا گھوڑا آخر وقت تک ان کے گھر پر رہا۔ میں نے بچپن میں اس پر سواری کی تھی۔ اس کی ایسی چال کہ کیا مجال کہ بدن میں ذرا بھی جنبش پیدا ہو جائے۔ ایک بار میں اس سے گر گیا۔ گھوڑا اس قدر وفادار کہ فوراً وہیں رک گیا۔ گھر آ کر میں نے ماموں جان سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھے گھوڑے کی یہی نشانی ہے۔ وہ مصیبت میں اپنے مالک کو نہیں چھوڑتا اور کسی ناگہانی مصیبت سے اس کو صاف بچا لیتا ہے۔

حکیم صاحب کو باغبانی اور شجر کاری سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ اپنے ایام شباب میں انہوں نے محنت شاقہ سے ایک بڑا باغ لگایا تھا۔ اس میں پھلدار درخت کے ساتھ مختلف قسم کے پھول اور پودے بھی تھے۔ جو

وقت کے ساتھ ساتھ نذر زمانہ ہوگیا اور باغ آج بھی باقی ہے۔ جس میں اب صرف آم کے پیڑ ہیں۔

حکیم صاحب کے گھر میں ایک اچھی کاشتکاری تھی۔ لیکن ان کو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ مزاج بڑا متنوع اور تکنیکی تھا۔ گھر پر آرہ، بسولہ، رکانی، کرنی، بسولی اور ساہل سب موجود رکھتے۔ تعمیر کا اچھا ذوق تھا۔ جب جیسی ضرورت ہوتی ان اوزاروں کا خوب استعمال کرتے۔ راج مستری کے ساتھ کبھی شریک ہو جاتے اور اپنی حکمت سے اس میں تنوع پیدا کر دیتے۔ اس کے نمونے ان کے مکان میں موجود تھے جو ان کی وفات کے بعد آپسی تقسیم میں ختم ہو گئے۔

حکیم صاحب بڑے کشادہ دست اور نرم دل انسان تھے۔ ان کے یہاں کوئی آکر مایوس نہیں لوٹتا۔ وہ لڑنے بھڑنے سے احتراز کرتے اور کبھی کوئی نوبت آجاتی تو بات آئی گئی ہو جاتی اور دل میں کوئی کدورت نہیں رکھتے۔ مزاج میں بڑی سادگی تھی۔ خورد ونوش میں بھی اعتدال تھا۔ ان کے لباس سے کبھی ان کی نمائش نہیں ہوتی۔ سادہ سے سادہ اور پر تکلف سے پر تکلف کھانا بڑی چاہت سے نوش فرماتے اور کھانے میں کبھی کوئی عیب نہیں نکالتے۔ بیحد کم خوراک تھے۔ زیادہ کھانے والوں سے ان کو ایک حد تک نفرت تھی۔ برملا اس کی برائی بیان کرتے۔ ان کو نہ دولت کی ہوس تھی اور نہ دوسروں کی دولت پر حسد۔ مگر ان کی زندگی میں احتیاط کی بڑی کمی تھی۔ معاملات پر گرفت بھی بہت ڈھیلی۔ بچوں کی تعلیم اور تربیت میں بہت سخت گیر نہیں تھے۔ ان کی اولاد پر ان کے منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ دردمند دل تھے۔ صلہ رحمی اور اقربہ شناسی بہت تھی۔ چھوٹے بڑے سے ملنے میں عار نہیں کرتے۔ پیدل خوب تیز تیز قدم چلتے۔ گفتگو میں نرم اور شریں کلام تھے۔

مذہب سے شغف اور دینی مزاج وراثت میں ملی تھی۔ مذہبی اجتماعات میں خوب شرکت کرتے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت حاصل تھی۔ تہجد اور ذکر جہری کا خوب اہتمام تھا۔ قرآن کی تلاوت معمولات میں شامل تھا۔ ۱۹۶۴ء میں حج بیت اللہ سے سرفراز ہوئے تھے۔ وہاں بہت دنوں تک قیام رہا۔ رمضان سے قبل گئے تھے اور محرم کے بہت بعد واپس ہوئے۔ حج سے قبل مختلف مقامات کی خوب سیاحت کی۔ مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ کے تاحیات سکریٹری اور دیگر ئی

اداروں کے رکن رہے۔ حکیم صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ آخر عمر میں نسیان کا عارضہ ہو گیا تھا۔ یاداشت اور شناخت بالکل ختم ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ میں کون ہوں؟ بولے کوئی ہوں گے اور جب یہ دریافت کیا کہ کھانا کھالیا ہے اس پر آپ نے کہا کھانے سے کیا واسط، برسوں ہو گئے کھائے ہوئے۔ کوئی دیتا ہی نہیں۔ میں نے کہا پھر زندہ کیسے ہیں اس پر مسکرانے لگے۔

اس مرد بے عدیل اور یکتائے روزگار نے ۱۷ر جولائی ۱۹۹۹ء بروز جمعرات بعد نماز عصر اس جہان فانی سے دار بقا کا سفر کیا۔

میں کسی دور کے سفر میں ہوں　　　راہ دیکھے نہ مرا گھر میری

مولوی محمد عبدالعزیز

(م۔ ۲۰۰۰ء)

مولوی محمد عبدالعزیز ولد محمد صادق علی نے ایک ایسے خانوادے میں آنکھیں کھولیں جہاں عسرت کا ڈیرہ تھا۔ زمین نیلام یا گروی تھی۔ ان کے والد ایک معمولی کاشتکار تھے۔ ایسی صورت میں خصوصاً اس دور میں، پڑھنے پڑھانے کی بات کون کرے۔ لیکن گاؤں کا علمی ماحول اور مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ کا فیض عام اور حضرت مولانا عبدالاسلام صاحبؒ کا فیضان نظر تھا کہ گاؤں کے مکتب میں ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھیں اور مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا۔ یہاں بھی مدرسہ نے کفالت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ مولانا عبدالحمید صاحب پورینی صدر مدرس تھے۔ ان دنوں مدرسہ محمودیہ اپنی تعلیمی سرگرمی اور علوم دینیہ کی تشریع میں بام عروج پر تھا۔ مولوی عبدالعزیز نے یہاں درجہ مولوی تک کی تعلیم حاصل کی۔ ان دنوں یہاں اس سے آگے کی تعلیم نہیں ہوتی تھی۔ بیشتر طلباء اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ یا مدرسہ عزیزیہ بہار شریف جاتے تھے۔ مولوی عبدالعزیز کے لئے یہ دونوں راستے محدود و مسدود تھے حالانکہ ان دونوں

اداروں میں بھی وظیفہ کا نظم تھا۔ لیکن ان کے والد دیگر اخراجات کے متحمل نہیں تھے۔ اس لئے تعلیم موقوف کر دینی پڑی۔ وقت کا تقاضہ تھا کہ گھر کی تکفیل کے لئے ملازمت کا رخ کریں۔ آج کی طرح ملازمت کا حصول مشکل نہیں تھا۔ جہاں تک انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی اس کے لئے سرکاری اسکول کی ملازمت سہل الحصول تھی اور بھاگلپور شہر میں میونسپلٹی کے ایک اسکول میں جگہ مل گئی۔ اس وقت ملازمت کے لئے تعلیمی تربیت شرط نہیں تھی۔ البتہ تربیت یافتہ اساتذہ کو تنخواہ قدرے زیادہ ملتی تھی۔ اس لئے موصوف نے سرکاری خرچ پر چھ ماہ کی تربیت حاصل کی۔ آپ اپنی پوری مدت ملازمت میں شہر سے باہر نہیں گئے بلکہ شہر کے مختلف اسکولوں میں آپ کا تبادلہ ہوتا رہا۔ ایک مدت تک اردو مڈل سکول اسحاق چک بھاگلپور میں تدریسی خدمت انجام دی۔ کچھ دنوں کے لئے اردو مڈل اسکول سردار پور ناتھ نگر میں آپ کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ ملازمت کے دوران آپ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے اور اسی مرض میں ۱۴ر جون ۲۰۰۰ء مطابق ۱۲ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ بروز چہارشنبہ باعتبار سند ۵۹ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ ابھی ڈیڑھ سال ملازمت کی مدت باقی تھی۔ بعد میں آپ کے لڑکے عبدالاحد کو Compationate (ground) پر ایک اسکول میں ملازمت مل گئی ہے اور اس میں وہ کارگذار ہے۔

مولوی عبدالعزیز بہت منکسر المزاج انسان تھے۔ کسی کو ان سے کوئی عداوت نہیں تھی۔ یوں بھی وہ بہت کم سخن اور کم آمیز تھے۔ نمائش اور خود بینی سے وہ دور تھے۔ گھر کے کام کاج میں کوئی عار نہیں تھا۔ ان کی کچھ کاشتکاری تھی اس میں بھی بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ نہایت کفایت شعار اور وضعدار انسان تھے۔ ملازمت کی وجہ سے زندگی میں وسعت اور کشادگی پیدا ہو گئی تھی۔ ضرورت کی ساری چیزیں مہیا رکھتے تھے۔ دوسروں سے مانگنے میں ان کو ایک گونہ عار تھا۔ آپ علم کے شیدائی اور اس کے حصول میں اپنے رشتہ داروں کے بڑے معاون ہوئے۔ اپنے بھتیجے محمد شاہد اور نواسہ محمد انعام الحق کو اعلیٰ تعلیم دلانے میں ہر ممکن کفالت کی، ان کے علاوہ آپ اپنے دوسرے سوتیلے بھائیوں کی بھی مالی مدد کرتے رہے۔ اس امر پر ان کا یقین تھا کہ علم عزت و وقار اور کشادگی و فراخی کا ذریعہ ہے۔ اس کے لئے وہ کوشاں رہے۔

مولوی محمد عبدالعزیز آپسی اتحاد اور اتفاق کے لئے کوشش کرتے۔ اس کے لئے مواقع

پیدا کرتے۔ آپسی اتحاد و اتفاق اور تعاون و امداد کے لئے جب کنبہ کے افراد نے جمعیۃ الاخوان قائم کی تو عمر بھر آپ اس کے سکریٹری رہے۔ اس تنظیم کو بڑی خوبصورتی سے چلایا۔ اس کی ترقی اور بہتری کی کوشش کرتے رہے۔ آپ ایک ذمہ دار، ایماندار اور فرض شناس شخص کی حیثیت سے معروف تھے۔ معاملات میں لوگوں کو آپ پر بھروسہ تھا۔ کسی بھی شخصیت کے لئے یہ ایک بڑی خوبی کی بات ہے۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ یاد کئے جائیں گے۔ آخر عمر میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے گاؤں سے باہر اپنی ذاتی زمین پر ایک کشادہ پختہ مکان تعمیر کرایا تھا اور اس میں منتقل ہو گئے تھے۔ اب اس مکان میں آپ کا اکلوتا بیٹا اور ان کی بیوہ مقیم ہیں۔ مرحوم بڑے شفیق اور بامروت انسان تھے۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین

عمر بھر سر بلند رکھتا ہے　　　یہ جو اندازِ انکساری ہے

استانی بی بی مقبولن

(م۔۲۰۰۰ء)

استانی جن بی بی مقبولن موضع ہرنا، ضلع بھاگلپور کی رہنے والی تھیں۔ والد کا نام الفت حسین تھا۔ شیخ مہر علی نانا اور جناب الفت حسین ان کے ماموں تھے۔ ان کی زندگی کا ابتدائی حصہ زیادہ تر ننیہال میں گذرا۔ موضع کوروڈیہ میں خالہ زاد بھائی محمد نقیب الدین سے شادی ہوئی تھی۔ ڈسٹرکٹ کورٹ ضلع مدھے پورہ میں وہ ملازم تھے اور چھٹیوں میں گھر آیا کرتے تھے اور استانی صاحبہ گاؤں میں ہی رہتی تھیں۔

استانی صاحبہ گاؤں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ باصلاحیت اور وسیع المطالعہ، ڈپٹی نذیر احمد (م۔۱۹۱۰ء) سے بہت متاثر تھیں۔ ان کے تمام ناولوں کو پڑھا تھا۔ مرأۃ العروس، اور ''بنات النعش'' کا خصوصی مطالعہ کیا تھا۔ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کو بھی وہ ضروری سمجھتی تھیں۔ اسی خیال سے انہوں نے اپنے گھر پر لڑکیوں کا ایک مدرسہ کھولا۔ گاؤں کی بیشتر لڑکیاں ان کی طالبہ تھیں۔ آج سے ستر پچھتر سال پہلے انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ جب کہ ان دنوں تعلیم نسواں عام

نہیں تھی۔ ان کی دونوں بہنیں بی بی شکیلہ (م۔۱۹۹۵ء) اور بی بی سفیرہ (م۔۲۰۰۹ء) بھی تعلیم یافتہ تھیں۔ بہت بلند ہمت، حق گو اور علم دوست خاتون۔

استانی صاحبہ کی دونوں بیٹیاں نجم النساء اور شمس النساء بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ اپنے بیٹے مولوی محمد نجیب الدین کو اپنی نگرانی میں اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا۔ ۲۰۰۷ء میں وہ ہائی اسکول کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ استانی صاحبہ نے اپنے بڑے نواسہ مولوی محمد اکرام الحق (بدلو چک) کو اپنے پاس رکھ کر اور اپنی نگرانی میں عالم و فاضل بنایا۔ ابھی وہ ضلع بھاگلپور کے ایک ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔

محترمہ استانی صاحبہ گاؤں کی پہلی خاتون ہیں جنہوں نے لڑکیوں میں تعلیمی رجحان کو عام کرنے میں انقلابی اقدام کیا۔ یہ ان کی دور بینی، بلند ہمتی اور علم دوستی کی اعلیٰ مثال ہے۔ وہ دین دار اور مذہبی خاتون تھیں۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند اور قرآن کی تلاوت آخر عمر تک نہیں چھوٹی۔ ۱۹۷۸ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئیں۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ بروز شنبہ مطابق ۲۰۰۰ء کو اس عالم ناپائدار سے سفر آخرت پر روانہ ہوئیں دوسرے دن عین عید کے روز سہ پہر میں سپرد خاک ہوئیں۔ اللہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین

مولوی محمد فضل الرحمٰن

(م۔۲۰۰۲ء)

مولوی محمد فضل الرحمٰن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا محمد شمس الاسلام سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا اور یہاں مولوی تک تعلیم حاصل کی۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ گئے اور یہاں سے عالم کا امتحان پاس کیا۔ فراغت کے بعد کورو ڈیہہ اسکول میں آپ کی ملازمت ہوگئی۔ اس اسکول میں آپ نے اپنے والد کی تعلیمی روایت کو استحکام بخشا اور اسی جذبہ اور شوق سے بچوں کی تعلیم و تربیت میں اپنی پوری سرگرمی دکھائی۔ وہ بچوں پر کافی محنت کرتے اور ان کی

صلاحیت کو ابھارنے میں ہر ممکن کوشش کرتے ان کے طالب علموں کی گاؤں میں اچھی خاصی تعداد موجود ہے جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے مختلف اداروں میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولوی محمد فضل الرحمٰن اسی اسکول سے ۱۹۹۶ء میں سبکدوش ہوئے۔آپ ایک ذمہ دار اور فرض شناس استاد کی حیثیت سے معروف ہیں۔حق گوئی اور بے باکی آپ کی مشہور تھی۔وہ معاملات میں بھی کھرے تھے۔تعلیم کے علاوہ گاؤں کی اصلاح اور ترقی کے لئے بھی فکرمند رہتے تھے۔ایک پیر سے معذور تھے اس کے باوجود بہت ہی متحرک اور فعال تھے۔ بیکاری اور کاہلی کو وہ ایک لعنت تصور کرتے تھے۔ان کا اس امر پر یقین تھا کہ انسان اپنے عزائم سے مشکل اور دشوار کام کو سر کر سکتا ہے۔وہ خود اس پر پوری زندگی کاربند رہے۔وہ گاؤں کو ہر اعتبار سے معیاری اور مثالی دیکھنا چاہتے تھے۔اس کے لئے وہ اتحاد اور اتفاق کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔۷ار اپریل ۲۰۰۲ء کو آپ کا انتقال ہوا۔نماز جنازہ آپ کے بھتیجے حافظ محمد عمران نے پڑھائی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

مولانا عبدالمنان قاسمی

(م۔۲۰۰۳ء)

مولانا عبدالمنان قاسمی حافظ محمد عبدالرحمٰن کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ان کے والد کا نام محمد صادق تھا۔حسب روایت گاؤں کے مکتب میں حضرت مولانا شمس الاسلامؒ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے۔شرح وقایہ اور شرح جامی تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے اور یہاں حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ، علامہ ابراہیم بلیاوی اور حکیم الامت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جیسے نابغۂ عصر سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔دوران تعلیم آپ نے قرآن مجید بھی حفظ کیا تھا۔دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ وطن واپس آئے اور مدرسہ اسلامیہ اکڈارا، ضلع

صاحب گنج میں مدرس بحال ہوگئے۔ یہ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق ہے اور یہاں فوقانیہ تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد مستقل گھر پر رہنے لگے۔

مولانا عبدالمنان صاحب کو تبلیغی جماعت سے بھی دلچسپی تھی۔ اس میں وہ اچھا خاصہ وقت دیتے اور جماعت کے ساتھ چلّوں میں بھی نکلتے تھے۔ مسجد میں پابندی سے نماز ادا کرتے۔ بسا اوقات نماز بھی پڑھاتے اور موقع بموقع تقریر بھی کیا کرتے تھے۔ جماعت کی نسبت سے آپ نے بہتوں کو دین سے قریب کیا۔ دین کی بنیادی تعلیم سے انہیں آشنا کیا اور قرآن وحدیث کی تعلیم اور اس کی اہمیت کو سمجھایا۔ یقیناً اس کا اثر ہوا۔ اور ان کے گھروں میں دینی تعلیم آئی۔ یہ ان کا اہم کارنامہ ہے۔ بلاشبہ آپ ایک عالم باعمل تھے۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت حاصل تھی۔ ۱۹۹۱ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اچانک دل کا دورہ پڑا اور ۳۰ جنوری ۲۰۰۳ء کو جاں بحق ہوگئے۔

مولوی محمد کمال الدین

(م۔۲۰۰۳ء)

مولوی محمد کمال الدین ولد محمد سعید ایک متوسط خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا اور یہاں سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ آگئے اور ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ ناظر العلوم موضع بلیاس بھاگلپور میں استاد مقرر ہوئے اور یہاں تقریباً دس سال تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران میں اردو اسکول مصطفیٰ پور، بھاگلپور میں آپ کو دوسری ملازمت مل گئی۔

مولانا شہاب الدین کی بڑی صاحبزادی بی بی رابعہ خاتون سے آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کی اہلیہ ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم میں بڑی سرگرمی دکھائی اور ایک

حدتک اپنے شوہر کواس ذمہ داری سے آزاد کردیا۔ ہرچند کہ ابتدا میں کچھ مالی دشواریاں بھی آئیں لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے والدین کی معاونت اور دلجوئی سے اس مرحلہ کو بھی طے کیا اور اپنے تمام بچوں کو تعلیم سے آراستہ کیا۔

مولوی محمد کمال الدین اپنے ہم عصروں میں زیادہ فعال اور معاملہ فہم تھے۔ دفتری امور کو انجام دینے میں کمال دسترس رکھتے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان تمام ذمہ داریوں کو جو مختلف دفاتر سے متعلق تھیں ان کو وہ خود انجام دیتے تھے۔ بااین ہمہ اپنے بچوں کی تعلیم سے بھی غافل نہیں رہے۔ حسب معمول ایک دن وہ اسکول سے گھر واپس آرہے تھے کہ راستے میں بڑی بے دردی سے قتل کردئے گئے۔ جب مجھے اس حادثہ کی اطلاع ملی تو میں بہت متوحش ہوا۔ اس واقعہ نے میرے ذہن وفکر پر ایک یاس کی کیفیت طاری کردی۔ میں نے اپنے تاثرات کو ذاتی ڈائری میں قلم بند کیا تھا۔ اس کے کچھ حصہ کو ذیل میں من وعن نقل کرتا ہوں۔

''۷ر جولائی ۲۰۰۳ء کو مولوی محمد کمال الدین بڑی بے دردی سے قتل کردئے گئے۔ وہ مصطفیٰ پور کے اردو اسکول میں استاد تھے۔ یہ قتل گاؤں کی تاریخ میں پہلا دل دوز واقعہ ہے۔ اس کے بعد سے گاؤں کی فضا مکدر ہوگئی۔ گاؤں کئی دھڑوں میں بٹ گیا۔ سب ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اس سے قبل گاؤں کبھی اس قسم کے انتشار سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ اس حادثۂ فاجعہ نے گاؤں کے ماحول میں ایسا زہر گھول دیا کہ اچھا خاصہ پڑھا لکھا ماحول زہر آلود ہوگیا۔ آج سب اسی زہر آلود فضا میں جیتے اور مسموم ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ جس سے پورے گاؤں کی صحت افسوس ناک حد تک خراب ہوگئی ہے۔ گاؤں کو اپنے علمی ماحول اور اتفاق و اتحاد پر جو اعتماد تھا وہ سب پاش پاش ہوگیا۔ خدا ہمارے حال پر رحم فرمائے اور عقل سلیم عطا کرے۔ ظالم اپنے ظلم سے باز آئے۔ مظلوم کی آہ و بکا درگاہ ایزدی میں فریاد کناں نہ ہو۔ یہ سب بربادی اور ذلت و رسوائی کے اسباب ہیں۔ اور قوم کی زندگی میں تنزلی اور خاندان کی تباہی کی علامتیں ہیں۔ اے اللہ تو اپنے جلال وقہر سے ہم سب کو محفوظ رکھ۔ تو ہی رحیم و کریم ہے۔ آمین۔''

مولانا (ڈاکٹر) محمد عبدالحمیدؒ

(پ۔۱۹۱۴ء، م۔۲۰۰۴ء)

مولانا (ڈاکٹر) محمد عبدالحمیدؒ ابن الفت حسین ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ گاؤں میں مولانا محمد شمس الاسلامؒ سے میزان ومنشعب، نحومیر، گلستاں و بوستاں کے علاوہ رقعات عالمگیری اور بہار دانش تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں مولانا عبدالحمید صاحبؒ، مولانا محمد غنی صاحبؒ اور حافظ دیانت احمد صاحبؒ سے کسب علم کیا۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف تشریف لے گئے۔ ۱۹۳۶ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالمتینؒ، مولانا عبداللہ ادیب بہاریؒ اور مولانا محمد ریاض چمپارنیؒ وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

ان دنوں مدرسہ عزیزیہ بہار شریف تحریک آزادی ہند کا ایک مرکز بن گیا تھا۔ جمعیۃ العلماء ہند اور کانگریس کی بڑی بڑی شخصیتوں کا دورہ بہار میں ہو رہا تھا۔ اسی ضمن میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، رفیع احمد قدوائی جیسے صف اول کے رہنماؤں کی تقریریں سننے اور انہیں دیکھنے کا موقع ملا۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی آپ اس تحریک سے قریب ہو گئے اور ۱۹۳۳ء میں پہلی بار مولانا مدنیؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ان کے گرویدہ ہو گئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے چھوٹے ماموں مولانا محمد علاء الدین صاحب کے مشورہ سے برہیت ہائی اسکول صاحب گنج میں عربی وفارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ یہاں ایک ماہ تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ لیکن یہاں آپ کی طبیعت نہیں لگی اور اسکول کی ملازمت ترک کر دی۔ اس کے بعد شہر بھاگلپور میں ہومیو پیتھک کی تعلیم شروع کی۔ شہر بھاگلپور میں قیام کے دوران ڈاکٹر محمد ظفر اور ڈاکٹر محمد اختر کے اتالیق بھی رہے۔ اس تعلیمی کورس کو پورا کرنے کے بعد سنہولا ہاٹ میں کپڑے اور غلے کی ایک دکان کھولی۔ ان دنوں کپڑے کا کوٹا تھا اور شاردا ایکٹ کے تحت کم عمری کی شادی پر پابندی عاید ہو گئی تھی۔ دکان خوب چل نکلی۔ اس علاقے کے لوگوں سے تعلقات پیدا ہوئے اور علاقے میں اچھی خاصی شہرت

حاصل کی۔ تجارت تو ایک بہانہ تھا اس کی وجہ سے علاقے کے سربرآوردہ حضرات کی ایک جماعت ان کے قریب ہوگئی اور ان کی دکان سیاست کا مرکز بن گئی۔ ہمیشہ لوگوں کی بھیڑ ہوتی اور ان کے تواضع میں دکان کی آمدنی معاون ہوتی۔ اس لئے آمد وصرف کا حساب برابر تھا۔

گھر پر بچوں کی تعلیمی نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے سنہولا کے کاروبار کو ترک کردیا۔ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں اپنی ڈسپنسری قائم کی۔ علاقے میں کوئی دوسرا ڈاکٹر نہیں تھا۔ اس لئے آپ بہت مشہور ہوگئے اور آس پاس کے مریض کثیر تعداد میں آنے لگے۔ فارغ وقت میں آپ مدرسہ میں بلا معاوضہ بچوں کو درس بھی دیتے تھے۔ شام کو ہر روز گاؤں چلے آتے۔ جمعرات کو مدرسہ میں فرصت تھی۔ کسی بدبخت نے رات میں از راہ دشمنی ان کی ڈسپنسری میں آگ لگادی۔ مدرسہ کے دفتر میں ان کی ڈسپنسری تھی۔ سب جل کر خاکستر ہوگیا۔ ان کی کتابیں، دوائی کی الماریاں اور مدرسہ کی کتابیں اور ریکارڈس کچھ بھی نہیں بچ سکا۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ اس حرکت ناشائستہ سے اس قدر بددل ہوئے کہ مدرسہ کی ملازمت سے الگ ہوجانے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا۔

مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر عبدالحمید صاحب پتھنہ سائیکل سے آتے جاتے تھے۔ گاؤں میں ان کے علاوہ اس وقت کسی کے پاس سائیکل نہیں تھی۔ غالباً یہ جرمنی کی رے لے سائیکل تھی۔ برادرم محمد اعظم، محمد حماد الرحمٰن اور راقم الحروف گاؤں سے باہر آکر چچا جان کا انتظار کرتے اور باری باری سے ان کے ساتھ سائیکل پر سوار ہو کر گھر تک آتے۔ سائیکل پر سوار ہونے کی خوشی اور اس کی لذت آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ بعد میں آپ نے ہم لوگوں کے درمیان باری لگادی۔ جمعہ کے دن فرصت رہتی۔ اس دن چچا جان کی سائیکل ہم لوگ صاف کرتے، ناریل اور کراشن تیل ملا کر اس کے کل پرزے میں ڈالتے۔ خوشی خوشی اس کام کو چچا کی ہدایت اور رہنمائی میں انجام دیتے تھے۔

چچا جان خود اس آتش زنی کے واقعہ سے بیحد بددل اور دل برداشتہ ہوگئے اور آپ نے گھر پر اپنی ڈسپنسری قائم کرلی اور ان کے تمام مریض کوروڈیہہ منتقل ہوگئے۔ ان کی پریکٹس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ بلکہ ہم

لوگوں کو یہ فائدہ ہوا کہ دروازہ پر ایک مکتب قائم ہو گیا اور چچا سے پڑھنے لگے۔ ان کا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد مسجد سے عموماً نماز اشراق پڑھ کر ہی نکلتے تھے۔ اس وقت تک مریض آچکے ہوتے اور وہ مطب میں ان کا انتظار کرتے اور ہم لوگ اپنا اپنا آموختہ یاد کرتے۔ وہ مریضوں سے فارغ ہو کر ناشتہ کے لئے اندر جاتے اور ہم لوگوں کو بھی ناشتہ کی چھٹی مل جاتی۔ ناشتہ کے بعد وہ ہم لوگوں کو سبق پڑھاتے اور ساڑھے دس بجے چھٹی ہو جاتی۔ اس کے بعد ہم لوگ تختی یا کاپی پر خوشخط لکھتے پھر ظہر کی نماز کے بعد عصر تک ہم لوگ ان سے پڑھتے۔ گھر کے بچوں کے علاوہ گاؤں کے کچھ اور بچے بھی ساتھ پڑھتے تھے۔ ان سے میزان میں بحث فعل مضارع تک پڑھ کر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخلہ لیا۔ غالباً یہ ۱۹۶۰ء کا زمانہ ہے۔ ہم لوگوں کے بعد بھی چچا کا یہ مکتب چلتا رہا اور بعد کی نسل کو بھی پڑھایا۔ چچا عربی، فارسی، اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی بھی اچھی خاصی جانتے تھے۔ انہیں مطالعہ کا بیحد شوق تھا۔ نحو، فقہ اور اصول فقہ کا بہت شوق سے مطالعہ کرتے تھے۔ ذہین بہت تھے۔ حافظہ بھی قوی تھا۔ باتیں بہت یاد رہتی تھیں۔ مسئلے اور مسائل سے بہت واقف تھے۔ ایک بار مجھے یاد ہے کہ مولانا عبدالسلام صاحبؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا: اگر زبانی مسئلہ پوچھنا ہو تو ڈاکٹر عبدالحمید سے پوچھو۔ صلاحیت بھی بہت اچھی تھی۔ طالب علمی کے زمانے ہی میں ان کے کئی فقہی مضامین شائع ہوئے تھے۔ فاضل تک ان سے استفادہ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ کالج کی تعلیم کے دوران وہ مجھ کو امتحانات کے سوالات گھر لانے کی تاکید کرتے اور مختلف مضامین پر سوال کرتے اور اپنی صائب رائے سے نوازتے تھے۔ بڑا ہی ذہن رسا پایا تھا۔ ان کی تحریر بڑی خوبصورت اور اچھی ہوتی تھی۔ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ''التصریح'' جو علم ہیئت پر ایک مشہور کتاب ہے میں نے دیکھی ہے۔ یہ کتاب ملتی نہیں تھی انہوں نے اس خوبصورتی کے ساتھ عمدہ تحریر میں نقل کیا ہے کہ دیکھنے پر مطبوعہ معلوم ہوتی ہے۔

مولانا عبدالحکیم صاحب کے بعد آپ نے ایک عرصہ تک مسجد میں مستقل امامت کے فریضہ کو انجام دیا اور نکاح کے قاضی بھی رہے۔ آپ ایک دانشور تھے۔ آپ کی رائے بڑی صائب ہوتی تھی۔ بڑی پختہ تحریر لکھتے تھے۔ گاؤں کے پنچ نامے عموماً آپ کے ذریعہ لکھے جاتے تھے۔ مضمون نہایت واضح

اور مسئلے کی نوعیت کی پوری وضاحت اور فیصلے میں بڑی قطعیت کا انداز ہوتا تھا۔ آج بھی ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے فیصلے لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ جب آپ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ کے رکن تھے تو عموماً کاروائی آپ ہی لکھتے تھے۔ ان تحریروں سے بھی آپ کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحمید صاحب نرے مقلد نہیں تھے بلکہ اپنی ایک رائے رکھتے تھے اور کسی نتیجہ پر پہنچتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ۱۹۵۲ء میں بیعت ہوئے اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے خلافت حاصل ہوئی۔ ۱۹۷۱ء میں حج سے فراغت ہوئی تھی۔ آخر وقت تک اسلامی وضع قطع میں رہے۔ آپ کی مجلس میں جب بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا علمی گفتگو ہی کرتے یا اپنے تجربات کو بیان کرتے۔ آپ کے علمی ذوق کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ جس شب میں آپ کا وصال ہوا اس سے محض دو نماز پہلے یعنی عصر کی نماز با جماعت کے بعد آپ مسجد میں تنہا مصلیٰ پر چکو مکو بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دن میری عصر کی نماز جماعت سے چھوٹ گئی تھی۔ اس لئے جماعت کے بعد مسجد پہنچا، وضو کر کے نماز عصر ان کے بغل میں ادا کی۔ نماز کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ ادھر آؤ۔ علامہ اقبال کا ایک شعر ہے ایک صاحب نے مجھ سے اس کا مطلب دریافت کیا ہے۔ میں نے عرض کیا وہ شعر کیا ہے تو آپ نے پڑھا۔

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش　　لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

میں نے نہایت اختصار سے اس کا مطلب بیان کیا اور عرض کیا عصر کے بعد مولوی محمد خالد صاحب کے یہاں چائے کی دعوت ہے سب لوگ جا چکے ہیں وہاں انتظار ہوگا۔ آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ مغرب کی نماز کے بعد دیکھتے ہیں کہ مولوی محمد شمس الہدیٰ صاحب چچا کے بازو کو پکڑ کر مسجد سے باہر لا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔ عشاء کے لئے وہ مسجد نہیں جاسکے۔ گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ فجر کی نماز کے بعد برادرم مولوی محمد احسن صاحب سے چچا کی حالت دریافت کی تو وہ بولے کہ رات بہت آرام سے نہیں سوئے ہیں۔ جا کر دیکھتے ہیں کہ کیا حال ہے۔ وہ فوراً واپس آئے اور بتایا کہ والد صاحب قضا کر گئے۔ اس وقت وہ سجدہ کے عالم میں تھے۔ موت کی کسی کو خبر نہ ہوسکی۔ ہم لوگ اندر گئے۔ وہ کرتا پہن کر سوئے تھے گھڑی ہاتھ میں بندھی ہوئی تھی۔ کچھ دوائی پاکٹ میں

تھی۔ اندازہ ہوا کہ کچھ ہی دیر پہلے روح پرواز ہوئی ہے۔ گویا ۲۵ رنومبر ۲۰۰۴ء مطابق ۱۱ رشوال المکرّم ۱۴۲۵ھ بروز پنجشنبہ حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اس بزم ہستی سے رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن ان کے بڑے صاحبزادہ جناب مولوی محمد اسلم صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سیکڑوں لوگوں نے اشکبار آنکھوں سے آپ کو آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

آپ اتفاق واتحاد پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ پوری زندگی تعلیم کے فروغ کے لئے سرگرم عمل رہے۔ کسی تعلیمی ادارہ سے منسلک نہ ہونے کے باوجود ہمہ دم تعلیم سے اپنا رشتہ استوار رکھا۔ دینی علوم کے علاوہ عصری علوم کو بھی آپ ضروری سمجھتے تھے۔ خصوصاً انگریزی تعلیم کے لئے وہ تاکید کرتے تھے۔ آپ کے وصال سے کوروڈیہہ نے ایک باصلاحیت عالم، ایک مفکر اور دانشور کو کھودیا۔ وہ اپنے ہم عصروں میں کئی اعتبار سے منفرد اور یگانہ تھے ع

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آپ کے وصال پر ڈاکٹر منصور عمر کا یہ قطعۂ تاریخ ملاحظہ ہو:

حمید محترم بھی ہو گئے رخصت
فقہ پر رکھتے تھے گہری نظر صاحب
ڈالی میں نے ہے تاریخ رحلت یوں
وہ قاضی معتبر عالم رہے حاجب

۲۰۰۴ء

حافظ مولانا شمیم احمد قاسمی

(م۔۲۰۰۶ء)

حافظ شمیم احمد ابن حاجی عبدالرشید (م۔۱۹۸۸ء) نے گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں حافظ محمد صالح صاحب سے حفظ قرآن مکمل کیا اس کے بعد عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں اسی مدرسہ میں مولانا خلیل احمد (م۔۲۰۰۹ء) اور حافظ عبدالخالق سے پڑھیں اس کے بعد دارالعلوم دیو بند گئے اور یہاں سے فراغت پائی۔ کچھ دنوں تک درس وتدریس کا بھی سلسلہ رہا۔ اس کے بعد ممبئی کی ایک مسجد میں امام اور خطیب مقرر ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا سعود احمد قاسمی کا قیام بھی یہیں تھا۔ آپ ان کے ساتھ رہتے تھے۔

حافظ شمیم احمد خوش اخلاق اور منکسر المزاج تھے۔ اپنے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے محبت کا سلوک کرتے۔ مزاج میں بڑی نفاست تھی۔ عالمانہ شان میں رہتے تھے۔ بہت کم عمری میں کینسر کا مرض لاحق ہو گیا۔ کافی علاج ہوا لیکن جانبر نہ ہو سکے۔ ۱۸/اپریل ۲۰۰۶ء بروز سہ شنبہ مطابق ۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ کو انتقال کر گئے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً چالیس سال کے قریب تھی۔ نماز جنازہ قاری محمد عثمان منصور پوری استاد دارالعلوم دیو بند نے پڑھائی اور آبائی قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔ پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ صرف چار بچیاں ہیں۔ ان کی بڑی بچی کا نکاح مولوی محمد احسن صاحب کے بڑے صاحبزادہ محمد ضیاء الحسن سے ہوئی ہے۔ ان کی دوسری بچی بحمد اللہ حافظہ ہیں اور گاؤں کی پہلی حافظہ ہیں۔ اللہ اس کی زندگی میں برکت دے۔ آمین

حافظ محمد بشیر الدین

(م۔۲۰۰۶ء)

حافظ محمد بشیر الدین کے اجداد موضع سمریا بھاگلپور کے تھے۔ آپ کے والد محمد سراج الدین کی شادی کوروڈیہ میں مولانا عبدالسلامؒ کی پھوپھی سے ہوئی تھی۔ اسی مناسبت سے وہ اس گاؤں میں مقیم ہوگئے۔ حافظ محمد بشیر الدین کی تعلیم مدرسہ محمودیہ سمریا میں ہوئی اور یہاں حافظ دیانت احمد صاحبؒ سے حفظ قرآن مکمل کیا اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ گلستاں اور بوستاں تک آپ کی صلاحیت بہت اچھی تھی۔ فارسی کے اشعار بھی بہت یاد تھے۔ ضلع پورنیہ کے مختلف اداروں سے وابستہ رہے اور اسی علاقے میں درس وتدریس میں اپنی زندگی صرف کردی۔ آخری عمر میں گاؤں واپس آ گئے تھے۔

حافظ صاحب بڑے سادہ مزاج آدمی تھے۔ طبیعت میں بڑی نرمی اور انکساری تھی۔ لوگوں سے بڑی محبت سے ملتے۔ زبان میں بڑی حلاوت تھی۔ قرآن خوب یاد تھا۔ لحن سے پڑھتے تھے۔ جب گاؤں میں ہوتے تو مسجد میں امامت بھی کرتے۔ اکثر ان کی قرآت سننے کا موقع ملا ہے۔ آواز نرم اور سریلی تھی۔

۳ رمئی ۲۰۰۶ء مطابق ۱۱ ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ بروز چہارشنبہ آپ کا انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۵ سال کے قریب تھی۔ گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

مولانا عبدالسلام صاحب کی سوتیلی بہن بی بی وجیہہ خاتون سے آپ منسوب تھے۔ پسماندگان میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے مولوی محمد نہال الدین اور مولوی محمد منہاج الدین ہیں۔ دونوں تعلیم یافتہ ہیں اور تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حاجی کرامت علی

(م۔۲۰۰۷ء)

بھائی کرامت علی صاحب بڑے باغ و بہار آدمی تھے۔ سب ہی ان سے پیار کرتے۔ رہنے والے تو وہ پورنی کے تھے لیکن کوروڈیہہ میں آکر بس گئے تھے۔ یہاں ان کی سسرال تھی۔ بہت خوبصورت آدمی، پست قد، گوراچٹا رنگ، سر پر سیاہ مخملی ٹوپی، چہرے پر سلیقہ سے سجی ہوئی داڑھی، آنکھوں میں گاڑھا سرمہ، کلف کیا ہوا کلی دار کرتا، چوڑے مہری کا پائجامہ اور سیاہ پمپ شو میں بڑے بانکے نظر آتے تھے۔ میں نے ان کو پہلی بار غالبًا ستر کی دہائی میں دیکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ ڈھاکہ، مشرقی پاکستان کی ایک کمپنی میں برسرروزگار ہیں۔ جب بنگلہ دیش وجود میں آیا تو پھر وہ کبھی نہیں گئے۔

جب مستقل یہاں رہنے لگے تو سب سے جدا اور سب کے ساتھ۔ جدا بہ ایں معنیٰ کہ ان کے جینے کا ڈھنگ سب سے الگ۔ ان کی زندگی میں کبھی بے اعتدالی نہیں دیکھی۔ فتنہ اور سازش سے الگ تھلگ اور نہ کوئی گروہ بندی۔ جھگڑے اور گالی گلوج تو ان کو آتی ہی نہیں تھی۔ زبان میں ایسی حلاوت کہ گالیاں کھاکے بھی بے مزہ نہ ہوں۔ مقامی بولی میں تو بات کر ہی نہیں سکتے تھے۔ اردو میں ہی بات چیت کرتے۔ اگر کبھی مقامی بولی میں بات چیت کی کوشش کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ الفاظ سے ان کی جنگ ہورہی ہے۔ کبھی وہ غالب تو کبھی بولی ان پر غالب۔ پھر وہ سنبھلتے اور اپنی روش پر آکر لچھے دار اردو میں گفتگو شروع کردیتے۔

سسرالی گاؤں تھا، ہنسی مذاق کا رشتہ۔ لیکن وہ کبھی بدمذاق نہیں ہوتے۔ سبھوں کو مسکرا کر جواب دیتے اور خود بھی لطف اندوز ہوتے۔ خدمت کا بہت جذبہ تھا۔ عوامی کام کوئی بھی ہو اس میں پیچھے نہیں رہتے اور نہ انکار کرتے۔ گاؤں میں بہت گھل مل کر رہتے اور ہر موقع پر یاد کئے جاتے۔ کسی سے ان کی

کوئی مخاصمت نہیں تھی۔ بڑی محبت کرنے والے آدمی تھے۔ بال بچوں پر تو فدا ہی رہتے۔ کبر و نخوت اور نمود و نمائش سے وہ پاک تھے۔ بہت سے کج کلاہوں کو سرنگوں ہوتے دیکھا۔ وہ جہاں تھے وہاں تھے۔

شروع سے نماز روزے کی بڑی پابندی تھی۔ موسم کوئی بھی ہو اور کیسا ہی ہو وہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے۔ ۱۹۹۱ء میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے تھے۔ آخر عمر میں صحت کافی گر گئی تھی۔ بینائی بھی جاتی رہی۔ لیکن آپریشن کے بعد روشنی واپس آ گئی تھی۔ انہوں نے بڑی کامیاب زندگی گزاری۔ ۴؍ مارچ ۲۰۰۷ء مطابق ۱۲؍ صفر ۱۴۲۷ھ کو انتقال کر گئے۔ آپ کے بڑے لڑکے قاری محمد شوکت نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ع "مر کر جو جئے جہاں میں نام ان کا ہے"

مولوی محمد حبیب الرحمٰن

(م۔ ۲۰۰۷ء)

مولوی محمد حبیب الرحمٰن ابن حافظ عبد الرحمٰن ۵؍ جون ۲۰۰۷ء مطابق ۱۸؍ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ بروز سہ شنبہ انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۴۵ سال تھی۔ مرحوم کوئی طرح کے امراض لاحق تھے۔ ذیابیطس کے علاوہ قلب کی بھی شکایت تھی۔ آخر میں ان کے گردہ نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ علاج کے لئے پٹنہ لے جائے گئے۔ کچھ دنوں تک وہیں ان کا علاج ہوا۔ آخر میں ڈاکٹر نے جواب دے دیا۔ گھر واپس آرہے تھے کہ راستہ میں روح پرواز کر گئی۔ دوسرے دن آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ حافظ محمد اویس ابن حافظ محمد مجیب الرحمٰن (م۔ ۱۹۸۶ء) نے پڑھائی۔

مرحوم کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں

تعلیم حاصل کی۔ خانقاہ رحمانی مونگیر سے فراغت ہوئی تھی۔ فراغت کے بعد مدرسہ اصلاح المسلمین چمپا نگر بھاگلپور میں استاد مقرر ہوئے اور کئی سالوں تک یہاں درس دیا۔ اسی دوران سرکاری اسکول میں ملازمت ہوگئی اور سلطان گنج بھاگلپور کے قریب ایک اسکول جوائن کیا۔ تادم واپسین اسی اسکول سے وابستہ رہے۔

مولوی حبیب الرحمٰن مرحوم کم آمیز، کم سخن اور دینی مزاج کے حامل تھے۔ ان کا مکان گاؤں سے قدرے باہر تھا۔ گاؤں حسب ضرورت ہی آتے۔ اس لئے لوگوں سے کم ہی ملاقات ہوتی تھی۔ جب اس طرف آتے تو مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے اور لوگوں سے ملاقات ہوتی۔

حاجی عبدالحلیم

(م۔۲۰۰۷ء)

جناب حاجی عبدالحلیم صاحب ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۱/۱ اکتوبر ۲۰۰۷ء بروز پنجشنبہ انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۸۶ سال تھی۔ چند ماہ سے علیل تھے۔ مرض کوئی خاص نہیں تھا۔ گر جانے کی وجہ سے ایک پیر میں چوٹ آگئی تھی اور وہ زخم کی شکل اختیار کر گئی۔ بعد میں ناسور بن گیا۔ بظاہر یہ ان کی موت کا سبب بنا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ان کا وقت موعود آگیا تھا اور ان کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور وہ مالک حقیقی سے جا ملے۔ دوسرے دن جمعۃ الوداع کو زوال سے قبل آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ جناب حافظ عبدالخالق نے نماز جنازہ پڑھائی۔ کثیر تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک تھے۔ اللہ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

جناب عبدالحلیم نے ابتدائی تعلیم گاؤں میں مولانا شمس الاسلامؒ سے حاصل کی تھی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور حافظ نجابت حسین (م۔۱۹۸۵ء) سے قرآن پاک حفظ کیا

اور اردو و فارسی کی کتابیں پڑھیں ۔ مزید تعلیم جاری نہیں رکھ سکے اور خانگی امور میں مصروف ہو گئے ۔ مالی حالت بھی سدراہ بنی ۔ حاجی صاحب اپنے تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ۔ ان کے سب سے بڑے بھائی عبدالکریم تھے جن کا انتقال ۱۹۸۷ء مطابق ۱۴۰۸ھ میں ہوا اور دوسرے بھائی مولانا عبدالمجید قاسمی تھے جن کا انتقال ۱۹۴۳ء مطابق ۱۳۶۲ھ میں ہوا ۔ حاجی صاحب اپنے بچپن سے ہی بڑے ہوشمند اور زیرک تھے ۔ ان کی یہ خوبیاں عمر کے ساتھ بڑھتی گئیں ۔ یہاں تک کہ اپنے ہم عمروں میں ایک دانشمند اور مدبر کی حیثیت سے مشہور ہو گئے ۔ گاؤں کے معاملات میں ان کی رائیں سنی جاتیں اور اہم امور میں ان سے مشورے طلب کئے جاتے تھے ۔ بہت زیادہ تعلیم یافتہ تو نہیں تھے لیکن بہت سے تعلیم یافتہ ان کے حلقۂ اثر میں تھے ۔ وہ بہت معاملہ فہم تھے اور بہت جلد مسئلے کی نزاکت کو سمجھ لیتے اور ان کی تہہ تک پہنچ جاتے اور صائب رائے دیتے تھے ۔ کئی تعلیمی اداروں کے رکن رہے اور ہر جگہ اپنے وقار اور اعتماد کو بحال رکھا ۔ حق گو اور بے باک بھی تھے ۔ اس لئے حق بات کہنے میں کبھی لیت ولعل نہیں کرتے ۔ وہ دوسروں سے جلد مرعوب نہیں ہوتے بڑی سے بڑی مجلس میں بڑی مدلل گفتگو کرتے ۔ بڑے بڑے حکام سے بھی اسی تنتنے سے گفتگو کرتے ۔ جب کبھی گاؤں میں ایسی صورت پیدا ہوتی کہ سرکاری محکمہ کے کوئی آفیسر آ گئے ہیں تو وہ خاص طور پر طلب کئے جاتے ۔ وہ گاؤں کی نمائندگی کرتے ۔ وہ گاؤں میں لیڈر کی حیثیت سے بھی جانے جاتے تھے ۔ ان کے اندر ایک لیڈر کے اوصاف موجود تھے ۔

خاندانی پیشہ کاشتکاری تھا ۔ لیکن ان کو کاشتکاری سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی ۔ اوائل عمر میں انہوں نے سنہولا بھاگلپور میں کچھ عرصہ کے لئے کاروبار بھی کیا تھا لیکن سچ یہ ہے کہ کاروبار کم اور سرداری زیادہ کی ۔ اس علاقے میں بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی ۔ اس کاروبار کو ترک کرنے کے بعد مستقل گھر پر رہنے لگے ۔ بڑی کروفر کی زندگی گذاری ۔ ان کی اہلیہ کا انتقال ۱۹۸۷ء میں ہو گیا تھا ۔ لیکن ان کی دیکھ ریکھ آخر عمر تک ان کے بھتیجہ جناب محمد مکرم نے کی اور ہر حال میں خیال رکھا ۔

حاجی صاحب کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ حالات وواقعات کا ان کے پاس ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا وہ حسب مراتب ان واقعات کو اپنے حلقہ بگوشوں سے دلچسپ انداز میں بیان کرتے ۔ وہ دن میں کبھی

تنہا نہیں ہوتے۔ ان کے حلقہ نشینوں میں تین نسل کے افراد ہوتے۔ ایک ان کے ہم عمر، دوسرے ان کی اولاد کے ہم عمر اور تیسری ان کی اولاد کی اولاد کے ہم عمر۔ سبھی ان کے ہم نشیں و ہم جلیس ہوتے اور وہ حسب موقع و محل خوب گفتگو کرتے۔ انداز گفتگو بڑا دلچسپ تھا۔ خصوصی نشست میں ان کی گفتگو بڑی مدبرانہ اور حکیمانہ ہوتی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک اہل الرائے تھے اور اپنی رائے میں بے باک بھی تھے۔ دلیلوں سے وہ اپنی گفتگو کو مدلل کرتے تھے اور سامعین اس کے قائل ہو جاتے۔

بچپن سے ان کو مذہب سے شغف تھا۔ نماز کی پابندی اور مسجد میں نماز کی ادائیگی کا بڑا اہتمام تھا۔ پانچوں وقت مسجد میں نماز ادا کرتے تھے۔ آخر عمر میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے پھر بھی چھڑی کے سہارے مسجد ضرور آتے، جب بالکل مجبور ہو گئے تو مسجد آنا بند ہو گیا۔ تلاوت کلام پاک اور نماز اشراق کا بڑا اہتمام تھا۔ رمضان میں قرآن کی تلاوت میں اور کثرت ہو جاتی اور دن کے بیشتر حصے مسجد میں گذارتے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد مسجد دروازہ پر بیٹھتے اور عصر کی نماز کے بعد گھر واپس آتے۔ ڈاکٹر عبدالحمید اور حاجی محمد عبدالرزاق سے ان کو بڑی محبت تھی۔ ان سے گھلے ملے رہتے زیادہ تر مسجد سے باہر انہیں کے ساتھ وقت گذارتے۔ ۱۹۷۱ء میں سب ایک ساتھ حج بیت اللہ کے لئے گئے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے اور ورد و وظائف کی بھی پابندی تھی۔ ان کی موت گاؤں کے لئے ایک بڑا نقصان ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔ آمین

بابو محمد ریاض الدین

(م۔ ۲۰۰۹ء)

الحاج بابو محمد ریاض الدین ابن محمد غیاث الدین بڑے صابر و شاکر انسان تھے۔ ان کی زندگی میں کتنے نشیب و فراز آئے لیکن صبر کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ بچپن میں ہی والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ منجھلے ماموں محمد سعید (م۔ ۱۹۶۹ء) آپ کے مربی اور نگران ہوئے اور آپ کی بڑی

خالہ (والدہ حافظ محمد صالح) نے بے حد شفقت درافت سے پالا پوسا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں پھر مدرسہ اعزازیہ میں حاصل کی۔ زمین جائداد کافی تھی۔ جب ہوشمند ہوئے تو ان کے ماموں نے گھر کی پوری ذمہ داری زمین کی نگرانی اور دیگر معاملات ان کے حوالے کر دی ایسی صورت میں تعلیم جاری رکھنا ممکن نہیں تھا۔ اپنے چھوٹے بھائی عیاض الدین (م۔۱۹۹۹ء) کی سرپرستی کی اور بڑے ناز ونعم سے پالا اور ان کی خواہشیں پوری کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔

بابو محمد ریاض الدین صاحب بے حد خاموش طبع اور سادہ مزاج انسان تھے۔ انہوں نے دولت کو فخر ومباہات کا ذریعہ نہیں بنایا۔ زندگی اس قدر سادہ اور بے ریا تھی کہ ان کو دیکھ کر ان کی حیثیت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ انہوں نے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ علاقے میں خوشحال اور مالدارترین افراد میں میں شمار ہوتے تھے۔ اللہ نے دولت کی فراوانی کے ساتھ مزاج میں انکسار وعجز بھی بہت عطا کیا تھا۔ فلاحی اور عوامی کام سے دلچسپی تھی۔ خاموشی سے اس کو انجام دینے کی سعی کرتے تھے۔ شر اور فساد سے ہمیشہ دور رہے۔ بڑے وسیع الظرف انسان تھے۔ کبر ونخوت سے دور کا واسطہ نہیں تھا۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ جب جہاں کسی نے کوئی چیز ان کے سامنے پیش کی تو بلا تکلف اس کو قبول کر لیا اور اگر کھانے پینے کی نوبت آئی تو بلا جھجک شریک ہو گئے کبھی انکار نہیں کرتے۔

علاقے میں دور دور تک آپ کی بڑی شہرت اور مقبولیت تھی۔ مسلم ہوں یا غیر مسلم آپ ہر جگہ پہچانے جاتے تھے۔ آپ کئی ادارے سے وابستہ رہے۔ حاجی نثار احمد بانی مہتمم مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ کے وصال (م۔۱۹۷۶ء) کے بعد ۲۱ر نومبر ۱۹۷۶ء کو ان کی جگہ پر دوسرے مہتمم مقرر ہوئے۔ آپ کے دور اہتمام میں ادارہ نے کافی ترقی کی۔ آخر وقت میں ادارہ پر آپ کی گرفت کافی ڈھیلی ہو گئی تھی۔ انتظامی امور پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔ انہوں نے ادارہ کو اپنی ذات کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا بلکہ اس کی امداد میں ہر ممکن سعی کی اور دو بیگھہ زمین وقف کیا۔ آپ مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہہ کے تاحیات صدر رہے اور مدرسہ عربیہ شاہ جنگی بھاگلپور کے رکن اور مدنی مسافر خانہ، تاتارپور بھاگلپور کے خازن بھی تھے۔

آپ دمہ کے پرانے مریض تھے۔ضیق النفس کی وجہ سے آپ کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی۔ آپ کی زندگی کا آخری دن کلفتوں میں گذرا۔آپ کے دوسرے بیٹے محمد منعام الدین کا ۱۷؍جون ۲۰۰۸ء/۱۲؍جمادی الآخر ۱۴۲۹ھ بروز سہ شنبہ قتل ہوگیا۔اس حادثہ نے آپ کو بہت متاثر کیا۔بڑی تیزی سے صحت گرتی چلی گئی۔یکم فروری ۲۰۰۹ء کو آپ کی اہلیہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔یہ دوسرا بڑا حادثہ تھا۔شاید آپ اس صدمہ کو برداشت نہیں کر سکے اور محض دو دن کے بعد مورخہ ۳؍فروری ۲۰۰۹ء مطابق ۷؍صفر ۱۴۳۰ھ بروز سہ شنبہ اس دار فانی سے انتہائی خاموشی کے ساتھ کوچ کر گئے۔دوسرے دن تدفین عمل میں آئی۔مولانا محمد قاسم صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔یہ موت ایک ایسے انسان کی تھی جو صبر وضبط،عجز وانکسار،تحمل و برداشت،نرم گوئی اور حسن اخلاق میں بے مثال تھا۔دولت وثروت جن کے قدموں کی ٹھوکر میں رہی آخر عمر میں وہ آرام وآسائش کا اتنا ہی محتاج رہا۔ان کے بیٹے نے اپنی سعادت مندی کا ثبوت نہیں دیا۔اپنوں نے بھی ان کی راحت کا خیال نہیں رکھا۔بایں ہمہ اخلاق وکردار،اتفاق و اتحاد اور انسان دوستی کے لئے وہ ایک نمونہ تھے۔ایسے لوگ اب کہاں ملتے ہیں۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

والدہ محترمہ

(م۔۲۰۰۹ء)

مہر ومحبت،شفقت والفت اور ایثار وقربانی کی سراپا تصویر۔میرے عدم سے وجود میں آنے کا سبب،پرورش و پرداخت اور اخلاق وتربیت کا مصدر ومنبع۔خواہش وضد کے سامنے نرم مانند حریر و پرنیا۔ جن کی باتوں میں محبت وشیرینی۔میرے آرام کی خاطر ہر تکلیف وصعوبت کو برداشت کرنے کے لئے ہمہ دم تیار،ہر دکھ درد کے لئے مداوا وغم گسار۔جلال پدری کے سامنے سراپا جمال وترحم گسار۔ان کی دعائیں میری قسمت کی نگہبان۔میری شخصیت کی تعمیر وترقی کے لئے ہمہ دم دست بدعا۔میرے وجود و

بقاء کے لئے شب زندہ دار۔ ایسی عظیم شخصیت جن کی ضد اور نہ مثال نہ اس کا بدل اور نہ ہمسر۔ جن کی رضا خدا اور رسول کی رضا۔ جن کی ناراضگی خدا اور رسول کے قہر وغضب کا سبب۔ جن سے بے ادبی اور بداخلاقی کے لئے قرآن وحدیث کی تادیب۔ ان سے گفتگو کے آداب کی قرآنی تعلیم۔ دعا کی مقبولیت کے لئے ان کی رضا شرط اولیں۔ باپ کے حکم کے سامنے ان کے حکم کی بجا آوری کی تقدیم۔ سب سے بڑھ کر ان کے قدموں کے نیچے جنت کی بشارت۔ ان اوصاف سے متصف ذات والاصفات جن کو میں نصف صدی سے ماں کہہ کر پکارتا رہا۔ ان کے رخ انور کا دیدار میرے لئے سکون وقرار کا سبب تھا۔ ۶؍جولائی ۲۰۰۹ء مطابق ۱۲؍رجب ۱۴۳۰ھ بروز دوشنبہ تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں اس عالم ناپائدار سے دار بقا کی طرف رہ سپار ہوگئیں۔ نام کی بھی ایسی نسبت جن کی آغوشِ شفقت میں سرور کائنات، سردار دوجہاں، حبیب خدا، سیدالانبیاء، شافع محشر، خیرالبشر نے پرورش پائی اور اپنی شیرخواری کے ایام بسر کئے۔ یعنی بی بی حلیمہ سعدیہ رحمہا اللہ تعالیٰ۔ اے اللہ! انہی نام کی مناسبت اور نبی برحق ﷺ کے صدقہ اور طفیل میں میری ماں کو حوض کوثر پر دست رسول اکرم ﷺ سے جام دل آرام نصیب فرما اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا کر اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو اپنی باران رحمت سے دھودے اور اپنے حبیب کی شفاعت کا حقدار بنا۔ ان کو عذاب قبر سے محفوظ رکھ۔ اس میں وسعت عطا فرما اور ان کی قبر کو نور سے منور کردے۔ اے اللہ! جن کی آغوش رحمت میں میں نے پرورش پائی، جن کی دعاؤں سے اس لائق ہوا کہ تیرے احکام اور تیرے رسول ﷺ خیر الانام کے فرمان کو کسی قدر جاننے کی سعادت حاصل کرسکا۔ ان دعاؤں کے صدقے اور ان تعلیمات کے طفیل میں تو ان سے رحم کا معاملہ فرما۔ آمین

مرحومہ شریعت مطہرہ کی بڑی پابند تھیں۔ ۱۹۷۱ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئیں۔ ابتداءً ہی میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے شرف بیعت حاصل تھی۔ ۔۔۔ وظائف کی پابند تھیں۔ ان کے معمولات میں قرآن کی تلاوت سب سے اہم تھا۔ فجر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کرتیں اس کے بعد اشراق کی نماز سے فارغ ہوکر ہی مصلی سے الگ ہوتیں۔

آپ حاجی نثار احمد صاحب کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ نانا جان کو آپ سے بڑی محبت تھی۔

باپ کے بہت سے اوصاف اپنے اندر پیدا کیں۔ آپسی میل ومحبت، رواداری اور شفقت ان کے وصف خاص میں تھیں۔ اپنی اولاد کے ساتھ کبھی بھی سختی، ترش روئی اور بدکلامی کوروا نہیں رکھا۔ مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے تادیباً کبھی مارا پیٹا ہو، یا بددعائیں دی ہوں۔ طبیعت میں بڑی نظافت تھی۔ پاکی کا پورا خیال رہتا تھا۔ صاف ستھرے لباس میں ہمیشہ ملبوس رہتیں۔

آج اس مہر وفا کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں۔ خدا ان کو قبر میں راحت اور زندگی میں مجھکو سکون عطا فرمائے۔ رَبنا تَقبل مِنّا اِنّکَ اَنتَ السَّمیعُ العَلیم.

مولانا محمد یونس

(م۔۲۰۱۴ء)

مولانا محمد یونس ابن محمد شرافت حسین ۱۸رمئی ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکتب کوروڈیہ میں مولانا محمد شمس الاسلامؒ سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا عبدالسلامؒ سے علم صرف میں میزان ومنشعب، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری اور علم نحو میں نحومیر، کافیہ، شرح مأیۃ عامل اور فقہ میں نورالایضاح، قدوری اور فارسی میں گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی اور رقعات عالمگیر وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ پھر آپ مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخل ہوئے اور فوقانیہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ ان دنوں یہاں مولانا عبدالحمید صاحب صدر مدرس اور معاون مدرسین میں مولانا محمد غنی اور حافظ دیانت احمد صاحب وغیرہم تھے۔ حاجی نظام الدین بدلو چک، حاجی محمد نعیم الدین بدلو چک، حاجی محمد قمرالحسن سنہولی اور مولوی محمد جواد علی وغیرہم آپ کے ہم جماعت رہے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف تشریف لے گئے اور درجہ عالم تک کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۴۶ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فضیلت کی سند حاصل کی۔ مدرسہ عزیزیہ میں آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالمتینؒ، مولانا عبداللہ ادیب بہاریؒ، مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا محمد آفاقؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد یونس صاحب تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ سوپول، سہرسہ میں استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں جب آپ کی ملازمت ایس۔ایس ہائی اسکول سوپول میں ہوگئی تو آپ یہاں منتقل ہوگئے۔ یہ علاقہ بہت ہی پس ماندہ اور ناخواندہ تھا۔ اسکول کے آس پاس ایسے مسلمان آباد تھے جو مالی طور پر بہت کمزور تھے۔ یہ لوگ مزدور پیشہ اور دین سے بہت دور تھے۔ آپ نے ان کے اندر دینی شعور پیدا کرنے کے لئے سخت محنت کی اور انہیں دین سے قریب کیا۔ گاؤں میں شبینہ اسکول قائم کیا اور بڑے بوڑھوں کو دین سے آشنا کیا اور نوجوانوں کو تعلیم کے لئے اکسایا۔ آپ ہر طرح کی اجرت وشہرت سے بے نیاز ہو کر انہی کے درمیان ایک فرد بن کر اور اسی سطح پر اتر کر یہ کام انجام دیا۔ لوگوں میں دینی ذوق و شوق پیدا کیا۔ تعلیم کے لئے راہیں ہموار کیں۔ بچوں کو اسکول جانے کے لائق بنایا۔ اللہ نے آپ کی مساعی کو قبول فرمایا اور حالات میں بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ بعد میں مولانا نے اس گاؤں میں ایک پختہ مسجد بھی تعمیر کرائی۔ بڑی حکمت سے لوگوں سے ان کی صلاحیت سے بڑھ کر تعاون واشتراک حاصل کیا۔ آپ نے لوگوں میں اس قدر دینی مزاج پیدا کر دیا کہ وہ خود ہی دینی امور میں پہل کرنے لگے۔ آپ علاقے میں دورہ بھی کرتے اور دینی و مذہبی اجتماعات میں تقریریں بھی کیا کرتے تھے۔ ملازمت کے دوران آپ اس علاقے کے لوگوں کو بھی اپنے گاؤں لاتے تاکہ وہ یہاں کے ماحول کو دیکھیں اور اپنے اندر اصلاح کی فکر کریں۔ ۱۹۹۸ء میں آپ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اس کے بعد گاؤں کی قدیم مسجد سے جڑ گئے۔ تعمیراتی کاموں میں بڑی دلچسپی لی۔ عموماً نماز مسجد ہی میں ادا کرتے تھے۔

مولانا محمد یونس صاحب بڑے خاندانی آدمی تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ میں قاضی صبیح اللہ، قاضی فتح اللہ اور قاضی حبیب اللہ وغیرہ عہد اسلامیہ میں عہدۂ قضاۃ پر مامور تھے۔ اس زمانے کی بہت سی مہریں اب بھی آپ کے خاندان میں موجود ہیں۔ ۱۱۸۵ھ سے تاحال آپ کا شجرۂ نسب موجود ہے جو

''رشتوں کی تلاش'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں آپ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۹۰ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ آپ کو مطالعہ کا وافر شوق تھا اور اپنے اوقات کو مطالعے میں صرف کرتے تھے۔

ایک ہفتہ قبل دل کا دورہ پڑا تھا۔ مستقل زیر علاج تھے کہ اچانک ۳۰ جون ۲۰۱۰ء بمطابق ۱۷ر جمادی الآخر ۱۴۳۱ھ بروز بدھ جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اسی دن بعد نماز عصر تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ مولانا حسین احمد صاحب نے پڑھائی۔ کثیر تعداد میں لوگ شریک جنازہ ہوئے۔

نوٹ: مولانا کی حیات میں ہی یہ مضمون لکھا گیا تھا۔ ان کے وصال کے بعد آخری پیراگراف کا اضافہ کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ اس کو مطبوعہ شکل میں نہیں دیکھ سکے۔ بڑی تمنا تھی کہ کتاب ان کی حیات میں شائع ہو جائے لیکن مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ۔

مولوی محمد جواد علی

(۱۹۲۳ء۔۲۰۱۰ء)

مولوی محمد جواد علی ابن شیخ محمد غریب اللہ ۵ر فروری ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں مولانا شمس الاسلامؒ سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور حضرت مولانا عبدالسلامؒ سے پڑھیں۔ گھر کی مالی حالت کے پیش نظر مزید تعلیم جاری نہیں رکھ سکے۔ ان کے والد کی بیشتر زمین کوآپریٹو بین ہوا (Co-operative Bank) کے ذریعہ قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں نیلام ہو چکی تھی ان دنوں گاؤں میں سینچائی کا مناسب نظم نہ ہونے کی وجہ سے قحط سے لوگوں کو دوچار ہونا پڑتا تھا۔ بحالت مجبوری عوامی بینک سے قرض لینے کی نوبت آجاتی۔ جب اس کی ادائیگی کی صورت پیدا نہیں ہوتی تو

بینک گروی شدہ زمین کو نیلام کر دیتا۔ ایسے ہی حالات میں شیخ غریب اللہ صاحب کی بیشتر زمین نیلام ہوگئی تھی۔ کاشت کے علاوہ آمدنی کا کوئی اور دوسرا ذریعہ نہیں تھا۔ گاؤں کے کئی اور لوگوں کی زمین بھی اسی طرح نیلام ہوگئی۔ اس لئے فکر معاش نے بہت جلد مولوی جواد علی کو ملازمت کے لئے مجبور کر دیا۔ ان دنوں بہت کم پڑھے لکھے لوگوں کو بھی بہ آسانی ملازمت مل جاتی تھی اور زیادہ تر یہ ملازمت تعلیمی محکمہ میں ہوتی تھی۔ ان دنوں تعلیم کا زیادہ رواج بھی نہیں تھا اور تعلیمی ادارے بھی زیادہ نہیں تھے۔ حکومت چھوٹے چھوٹے مکاتب گاؤں میں قائم کر رہی تھی۔ جہاں بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جا سکے۔ اس وقت گاؤں میں مخلوط آبادی تھی۔ لسانی جھگڑے اور فرقہ واریت نہیں تھی۔ مسلم اور غیر مسلم سبھی اردو، فارسی پڑھتے تھے۔ یہی وہ دور ہے جب مولوی محمد جواد علی صاحب نے ۱۹۳۹ء میں پرائمری اسکول دریاپور، بھاگلپور میں محض سات آٹھ روپے ماہانہ پر اپنی ملازمت شروع کی۔ آپ نے اپنی ملازت میں ضلع بھاگلپور کے کئی اسکولوں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ جیسے سلطان گنج پرائمری اسکول، قمر گنج پرائمری اسکول، میرن چک پرائمری اسکول ڈہر پور پرائمری اسکول، کوروڈیہ، استو، رجون اور دوگاچھی کے پرائمری اسکول وغیرہ۔ ۲۸ رفروری ۱۹۸۱ء کو اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مولوی محمد جواد علی نے ملازمت کے دوران آزاد امیدوار کی حیثیت سے مدرسہ بورڈ سے درجہ مولوی کا امتحان محض اپنی ملازمت کی ضرورت کے پیش نظر دیا اور اس میں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے اپنے تمام لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا اور اب وہ سب ملازمت میں ہیں۔ انہوں نے مالی اعتبار سے بھی کافی ترقی کی اور آسودگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت ہیں۔ ان کی سماعت اس قدر کمزور ہوگئی ہے کہ ان سے گفتگو اب صرف لکھ کر ہی کی جا سکتی ہے۔ وہ گاؤں کے لئے ایک زندہ دستاویز ہیں۔ اللہ ان کی زندگی کو دراز تر کرے۔

مولوی محمد جواد علی صاحب ان باقیات الصالحات میں سے ہیں جو گاؤں اور علاقے کی تاریخی واقعات سے کافی واقفیت رکھتے ہیں۔ اپنے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات کو انہوں نے ذہن

میں محفوظ کررکھا ہے۔ بہت وضاحت سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جن سے پرانے وقت کے حالات، واقعات اور تاریخ پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔۱۹۳۲ء میں گاؤں میں زبردست سیلاب آیا تھا۔ بہت سے کچے مکانات بہہ گئے۔ مالی نقصان بھی بہت ہوا۔ سیلاب کے بعد گاؤں میں زبردست بیماری پھیل گئی۔ جس میں بہت سے افراد لقمۂ اجل ہو گئے۔ ان مہلوکین میں محمد ولی الدین برادر مولانا شمس الدین، حافظ عبدالرحمٰن کی والدہ، الٰہی بخش خلیفہ (سپاہی ٹولہ میں تھے) اور حکیم محمود حسن کی پہلی اہلیہ یعنی محمد حسن کی والد وغیرہ۔ اسی طرح گاؤں کی زمین اور زمین داری کی نوعیت زمین دار اور رعیت کے مابین معاملات پر بہت سی باتیں ان سے معلوم ہوئیں۔ مولوی محمد جواد علی دفتری امور اور زمین سے متعلق بہت سارے معاملات سے خوب واقف ہیں۔ اب بھی گاؤں میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

نوٹ: یہ تحریر مولوی جواد صاحب کی زندگی ہی میں لکھی گئی تھی۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب ان کی حیات میں شائع نہیں ہوسکی۔ ۲۸/اگست ۲۰۱۰ء مطابق ۱۷/رمضان ۱۴۳۱ھ بروز شنبہ سہ پہر میں انتقال ہوا، دوسرے دن آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ جناب مولانا نعمان صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ آمین

☆☆☆

ذکرِ ہم نفساں

حاجی محمد عبدالرزاق

(پ۔۱۹۲۰ء)

حاجی محمد عبدالرزاق ابن محمد الفت حسین ۱۹۲۰ء میں ایک مذہبی اور علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں مولوی محمد ریاست (شکراواں، بھاگلپور) سے حاصل کی۔ ان دنوں مولانا شمس الاسلام صاحبؒ کا تبادلہ اردو اسکول کھریک بازار، بھاگلپور ہو گیا تھا۔ آپ نے فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولوی محمد یٰسینؒ (م۔۱۹۹۴ء) سے پڑھیں۔ وہ اردو اسکول موضع چکدریا، ضلع بھاگلپور میں استاد تھے۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا اور یہاں کافیہ اور قدوری وغیرہ تک کی تعلیم حضرت مولانا عبدالحمیدؒ، حضرت مولانا محمد غنیؒ اور حضرت مولانا دیانت احمدؒ سے حاصل کی۔ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۵ء میں جب مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ قائم ہوا تو آپ یہاں منتقل ہو گئے اور شرح جامی کنزالدقائق، شرح تہذیب اور اصول الشاشی وغیرہ تک کی تعلیم حضرت مولانا خلیل احمدؒ (م۔۲۰۰۹ء) اور حضرت مولانا عبدالسلامؒ (م۔۱۹۶۹ء) سے حاصل کی۔ محمد عبدالوحید، محمد شکیل پتھنہ اور عبدالصمد وغیرہ آپ کے ہم درس تھے۔

بچپن ہی میں آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ گھر پر والد صاحب تنہا تھے۔ آپ کے دو اور بڑے بھائی مولانا عبدالحکیم (م۔۱۹۸۹ء) اور مولانا (ڈاکٹر) عبدالحمیدؒ (م۔۲۰۰۴ء) بالترتیب دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں زیرِ تعلیم تھے۔ ایک چھوٹی بہن تسلیمہ خاتون (مرحومہ) اس وقت بہت کم عمر تھیں۔ والدہ کے انتقال کے بعد آپ کے والد صاحب نے امورِ خانہ داری سے اپنے کو ایک حد تک الگ کر لیا تھا۔ کاشت کی نگرانی اور دیکھ ریکھ کے لئے گھر پر کوئی اور نہیں تھے۔ آپ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ ''قرعۂ فال بنام منِ دیوانہ زدند'' کے مصداق ہوئے۔ ترکِ تعلیم کے بعد آپ خانگی معاملات میں اس قدر منہمک ہوئے کہ اپنے تمام بھائیوں کو آخر وقت تک گھریلو معاملات

سے بے فکر کردیا اور بھائیوں نے بھی گھر کی پوری ذمہ داری آپ کے سپرد کردی۔ بلاشبہ آپ اس امتحان میں کھرے اترے۔ اتفاق واتحاد، اخلاص وایثار اور تمام بھائیوں کی عزت واحترام میں آپ نے مثالی کردار ادا کیا۔ بھائیوں کے درمیان اتفاق واتحاد اور صلح وآشتی کی ایسی مثال شاذ ہے۔

آپ تعلیم کے معاملے میں بڑے سخت رہے۔ اس میں کسی قسم کی تساہلی اور بے توجہی برداشت نہیں کرتے۔ بچوں کی تعلیم میں بڑے سرگرم رہے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ ۱۹۷۱ء میں اپنی اہلیہ مرحومہ (م۔۲۰۰۹ء) کے ساتھ حج بیت اللہ سے سرفراز ہوئے۔ آپ کو مطالعے کا ستھرا ذوق ہے۔ نثر کے مقابلے میں شاعری سے رغبت زیادہ ہے۔ اشعار بہت یاد ہیں۔ مترنم آواز میں پڑھتے ہیں۔ طبیعت موزوں پائی ہے۔ لیکن شعرگوئی سے قطعاً شوق نہیں ہے۔ اللہ نے عمر میں بڑی برکت عطا کی۔ اس وقت کنبہ میں آپ سب سے معمر ہیں۔ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، اور اتحاد واتفاق اور ایثار کی علامت ہیں۔

حافظ محمد صالح

(پ۔۱۹۳۲ء)

حافظ محمد صالح ابن حافظ محفوظ حسین ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی محمد یونس، صاحب گنج کٹوریا، ضلع بانکا سے حاصل کی۔ وہ آپ کی نانیہال میں بچوں کے اتالیق تھے۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے اور حافظ نجابت حسین استو (م۔۱۹۸۵ء) سے قرآن پاک حفظ مکمل کیا۔ پھر فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مولانا عبدالسلام صاحب کے مشورہ سے مدرسہ تجوید القرآن، قاضی محلہ، ضلع سہارنپور میں داخلہ لیا اور قاری حافظ عبدالخالق سے

قرآت وتجوید کی تعلیم مکمل کی۔اس کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند چلے آئے اور یہاں شرح وقایہ، کنز اور شرحِ جامی تک کی تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم آپ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ (م۔ ۱۹۵۶ء) کو بعد نماز تہجد ایک پارہ قرآن بھی سناتے تھے۔ان دنوں حضرت شیخ الادبؒ کی بڑی مصروفیت تھی۔ ہمہ وقت تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے تھے۔اس کے باوجود انہوں نے آپ کو وقت دیا۔ یہ بڑی محبت اور شفقت کی علامت ہے۔ جناب حافظ محمد صالح صاحب ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم رہے۔

۱۹۴۸ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں چند ماہ درجۂ حفظ میں درس دیا۔اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ کیتھا ٹیکر، ضلع بانکا میں درجۂ حفظ کے استاد مقرر ہوگئے۔تقریباً بائیس سالوں تک آپ نے یہاں دینی خدمت انجام دی اور بہت سے حفاظ پیدا کئے۔اس علاقے میں آپ بہت مشہور ومقبول تھے۔ ۱۹۷۰ء میں مدرسہ اعزازیہ نے آپ کو طلب کرلیا۔ جناب حافظ نجابت حسین صاحب صحت سے مجبور ہوگئے تھے۔انہوں نے مدرسہ کی کمیٹی سے گذارش کی کہ مجھے رخصت دے دی جائے اور میری جگہ پر حافظ عبدالرحمٰن یا حافظ محمد صالح کو مقرر کیا جائے۔ یہ دونوں حضرات آپ کے شاگرد عزیز تھے۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی معذوری ظاہر کی تو حافظ محمد صالح صاحب نے ستر روپے ماہوار پر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں استاد مقرر ہوئے۔

حافظ محمد صالح درس وتدریس کے علاوہ مدرسہ کی تعمیر وترقی میں خصوصی دلچسپی لی۔ان کے ذریعہ یہاں بہت زیادہ تعمیراتی کام ہوئے۔جنوبی حصہ کا برآمدہ مکمل کرایا۔ پوربی حصہ کے تمام کمرے مع برآمدہ تعمیر ہوئی۔ان میں سے ایک بڑا کمرہ صرف کوروڈیہ کے اساتذہ کے مالی تعاون سے مکمل ہوا اور اس کے بغل والا دوسرا کمرہ ان کی ماموں زاد بہن بی بی صفیہ خاتون نے تعمیر کرایا۔اسی دوران مدرسہ کی موجودہ مسجد جناب مولانا محمد قاسم صاحب کی خصوصی توجہ سے تعمیر ہوئی۔ان کے علاوہ اور بھی دیگر تعمیراتی کام انجام پذیر ہوئے۔

حافظ محمد صالح صاحب تعمیری اور تحریکی ذہن رکھتے ہیں۔خدمت کا بھی بڑا جذبہ ہے۔ بڑے

مہمان نواز ہیں۔علماء دیوبند سے بہت محبت ہے۔آپ کی دعوت پر دیوبند کے بہت سے علماء کرام کی گاؤں میں تشریف آوری ہوئی ہے۔خانوادہ مدنی پرتو آپ دل و جان سے فدا ہیں۔اسی فدائیت میں آپ کے کولھے کی ہڈی ٹوٹی۔ چلنے پھرنے سے ایک حد تک معذور ہیں اور وہیل چیئر پر چلتے ہیں۔

گاؤں میں آپ کی شخصیت بڑے جلال و جمال کا مظہر ہے۔اگر طبیعت کے خلاف کوئی واقعہ ہو جائے تو اس وقت آپ کے جلال کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کوئی ان کے سامنے نہیں آتا۔اگر حالت جمال میں ہیں تو پھر ملازم کے بھی پیر دبا رہے ہیں اور ان پر شفقت فرما رہے ہیں۔آپ کو دینی امور سے بہت شغف ہے۔امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ (م۔۲۰۰۶ء) کے خلیفہ اور مجاز ہیں۔۱۹۹۰ء میں حج سے فارغ ہوئے۔ایک عرصہ تک گاؤں کی قدیم مسجد میں نماز تراویح اور تہجد میں قرآن پاک سنایا۔اس میں آپ نذرانہ کیا لیتے۔مصلی خودان سے مٹھائی وصول کرتے اور کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے کہ آپ کا قرآن سنا۔حضرت حافظ صاحب بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔نمونۃ السلف ہیں اور پورے دینی شعار میں رہتے ہیں۔

مولانا حسین احمد

(پ۔۱۹۳۶ء)

مولانا حسین احمد ابن مولانا عبدالسلام صاحبؒ ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم حضرت مولانا شمس الاسلام صاحبؒ سے حاصل کی۔۱۹۴۴ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخلہ لیا اور یہاں شرح وقایہ، کنز اور اصول الشاشی وغیرہ حضرت مولانا خلیل احمد اور مولانا عبدالسلام صاحب سے پڑھیں۔مولانا حاذق القاسمی، مولانا محمد فاروق اور علامہ محمد عثمان پتھنہ آپ کے ہم درس تھے۔پھر آپ دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور ۱۹۵۷ء مطابق ۱۳۷۷ھ میں یہاں سے فراغت پائی۔یہاں آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (م۔۱۹۵۷ء)، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی

صاحبؒ (م۔۱۹۵۶ء)، علامہ ابراہیم بلیاوی (م۔۱۹۶۷ء)، حضرت مولانا فخرالدین (م۔۱۹۷۲ء)، مولانا محمد انظرشاہ کشمیری (م۔۲۰۰۸ء)، حضرت مولانا محمد طیب صاحب (م۔۱۹۸۲ء) مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا نصیراحمد خاں (م۔۱۹۱۰ء) وغیرہ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ دنوں اپنے والدمحترم کی جگہ پر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں درس دیا۔ وہ ان دنوں فرصت علالت پر تھے۔۱۹۶۲ء میں آپ مدرسہ انوارالعلوم اسلام پور، پورنیہ میں استاد مقرر ہوئے۔ یہ ادارہ بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ پٹنہ سے درجہ عالم تک ملحق ہے۔ اس مدرسہ میں آپ نے زیادہ تر درجہ مولوی اور درجہ عالم کے لڑکوں کو پڑھایا۔۱۹۷۰ء کے اواخر میں مولانا محمد شفیق عالم کے مشورہ سے خانقاہ رحمانی مونگیر چلے آئے۔۱۹۷۶ء میں جب مولانا شفیق عالم صاحب مدرسہ انوارالعلوم اسلام پور میں صدر مدرس مقرر ہوئے تو آپ کو بھی اپنے ساتھ لیتے آئے۔ یہاں آپ نے مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف، جلالین شریف اور ہدایہ آخرین وغیرہ جیسی اہم کتابیں پڑھائیں۔ ۲۰۰۷ء میں آپ اس ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ لیکن آج بھی آپ اس ادارہ سے وابستہ ہیں اور مدرسہ کی مسجد کی تعمیر کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے جو اب پائیہ تکمیل کو ہے۔

مولانا حسین احمد صاحب نے مدرسہ انوارالعلوم کی تعمیر و ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس علاقے میں تعلیم کو عام کرنے اور اصلاح معاشرہ میں بڑے سرگرم اور خدمت خلق میں بھی بڑے فعال رہے۔ آپ اس اطراف میں بہت ہی مقبول ومحبوب ہیں۔ فقہ اور تاریخ اسلام پر آپ کی بڑی گہری نظر ہے۔ ندائے قاسم میں آپ کے مضامین اکثر شائع ہوتے ہیں۔

مولانا حسین احمد صاحب ایک باصلاحیت استاد اور مستند عالم دین ہیں۔ تعمیری اور اصلاحی ذہن کے حامل ہیں۔ گاؤں میں مسلم فنڈ قائم کیا۔۱۹۷۶ء میں مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ آپ کی تحریک پر قائم ہوا۔ ہرچند کہ راقم الحروف اور محمد اظہارالحق کا اس مدرسہ کے قیام میں عملی تعاون بھی شامل رہا ہے۔ لیکن مولانا حسین احمد ہی اس کے اصل روح رواں تھے۔

۱۹۵۹ء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت ہوئے۔۱۹۸۴ء میں آپ

نے پہلا حج کیا اور دوسرا حج اپنی اہلیہ کے ساتھ ۱۹۹۰ء میں کیا۔ مولانا حسین احمد صاحب بڑے متواضع، منسکر المزاج نرم خو اور نہایت شریف انسان ہیں۔

مولانا محمد فاروق قاسمی

(پ۔۱۹۳۸ء)

مولانا محمد فاروق قاسمی ولد محبت علی ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر چھ یا سات سال ہی کی تھی کہ ۱۹۴۲ء میں گاؤں میں زبردست سیلاب آیا اس سے بڑی تباہی ہوئی۔ سیلاب کے بعد گاؤں میں ہیضہ کی وبا پھیل گئی۔ دیکھتے دیکھتے بہت سے افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ اس وبا میں مولانا محمد فاروق کے والدین بھی محض چند لمحوں کے وقفے میں موت کی آغوش میں چلے گئے اور مولانا یتیم و یسیر ہو گئے۔ گھر میں ایک چھوٹی بہن کے علاوہ اور کوئی مونس و غم خوار نہ تھا۔ آپ کی زندگی کی کشتی ایک ایسے منجدھار میں پھنس گئی جس کا بادبان ٹوٹا ہوا اور ساحل بہت دور۔ مگر اللہ مسبب الاسباب اور سب کا پالنہار ہے۔ وہ یتیموں کا سہارا اور ٹوٹی کشتی کا کنارہ ہے۔ مولانا محمد فاروق کے ساتھ یہی معاملہ ہوا۔ اللہ بزرگ و برتر نے مردِ جلیل اور معلم بے نظیر حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو مولانا محمد فاروق کی کفالت اور تربیت کے لئے انتخاب فرمایا اور ان کے دل میں ماں اور باپ دونوں کی شفقت و محبت ڈال دی۔ اب مولانا محمد فاروق ان کی سرپرستی میں آ گئے۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا حسین احمد صاحب جو مولانا محمد فاروق کے ہم عمر تھے، وہ ان کے بھائی بن گئے اور ایک ساتھ تعلیمی سفر کا آغاز کیا۔

مولانا محمد فاروق نے گاؤں کے مکتب میں مولانا شمس الاسلام صاحب سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت مولانا عبدالسلام کا مسند

درس آراستہ تھا۔ براہ راست ان کی نگرانی اور سرپرستی میں کنزالدقائق، شرح وقایہ اور اصول الشاشی وغیرہ تک کی تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۹۵۷ء میں فارغ التحصیل ہو کر وطن مالوف واپس آئے۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا فخر الدینؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ اور علامہ ابراہیم بلیاویؒ وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد آپ نے مختلف اداروں میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ جیسے مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ، مدرسہ امدادیہ گمہری، گیا، مدرسہ عربیہ چھٹی، سوپول، مکتب مہرنا بانکا اور مکتب کھیری پگھار، بانکا وغیرہ۔ اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں باضابطہ آپ کی ملازمت مدرسہ اسلامیہ کیتھانیکر، ضلع بانکا میں مدرس کی حیثیت سے ہوگئی۔ یہ ادارہ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق ہے اور اس میں درجہ مولوی تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ آپ اس مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے کئی سالوں تک اپنی خدمات انجام دیں۔ ۳۰ رستمبر ۲۰۰۰ء کو اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

آپ بہت ہی نیک، شریف النفس اور صلح پسند انسان ہیں۔ دین سے بڑی وابستگی ہے۔ اچھی صلاحیت کے مالک ہیں۔ فقہ اور حدیث پر گہری نظر ہے۔ تواضع اور خاکساری شرست میں داخل ہے۔ راقم الحروف سے بڑی محبت سے ملتے ہیں اور علمی گفتگو سے شرف یاب کرتے ہیں۔ جزئی مسائل پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ اصل مرجع سے اپنی گفتگو کو مدلل اور مبرہن کرتے ہیں۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت ہیں۔ اب زیادہ تر وردو وظائف میں مشغول رہتے ہیں۔ بڑی پابندی سے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔

مولانا محمد حاذق القاسمی

(پ۔ ۱۹۳۹ء)

مولانا محمد حاذق القاسمی ۳ راپریل ۱۹۳۹ء کو ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور آپ ماں کی محبت سے محروم ہو گئے۔ آپ کی بڑی خالہ جو بیوہ تھیں اور

آپ کے ہمسایہ میں اپنی اکلوتی بیٹی کبریٰ کے ساتھ الگ ایک مکان میں زندگی بسر کر رہی تھیں انہوں نے آپ کی پرورش و پرداخت میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ خالہ کی محبت نے ماں کی مفارقت کے داغ کو بہت حد تک کم کر دیا۔ گاؤں کا ماحول علمی تھا مولانا شمس الاسلام کا مکتب علم کی کرنیں بکھیر رہا تھا جس سے پورا گاؤں روشن تھا۔ ابتدائی تعلیم کے لئے آپ اس مکتب میں داخل ہوئے اور ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ کی نگاہ مربیانہ ایسے یتیم و یسیر کو تو ڈھونڈتی رہتی تھی۔ ان کے ایما پر آپ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا عبدالسلامؒ جیسے اولوالعزم اساتذہ سے فارسی میں گلستاں، بوستاں اخلاق محسنی اور عربی ادب میں کلیوبی، نفحۃ العرب اور فقہ میں نورالایضاح، قدوری، شرح وقایہ اور کنز وغیرہ تک تعلیم حاصل کی۔ آپ پڑھنے میں ابتدا سے ہی ذہین تھے۔ آپ پر اساتذہ کی مشفقانہ نگاہیں تھیں۔

۱۹۵۲ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ان دنوں دیوبند کے مسند درس پر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا قاری فخرالدین، (شیخ الحدیث) مولانا محمد نعیم الدینؒ، مولانا نصیر احمد خاںؒ، علامہ حسین احمد بہاریؒ اور حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری وغیرہم جلوہ افروز تھے۔ جن کی علمی لیاقت، روحانی قوت، دینی مروت، فیضان نظر اور حسن تربیت سے پورا برصغیر گونج رہا تھا۔ یہاں آپ کو ایسے وحید عصر اور یگانہ روزگار اساتذہ کی صحبت میسر آئی اور ان کے اسباق میں علوم وفنون کے رموز سے آشنا ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں یہاں سے فضیلت الشیخ کی سند سے آراستہ ہو کر وطن مالوف واپس آئے۔ میں نے اپنے بچپن میں ان حضرات کو دیکھا ہے جو دارالعلوم دیوبند سے شعبان میں گھر واپس آتے تو نمونۃ السلف معلوم ہوتے تھے۔ سر پر سفید کلف دار کھادی کی سلی ہوئی ٹوپی، کلی دار کھادی کا کرتہ اور تنگ مہری کا کھادی ہی کے پائجامے میں ملبوس رہتے اور الگ ہی ایک مخلوق نظر آتے۔ بڑوں کے سامنے سرنگوں، مسجد میں نمازِ پنج گانہ با جماعت ادا کرنے کے عادی اور اپنی گفتار و کردار سے لوگوں کے محبوب نظر تھے۔ شوال میں جب دارالعلوم دیوبند کے لئے روانہ

ہوتے تو بڑے بوڑھوں کو دور تک مشایعت کرتے دیکھا ہے۔ ہم لوگ ان حضرات کو دیکھ کر عش عش کرتے اور عقیدت واحترام میں آنکھیں جھک جاتیں۔ اب ایسا منظر دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔

۱۹۵۸ء میں جب آپ فارغ التحصیل ہو کر گھر آئے تو اس وقت حضرت مولانا عبدالسلامؒ صاحب فرصت علالت میں تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنی جگہ پڑھانے کے لئے بھیج دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کو آپ کی صلاحیت اور کردار پر کس قدر اعتماد تھا۔ آپ نے کئی ماہ تک اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ اسی دوران حاجی عبداللہ صاحب نے آپ کو مدرسہ اسلامیہ عربیہ برن پور بنگال کے لئے طلب کرلیا۔ جناب حاجی صاحب مدرسہ کے مہتمم اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شیدائیوں میں سے تھے اور وہیں ایک فیکٹری میں ملازم تھے۔ دین سے کافی لگاؤ تھا اور دینی تعلیم کی اشاعت میں سرگرم رہتے تھے۔ پورے علاقے میں آپ کا اثر ورسوخ تھا۔

مدرسہ عربیہ برن پور میں آپ کا قیام بہت دنوں تک نہیں رہا۔ گھر سے دوری کی وجہ سے آپ نے ملازمت ترک کردی۔ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ حسینیہ دگھی ضلع گڈا میں مدرس مقرر ہوئے۔ یہ ادارہ مدرسہ اکزامینیشن بورڈ سے ملحق ہے اور یہاں درجہ عالم تک کی تعلیم ہوتی تھی۔ مولانا جلال الدین صاحب مدرسہ کے سکریٹری اور مولانا علاءالدین صاحب صدرالمدرسین تھے۔ اونچے درجے کی کتابیں آپ کے زیردرس رہیں جیسے حدیث میں مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف، تفسیر میں جلالین، اور بیضاوی اور ادب میں حماسہ سبعہ معلقہ اور مقامات حریری وغیرہ۔ آپ کے بہت سے شاگرد مختلف اداروں میں استاد ہیں۔ آپ کے شاگردوں سے آپ کی علمی لیاقت اور صلاحیت کی باتیں میں نے پٹنہ میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں سنی ہیں۔ آپ کے کئی طالب علم پٹنہ میں میرے ہم درس بھی رہے ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں آپ مدرسہ حسینیہ سے سبکدوش ہو کر گھر پر متقاعد تھے کہ مولانا ولی رحمانی صاحب نے اپنے ایک شاگرد کو آپ کے پاس بھیج کر گذارش کی کہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اپنا علمی تعاون اس ادارے کو دیں۔ مولانا محمد حاذق القاسمی راضی ہوگئے اور ابھی آپ جامعہ رحمانی میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مولانا (ماسٹر) محمد ولی حسن ساقی

(پ۔۱۹۴۰ء)

مرزا ولی حسن بیگ عرف ماسٹر محمد ولی حسن ساقی ابن مرزا فقیر الحسن بیگ ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حسب دستور مولانا شمس الاسلامؒ سے حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور فارسی، عربی اور اردو وغیرہ کی کتابیں حضرت مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبدالسلامؒ اور حافظ نجابت حسین سے پڑھیں۔ ۱۹۵۲ء میں وسطانیہ کا امتحان مدرسہ محمودیہ سمریا سے اور ۱۹۵۴ء میں فوقانیہ کا امتحان مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام روہتاس سے پاس کیا۔ درجہ مولوی سے فاضل حدیث تک کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے حاصل کی۔ اس طرح آپ ۱۹۶۰ء میں علوم متداولہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پٹنہ میں تعلیم کے دوران آپ نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا۔ آپ اور مولانا محمد نجیب الدین گاؤں کے پہلے میٹرک ہیں۔ ملازمت کی ضرورت کے پیش نظر ۱۹۷۰ء میں فاضل فارسی کا امتحان آزاد امیدوار کی حیثیت سے مدرسہ اکزامینیشن بورڈ پٹنہ سے پاس کیا۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے اساتذہ میں مولانا ریاست علی ندویؒ، مولانا حفیظ الرحمٰنؒ، مولانا شاہ ابوالقاسمؒ، مولانا سید طٰہٰ کمال ندویؒ اور مولانا شاہ عزالدینؒ کے اسماء گرامی اہم ہیں۔

فراغت کے بعد آپ نے مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ کواکول ہائی اسکول، نوادہ	جولائی ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۱ء تک
۲۔ پارنوادہ ہائی اسکول، نوادہ	۱۹۶۲ء
۳۔ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ	۱۹۶۲ء سے فروری ۱۹۶۳ء تک بحیثیت ماسٹر
۴۔ گورنمنٹ مڈل اسکول کٹیہار	۱۹۶۳ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۷ء تک

۵۔ڈی۔ام۔ہائی اسکول شیخپورہ مونگیر ۲رجنوری ۱۹۷۸ء سے ۳۰ستمبر ۱۹۹۸ء تک

۶۔پچناہائی اسکول شیخپورہ یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء سے ۳۱راکتوبر ۲۰۰۰ء تک

ماسٹر محمد ولی حسن ساقی ایک سرگرم، فعال، متحرک اور خوش اخلاق انسان ہیں۔خدمت خلق اور عوامی کاموں سے آپ کو بڑی دلچسپی رہی ہے۔گاؤں میں آپ نے بہت سے فلاحی کاموں کو انجام دیا۔رواداری، خوش اخلاقی اور مہمان نوازی آپ کی سرشت میں داخل ہے۔آپ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کے مصداق ہیں۔ٹوٹ کر ملتے ہیں اور بچھ جاتے ہیں۔اگر دھوکہ، جھوٹ اور فریب کا معاملہ ہوا تو پھر آپ شعلہ بار ہیں۔

۸۰۔۱۹۷۹ء میں میرا قیام شیش محل ہوسٹل، احاطہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تھا۔ماسٹر محمد ولی حسن صاحب ایک ضرورت سے پٹنہ آئے ہوئے تھے اور میرے ساتھ قیام پذیر تھے۔دن میں دس بجے کے قریب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل چیمبر میں کچھ شوروغل اور ہنگامے کی خبر ملی۔اس وقت ہم لوگ کچھ کھا رہے تھے کہ ماسٹر صاحب ننگے پیر کودتے ہوئے پرنسپل چیمبر میں پہونچ گئے میں بھی ان کے پیچھے دوڑا کہ کہیں کوئی واقعہ نہ ہو جائے۔میں ان کے مزاج سے واقف تھا کہ وہ بے خطر آگ میں کود جانے والے آدمی ہیں۔وہاں دیکھتے ہیں کہ پرنسپل مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مارے ڈر کے ایک کونے میں دبکے ہوئے ہیں۔نجو اور زینو چپراسی دونوں اپنے اپنے ہاتھوں میں ایک ایک کرسی اٹھائے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے پر پھینکنے کی کوشش کر رہے ہیں اور پرنسپل صاحب دبی آواز میں فرما رہے ہیں ادھر بھاگو مردود، ہم کو چوٹ لگے گی۔ماسٹر صاحب زوردار آواز میں گرجے۔یہ کیا ہے؟ ولی حسن زندہ ہے اور تمہارے سامنے ہے۔یہ سننا تھا کہ دونوں کرسیاں چھوڑ کر چیمبر سے باہر بھاگ کھڑے ہوئے۔وہ اس بات کو جانتے تھے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ادھر پرنسپل صاحب فرمانے لگے اے ولی حسن انہیں سمجھاؤ وہ بہت دیر سے تنگ کر رہا تھا۔ماسٹر صاحب نے پرنسپل صاحب سے عرض کیا، حضور میں فیصلہ کرنے نہیں آیا ہوں۔آپ خود طے کریں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔

بعد میں، میں نے ان دونوں چپراسیوں سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں بھاگ گئے تھے۔بولے

حضور! ہم جانتے تھے کہ پہلے وہ ہماری پٹائی کرینگے اس کے بعد سنیں گے۔ پڑھنے کے زمانے سے ہم ان کو جانتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آج بھی ڈر لگتا ہے۔

بہر حال ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ماسٹر محمد ولی حسن ساقی صاحب بازید پور ضلع شیخ پورہ میں اپنا مکان بنا کر مستقل سکونت پذیر ہو گئے ہیں۔ اب گاؤں آنا جانا تقریباً نہیں ہے۔ آپ کو شاعری سے بھی ذوق رہا ہے۔ طبیعت موزوں پائی ہے۔ آپ کو دوسرے شعراء کے بھی بہت سے اشعار ازبر ہیں۔ شروع سے مزاج دینی ہے۔ ۱۹۶۴ء ہی میں حضرت مولانا یوسف صاحب سابق امیر تبلیغی جماعت ہند سے بنگلہ والی مسجد میں بیعت ہوئے۔ مختصر یہ کہ گاؤں کی یہ ایک اہم شخصیت ہے۔ زندگی ہی میں ان کے واقعات قصہ اور کہانی کی شکل میں لوگ بیان کرتے ہیں۔ بڑی محبوبیت آپ کے حصے میں آئی ہے۔

مولانا محمد نجیب الدین

(پ۔ ۱۹۴۰ء)

مولانا محمد نجیب الدین ولد محمد نقیب الدین ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی اور اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لئے مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور میں داخلہ لیا اور یہاں سے ۱۹۵۶ء میں درجہ مولوی کا بورڈ امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ تشریف لے گئے اور ۱۹۵۸ء میں عالم اور ۱۹۶۰ء میں فاضل حدیث میں فضیلت کی سند حاصل کی۔ مولانا محمد نجیب الدین کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے پٹنہ میں تعلیم کے دوران میٹرک کا بورڈ امتحان پاس کیا۔ اسی سال آپ کے ہم جماعت اور ساتھی ماسٹر محمد ولی ساقی نے بھی میٹرک کیا۔ اس طرح آپ دونوں حضرات گاؤں

کے پہلے میٹرک ہیں۔ اس طرح بعد میں آنے والوں کے لئے عصری تعلیم کی راہ ہموار کی۔ ملازمت کے ہی دوران آپ نے ۱۹۷۰ء میں فاضل فارسی کا بورڈ امتحان آزاد امیدوار کی حیثیت سے پاس کیا۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا شمس الاسلامؒ، مولانا حفیظ الرحمٰنؒ، مولانا شاہ عزیز الدین اور مولانا شاہ ابوالقاسمؒ کے اسمائے گرامی اہم ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے ۲۷؍جنوری ۱۹۶۱ء کو دھرم پور ہائی اسکول کٹیہار سے اپنی ملازمت شروع کی۔ اس اسکول میں آپ نے تقریباً بیس سالوں تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ کا تبادلہ بی۔ان۔ جھا ہائی اسکول بیجانی، بھاگلپور میں ہوگیا۔ ۳۱؍دسمبر ۲۰۰۰ء کو نیمی ہائی اسکول، شیخپورہ، مونگیر سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا محمد نجیب الدین کی تعلیم و تربیت میں آپ کی والدہ کا اہم رول رہا ہے۔ ان کے والد اپنی ملازمت کے سلسلے میں مدھے پورہ سوپول میں مقیم تھے اور گھر کی پوری ذمہ داری ان کی والدہ کے سر تھی۔ وہ ایک تعلیم یافتہ اور ہوشمند خاتون تھیں۔ ان کے گھر پر بچیوں کی تعلیم کے لئے ایک اسکول قائم تھا جس میں وہ خود ہی درس دیتی تھیں اور استانی صاحبہ کے نام سے مشہور تھیں۔ راقم الحروف کی والدہ اور گاؤں کی بہت سی دوسری خاتون نے بھی ان سے تعلیم حاصل کی تھی۔

مولانا نجیب الدین کا شمار باصلاحیت اور ذہین طلبا میں ہوتا تھا۔ جمعیۃ الطلباء کے زیر اہتمام علمی مذاکرے اور مباحثے میں شریک ہوتے اور مختلف موضوعات پر تقریری پروگراموں میں حصہ لیتے تھے۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں اپنے ہم جماعت اور نیچے کے درجوں کے طلباء کی تعلیمی رہنمائی بھی کرتے تھے۔ مختلف کتابوں پر نوٹس لکھاتے اور مشکل سوالوں کو حل کرتے تھے۔ بسا اوقات انہیں اسباق بھی یاد کراتے اور امتحان کے زمانے میں انہیں تیاری کراتے۔ ان چیزوں سے ان کو بڑی دلچسپی تھی۔ یہ باتیں انہوں نے خود مجھ سے بیان کی ہیں اور ان کے احباب اور دوسرے اصحاب بھی اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

آپ اختلاف و انتشار کو پسند نہیں کرتے اور پرسکون زندگی گذارنے کے عادی ہیں۔ کسی

تعمیری اور اصلاحی تحریک کے لئے اقدام تو نہیں کرتے لیکن اس میں دامے درمے ضرور شریک ہوتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں پہلی بار حج سے سرفراز ہوئے اور دوسرا حج ۲۰۰۲ء میں کیا۔ دونوں موقعوں پر آپ کی اہلیہ محترمہ بھی ساتھ تھیں۔ آپ بھائیوں میں تنہا ہیں لیکن اپنے اخلاق کی وجہ سے کبھی اکیلاپن کا احساس نہیں ہوتا۔

مولانا محمد خالد

(پ۔۱۹۴۳ء)

مولانا محمد خالد ولد محمد رعایت علی یکم دسمبر ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ بعدہٗ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخلہ لیا اور یہاں سے عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ محمودیہ سریا بھاگلپور میں داخلہ لیا اور مولوی تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے عالم اور ۱۹۶۳ء میں فاضل حدیث کیا۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا شمس الاسلامؒ، مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبدالسلامؒ، مولانا عبدالحمیدؒ، مولانا محمد غنیؒ، مولانا ریاست علی ندوی، مولانا حفیظ الرحمٰنؒ، سید طٰحہٰ کمال ندوی اور مولانا نجم الہدیٰ وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

۱۹۶۶ء میں چاندن اردو اسکول بانکا سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا اس کے بعد اردو اسکول پیر پینتی، ضلع بھاگلپور میں آپ کا تبادلہ ہوگیا۔ پھر یہاں سے موضع سلیم پور بھاگلپور کے اردو اسکول منتقل ہوئے اور آخر میں اردو اسکول، موضع سنہولی، ضلع بھاگلپور میں آپ کا تبادلہ ہوا اور اسی اسکول سے ۲۰۰۴ء میں اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا محمد خالد صاحب بہت خاموش مگر دھن کے پکے اور معاملات کے کھرے آدمی ہیں۔ دین سے گہری وابستگی ہے۔ ۱۹۹۰ء میں پہلی بار حج کیا اور دوسرا حج ۲۰۰۵ء میں۔ آپ بہت محتاط زندگی گذارتے ہیں۔ دینی اور سماجی معاملات میں اگر شرکت کی دعوت دی جاتی ہے تو لازماً شریک ہوتے ہیں

اوراپنی ذمہ داری کو بحسن خوبی نبھاتے ہیں۔ مرنجان مرنج انسان ہیں۔ اپنے کام سے سروکار رکھتے ہیں اور دوسروں کے معاملات میں نہیں پڑتے۔

مولانا محمد شمس الہدیٰ

(پ۔۱۹۴۴ء)

مولانا محمد شمس الہدیٰ ابن محمد تسیر الدین نے ۱۱رجون ۱۹۴۴ءکو ایک ایسے خانوادے میں آنکھیں کھولیں جہاں نہ علم کی دولت تھی اور نہ زر و مال کی کثرت۔ بس گاؤں کا ماحول علمی تھا۔ شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں توارث کے علاوہ ماحول کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ کبھی ماحول توارث پر غالب آجاتا ہے اور شخصیت انہی کے ہاتھوں بنتی، سنورتی اور پروان چڑھتی ہے۔ مولانا شمس الہدیٰ صاحب کی ذات والا صفات ثبوت کے لئے کافی ہے۔ بچپن میں ہی آپ کو یتیمی کا داغ لگا اور شفقت مادری سے محروم ہو گئے۔ آپ کے والد عسرت و تنگ دستی کی وجہ سے انڈال، بنگال میں ایک معمولی ملازمت میں تھے۔ اور آپ کے چچا محمد رئیس الدین جو لاولد تھے وہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ تھے اور دونوں میں کوئی بھی تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ گھر پر مولانا محمد شمس الہدیٰ اپنے بڑے بھائی محمد سوف کے ساتھ رہ رہے تھے۔ گاؤں میں ان دنوں مولانا شمس الاسلامؒ کا مسند درس آراستہ تھا اور اس شمس ضیا بار سے پورا گاؤں منور و روشن تھا۔ مولانا شمس الہدیٰ بھی کسب علم کے لئے اس درس گاہ میں داخل ہوئے اور شمع علم کو اپنے دل میں فروزاں کیا۔ اس کے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے اور یہاں کافیہ اور قدوری تک کی تعلیم حاصل کر کے مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا اور درجہ مولوی تک کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ رحمانیہ افضلہ سوپول دربھنگہ تشریف لے گئے اور یہاں سے ۱۹۶۲ء میں عالم اور ۱۹۶۴ء میں فاضل حدیث کیا۔ بعد میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے فاضل فارسی کا امتحان بھی پاس کیا۔ آپ کے

مشہور اساتذہ میں ڈاکٹر عبدالحمید کوروڈیہ، مولانا عبدالحمید پورینی، مولانا محمد غنی سمریا، مولانا محمد عثمان دربھنگوی، مولانا محمد قاسم مظفر پوری اور مولانا اشتیاق احمد صاحب دامت برکاتہم موجودہ مہتمم جامع العلوم چندوارہ، مظفر پورورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اسماء گرامی اہم ہیں۔

۳؍ مارچ ۱۹۶۵ء کو گنوارہ، پرسونی ہائی اسکول ضلع سوپول سے اپنی ملازمت شروع کی۔اس کے بعد آپ کا تبادلہ گنڈول ہائی اسکول سہرسہ ہوگیا اور اسی اسکول سے ۲۰۰۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا شمس الہدیٰ کی شخصیت بڑی متنوع اور تہ دار ہے۔آپ نے بڑی بے سروسامانی میں زندگی شروع کی۔حصول علم کے لئے بڑے صبر واستقلال کا مظاہرہ کیا اور کبھی ہمت نہیں ہاری۔بڑی دل جمعی کے ساتھ تعلیمی سفر کو جاری رکھا اور منزل تک پہنچے۔وہ صبر وشکر کے حسین پیکر ہیں۔عسرت میں زندگی گذارنے والوں کے لئے ہمت و جرأت کی علامت اور تعلیم کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔اللہ نے انہیں مال اور دولت دونوں میں توسع فرمایا۔دینی مزاج کے حامل ہیں۔۲۰۰۵ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔۲۰۰۸ء میں حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب دامت برکاتہم مجاز وخلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحبؒ سے شرف بیعت حاصل ہے۔مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا خصوصی اہتمام ہے۔تلاوت کلام پاک اور اوراد ووظائف میں مشغول رہتے ہیں۔غل وغش سے اپنے آپ کو پاک وصاف رکھا ہے۔فللہ الحمد

الحاج مولانا عبدالرقیب آزاد

(پ۔۱۹۴۴ء)

مولانا عبدالرقیب آزاد ولد حافظ محفوظ حسین یکم نومبر ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔پانچ سال کی عمر میں حضرت مولانا عبدالحمیدؒ، سابق صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سمریا اور حافظ دیانت احمد استاد مدرسہ مذکور نے گھر پر بسم اللہ خوانی کرائی۔گھر پر ہی مولوی محمد کوثر صاحب سے ناظرہ قرآن اور اردو کی چوتھی کتاب پڑھ کر

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں مدرسہ محمودیہ سمریا سے درجہ مولوی کا امتحان پاس کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ تشریف لے گئے اور ۱۹۶۲ء میں یہاں سے فاضل حدیث کی سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالسلامؒ، مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبدالحمید، مولانا محمد غنی سمریا اور پٹنہ میں مولانا ریاست علی ندوی، مولانا شاہ عزالدین اور مولانا حفیظ الرحمٰن وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

۳رجنوری ۱۹۶۵ء کو ہائی اسکول نوگچھیا، بھاگلپور میں اردو اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ ایک عرصہ تک اس ادارہ سے وابستہ رہ کر علاقے کی علمی آبیاری کی۔ مسلم بچوں میں دینی شعور پیدا کیا۔ اسکول کے اطراف و جوانب کے مسلم مواضعات میں ماحول سازی اور اصلاح معاشرہ کے لئے کوشاں رہے۔ علماء دیوبند سے پروگرام لے کر ان علاقوں میں دینی اجتماعات کے لئے زمین ہموار کی اور ان علماء کی تقاریر سے لوگوں کو مستفیض ہونے کے مواقع فراہم کئے۔ علاقے کی برگزیدہ شخصیتوں سے آپ نے مراسم پیدا کئے اور انہیں دین کے لئے مفید بنایا اور ان کے ذریعہ اہم امور انجام پائے۔ آپ ایک عالمانہ وضع قطع میں رہتے ہیں اور شریعت کا پاس رکھتے ہیں۔ آخر میں آپ کا تبادلہ گرلس ہائی اسکول بانکا ہوگیا۔ یہاں ہیڈ ماسٹر کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ ۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۴ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا عبدالرقیب صاحب بہت متحرک اور فعال شخص ہیں۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی سرگرم عمل رہتے ہیں۔ دینی امور میں اقدام کرتے ہیں اور بوقت ضرورت مالی معاونت بھی فرماتے ہیں۔ طبیعت میں سادگی ہے۔ اپنے بڑوں اور چھوٹوں سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔ بعض معاملات میں ان کی اپنی ترجیحات ہیں جن کو ان کے احباب کوئی اور معنی پہناتے ہیں۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ دینی مزاج ہے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت ہیں۔ پہلا حج ۱۹۹۱ء میں کیا اور ۲۰۰۶ء میں والدہ محترمہ کے لئے حج بدل میں گئے۔ اپنے بیٹوں کو بھی دینی تعلیم سے آراستہ کیا اور اب وہ سب برسر روزگار ہیں۔

مولانا حافظ عبدالخالق

(پ۔۱۹۴۴ء)

مولانا حافظ عبدالخالق ولد مولانا عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں گاؤں کے مکتب میں مولانا شمس الاسلامؒ سے تعلیم شروع کی اور مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں حافظ عبدالرحمٰن اور حافظ نجابت حسین سے کلام پاک حفظ کیا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد محترم اور حضرت مولانا خلیل احمدؒ سے پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۶۹ء مطابق ۱۳۸۹ھ فارغ التحصیل ہوکر وطن واپس آئے۔

جناب حافظ عبدالخالق صاحب ۱۰رشوال المکرّم ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء کو مادر علمی مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں ۶۵ روپے ماہانہ تنخواہ پر عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ کے والد محترم اسی ادارہ میں ایک معروف ومشہور استاد کی حیثیت سے علم صرف اور علم فقہ کا درس تادم واپسیں (۱۹۶۹ء) دے چکے ہیں۔ انہی علوم کی تدریس آپ کے حصے میں آئی گویا علم فقہ اور علم صرف کی خدمت علمیہ آپ کو وراثت میں ملی ہے۔ آپ نے درس وتدریس کے علاوہ مدرسہ کی تعمیر وترقی میں بھی بے پناہ خدمت کی اور والد کی علمی روایت کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ اس کو استحکام بھی بخشا۔ ۲۰۰۵ء میں ایک ناخوشگوار واقعہ کے بعد آپ اس مدرسہ سے کنارہ کش ہوگئے۔ اس ادارہ کے لئے آپ کی علمی خدمات قابل ستائش ہیں۔

۲۰۰۶ء میں حضرت مولانا محمد قاسم شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے دینی تعلیمی بورڈ بہار کے تحت ایک ادارہ بنام "معہد ارشد" اطہر نگر، کوروڈیہ، بدلو چک، بھاگلپور میں قائم کیا ہے۔ آپ اس میں مدرس اول کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دے رہیں ہے۔ بحمد اللہ یہ ادارہ اپنے مقصد میں

کامیاب ہے اور ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔ خوشگوار اور صحت مند ماحول میں بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا یہ بہترین گہوارہ ہے۔

۱۹۷۰ء میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ ۲۰۰۵ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ گاؤں کے مشہور حافظوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ علم دین کے علاوہ خدمت خلق کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ ان امور میں آپ کے انہماک کو دیکھ کر آپ کے والد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اللہ جزائے خیر دے۔

الحاج مولانا محمد اسلم

(پ۔۱۹۴۶)

مولانا محمد اسلم ولد مولانا ڈاکٹر عبدالحمیدؒ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ متحرک، فعال اور مشہور رہے ہیں۔ ان کی اصل سال پیدائش دسمبر ۱۹۴۴ء ہے لیکن باعتبار سند ۱۱رجنوری ۱۹۴۶ء ہے۔ گاؤں کے مکتب سے تعلیمی سفر شروع کیا۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ اور مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور میں زیر درس رہے۔ عالم اور فاضل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے کیا اور ۱۹۶۵ء میں فراغت پائی۔ عصری تعلیم میں بی۔ اے تک کی سند بھاگلپور یونیورسٹی سے حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۴رستمبر ۱۹۶۵ کو مدرسہ عثمانیہ پھلکا، کٹیہار میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ پھر آپ سرکاری ملازمت میں آگئے اور اردو مڈل اسکول، سردار پور، بھاگلپور میں بہ حیثیت استاد بحال ہوئے۔ چند سال بعد آپ کا تبادلہ ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے اردو مڈل اسکول حسین آباد، بھاگلپور ہو گیا۔ اردو مڈل اسکول لودی پور، بھاگلپور سے ۲۰۰۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ملازمت کے دوران ہی اپنا مکان بنوا کر بھیکن پور، بھاگلپور میں مستقل سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ لیکن گاؤں گھر سے کبھی لاتعلق نہیں رہے۔ شادی اور غم کے موقعوں پر گاؤں والوں کے ساتھ برابر شریک ہوتے رہے۔ اسی دوران ۲۰۰۴ء میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ پہلے سے ہی آپ کو ایک دینی ادارہ

قائم کرنے کا خیال تھا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد گاؤں سے باہر اپنی نجی زمین پر اپنے والد علیہ الرحمہ کے نام سے ایک ادارہ معہد الدینیہ حمیدیہ ۲۰۰۵ء میں قائم کیا اور اس علاقہ کو اپنے دادا کے نام پر الفت نگر سے موسوم کیا۔ ۱۹ر فروری ۲۰۰۹ء مطابق ۱۱ر صفر ۱۴۲۹ھ کو آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا اور آپ بالکل تنہا ہو گئے۔ مرحومہ سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ آپ ادارہ کے بانی مہتمم ہیں۔ اب آپ کا بیشتر وقت مدرسہ میں گذرتا ہے اور اپنی نگرانی میں بہتر تعلیم و تربیت کے لئے مشغول رہتے ہیں۔ ملازمت کے بعد جو رقم آپ کو ملی اس سے آپ نے تین بڑے بڑے پختہ کمرے کی تعمیر کی اور ایک وسیع مسجد کی بنیاد بھی رکھی۔ الحمدللہ یہ ادارہ بہتر تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مولانا محمد اسلم صاحب شروع سے دینی مزاج کے حامل ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریاؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے تجدید بیعت کی۔ اب تک آپ تین بار بالترتیب ۱۹۹۱ء، ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۹ء میں حج بیت اللہ سے شرفیاب ہو چکے ہیں۔ اپنی آمدنی اور پیداوار کا بیشتر حصہ علم دین کی اشاعت میں صرف کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی اور فلاحی امور میں بھی آپ کا تعاون رہتا ہے۔ حسب ضرورت رشتہ داروں اور قرابت مندوں کی بھی امداد کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ یہ ادارہ آپ کی تعلیمی اور تدریسی تجربات کی روشنی میں بہتر دینی خدمات کا فریضہ انجام دے اور اشاعت دین کا یہ ایک مرکز بن جائے۔

مولانا محمد حسنین غالب

(پ۔ ۱۹۴۷ء)

مولانا محمد حسنین کا خاندانی نام مرزا حسنین بیگ ہے اور والد کا نام مرزا فقیر الحسن بیگ۔ یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوئے۔ گاؤں کے مکتب سے تعلیم کا آغاز کیا ہے اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ

پتھنہ میں داخل ہوئے۔ مدرسہ محمودیہ سمریا سے مولوی پاس کیا عالم اور فاضل کے امتحانات مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے پاس کئے اور ۱۹۶۵ء میں فضیلت کی سند سے نوازے گئے۔ ۱۹۶۵ء ہی میں بلہر مڈل اسکول بھاگلپور سے اپنی ملازمت شروع کی اور رادھانگر مڈل اسکول بھاگلپور سے ۲۰۰۷ء میں سبکدوش ہوئے۔ آپ نے اپنی ملازمت کے دوران بھاگلپور یونیورسٹی سے بی۔اے۔ بھی کیا ہے۔

مولانا محمد حسنین بڑے محنتی اور صاف ستھرے کردار کے آدمی ہیں۔ معاملات کے کھرے اور زبان کے پکے ہیں۔ اپنے مشاغل میں منہمک ہوکر کھو جاتے ہیں۔ لیکن دین کے دامن کو کبھی ترک نہیں کیا۔ نماز کے سختی سے پابند ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں حج سے فارغ ہوئے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد دینی اور سماجی امور میں دلچسپی بڑھ گئی ہے اور اس میں خاصہ وقت دیتے ہیں۔ طبیعت موزوں ہے۔ فارسی اور اردو کے بہت سے اشعار یاد ہیں۔ خود کلام موزوں کرتے ہیں یا نہیں۔ میں نے ان کا کوئی شعر نہیں سنا ہے۔ مطالعے کا ستھرا ذوق ہے۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت ہیں۔

مولانا محمد عطاء الرحمٰن

(پ۔ ۱۹۴۸ء)

مولانا محمد عطاء الرحمٰن ولد حافظ اطہر حسین ۲۳ رنومبر ۱۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۰ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فاضل حدیث کیا۔ فراغت کے بعد پٹنہ ٹیچرس ٹریننگ کالج سے ٹریننگ کی سند حاصل کی۔ کچھ دنوں تک مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں بھی تدریسی فریضہ انجام دیا بعدہٗ اردو پرائمری اسکول میں ملازمت مل گئی۔ اس ملازمت میں آپ کئی سالوں تک رہے۔ آخر میں جب آپ اردو پرائمری اسکول بدلو چک، ضلع بھاگلپور میں تھے کہ ہائی اسکول کھریا، ضلع نوادہ کے لئے آپ کا انتخاب ہوگیا اور ۲۱ رمئی ۱۹۷۸ء کو آپ اس اسکول میں عربی و فارسی

اور اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ بہت ذمہ داری کے ساتھ اس عہدہ کو زینت بخشا۔ آپ نے اسکول میں پورے اسلامی شعار کے ساتھ زندگی گذاری۔ ۳۱ رمئی ۲۰۰۸ء کو اسی اسکول سے سبکدوش ہوئے۔ ۲۰۰۹ء میں اہلیہ کے ساتھ فریضۂ حج سے فارغ ہوئے۔

مولانا محمد عطاء الرحمٰن دیندار اور عالم باعمل ہیں۔ پاک صاف زندگی گذاری۔ آپ کبھی متنازعہ شخص نہیں رہے۔ آبائی پیشہ کاشتکاری تھی۔ اس سے بڑی دلچسپی رہی پٹنہ کی مدت تعلیم کے دوران اس پیشہ کے رموز کو بڑی چابک دستی سے بیان کرتے اور اس کے نشیب وفراز کو سمجھاتے۔ جب گھر آتے تو اسی وضع قطع میں بڑی شان سے نکلتے اور کھیت کھلیان میں گھومتے۔ ہاتھ میں لاٹھی اور سر پر پگڑی میں ایک تجربہ کار کاشتکار نظر آتے۔ گاؤں کی تقریبات میں بڑے شوق سے شریک ہوتے ہیں اور ہاتھ بٹاتے ہیں۔ شروع سے نماز کی پابندی ہے۔ بڑے خوش اخلاق اور خوش اطوار ہیں۔

مولانا محمد حماد الرحمٰن

(پ۔ ۱۹۴۹ء)

مولانا محمد حماد الرحمٰن ولد مولانا عبدالحکیمؒ ۱۴ رجون ۱۹۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب اور گھر پر اپنے والد اور چچا ڈاکٹر عبدالحمید صاحبؒ سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں مدرسہ محمودیہ سمریہ میں درجہ فوقانیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۱ء میں یہاں سے درجہ عالم اور ۱۹۷۳ء میں ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ سے فاضل فارسی کے امتحانات پاس کئے۔

۱۹۷۷ء میں اردو مڈل اسکول اسحاق چک، بھاگلپور سے ملازمت شروع کی اور تاحال اسی اسکول میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد حماد الرحمٰن بہت ہی خاموش طبیعت کے آدمی ہیں۔ حسب ضرورت گفتگو کرتے ہیں۔ لاف وگذاف کی عادت نہیں۔ معاملات میں کھرے اور صاف ستھرے کردار کے ہیں۔ ابتدا سے ہی

دینی مزاج ہے اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ ان کی شخصیت پر ان کے والد کے گہرے اثرات ہیں۔ وہ والد ہی کی طرح کسی مصلحت کے شکار نہیں۔ حق بات کسی کے منہ پر برملا کہہ دیتے ہیں۔ اس میں کوئی رورعایت نہیں کرتے۔ طبیعت میں بلا کی سنجیدگی اور استقلال ہے۔ بہت ہی سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کرتے ہیں۔ مصائب وآلام سے گھبراتے نہیں اور نہ دوسروں سے اس کا اظہار کرتے ہیں۔ معاملات میں لوگوں کا ان پر اعتماد ہے۔ مکمل بھروسے کے آدمی ہیں۔ امانت اور دیانت میں پورے کھرے ہیں۔ بڑوں کا احترام اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ ۲۰۰۹ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

مولانا محمد برہان

(پ۔ ۱۹۵۱ء)

مولانا محمد برہان ولد مرزا علی حسن بیگ ۱۵ رمئی ۱۹۵۱ء کو ایک قدیم اور تاریخی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ گاؤں کے مکتب سے اپنی تعلیم شروع کی۔ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ، مدرسہ محمودیہ سمریا اور مدرسہ انوار العلوم اسلام پور پورنیہ جیسے قدیم تعلیمی اداروں میں اپنے وقت کے باصلاحیت اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۳ء میں مدرسہ رحمانیہ افضلہ سوپول، دربھنگہ سے فضیلت کی سند حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا شمس الاسلامؒ، حضرت مولانا خلیل احمد اور حضرت مولانا عبدالسلامؒ کے علاوہ حضرت مولانا سعید احمد، حضرت مولانا اشفاق احمد، مولانا محمد عثمان دربھنگوی اور مولانا محمد قاسم مظفرپوری کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد برہان ۱۹۷۵ء سے مدرسہ اسلامیہ رشیدیہ مظہر العلوم اندولی سوپول میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ مولانا خاندانی روایت کے امین ہیں اور بہتر معاشرتی زندگی گذار رہے ہیں۔

حافظ محمد عمران

(پ۔۱۹۵۲ء)

حافظ محمد عمران ابن مولانا محمد شہاب الدین ۳۱ رجنوری ۱۹۵۲ء کو ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔آپ کی نانیہال بھی علمی اور روحانی مرکز رہی ہے۔جہاں بڑی بڑی علمی وروحانی شخصیتوں کی آمد ورفت کا سلسلہ تھا۔قطب دوراں حضرت مولانا حافظ دیانت احمدؒ (م۔۱۹۷۲ء) سابق صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (م۔۱۹۲۰ء) آپ کے نانا تھے۔حافظ محمد عمران نے اپنی ابتدائی زندگی نانیہال میں گذاری اور وہیں مولوی محمد یٰسین صاحبؒ (م۔۱۹۹۴ء) سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد آپ مدرسہ اصلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوکر حفظ قرآن مکمل کیا اور عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔پھر آپ مدرسہ محمودیہ سمریا چلے گئے اور یہاں درجہ مولوی تک کی تعلیم پائی۔مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ میں داخلہ لیا اور یہاں سے عالم کا امتحان پاس کیا۔صحت کی خرابی کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔بعد میں آپ نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے فاضل فارسی کیا۔

۱۹۷۳ء میں مدرسہ دیانت العلوم چکدریا، ضلع بھاگلپور میں استاد مقرر ہوئے۔یہ ادارہ حافظ دیانت احمدؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے درجہ مولوی تک ملحق ہے۔فی الوقت آپ اس ادارہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔تلاوت کلام پاک اور دینی کتابوں کا مطالعہ آپ کے معمولات میں شامل ہیں۔۱۹۷۵ء میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی (م۔۲۰۰۶ء) سے شرف بیعت حاصل کی اور ۱۹۸۳ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

مولانا محمد احسن

(پ۔۱۹۵۲ء)

مولانا محمد احسن ولد مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحمید کی اصل تاریخ پیدائش ۲۵رفروری ۱۹۴۶ء ہے لیکن سند میں ۲۷ جنوری ۱۹۵۲ء درج ہے۔ابتدائی تعلیم مکتب میں اور اس کے بعد گھر پر اپنے والد سے حاصل کی،پھر مدرسہ اعزازیہ پتھنہ میں داخلہ لیا۔۱۹۶۰ء میں مدرسہ اسلامیہ محمودیہ سمریا میں داخل ہو کر ۱۹۶۶ء میں درجہ عالم کا بورڈ امتحان پاس کیا اور ۱۹۶۸ء میں ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ سے فاضل فارسی کیا۔ اس کے بعد فاضل اردو ادب اور پٹنہ ٹریننگ کالج پٹنہ سے ٹریننگ کورس مکمل کیا۔ پٹنہ میں آپ کا قیام شیش محل ہاسٹل میں تھا۔آپ کے احباب میں پروفیسر عبدالغفار صدیقی،محمد جمال الدین، پروفیسر قاضی عبدالوارث وغیرہ شامل تھے۔آپ کے اساتذہ میں پروفیسر افسر الدولہ فیاض الدین حیدر، پروفیسر شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی اور پروفیسر علی حیدر نیر کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔دیگر اساتذہ میں مولانا شمس الاسلامؒ،مولانا خلیل احمدؒ،مولانا عبدالسلامؒ،مولانا اشفاق احمدؒ،علامہ رشید احمدؒ اور مولانا سعید احمدؒ وغیرہ جیسے جید اساتذہ کے نام شامل ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۰رمارچ ۱۹۷۷ء کو آپ اردو مڈل اسکول اسحاق چک بھاگلپور میں استاد مقرر ہوئے تاحال اسی اسکول میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔بچوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی آج آپ کے تمام بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور علوم دینیہ سے بہرہ ور ہیں۔

مولانا محمد احسن اپنے مزاج ومنہاج کے اعتبار سے بڑے صاف گو اور کھرے ہیں۔گفتگو میں کسی مصلحت کے شکار نہیں ہوتے۔جسے حق سمجھتے ہیں اس کا برملا اظہار کرتے ہیں اس میں کسی کی رو

رعایت نہیں کرتے۔ خدمت کا جذبہ بہت ہے۔ آخر عمر میں والدین کی خدمت میں جو سرگرمی دکھائی وہ دوسروں کے حصے میں نہیں آئی۔ دادا اور نانا کی خدمت میں بھی کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ ایسی مثال ہم بھائیوں میں کم نظر آتی ہے۔ جہاں دوسرے سوچتے ہیں وہ کر گذرتے ہیں۔ ان کی یہ خوبیاں ان کے دیگر مسامحات پر غالب ہیں۔

ایں سعادت بزور باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دین سے گہری وابستگی ہے اور دینی معاملات میں پہل بھی کرتے ہیں۔ یہاں بھی خدمت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ مہمان نوازی میں اقدام کرتے ہیں اور اجنبی سے بھی اخوت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔

مولانا محمد قاسم

(پ۔۱۹۵۳ء)

جناب مولانا محمد قاسم ابن محمد ثابت حسین ابن حافظ محفوظ حسین (م۔۱۹۶۱ء) ۲۰ رنومبر ۱۹۵۳ء کو ایک علمی اور دینی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز مولوی منصور الحق موضع تمونی، بھاگلپور سے کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحکیمؒ (م۔۱۹۸۹ء) اور مولانا (ڈاکٹر) عبدالحمیدؒ (م۔۲۰۰۴ء) سے ان کے دروازہ پر قرآن کریم مکمل کرنے کے بعد آمد نامہ و فارسی کی پہلی اور گلزار دبستاں وغیرہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس وقت ان کے دروازے کی حیثیت ایک نجی مکتب کی تھی جہاں گھر کے بچوں کے علاوہ گاؤں کے دوسرے بچے بھی زیر تعلیم تھے۔ یہ حضرات آپ کے دادا جان کے اپنے ماموں زاد بھائی تھے اور بڑی محنت اور محبت سے پڑھاتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (م۔۲۰۰۹ء) صدر مدرس مدرسہ مذکور سے باکورہ

الادب، بوستان سعدی، نحو میر، کافیہ، شرح مأتہ عامل اور شرح جامی وغیرہ پڑھیں اور حضرت مولانا عبدالسلامؒ (م۔۱۹۶۹ء) سے میزان ومنشعب، پنج گنج، علم صیغہ، نورالایضاح، قدوری، کنزالدقائق، اصول الشاشی، نورالانوار اور فارسی میں گلستاں سعدی اور اخلاق محسنی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۶۴ء میں اپنے بڑے چچا جناب مولانا محمد طالب الدین صاحب (جو آپ کے مربی اور بڑے محسن تھے) ان کے مشورہ سے مدرسہ قاسمیہ گیا، بہار میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ مولانا قاری فخرالدین صاحب گیاوی، خلیفہ ومجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے قائم کیا ہے۔ ان دنوں یہ مدرسہ اپنی تعلیم کے لئے بہت مشہور تھا۔ حضرت مولانا ارشد مدنی دامت برکاتہم یہاں درجۂ علیا کے استاد تھے۔ ان سے شرح وقایہ اور مولانا احمد صاحب سے شرح جامی، مختصرالمعانی اور قطبی پڑھی اور نورالانوار جناب مولانا عبدالہادی صاحب بستوی سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

۱۹۶۶ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے عالمی شہرت یافتہ عظیم دینی ادارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ یہاں علوم وفنون کی متداولہ کتابیں ماہرین فن سے پڑھیں اور دورۂ حدیث میں بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ کے علاوہ موطا امام مالک، موطا امام محمد اور طحاوی شریف بالترتیب فخرالمحدثین مولانا فخرالدین صاحب، مولانا شریف صاحب، مولانا فخرالحسن صاحب، مولانا عبدالاحد صاحب، مولانا حسین بہاری، مولانا نصیر احمد خاں، مولانا نعیم الدین، مولانا انظر شاہ کشمیری اور مولانا اسلام الدین صاحب سے پڑھیں۔

جدید عربی زبان وادب اور انشاء میں تخصص اور مہارت پیدا کرنے کے لئے ''النادی الادبی العربی'' جیسی انجمن سے وابستہ ہوکر جدید عربی زبان وادب کے ماہر اور القاموس الجدید کے مصنف اور استاد وحید العصر مولانا وحیدالزماں کیرانوی سے اکتساب فیض کیا۔ ۱۹۷۰ء مطابق ۱۳۹۰ھ میں فارغ التحصیل ہوکر وطن مالوف واپس آئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے کئی تعلیمی اداروں میں دینی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۱ء میں سب سے پہلے مدرسہ اسلامیہ سیماپور کٹیہار میں استاد مقرر ہوئے۔ یہ ادارہ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ

پٹنہ سے درجہ عالم تک ملحق ہے۔لیکن یہ جگہ آپ کوراس نہیں آئی اور بہت جلد اس سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد مدرسہ حسینیہ بیگا والا بجنور۔ یو پی چلے آئے اور یہاں تین سال تک تعلیمی خدمات انجام دیں۔۱۹۷۴ء میں آپ مدرسہ اشرف المدارس، کلٹی ضلع بردوان آگئے۔ جناب حافظ محمد انوار صاحب بیٹھوان، ضلع روہتاس اس کے مہتمم اور مولانا محمد اسلم صاحب صدر مدرس تھے۔ یہاں کے ماحول میں آپ رچ بس گئے اور فارسی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر نورالانوار تک کی تعلیم دی۔ طلباء واساتذہ اور عمائدین شہر کے درمیان آپ بہت مشہور ومقبول تھے۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ (قائم شدہ ۱۹۱۲ء) صوبہ بہار کا واحد سرکاری ادارہ ہے۔ جس کے جملہ اخراجات حکومت بہار برداشت کرتی ہے۔ یہ محکمہ تعلیم برائے ثانوی درجات، حکومت بہار کے ماتحت ہے۔ اس کی اپنی ایک گورننگ باڈی ہے۔ ایجوکیشن کمشنر پٹنہ ڈویژن اس کے چیر مین، پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ اس کے سکریٹری، حکومت کا ایک نمائندہ، مدرسہ کے ایک ٹیچرس نمائندہ اور مدرسہ کے متولی اس کمیٹی کے اراکین ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے شعبۂ سینئر میں ایک استاد کی بحالی کے لئے اشتہار نکلا۔ اس میں مولانا قاسم صاحب بھی امیدوار ہوئے اور مقررہ تاریخ کو انٹرویو میں شرکت کی۔

اس انٹرویو بورڈ میں پرنسپل مدرسہ کے علاوہ محمد نعیم متولی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مولانا محمد اسماعیل، پروفیسر امین احمد کاظمی، شعبۂ عربی، پٹنہ یونیورسٹی اور حکیم عبدالاحد صاحب وغیرہ شریک تھے۔ مختلف قسم کے سوالات کئے گئے۔ بخاری شریف کی عبارت خوانی ہوئی اور اس کی روشنی میں بھی سوالات ہوئے۔ آخر میں آپ سے فرمائش کی گئی کہ انٹرویو میں شرکت کے اغراض ومقاصد کو عربی زبان میں بیان کریں۔ بہر حال آپ کا انٹرویو بہت اچھا رہا۔ پینل میں آپ کا پہلا نام آیا۔ حکومت سے آخری منظوری کے لئے کاغذات کو سکریٹریٹ میں جانا تھا۔ من وجہ اس میں غیر معمولی تاخیر کی گئی۔ الحاج جناب غلام سرور صاحب وزیر، برائے ثانوی تعلیم حکومت بہار تھے۔ جب ان کے دفتر میں منظوری کے لئے یہ کاغذات پہنچے تو آپ نے محض ایک ہفتہ میں اس انتخاب کو اپنی منظور عنایت کردی۔ ۱۰ر نومبر

۱۹۷۹ء کو مولانا محمد قاسم نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ جوائن کیا۔ کچھ اساتذہ اس بحالی سے خوش نہیں تھے۔ یہ تمام تفصیلات مولانا محمد اسماعیلؒ (م۔۱۹۹۸) سابق وائس پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے بتائی تھی وہ بھی اس انٹرویو میں ایک رکن تھے۔ بعد میں مولانا محمد قاسم نے خود اس کی تصدیق کی۔

شروع میں آپ کو منطق، فلسفہ اور فارسی کی کتابیں پڑھانے دی گئیں۔ ان مضامین سے آپ کا طبعی میلان کم تھا۔ پھر بھی آپ نے دل جمعی اور یک سوئی سے پڑھایا۔ ان دنوں آپ شرافت ہاؤس، لال باغ پٹنہ میں قیام پذیر تھے۔ راقم حروف بھی اس لاج میں رہائش پذیر تھا۔ ایک دن دریافت کرنے پر آپ نے بتایا کہ فلاں فلاں کتابیں پڑھا رہا ہوں۔ آپ کچھ دل برداشتہ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو کوئی دشواری تو نہیں ہے؟ صبر وضبط سے درس دیجئے ایک وقت آئے گا کہ ساری کتابیں آپ کو پڑھانی ہوں گی۔ مدرسہ میں اس وقت آپ کے بڑے مونس وغمخوار مولانا معظم حسین قاسمی اور مولانا ابوبکر قاسمی تھے۔ آخر وقت تک ان حضرات سے آپ کے تعلقات بہت خوشگوار رہے۔ ابھی مولانا محمد قاسم مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں وائس پرنسپل ہیں اور شیخ الحدیث کہلاتے ہیں۔ پورے پٹنے میں متعارف ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم صاحب نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں استاد مقرر ہونے کے بعد بہت سارے تعلیمی، تعمیری، فلاحی اور اصلاحی اقدامات کئے ذیل میں مختصراً ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۹۸۰ء میں نوری مسجد، احاطہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ جہاں تک میری معلومات ہے۔ اس سے پہلے پٹنہ میں کوئی ایسی روایت نہیں تھی۔ ہاں پچاس سال قبل مولانا عبدالخبیر صاحب امیر اہل حدیث انجمن اسلامیہ ہال میں درس قرآن دیتے تھے۔ آپ نے علی نگر اور پاٹلی پترا کی مسجدوں میں بھی درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور یہ پابندی سے جاری ہے۔ بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوکر مستفیض ہو رہے ہیں۔ ۱۹۸۰ء ہی سے نوری مسجد میں جمعہ کے خطبہ سے قبل آپ کا ایک جامع اور بلیغ خطاب ہوتا ہے اور یہ سلسلہ بحمد اللہ آج بھی جاری ہے۔

گاندھی میدان میں نماز عیدین کی امامت عموماً مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل کرتے

رہے ہیں لیکن ۱۹۸۶ء سے آپ یہاں عیدین کی امامت فرمارہے ہیں۔ اس میں ایک لاکھ سے زائد افرادشریک ہوتے ہیں۔ اس موقع پرآپ کا جوخطبہ ہوتا ہے وہ بہت پسند کیا جاتا ہے۔ دوردور تک اس کی شہرت ہے۔ یہاں عیدین کی نماز میں عوام کے علاوہ زعمائے شہر بھی شریک ہوتے ہیں۔

۱۹۸۶ء میں جمعیۃ علماء بہار کا ایک جمہوری کنونشن زیر صدارت فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماء ہند انجمن اسلامیہ حال میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس کے موقع پر دینی تعلیمی بورڈ، بہار کو فعال بنانے کے لئے اس کی تشکیل جدید کی گئی اور مولانا محمد قاسم اس کے صدر نامزد ہوئے۔ آپ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے بعد پورے بہار اور جھارکھنڈ کا دورہ کیا اور اس تنظیم کو بامقصد بنانے کے لئے کئی عملی تدابیر اختیار کیں۔ اب تک آپ نے اس کے تحت ڈھائی سو سے زائد مکاتب اور مدارس مختلف علاقوں میں قائم کئے جو دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۰؍جنوری ۱۹۸۸ء کو دینی تعلیمی بورڈ بہار و جھارکھنڈ کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ پٹنہ میں ایک بڑا دینی ادارہ قائم کیا جائے اور اس کے قیام کے لئے مناسب تدبیر اختیار کی جائے۔

پورے بہار میں مدارس اسلامیہ کا جال بچھا ہوا ہے۔ لیکن پٹنہ شہر میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا باوقار دینی ادارہ نہیں ہے۔ جو آزاد فضا میں دین کی اشاعت اور تعلیم کے لئے موثر اقدام کرے۔

اس ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ بہت کوشاں رہے ہیں کہ کوئی صورت پیدا ہو۔ اللہ نے غیب سے ایک سبیل پیدا کردی۔ صدر گلی پٹنہ سیٹی کے ایک رئیس جناب سمیع احمد ابن جمیل احمد ابن امیر احمد ابن جسٹس خلیل احمد سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنا مدعا ان کے سامنے رکھا۔ وہ راضی ہوگئے اور موضع سبل پور پٹنہ میں ایک مدرسہ قائم کرنے کے لئے اپنی ایک ایکڑ موقوفہ زمین عنایت کی۔ جناب سمیع احمد صاحب اس زمین کے نگراں تھے۔ مولانا محمد قاسم سرزمین پر آئے اور اس کا معائنہ کیا۔ آپ کو یہ زمین پسند آگئی۔ اس وقت اس زمین پر گوالے قابض تھے اور اس پر وہ اپنی بھینس باندھتے تھے۔ اس کے ایک حصہ پر چند چھوٹے چھوٹے کھپڑیل کمرے اور ایک ٹوٹی پھوٹی چھوٹی سی مسجد بنی

ہوئی تھی۔ جو غلاظتوں سے بھری ہوئی تھی۔

موضع سبل پور پٹنہ بائی پاس پر کچی درگاہ کے قریب واقع ہے اور یہ ایک قدیم تاریخی بستی ہے۔ پہلے یہاں مسلمانوں کی زمینداری تھی اور شرفاء آباد تھے۔ ۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فساد کے موقع پر یہ علاقہ ویران ہوگیا۔ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی آبادی بچ گئی جو بہت خوشحال نہیں ہے۔ یہ موقوفہ زمین سبل پور بستی سے قدرے فاصلہ پر بجانب شمال واقع ہے۔ ۱۹۸۹ء مطابق شوال ۱۴۰۹ھ کو مولانا قاسم صاحب نے اس سرزمین پر ایک ادارہ ''جامعہ مدنیہ'' کے نام سے قائم کیا جس کی بنیاد حضرت مولانا سید ارشد مدنی ،استاد حدیث دارالعلوم دیوبند نے رکھی۔

۱۹۹۰ء میں محض اللہ کی سربلندی اور دین کی اشاعت کی غرض سے حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواری شریف، سابق صدر جمعیۃ علماء بہار کی دعا سے جامعہ مدینہ میں صرف آٹھ طالب علموں سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپ نے اس کی ترقی اور استحکام کے لئے رات دن انتھک کوششیں کیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ ابھی جامع مدنیہ سبل پور میں چھ سو سے زائد طلباء تقریباً ۴۰ باصلاحیت اساتذہ کی نگرانی میں دینی تعلیم حاصل کرر ہے ہیں۔ جس کا سالانہ بجٹ پچاس لاکھ سے متجاوز ہے۔ آج جامعہ مدنیہ نہ صرف پٹنہ بلکہ صوبہ بہار کا ایک عظیم اور باوقار ادارہ ہے۔ جو اپنی تعمیری توسیع اور ترقی کے لئے مولانا محمد قاسم کا احسان مند ہے۔

۱۹۹۶ء میں فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے جامعہ مدنیہ سبل پور کو ریاستی دینی بورڈ سے الگ کردیا۔ اب یہ ایک مستقل آزاد ادارہ ہے جہاں دارالعلوم دیوبند کے طرز پر تعلیم دی جاتی ہے اور وہی نصاب تعلیم یہاں رائج ہے۔ یہ حضرت مولانا کی دور بینی اور بصیرت تھی کہ مستقبل کے سارے خدشات کو دور کردیا۔

بہار کے مدارس اسلامیہ میں قرآن کریم کی تعلیم کا بہت قدیم رواج ہے۔ لیکن قرآن کو صحیح مخارج کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کا معقول نظم نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے قرآن پاک کی صحیح تعلیم نہیں ہو پاتی ہے اور بچے غلط تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں۔ جناب مولانا قاسم صاحب نے اس ضرورت کو

محسوس کیا اور ۱۹۹۶ء میں جناب مولانا غلام محمد وستانوی، ناظم مدرسہ اشاعت العلوم اکل کنواں گجرات کے مالی تعاون اور اشتراک سے بہار میں پہلی بار ''مسابقۃ القرآن'' کا کامیاب انعقاد کیا۔ جس میں بہار اور جھارکھنڈ کے مدارس کے طلبہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اس کے بڑے اچھے اور مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ اور مدارس اسلامیہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا محمد قاسم صاحب کو اس سے بڑی ہمت بندھی اور انہوں نے ۲۰۰۳ء میں ''مسابقۃ القران'' کا دوسرا دوروزہ اجلاس جامعہ مدنیہ ہی میں منعقد کیا جس کی صدارت حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب استاد حدیث دار العلوم دیوبند نے فرمائی۔ اس موقع پر بھی جناب مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کا جزوی مالی تعاون شامل تھا۔ یہ مسابقہ بھی بحمد اللہ بہت کامیاب رہا۔ سیکڑوں مدارس اسلامیہ کے طلباء نے اس میں شرکت کی اور اپنی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ بہار میں اب یہ تحریک عام ہوگئی ہے اور مختلف علاقوں میں مختلف ادارے اس قسم کے مسابقے کا انعقاد کر رہے ہیں اور خاطر خواہ اس کے فوائد سامنے آرہے ہیں۔ اس سے پہلے بہار کے مدارس اسلامیہ مسابقۃ القرآن سے ناواقف تھے۔ قرآن کی تعلیم کے سلسلے میں مولانا محمد قاسم کی یہ خدمت لائق ستائش ہے۔

جامعہ مدنیہ کے شعبہ دینیات کے بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی ضرورتوں کے پیش نظر یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اس شعبہ کو الگ کر دیا جائے تاکہ اس کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاسکے۔ ۱۹۹۷ء میں مولانا محمد قاسم نے دس کمروں پر مشتمل ایک تعمیر شدہ پختہ عمارت خطیر رقم سے خریدی۔ جو تقریباً بیس کٹھے زمین پر محیط ہے۔ اب جامعہ مدنیہ کا جونیر شعبہ اسی عمارت میں چل رہا ہے۔ آپ نے بچوں کے ہاسٹل کے لئے اس کی دوسری منزل تعمیر کرائی۔ جو بحمد اللہ کافی وسیع ہے۔ اب اس پُر بہار اور کھلی فضا میں نونہالان چمن تعلیم و تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ اس میں بھی پنج گانہ کے لئے ایک مسجد کی ضرورت ہے۔

اب تک جامعہ مدینہ میں کوئی ایسی مسجد نہیں تھی جس میں سارے بچے بیک وقت نماز پنجگانہ ادا کر سکیں۔ یہ ایک بڑی ضرورت تھی۔ مولانا محمد قاسم صاحب اس کے لئے بہت متردد تھے۔ ۲۰۰۲ء میں آپ نے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے سہ منزلہ وسیع و عریض مسجد کی بنیاد اپنے استاد گرامی جناب مولانا

سیدارشد مدنی، ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کے دست مبارک سے رکھوائی۔ بحمداللہ اس کی دو منزل تیار ہو چکی ہے اور تیسری منزل باقی ہے۔

ہرادارے کا اپنا ایک ترجمان ہوتا ہے جس کے ذریعہ ادارہ کے مقاصد وعزائم کو تحریر کے ذریعہ خواص وعوام تک پہنچائے جاتے ہیں۔ نیز دین کی تبلیغ وترسیل بھی اس کے ذریعے ہوتی ہے۔ آپ نے اس مقصد سے ۲۰۰۳ء میں جامعہ مدنیہ کا ترجمان ''ندائے قاسم'' کا اجراء کیا۔ اس میں قرآن وحدیث اور دینی وعلمی موضوعات پر وقیع مقالے شائع ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتہ حلقے میں اس کی پذیرائی بھی ہے۔ بہت کم مدت میں اس پرچے نے اپنی جداگانہ شناخت بنائی ہے جو قابل تعریف ہے۔ ۲۰۰۵ء میں ہی موضع کوروڈیہ میں مولانا سیدارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی نسبت سے معہدارشد قائم کیا ہے جہاں بہتر ماحول میں تعلیم ہورہی ہے۔ اس میں بھی ایک بڑی مسجد کی بنیادرکھی گئی تھی۔ جواب تکمیل کے قریب ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنے شفیق ومشفق استاد حضرت مولانا خلیل احمدؒ کی خواہش اور دیرینہ تمنا پر مدرسہ اسلامیہ اعزاز پتھنہ میں بھی ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی ہے۔ اس قدیم ادارہ کی یہ پہلی مسجد ہے۔ اللہ نے آپ کے ذریعہ اس قدیم ادارہ کی ایک بڑی اور اہم ضرورت کی تکمیل کرائی ہے۔

۲۰۰۴ء میں فتوحہ پٹنہ کے قریب مجیب پور گاؤں میں ایک ویران مسجد پچھلے پچاس سالوں سے غیرآباد پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے اس کی از سرنو مرمت وجزوی تعمیر کرائی۔ اس کے لئے امام اور موذن مقرر کئے۔ قاسم العلوم کے نام سے اس میں ایک مدرسہ قائم ہوا۔ بحمداللہ محلے کے بچے اور بچیاں اس میں تعلیم حاصل کرر ہے ہیں۔ اب اس جگہ دوسری مسجد تعمیر ہوگئی ہے۔

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ نے آپ کی دینی تعلیمی خدمات کو دیکھتے ہوئے ۲۰۰۵ء میں آپ کو ریاست بہار کے رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کا صدر منتخب فرمایا جو ایک بڑا اعزاز ہے۔

۴رستمبر ۲۰۰۵ء کو جمعیۃ العلماء بہار وجھارکھنڈ کا آٹھواں اجلاس زیرصدارت فدائے ملت شری کرشن میموریل ہال میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں آپ مجلس استقبالیہ کے صدر تھے اس موقع پر آپ

نے ایک جامع اور وقیع خطبۂ استقبالیہ پڑھا اور ملک وملت کے مسائل کو صحیح تناظر میں عوام کے سامنے رکھا اور اہم مسئلوں کی طرف متوجہ کیا۔

۲۰۰۶ء میں آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند نے آپ کو اس تنظیم کا ایک رکن نامزد کیا۔ آپ کے لئے یہ بھی ایک اعزاز کی بات ہے۔

جناب انجینئر ریاض الدین صاحب جن کا آبائی مکان آرہ شہر میں ہے اب وہ پاٹلی پترہ پٹنہ میں قیام پذیر ہیں۔ آرہ میں ان کا مکان خالی پڑا ہوا تھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب کی تشویق وتحریک پر انہوں نے اس میں ایک دینی مکتب قائم کیا۔ اس کے بعد انجینئر صاحب نے اس مکتب کو مولانا کے حوالہ کردیا اب وہ مکتب ان ہی کی نگرانی اور سرپرستی میں چل رہا ہے۔

ہندوستان میں فرقہ پرست اور شدت پسند تنظیمیں مسلمانوں کے خلاف تو زہرافشانی کرتی ہی رہتی ہیں ادھر چند برسوں سے ان تنظیموں نے واویلا کرنا شروع کردیا ہے کہ مسلمانوں کے ادارے دہشت گردی کے اڈے ہیں۔ ان اداروں میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے۔ ہندوستان کے بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی اداروں کو ان فرقہ پرستوں نے نشانہ بنایا اور ان کے خلاف اشتعال انگیز بیانات دینے شروع کئے جس سے ملک کی سالمیت اور پرسکون ماحول مکدر ہوگیا۔ دارالعلوم دیوبند نے اس کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ اخبارات میں اس کے خلاف دندان شکن بیانات دئے گئے اور حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ شرپسندوں کو لگام دے ورنہ ملک نفرت کے شعلوں میں جھلس جائے گا۔ اس مقصد سے دہشت گردی مخالف کانفرنسیں ہوئیں۔ ۲۰۰۸ء میں مولانا محمد قاسم نے بھی بہار گیر پیمانے پر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے زیر اہتمام شری کرشن میموریل ہال میں آل بہار، دہشت گردی مخالف کانفرنس کا انعقاد کیا جس کی صدارت حضرت مولانا سید ارشد مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند نے فرمائی۔ دہشت گردی کے خلاف علماء کرام کی پرزور تقریریں ہوئیں اور اس میں دہشت گردی مخالف سخت تجاویز منظور کی گئیں اور حکومت کو ان سے مطلع کیا گیا۔ صوبہ بہار میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی۔ مدارس اسلامیہ عربیہ کی بقاء اور استحکام کے لئے مولانا محمد قاسم صاحب کا یہ اقدام مستحسن اور قابل قدر ہے۔

مولانا محمد قاسم کسی فرد کا نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے۔شہر پٹنہ ان کی تحریک کا مرکز ہے۔ انہوں نے تعلیم، تقاریر، درس قرآن، مدارس ومکاتب کے قیام اور دینی وملی اجتماعات کے ذریعہ دینی فضا قائم کرنے کی سعی بلیغ کی ہے اور زعمائے امت مسلمہ کو یقیناً دین سے قریب کر کے دینی وملی خدمات کے لئے آمادہ ومستعد کیا ہے۔مولانا کی زندگی کی راتیں اسی کشمکش میں گذرتی ہیں۔اللہ ان کے عزائم و مقاصد کو بروئے کار لائے۔مزید ہمت، جرات اور صحت عطا فرمائے۔آمین۔

مولانا محمد قاسم صاحب ایک عالم باعمل ہیں۔بڑے متواضع، منکسر المزاج، نیک طبع، مہمان نواز، صاحب دل اور صاحب نسبت شخص ہیں۔۱۹۷۰ء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت ہوئے اور ۱۹۹۷ء میں خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔آپ نے پہلا حج ۱۹۸۹ء میں، دوسرا حج ۱۹۹۷ء میں اور تیسرا حج اپنی اہلیہ کے ساتھ ۲۰۰۳ء میں ادا کئے۔ایام حج کے علاوہ آپ ۱۹۹۵ء سے بلا فصل عمرے کی سعادت بھی حاصل کررہے ہیں۔اللہ آپ کی عمر میں برکت اور آپ کی ذات کو قوم وملت کے لئے فیض رساں بنائے۔آمین۔

عطّار ہو، رومؔی ہو، رازؔی ہو، غزاؔلی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

مولانا محمد نعمان

(پ۔۱۹۵۴ء)

مولانا محمد نعمان ولد مولانا محمد شہاب الدین ولد مولانا شمس الاسلام کیم فروری ۱۹۵۴ء کو ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔پھر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہو کر فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد مدرسہ محمودیہ سریا میں داخلہ لیا۔اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ رحمانیہ افضلہ سوپول دربھنگہ تشریف لے گئے اور ۱۹۷۱ء میں فاضل حدیث کیا۔آپ

کے اساتذہ میں مولانا شمس الاسلامؒ، مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبدالسلامؒ، مولانا حافظ دیانت احمد، مولانا سعید احمد پورینی، مولانا اشفاق احمد سمریا اور مدرسہ رحمانیہ سوپول در بھنگہ کے اساتذہ میں مولانا محمد عثمان در بھنگوی، مولانا محمد شمس الہدیٰ اور مولانا قاسم مظفر پوری کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

یکم جون ۱۹۷۱ء کو مدرسہ اسلامیہ عربیہ چھتی، ہنومان نگر ضلع سوپول میں استاذ مقرر ہوئے۔ ابھی آپ اسی ادارہ میں صدر المدرسین ہیں۔ تعلیمی خدمات کے علاوہ آپ اس علاقے میں علمی و دینی دورہ بھی کرتے ہیں۔ تعلیمی اور اصلاحی پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں اور عوامی خدمت کے لئے بھی سرگرم رہتے ہیں۔ اس علاقے میں آپ بہت مشہور و مقبول ہیں۔ اصلاح معاشرہ، جہیز کی لعنت اور غیر اسلامی رسومات پر کئی وقیع مضامین قلم بند کئے۔ علم فقہ سے آپ کو خصوصی دلچسپی ہے۔ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، پٹنہ سے فقہ پر تربیتی کورس بھی مکمل کیا ہے۔

آپ کی شخصیت پر آپ کے نانا حضرت مولانا حافظ دیانت احمد صاحبؒ سابق صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا حافظ دیانت احمد صاحبؒ اپنے عہد کی ایک عظیم اور مقتدر شخصیت تھی جو علم و عمل اور ذہن و فکر کے اعتبار سے اسلاف کے نمونہ تھے۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (م۔۱۹۲۰ء) کے شاگرد اور مدرسہ محمودیہ سمریا کے بانی اساتذہ میں سے تھے۔ مولانا محمد نعمان کو صالحیت، نیکی، دین داری اور خدمت خلق کا جذبہ اپنے نانا سے وراثت میں ملا ہے۔ ۱۹۹۴ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریاؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب دامت برکاتہم سے تجدید بیعت کی۔ آپ کو پانچ بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلا حج ۱۹۸۲ء میں، دوسرا ۱۹۹۱ء، تیسرا ۲۰۰۱ء، چوتھا ۲۰۰۶ء اور پانچواں ۲۰۰۹ء میں کیا۔

آپ نے ۲۰۰۸ میں ایک بہت بڑا دینی اور تعلیمی اجلاس منعقد کیا تھا جس میں پچاس ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی تھی۔ اب تک اس علاقے کا یہ سب سے بڑا دینی اجلاس تھا۔ ملک کے مختلف صوبوں سے علماء کرام اس میں شریک ہوئے تھے۔ مولانا کا مزاج علمی اور دینی ہے اور آپ خاندانی علمی

روایت کے امین ہیں۔ تعلیم کا صحیح تصور رکھتے ہیں اور اس کی اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں۔ فوز وفلاح کے لئے آپ تعلیم کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

مولانا محمد مظفر عالم

(پ۔۱۹۵۴)

مولانا محمد مظفر عالم ابن محمد ادریس ۱۵ر فروری ۱۹۵۴ء کو پیدا ہوئے۔ گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے اور کافیہ، قدروی تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ محمودیہ سمریا میں درجہ فوقانیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۱ء میں درجہ عالمیت کی سند حاصل کی۔ ۱۹۷۶ء میں اردو مڈل اسکول، راجدھانی ضلع کٹیہار میں ملازمت مل گئی۔ چند سال بعد آپ کا تبادلہ احمد آباد مڈل اسکول کٹیہار میں ہوگیا۔ ابھی آپ اس اسکول میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولوی مظفر عالم خاموش طبع آدمی ہیں۔ لاف وگذاف سے دور کا بھی واسطہ نہیں مزاجاً نرم اور کم سخن ہیں۔ بچپن ہی میں والدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ والدہ کی موت کے بعد جن مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس سے آپ بھی نبرد آزما ہوئے۔ صبر وضبط کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا اور پریشانی کو خاموشی سے جھیل لینے کے عادی ہیں۔ بے سروسامانی میں زندگی شروع کی۔ صبر، استقلال، ہمت اور جرأت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج اللہ نے آپ کو وسعت وفراخی عطا کی۔ اس کے لئے وہ سراپا شاکر وسپاس گذار نظر آتے ہیں۔

مولانا محمد مطہر حسن

(پ۔۱۹۵۴ء)

مولانا محمد مطہر حسن ولد مولوی محمد نورالحسن مرحوم کی اصل تاریخ پیدائش ۸/جون ۱۹۵۴ء ہے۔ ان کے بڑے بھائی حافظ منور حسن کی تاریخ پیدائش ۲۷/فروری ۱۹۵۶ء باعتبار سند ہے اس لئے دونوں کی عمر کے مابین یہ تفاوت ہے۔ مولانا محمد مطہر حسن نے گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا اور یہاں سے ۱۹۷۰ء میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں استاد مقرر ہوئے۔ دوری کی وجہ سے اس ملازمت کو ترک کردیا اور ۱۹۷۶ء مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں مدرس دوم کی حیثیت سے بحال ہوئے۔ لیکن چند مجبوریوں کی وجہ سے اس ملازمت کو بھی چھوڑ دی اور مدرسہ اشرفیہ بیلا پہدی، ضلع دربھنگہ میں استاد مقرر ہوئے۔ تقریباً ۱۹۹۰ء تک اس مدرسہ کی خدمت کی اسی دوران آپ کی طبیعت ناساز رہنے لگی اور کم خوابی کا عارضہ ہوگیا۔ بغرض علاج آپ نے یہاں کی ملازمت چھوڑ دی اور طبیعت میں بے اعتدالی کی وجہ سے اب تو درس و تدریس سے اپنے آپ کو الگ کرلیا۔

مولانا محمد مطہر صاحب ذہین طالب علموں میں شمار ہوتے تھے۔ صلاحیت اچھی ہے اور حافظہ بھی قوی ہے۔ گرچہ تدریسی مشغلہ سے الگ ہوگئے ہیں تاہم صلاحیت اور واقفیت میں کمی نہیں ہے۔ حدیث وفقہ کے علاوہ علم صرف ونحو پر خصوصی توجہ تھی۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں خود سے چند پارے قرآن حفظ کیا اس کے بعد مدرسہ اشرفیہ میں اس کی تکمیل کی اور کئی دور کئے۔ تراویح بھی کئی سالوں تک پڑھائی۔ اب مستقبل گھر پر رہتے ہیں۔ خفقان کی وجہ سے سیلانی طبیعت کے ہوگئے ہیں۔

مولانا محمد اعظم

(پ۔۱۹۵۵ء)

مولانا محمد اعظم مولانا محمد عبدالحمیدؒ کے منجھلے لڑکے ہیں۔ ۶ رستمبر ۱۹۵۵ء کو (بہ اعتبار سند) پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتداء مکتب میں ہوئی اس کے کچھ دنوں بعد گھر پر اپنے والد سے پڑھنے لگے۔ ان دنوں دروازہ ایک مکتب میں تبدیل ہوگیا تھا۔ گھر کے بچوں کے علاوہ دوسرے بچے بھی یہاں پڑھتے تھے۔ عربی اور فارسی کی مبتدیات پڑھ کر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور یہاں کافیہ وقدوری وغیرہ پڑھ کر مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور میں درجہ فوقانیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۱ء میں یہاں سے درجہ عالم کا بورڈ امتحان پاس کیا۔ مزید تعلیم کے لئے ادارہ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ چلے آئے اور یہاں سے ۱۹۷۳ء میں فارغ ہوئے۔ بعدہٗ میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا۔

فراغت کے بعد تقریباً دوسال تک مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں درس دیا اس کے بعد ۱۴ فروری ۱۹۷۹ء کو دیوکلی آرہ، ہائی اسکول میں اردو وفارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ ابھی بھیرو گنج ضلع بانکا کے ایک ہائی اسکول میں کارگذار ہیں۔ مولوی محمد اعظم سنجیدہ، کم سخن اور معاملہ فہم ہیں۔ ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں اہلیہ کے ساتھ حج سے فارغ ہوئے۔

مولانا محمد لطافت حسین

(پ۔۱۹۵۶ء)

مولانا لطافت حسین ابن محمد کفایت اللہ ۱۴ رفروری ۱۹۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حسب

روایت گاؤں کے مکتب میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا عبدالسلامؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ قاسمیہ گیا میں تقریباً دو سال تک طالب علم رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۱ء میں یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔

۸؍نومبر ۱۹۷۳ء کو مدرسہ امداد الغرباء بیر نگر بسہریا، ضلع ارریہ میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ یہ مدرسہ بہار ایجوکیشن بورڈ کے ماتحت درجہ مولوی تک ملحق ہے۔ اب تک آپ اسی ادارہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کا شمار ایک باصلاحیت اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کا حافظہ قوی ہے اور ذہانت وراثت میں ملی ہے۔ حدیث اور فقہ کی لمبی لمبی عبارتیں آپ کو ازبر ہیں۔ آپ بکثرت مطالعہ کرتے ہیں اور حافظہ میں اس کو محفوظ بھی رکھتے ہیں اور حسب ضرورت اس سے کام لیتے ہیں۔ علمی گفتگو میں اس کثرت سے حوالے دیتے ہیں کہ سامعین دنگ رہ جاتے ہیں۔ آپ کا ادبی ذوق بھی بالیدہ ہے عربی، فارسی اور اردو کے بہت سے اشعار آپ کے حافظہ میں قید ہیں۔ موجودہ دور میں ہمارے علماء کے یہاں یہ ذوق شاذ ہے۔ لیکن موصوف کا مطالعہ اور حافظہ نادرۂ روزگار ہے۔ ان کے وسعت مطالعہ کا یہ حال ہے کہ ملی اور قومی تاریخ کے علاوہ حالات حاضرہ پر بھی نظر ہے اور علماء سلف کے حالات زندگی سے خاصی واقفیت ہے۔ مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ فقہی مسائل میں ائمہ کرام کے اختلافات، توجیہات اور ترجیحات پر گہری نظر ہے۔ فقہی مسائل کو بیان کرتے وقت دلائل سے اپنی گفتگو کو واضح کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ علمائے دیوبند سے آپ کو بڑی محبت ہے۔ ان کے حالات وخدمات پر جب تذکرہ کرتے ہیں تو فرط عقیدت میں اکثر آپ کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ اپنے اساتذہ کا ذکر بھی بڑی محبت واحترام سے کرتے ہیں۔ بااین ہمہ آپ کو کوئی غرّہ نہیں ہے۔ ہر قسم کے تکلفات سے زندگی کو الگ رکھا ہے۔ بہت سادگی سے رہتے ہیں۔

فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خاںؒ، حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری اور حضرت مولانا ارشد مدنی وغیرہ جیسے جید اساتذہ سے آپ نے کسب فیض کیا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل کی۔ گاؤں کے ممتاز علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

مولوی مسعود احمد

(پ۔۱۹۵۶ء)

مولوی مسعود احمد ابن حکیم محمود حسن ۱۵رفروری ۱۹۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔یہاں آپ نے مولانا عبدالحکیمؒ اور ڈاکٹر عبدالحمیدؒ سے بھی کسب علم کیا۔یہ دونوں حضرات اپنے دروازہ پر درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے۔حاجی نثار احمد جو آپ کے دادا تھے ان کی کوششوں سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ان کی خواہش تھی کہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی حاصل کریں یہ مواقع یہاں میسر تھے۔ بعد میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے پھر مدرسہ محمودیہ سمریا چلے گئے اور یہاں سے درجہ مولوی کا امتحان پاس کیا۔نگرپاڑہ ٹیچرس ٹریننگ اسکول سے تربیتی سند حاصل کی۔۱۹۸۷ء میں اردو اسکول دل غوری، سلطان گنج بھاگلپور میں آپ کو ملازمت مل گئی اور اسی اسکول سے ابھی وابستہ ہیں۔

تبلیغی جماعت سے تعلق ہے اور اس میں بھی اپنا وقت لگاتے ہیں۔فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت ہیں۔

حافظ منور حسن

(پ۔۱۹۵۶ء)

حافظ منور حسن ابن مولوی محمد نورالحسن ۲۷رفروری ۱۹۵۶ء (باعتبار سند) کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں حافظ عبدالرحمن سے قرآن پاک حفظ کیا اور عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا عبدالسلامؒ سے پڑھیں۔ ۱۹۶۸ء میں مدرسہ ضیاء العلوم گرہوتیہ ضلع بھاگلپور سے فوقانیہ ۱۹۷۰ء میں مدرسہ رحمانیہ سوپول، دربھنگہ

سے مولوی اور مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے ۱۹۷۲ء میں عالم اور ۱۹۷۴ء میں فاضل فارسی کے امتحانات پاس کئے۔ بی۔ان۔کالج، پٹنہ یونیورسٹی سے ۱۹۷۳ء میں آئی۔اے اور ۱۹۷۵ء میں بی۔اے آنرز (معاشیات) کے امتحانات میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے فاضل اردو اور ۱۹۸۰ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔اے کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۸ء کو گرلس ہائی اسکول جموئی جھاجھا میں استاد مقرر ہوئے۔ یکم فروری ۲۰۱۰ء سے اسی اسکول میں ہیڈ ماسٹر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ گاؤں کے مشہور حفاظ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ بحمد اللہ قرآن شریف بہت یاد ہے۔ پابندی سے رمضان شریف میں قرآن پاک تراویح میں سناتے ہیں۔ ۲۶/جولائی ۱۹۸۶ء مطابق ۱۸/ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ کو آپ کی اہلیہ عزیزہ رخسانہ سلمہا کا انتقال ہوگیا۔ وہ کھانا بناتے وقت اسٹوو سے جل گئی تھیں۔ دوسرے دن ۲۷/جولائی ۱۹۸۶ء بروز یک شنبہ آبائی قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ ان سے ایک لڑکا مظاہر انور عرف چاند اور ایک بیٹی فرخندہ سرور عرف لالی پیدا ہوئیں (حادثاتی طور پر ۲۹/اگست ۲۰۱۰ء مطابق ۱۸/رمضان ۱۴۳۱ھ کو انتقال ہوگیا۔ آبائی قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ مولانا اطہر حسن نے نماز جنازہ پڑھائی)۔ مظاہر انور ابھی ام۔بی۔بی۔اس کا طالب علم ہے اور لالی نے بی۔اے آنرز کیا ہے۔ حافظ منور حسن نے اہلیہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی نہیں کی۔ انہیں دونوں بچوں کے ساتھ مجرد زندگی گذار رہے ہیں۔ آپ بہت کم آمیز ہیں۔ قرابت مندوں کے ساتھ بہتر معاملات کرتے ہیں اور اسی میں خوش ہیں۔

حافظ محمد جمال الدین

(پ۔۱۹۵۶ء)

حافظ محمد جمال الدین ابن محمد علاء الدین ۱۵/نومبر ۱۹۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں تقسیم ہند کے موقع پر بہار میں بدترین فرقہ وارانہ فساد ہوا تھا۔ جس میں بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ بہت سی آبادی اور گاؤں

برباد یا ویران ہو گئے۔ اس موقع پر بہت سے خاندان ترک وطن کر کے کوروڈیہ میں آباد ہو گئے۔ ان نو واردین میں حافظ جمال الدین کا خاندان بھی ایک ہے۔ یہ نو واردین خانماں برباد تھے۔ مزدوری اور نوکری ان کا پیشہ تھا اور سب اسی میں مست و مگن تھے۔ یہ لوگ تعلیم سے بہت دور اور دین سے ناواقف تھے۔ اللہ کا کرم اور گاؤں کے علمی ماحول نے محمد علاء الدین کے دل میں علم کی تڑپ پیدا کی۔ اور اپنے سب سے چھوٹے لڑکے محمد جمال الدین کو گاؤں کے مکتب میں داخل کیا۔ مولانا شمس الاسلام کی علمی تربیت اور فیضان نظر نے یہ کرشمہ دکھایا کہ مکتب کی تعلیم مکمل کر کے مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور حافظ نجابت حسین صاحب (م۔۱۹۸۲ء) سے حفظ مکمل کیا۔ اس کے بعد عربی وفارسی کی کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد اور مولانا عبدالسلامؒ سے پڑھیں۔ ۱۹۷۴ء میں مدرسہ ضیاء العلوم گرہوتیہ بھاگلپور سے مولوی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۷ء میں مدرسہ عربیہ کشن داس پور، بھاگلپور میں درجہ حفظ کے استاد مقرر ہوئے اور تاحال اسی خدمت پر مامور ہیں۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ آپ نیک طبیعت اور صلح پسند ہیں۔

مولوی محمد ضیافت حسین

(پ۔۱۹۵۷ء)

مولوی محمد ضیافت حسین ولد محمد کفایت علی ۲۲ر اپریل ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں مولوی فضل الرحمن اور مولوی محمد جواد علی سے حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے اور عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اس کے بعد مدرسہ رحیمیہ گاڑھا ضلع پورنیہ میں داخلہ لیا اور یہاں سے مدرسہ تجوید القرآن دگھی، گڈا چلے آئے۔ یہاں مولانا حاذق القاسمی صاحب درجہ علیا کے استاد تھے ان کی سرپرستی اور نگرانی میں ۱۹۷۴ء میں درجہ عالم تک کی تعلیم حاصل کی۔

۲۴ مئی ۱۹۷۶ء کو ڈوبا کاشی باڑی پورنیہ کے ایک پرائمری اسکول میں استاد مقرر ہوئے۔ اسی

دوران ۱۹۸۷ء میں فاضل فارسی کا امتحان بھی پاس کیا۔ ۲۰۰۷ء میں یہاں سے تبادلہ کرا کے گاؤں کے اسکول میں آ گئے ہیں۔ آپ کے یہاں آنے کے بعد اسکول کی تعلیم میں ترقی ہوئی ہے اور اس میں بہتری کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اب یہ پرائمری سے مڈل اسکول ہو گیا ہے۔ پہلے کے مقابلے میں اساتذہ اور طلباء کی تعداد بھی بڑھی ہے۔ آپ تعلیمی ماحول پیدا کرنے کی کوشش میں سرگرم ہیں۔

مولانا محمد فیضان

(پ۔ ۱۹۵۷ء)

شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں خاندانی حالات اور روایت کا اہم کردار ہوتا ہے۔ ہر چند کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے لیکن عموماً ایسا ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ خاندان کے افراد علم سے آشنا اور تعلیم کے شیدائی ہوتے ہیں۔ اگر والدین کی توجہ اس طرف ہو تو اولاد بھی تعلیم یافتہ ہوتی ہے۔ باقی جوہر ذاتی سے اپنی صلاحیتوں کو ابھارتے اور نکھارتے ہیں۔ گاؤں میں مولانا شمس الاسلامؒ کے خاندان کی مثال ایسی ہے کہ چار نسلوں تک تعلیم کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اگر ددیہال کے علاوہ ننیہال بھی تعلیم یافتہ ہو تو عموماً ان کی نسلیں تعلیم یافتہ ہوتی ہیں اور علم کی جڑیں دور تک اس میں پیوست ہوتی ہیں۔ اگر ماں تعلیم یافتہ اور باشعور ہو تو پھر کیا کہنا۔ ان کی گود میں پلنے والی نسلیں علم و دانش کے نئے باب کھولتی ہیں۔

مولانا محمد فیضان ولد مولانا شہاب الدین (متولد۔ ۱۳۔ ۵۔ ۱۹۵۷) کو یہ مواقع میسر ہوئے۔ تعلیم کے معاملے میں ان کی والدہ محترمہ نے جو کردار ادا کیا ہے وہ دوسری خاتون کے حصہ میں بہت کم آیا ہے۔ والد کے مقابلے میں ان کی والدہ کا فیض اور ان کے نانا حضرت مولانا حافظ دیانت احمدؒ کی دعائیں اور تربیت کا یہ ثمرہ ہے کہ مولانا محمد فیضان کی طرح ان کے اور دوسرے بھائی بھی تعلیم سے آراستہ ہیں اور

اس روایت کو آگے بڑھانے میں سرگرم عمل ہیں۔ بہرحال مولانا محمد فیضان نے اپنی تعلیم کا آغاز گاؤں کے مکتب میں اپنے دادا سے کیا اور یہاں سے مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ گئے اور پھر مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۹۷۶ء میں فارغ التحصیل ہوکر وطن واپس آئے۔ یکم جنوری ۱۹۷۷ء کو مدرسہ رحیمہ گاڑھا، ضلع مدھے پور میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ رشیدیہ مظہر العلوم، اندولی ضلع سوپول میں آپ کو جگہ مل گئی اور آپ یہاں منتقل ہوگئے۔ تاحال آپ اسی مدرسہ سے وابستہ ہیں اور تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد فیضان ایک باصلاحیت استاد اور وسیع المطالعہ شخص ہیں۔ تاریخ اسلام، سیرت اور فقہ حنفی پر گہری نظر ہے۔ بار بار راقم حروف کو ان سے علمی گفتگو کا موقع ملا ہے۔ صاف ستھرے اور سلجھے ہوئے ذہن کے آدمی ہیں۔ علم کے معاملے میں واضح فکر رکھتے ہیں اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ زمانے کی موجودہ روش کے پیچھے نہیں بھاگتے۔ دو سال قبل ان کے لڑکے محمد عبدالملک سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ملاقات ہوئی تھی وہ یہاں سے حفظ مکمل کر کے شعبۂ عربی میں پڑھ رہے تھے۔ ان کے رکھ رکھاؤ اور گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔ بڑے پرعزم اور علم کے شیدائی نظر آئے۔ اگر اسی طرح تربیت ملتی رہی تو انشاء اللہ بہتری کی توقع ہے۔ مولانا محمد فیضان محتاط زندگی گذارتے ہیں۔ صاحب کردار اور عالم باعمل ہیں۔ دینی امور سے شغف ہے۔ ۱۹۹۱ء میں فریضۂ حج سے مشرف ہوئے۔

مولانا رفیع احمد

(پ۔ ۱۹۵۷ء)

مولانا رفیع احمد ولد محمد طیب ۳؍جولائی ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ محمودیہ سریا بھاگلپور میں تعلیم حاصل کی اور یہاں سے فوقانیہ، مولوی اور عالم کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۷۶ء میں مدرسہ رحمانیہ افضلہ سوپول دربھنگہ سے فاضل حدیث کیا۔ بعد میں بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے فاضل فارسی اور فاضل

اردو کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالسلام، مولانا سعید احمد، علامہ رشید احمد، مولانا اشفاق احمد، مولانا محمد عثمان اور مولانا قاسم مظفر پوری کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ پیار پور، امانت، صاحب گنج میں عربی و فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ یہاں حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب سے کافی علمی استفادہ کیا۔ آپ اس وقت یہاں صدر مدرس تھے۔ حضرت مولانا مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے سابق پرنسپل تھے۔ باصلاحیت اور جید اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے ہزاروں شاگرد پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں جو ان کی صلاحیت کے قائل ہیں۔ مولانا رفیع احمد کا قیام اس ادارہ میں زیادہ دنوں تک نہیں رہا۔ ملازمت کے دوران ہی سبور ہائی اسکول بھاگلپور کے لئے آپ کا انتخاب ہوگیا اور ۲ر جولائی ۱۹۷۹ء کو اس اسکول میں اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے اپنی ملازمت شروع کی۔ چند سال بعد آپ کا تبادلہ بٹ سار ہائی اسکول سنہولا، بھاگلپور ہوگیا۔ اس اسکول میں تقریباً تین سالوں تک آپ کا قیام رہا پھر سبور ہائی اسکول میں تبادلہ ہوگیا۔ تاحال اسی اسکول میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا رفیع احمد اپنے معاصرین میں ایک باصلاحیت استاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو میں خاصی مہارت حاصل ہے۔ کم آمیز اور کم سخن ہیں۔ زیادہ تر اپنے اوقات کو مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ لغو اور فضول گوئی سے اجتناب ہے۔

مولانا محمد ظہیر الدین

(پ۔ ۱۹۵۷)

تقسیم ہند کے موقع پر ۱۹۴۶ء میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں زبردست فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ صوبہ بہار بھی اس میں بہت متاثر ہوا تھا۔ اس میں بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ بستیاں ویران اور آبادی اجڑ گئی۔ اس موقع پر بہت سارے برباد شدہ خاندان کوروڈیہ میں آکر

آباد ہوگئے۔انہی نو واردین میں مولوی محمد ظہیرالدین کا بھی ایک خاندان تھا۔آپ کے والد محمد انور علی اپنے دیگر بھائیوں کے ساتھ اس گاؤں میں آباد ہوگئے۔اسی خاندان میں مولانا محمد ظہیرالدین 1957ء (باعتبار سند) میں پیدا ہوئے۔یہ خاندان کوئی تعلیم یافتہ نہیں تھا۔یہ لوگ مزدور پیشہ تھے۔آپ کے والد کا انتقال ہوچکا تھا۔بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے آپ کے منجھلے بھائی محمد ابوالحسن جولا ولد تھے انہوں نے آپ کی کفالت کی۔یہ لوگ مولانا شمس الاسلام کے خانوادہ سے قریب تھے اوران کی کھیتی باڑی میں مدد کرتے تھے۔گاؤں کا علمی ماحول اور حضرت مولانا کا فیض تھا کہ مولانا محمد ظہیرالدین مکتب میں داخل کئے گئے اور مولانا شمس الاسلامؒ سے ابتدائی کتابیں پڑھ کر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور وظیفہ یاب ہوکر عربی و فارسی کی کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد اور مولانا عبدالاسلامؒ سے پڑھیں۔اس کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم گرہوتیہ، ضلع بھاگلپور سے مولوی کیا اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ رحمانیہ افضلہ سوپول، ضلع دربھنگہ چلے آئے۔ان دنوں مولانا محمد نعمان صاحب جو مولانا شمس الاسلام کے پوتا ہیں وہ یہاں پہلے سے زیر درس تھے۔ان کا تعاون مولانا محمد ظہیرالدین کو ملا اور یہاں سے ۱۹۷۳ء میں فاضل حدیث کیا۔اس طرح مولانا محمد ظہیرالدین اپنے خاندان کے پہلے عالم دین ہوئے۔

فراغت کے بعد ۱۱رفروری ۱۹۷۸ء سے مدرسہ ناظر العلوم، بلیاس، ضلع بانکا میں عربی و فارسی کے استاد ہیں اور تادم تحریر اسی ادارہ سے وابستہ ہیں۔آپ دور طالب علمی سے ہی خاموش طبع اور صلح پسند انسان ہیں۔فتنہ اور شر سے الگ رہتے ہیں۔راقم حروف کی طالب علمی کے زمانے میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں زیر درس تھے۔دین سے وابستہ ہیں۔صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں اور اسلامی وضع قطع میں رہتے ہیں۔

مولوی محمد سالم

(پ۔۱۹۵۷)

مولوی محمد سالم ابن محمد شفیق یکم نومبر ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں شروع کی۔ اس وقت یہاں مولوی محمد جواد علی اور مولوی محمد فضل الرحمٰن درس دے رہے تھے۔ مزید تعلیم مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ، مدرسہ ضیاء العلوم گرہوتیہ بھاگلپور اور مدرسہ شمسیہ گورگاواں، گڈا میں حاصل کی اور ۱۹۷۸ء میں فضیلت کی سند سے سرفراز ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۸۰ء میں مدرسہ سراج العلوم نوریہ، موضع کھڑہرا ضلع بانکا میں مدرس بحال ہوئے۔ یہ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق ہے اور یہاں وسطانیہ تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ کئی سالوں تک یہاں تدریسی خدمت انجام دی۔ اس کے بعد مومن مڈل اسکول چلنا، ضلع بانکا میں آپ کو سرکاری ملازمت مل گئی ابھی اسی اسکول سے وابستہ ہیں۔ آپ کو مطالعہ کا شوق ہے اور تاریخ اسلام کا مطالعہ دلچسپی سے کرتے ہیں۔ آپ نیک طبع، صلح پسند اور خوش اخلاق ہیں۔

مولوی محمد ابرار

(پ۔۱۹۵۸ء)

مولوی محمد ابرار ولد محمد ارشاد ۱۵ر جنوری ۱۹۵۸ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۰ء تک مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۷۰ء ہی میں مدرسہ انوار العلوم اسلام پور، پورنیہ سے فوقانیہ، ۱۹۷۲ء میں مدرسہ ضیاء العلوم گرہوتیہ سے مولوی اور ۱۹۷۴ء میں مدرسہ محمودیہ سمریا سے عالم کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۷۸ء میں فاضل فارسی اور ۱۹۸۵ء میں فاضل اردو ادب کے امتحانات میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۹۵ء بھاگلپور یونیورسٹی سے فارسی زبان وادب میں ایم۔اے کی سند حاصل

کی۔ ۱۹۷۷ء میں اپنی ملازمت کے پیش نظر شیخپورہ مونگیر سے ٹیچرس ٹریننگ کا امتحان دیا اور اس میں کامیاب ہوئے۔

۱۰/اپریل ۱۹۸۲ء سے گورنمنٹ مڈل اسکول برہ پورہ، بھاگلپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ برہ پورہ میں آپ کا مستقل قیام رہتا ہے اور باضابطہ یہاں سکونت اختیار کرلی ہے۔ گاؤں آنا جانا بہت کم ہے۔ اس لئے ان کے معمولات سے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔ ان کے خاندان کے دیگر افراد گاؤں میں ہی سکونت پذیر ہیں اور مصروف زندگی گذارتے ہیں۔

مولانا حافظ مسرور احمد

(پ۔ ۱۹۵۸ء)

حافظ مسرور احمد ابن حاجی محیط احمد ۲/مارچ ۱۹۵۸ء کو پیدا ہوئے۔ گاؤں کے مکتب سے تعلیم کا آغاز ہوا اور مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں حافظ عبدالرحمٰنؒ سے حفظ کلام اللہ کیا اور عربی کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا عبدالسلامؒ سے پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے اور ۱۹۷۶ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد ۲۲/اگست ۱۹۷۷ء کو مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہہ میں عربی و فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ یہ ادارہ، بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے درجہ وسطانیہ تک ملحق ہے۔ مولانا محمد یامینؒ (م۔ ۱۹۹۹ء) کے وصال کے بعد صدر مدرس کے عہدہ پر آپ کی ترقی ہوئی۔ تاحال اسی عہدہ پر ہیں۔ فلاحی کاموں سے آپ کو دلچسپی ہے اور بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے ہیں۔ کسی حد تک مقامی سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ مزاج میں تیزی اور تندی ہے۔ اقدام کے وقت تدبر و تفکر کو زیادہ راہ نہیں دیتے۔ مثبت فکر کی ہی وجہ سے منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے ہیں۔ مدرسہ کاشف العلوم کو آپ سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں اور اس سلسلے میں جس ذمہ داری، محنت اور ایثار کی ضرورت تھی اس کا

مظاہرہ نہیں ہوا۔آج ادارہ خود اپنے وجود کے لئے ماتم کناں ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

باایں ہمہ حافظ مسرور احمد متحرک، فعال، سرگرم اور بے باک آدمی ہیں۔دل میں جو خیال آتا ہے اس کو کر گذرتے ہیں اور کسی مصلحت کے شکار نہیں ہوتے۔تبلیغی جماعت سے ایک حد تک وابستگی ہے۔شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۷۶ء میں بیعت ہوئے۔

مولانا سعود احمد

(پ۔۱۹۵۹ء)

مولانا سعود احمد ابن حاجی محمد عبدالرشید ۲۴ فروری ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مولانا حسین احمد صاحبؒ کے ساتھ مدرسہ انوار العلوم اسلام پور، پورنیہ چلے گئے اور وہاں قرآن ناظرہ کے علاوہ فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔گھر سے دوری کی وجہ سے آپ کے والدین نے آپ کو مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل کر دیا۔یہاں آپ نے فارسی میں گلستاں و بوستاں، اخلاق محسنی اور عربی میں میزان ومنشعب، نحو میر اور باکورۃ الادب حضرت مولانا خلیل احمد، حافظ عبدالخالق اور مولانا عبدالحکیم سے پڑھیں۔اس کے بعد آپ جناب مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھ مدرسہ حسینیہ ویگاوالا، بجنور، یوپی چلے گئے۔ان دنوں مولانا محمد قاسم صاحب یہاں استاد تھے۔ان سے کافیہ اور قدروی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔جب مولانا محمد قاسم صاحب مدرسہ اشرف المدارس، کلٹی، ضلع بردوان چلے آئے تو آپ بھی ان کے ساتھ یہاں منتقل ہو گئے اور یہاں چند سال پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۹۷۹ء میں آپ علوم متداولہ سے فارغ ہو کر گھر واپس آئے۔

فراغت کے بعد آپ مدرسہ اشرف العلوم، پورنیہ میں استاد کی حیثیت سے بحال ہوئے اور

تقریباً ایک سال تک آپ نے یہاں تدریسی خدمت انجام دی۔ کسی بھی امر کے انجام دہی میں طبعی میلان اور ذہنی سکون میسر نہ ہو تو اس پیشہ سے وابستہ رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ غالباً مولانا سعود احمد کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا اور آپ اس پیشہ سے کنارہ کش ہو کر ۱۹۸۰ء کے اواخر میں بمبئی چلے آئے اور آزادانہ طور پر کاروبار میں لگ گئے۔ اب تک آپ کا یہاں یہی مشغلہ ہے۔

مولانا سعود احمد سنجیدہ، معاملہ فہم اور متحمل مزاج ہیں۔ اسلامی وضع قطع میں رہتے ہیں اور دینی امور سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ آپ کا مستقبل قیام ممبئی میں رہتا ہے۔ کبھی کسی خاص موقع پر گاؤں آتے ہیں۔

مولوی محمد انذر

(پ۔۱۹۵۹ء)

مولوی محمد انذر ابن مولانا ڈاکٹر عبدالحمید ۸ / مارچ ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد سے اور گاؤں کے مکتب میں حاصل کی پھر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک مدرسہ تجوید القرآن دگھی ضلع گڈا میں بھی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۸۰ء میں مدرسہ محمود سمریا سے عالم کا بورڈ امتحان پاس کیا۔ ۱۹۸۲ء میں ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ سے فاضل فارسی کیا۔ بعد میں فاضل اردو ادب میں بھی کامیابی حاصل کی۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں پروفیسر افسر الدولہ فیاض الدین حیدر، پروفیسر علی حیدر نیّر، پروفیسر سید اطہر شیر اور پروفیسر ارشد جمیل شامل ہیں۔ مدارس کے اساتذہ میں مولانا خلیل احمد مولانا عبدالحکیمؒ، مولانا سعید احمد، مولانا اشفاق احمد اور مولانا اکرام الحق وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۹۸۶ء میں آپ نے ڈی ایم ہائی اسکول شیخ پورہ، مونگیر سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ اس کے علاوہ مہاتما گاندھی اسکول جھاجھا، لاٹرن ہائی اسکول بانکا اور گرلس ہائی اسکول بانکا میں تدریسی خدمات

انجام دیں۔ ابھی آپ آخرالذکر اسکول میں برسرکار ہیں۔ ان کا مستقل قیام بھیکن پور، بھاگلپور میں ہے۔ ملاقات بہت کم ہوتی ہے۔ ان کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔

مولوی محمد سلمان

(پ۔۱۹۵۹ء)

مولوی محمد سلمان ابن مولانا محمد شہاب الدین ۱۹؍جولائی ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں اپنے چچا مولوی محمد فضل الرحمٰن سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں حضرت مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبدالحکیمؒ اور حافظ عبدالخالق سے کسب علم کیا۔ مزید تعلیم مدرسہ اسلامیہ عربیہ چھٹی ہنومان نگر سوپول میں پائی اور ۱۹۸۳ء میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے فاضل کی سند حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۸۴ء میں سرکاری اردو اسکول موضع سنہولی، ضلع بھاگلپور میں استاد مقرر ہوئے اور اسی اسکول میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ خاندانی علمی روایت کے امین ہیں۔ مطالعہ کا ستھرا ذوق ہے۔ دینی امور سے شغف رکھتے ہیں۔ آپ کم سخن اور کم آمیز ہیں۔ حافظ دیانت احمدؒ سے بھی آپ کو فیض ملا ہے۔ وہ آپ کے نانا تھے۔ ۱۹۹۸ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

مولوی محمد اسجد

(پ۔۱۹۵۹ء)

مولوی محمد اسجد ابن حاجی محمد عبدالرزاق ۲۹؍ستمبر ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں مولوی محمد فضل الرحمٰن سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ، مدرسہ ضیاء العلوم گرہوتیہ اور مدرسہ محمودیہ سمریا، بھاگلپور سے درجہ عالم تک تعلیم پائی اور ۱۹۸۳ء میں ادارۂ تحقیقات

عربی و فارسی پٹنہ سے فاضل فارسی اور فاضل اردو ادب آزاد امیدوار کی حیثیت سے کیا۔ پٹنہ یونیورسٹی سے آئی اے اور بی۔اے۔اردو آنرز کیا۔ ملازمت کے دوران ونوا بھاوے یونیورسٹی ہزاری باغ سے ام۔اے اردو کے امتحان میں اچھی کامیابی حاصل کی۔ شیخ پورہ مونگیر کے ٹیچرس ٹریننگ کالج سے ٹریننگ کیا۔ اپنے تمام امتحانات میں آپ نے اول درجہ میں کامیابی حاصل کی ہے۔

۲۴ر جون ۱۹۸۵ء کو ہائی اسکول کواکول ضلع نوادہ میں بحیثیت استاد آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ ایک ڈیڑھ سال بعد ضلع اسکول ہزاری باغ کے لئے آپ کا انتخاب ہوگیا اور آپ ہزاری باغ منتقل ہوگئے۔ ۲۰۰۸ء سے آپ اسی اسکول میں پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہیں اور ایک کامیاب استاد اور منتظم کار کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مدارس کے اساتذہ میں مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبدالحکیمؒ، مولانا سعید احمدؒ، مولانا اشفاق احمدؒ، اور حافظ محمد ہاشمؒ وغیر کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی میں آپ نے پروفیسر افسر الدولہ فیاض الدین حیدر، پروفیسر علی حیدر نیر اور پروفیسر ارشد جمیل وغیرہ سے فارسی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی۔ مولوی محمد اسجد اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی سنجیدہ، معاملہ فہم اور صالح فکر کے ہیں۔

مولوی محمد اسعد

(پ۔۱۹۵۹ء)

مولوی محمد اسعد ابن محمد شفیق ۲۹ر ستمبر ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور پھر یہاں سے مدرسہ عربیہ شاہ جنگی بھاگلپور میں تعلیم حاصل کی۔ درجہ فوقانیہ اور درجہ مولوی کے امتحانات مدرسہ ضیاء العلوم کرہوتیہ ضلع بھاگلپور سے پاس کئے اور درجہ عالم کا امتحان ۱۹۸۴ء میں مدرسہ شمشیہ گورگاواں ضلع گڈا سے پاس کیا۔ آزاد

امیدوار کی حیثیت سے فاضل اردو کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ رشیدیہ مظہر العلوم اندولی ضلع سوپول میں استاد مقرر ہوئے۔ فی الوقت مدرسہ سراج العلوم نوریہ کھڑہرا ضلع دمکا سے وابستہ ہیں اور تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کم آمیز اور کم سخن ہیں۔ لیکن دینی معاملے میں فعال اور سرگرم ہیں۔

مولانا سعید احمد

(پ۔۱۹۵۹)

مولانا سعید احمد ولد حکیم محمود حسن ۱۹۵۹ء میں ایک متمول خاندان میں پیدا ہوئے۔ بہت کم عمری میں آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کے دادا جناب حاجی نثار احمد نے (م۔۱۹۷۶ء) آپ کی کفالت اور تربیت کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ وہ ایک مذہبی، علم دوست اور علماء کرام کے قدرداں اور ان سے محبت کرنے والے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ مولانا سعید احمد ایک عالم باعمل ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ حاجی نثار احمد صاحب مولانا ڈاکٹر عبدالحمید صاحب جوان کے بھتیجے تھے اور ان سے بہت محبت کرتے تھے وہ مولانا سعید کو ان کے پاس لے کر آئے اور کہا کہ میں اس بچے کو آپ کے سپرد کرتا ہوں آپ اس کی تعلیم و تربیت کیجئے۔ ان دنوں مولانا (ڈاکٹر) عبدالحمید صاحب گھر پر اپنے بچوں کو خود ہی درس دیتے تھے۔ آپ نے بخوشی اس کو منظور کر لیا۔ اس طرح مولانا سعید احمد نے اپنی ابتدائی تعلیم مولانا عبدالحمید صاحب کی خصوصی نگرانی اور سرپرستی میں شروع کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے۔ حاجی نثار احمد صاحب یہاں مہتمم تھے۔ مولانا سعید احمد نے حضرت مولانا خلیل احمد اور حضرت مولانا عبدالحکیمؒ کی خدمت میں رہ کر عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے آپ مدرسہ حسینیہ ڈیگاوالا بجنور، یوپی تشریف لے گئے۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب استاد حدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے دو سال تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد

یوپی میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی۔ اس وقت آپ اس ادارہ میں عربی کے استاد تھے۔ یہاں مولانا سعید احمد نے تین سال تعلیم حاصل کی اس کے بعد تکمیل حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۸ء میں فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری، حضرت مولانا معراج الحق، حضرت مولانا محمد نعیم، حضرت مولانا نصیر احمد خاں، شیخ الحدیث اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب وغیرہ جیسے جید اور عباقرۂ روزگار ہستیوں کے سامنے زانوئے تلمذتہ کر کے علوم وعرفان حاصل کئے۔ انہیں بزرگوں کے نظر التفات سے آپ کو طالب علمی کی ہی زندگی میں دین سے ایسی وارفتگی پیدا ہوگئی تھی کہ فراغت کے سال ہی آپ فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خانوادۂ مدنی سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ آپ کے والد اور دادا اس خانوادہ سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ آپ نے مزید تعلقات کو استوار کیا اور اس میں استحکام بخشا۔ آج بھی آپ کی وابستگی اس خانوادہ سے بڑی گہری ہے۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے وصال کے بعد آپ اپنے استاد یگانہ اور وحید عصر حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی سے تجدید بیعت کر کے روحانی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ انوارالعلوم ہرہرپور، پرتاپ گڑھ سے منسلک ہو کر تعلیمی اور دینی خدمت انجام دی۔ کئی سالوں تک اس ادارہ سے وابستہ رہے اور اس کے بعد آپ مدرسہ دارالرشاد، بنکی ضلع بارہ بنکی منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی کئی سالوں تک تدریسی خدمت انجام دی۔ گھر سے دوری کی وجہ سے گاؤں کے قریب مدرسہ حبیبیہ موضع پورینی، بھاگلپور میں عربی کے استاد مقرر ہو گئے۔ یہاں آپ نے تقریباً چار سال تک علمی اور دینی خدمات انجام دے کر کنارہ کش ہو گئے۔

ملازمت میں ضابطوں کی جو پابندیاں ہوتی ہیں مولانا سعید احمد صاحب کی طبیعت کو اس سے کوئی مماثلت نہیں ہے۔ وہ اشاعت دین کے شیدائی اور تبلیغی جماعت کے فدائی ہیں اور اس میں اپنے وقت کو فارغ کر کے لگے ہوئے ہیں۔ قریہ قریہ، شہر شہر، ملکوں ملکوں پھرتے ہیں۔ محض دین کی نسبت سے ایک بار انہوں نے بہت پہلے شری لنکا کی چائے کی پتی سعودی عربیہ سے مجھ کو تحفۃً بھیجی تھی معلوم ہوا کہ وہ

جماعت میں ایک سال کا وقت لگا کر مکہ مکرمہ پہنچے ہیں اور پھر وہاں سے کہاں جائیں گے معلوم نہیں۔
مولانا سعید احمد صاحب جماعت کی نسبت سے ہندوستان کی بڑی بڑی شخصیتوں سے قریب اور متعارف ہیں اوران حضرات کے واقعات کو مؤثر انداز میں سناتے ہیں۔ گھر پر ان کا قیام بہت کم رہتا ہے۔ اللہ نے اولاد سے فارغ رکھا ہے۔ جہانیاں جہاں گشت قسم کے آدمی ہیں۔ پہلا حج ۱۹۹۱ء میں اور دوسرا حج ۲۰۰۴ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ کیا۔ ان کی اہلیہ بھی شاکرہ اور صابرہ عورت ہیں گھر پر رہتی ہیں اور اپنے اوقات کو ذکر وفکر میں گذارتی ہیں۔ مولانا سعید احمد بہت ہی متحرک فعال اور سرگرم عمل انسان ہیں۔ حصول معاش کے لئے والد کے نسخے کو وسیلہ بنایا ہے۔ اس میں کتنا کامیاب ہیں مجھے معلوم نہیں ہے

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھیرتی ہے دیکھئے جاکر نظر کہاں

مولانا محمد سجاد الرحمٰن

(پ۔۱۹۵۹ء)

مولانا محمد سجاد الرحمٰن ولد مولانا عبدالحکیمؒ ۱۹۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۷۰ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۴ء تک یہاں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ ۱۹۸۰ء میں یہاں سے فراغت حاصل کی۔

آپ کا ذہن بڑا انقلابی ہے۔ اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی بڑے متحرک اور فعال رہے ہیں۔ ملازمت کی پابندی سے ہمیشہ اپنے کو الگ رکھا۔ اس معاملہ میں وہ آزاد خیال رہے آج بھی آزادانہ طور پر ممبئی میں اپنا کاروبار کرتے ہیں اور ایک عرصہ سے یہاں مقیم ہیں۔ طبیعت میں سیمابی کیفیت ہے۔ زندگی کے تلخ وشیریں تجربات سے گذرے ہیں۔ دینی معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ

لیتے ہیں۔خانوادۂ مدنی سے طالب علمی کے زمانے سے ہی وابستہ ہیں اوراس خانوادہ کے بہت سے اصحاب سے ان کے گہرے مراسم ہیں۔فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل ہے۔پہلی بار ۱۹۹۸ء میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے اور دوسری بار ۲۰۰۹ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ اس دولت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا ذکی احمد

(پ۔۱۹۶۳)

مولانا ذکی احمد ولد محمد طیب ۲۵ رمئی ۱۹۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں مولوی محمد فضل الرحمٰن اور مولوی محمد جواد علی سے حاصل کی۔۱۹۷۵ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخلہ لیا۔اس کے بعد مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد چلے گئے اور یہاں موقوف الیہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔۱۹۸۳ء میں فضیلت کی سند سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے معا بعد یعنی ۱۹۸۳ء ہی میں مدرسہ امدادیہ عربیہ شاہ کنڈ، ضلع بھاگلپور میں عربی کے استاد مقرر ہوئے اور کئی سالوں تک اس میں تعلیمی خدمت انجام دینے کے بعد مدرسہ سہولیہ باد لوگائیں بھاگلپور طلب کر لئے گئے اور ۲۰۰۹ء تک اس ادارہ سے وابستہ رہے۔ابھی مدرسہ عربیہ شاہ جنگی، بھاگلپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت ہوئے۔مولانا ذکی احمد خاموش طبع، سادگی پسند اور دینی مزاج کے حامل ہیں اور متشرع انداز میں زندگی گذارتے ہیں۔

مولوی محمد حمایت اللہ

(پ۔۱۹۶۳ء)

مولوی محمد حمایت اللہ ولد محمد کفایت اللہ ۱۸؍ جون ۱۹۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل درس ہوئے اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ امداد الغربا بیرنگر بسہریا ضلع اررریہ میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ کے بڑے بھائی مولانا لطافت حسین عربی کے استاد تھے۔ ۱۹۸۰ء میں اس مدرسہ سے مولوی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۸۲ء میں مدرسہ محمودیہ سمریا ضلع بھاگلپور سے عالم اور ۱۹۸۴ء میں مدرسہ تجوید القرآن دکھی، ضلع گڈا سے فضیلت کی سند حاصل کی۔

۱۹۸۸ء میں جامعہ اشرفیہ، دوباچک، ضلع بھوجپور میں استاد مقرر ہوئے۔ اسی دوران یہاں آپ کو سرکاری اسکول میں ملازمت مل گئی۔ ۱۹۹۲ء میں آپ کا تبادلہ اردو اسکول سنہولی میں ہوگیا۔ ابھی آپ اردو مڈل اسکول کوروڈیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔

مولوی محمد حمایت اللہ طبعاً نیک، سادگی پسند اور منکسر المزاج ہیں۔ خدمت کا جذبہ ہے۔ اپنے بڑوں کی خدمت آوری کے لئے ہمہ دم تیار رہتے ہیں۔ گاؤں کی قدیم مسجد کی خدمت میں یک گونہ مسرت محسوس کرتے ہیں اور اس میں لگے رہتے ہیں۔ کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کو کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔ اپنے ہم عصروں میں محبوب و مقبول ہیں۔

مولوی محمد امیر الدین

(پ۔۱۹۶۴ء)

مولوی محمد امیر الدین ولد محمد فقیر الحسن ۱۵/اپریل ۱۹۶۴ء کو پیدا ہوئے۔آپ کے اجداد برنی، کہلگاؤں، ضلع بھاگلپور کے رہنے والے تھے۔آپ کے والد اپنی سسرال کوروڈیہ میں اقامت پذیر ہوگئے۔یہاں کے ماحول میں آپ رچ بس گئے اور اپنے اندر زبردست تبدیلی پیدا کی۔تمام بچوں کو اعلیٰ دینی تعلیم سے آراستہ کیا اور خود ۲۰۰۹ء میں فریضہ حج سے سرفراز ہوئے۔پہلے سے زیادہ پرسکون اور بہتر زندگی گذار رہے ہیں۔بہرحال مولوی امیر الدین نے اپنی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں مولوی محمد فضل الرحمٰن اور مولوی محمد جواد علی سے حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور یہاں میزان ومنشعب تک تعلیم مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبدالحکیمؒ سے حاصل کی۔کچھ دنون تک خانقاہ رحمانی مونگیر میں بھی تعلیم پائی اس کے بعد مدرسہ انوار العلوم اسلام پور، پورنیہ سے ۱۹۷۹ء میں فوقانیہ کیا، ۱۹۸۱ء میں مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم ماچھی پور، بھاگلپور سے عالم اور مدرسہ تجوید القرآن دگھی، ضلع گڈا سے فاضل کا امتحان پاس کیا۔

مولوی محمد امیر الدین یکم مارچ ۱۹۸۶ء کو اردو پرائمری اسکول، پہاڑیہ ضلع شیخپورہ میں استاد مقرر ہوئے۔اب وہ ترقی پاکر مڈل اسکول ہوگیا ہے فی الوقت وہ اس اسکول میں ہیڈ ماسٹر کے عہدہ پر کارگذار ہیں۔وارث علی گنج ضلع نوادہ میں قیام ہے اور یہیں سے اسکول آنا جانا کرتے ہیں مولوی امیر الدین ایک صالح نوجوان ہیں۔متشرع انداز میں رہتے ہیں۔عوامی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔خدمت خلق کا بھی جذبہ ہے۔اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں اور اپنے ہم عمروں کے درمیان بھی مروت سے پیش آتے ہیں۔تعلیم سے خاصہ لگاؤ ہے اور اپنے بچوں کی تعلیم میں نسبتاً زیادہ سرگرم ہیں۔

مولانا قاری محمد عفان

(پ۔۱۹۶۴ء)

مولانا قاری محمد عفان ولد مولانا محمد شہاب الدین یکم اکتوبر۱۹۶۴ءکو پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب نشینی ہوئی اور اپنے چچا مولوی محمد فضل الرحمٰن صاحب کی نگرانی اور تربیت میں ابتدائی تعلیم پائی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوکر عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد اور حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ سے پڑھیں۔ پھر یہاں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۹۸۳ء میں یہاں سے آپ کی فراغت ہوئی۔ مدرسہ سلیمانیہ سنہولا ہاٹ، ضلع بھاگلپور سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا اور کئی سالوں تک اس ادارہ سے وابستہ رہ کر تدریسی خدمت انجام دی۔ اس مدرسہ میں قیام کے دوران ایک معروف علمی شخصیت مولانا یار محمد صاحب کی معیت آپ کو نصیب ہوئی۔ وہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فارغ اور آپ مدرسہ سلیمانیہ میں استاد تھے اور اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ نابینا تھے۔ غضب کا حافظہ تھا جو کچھ پڑھا تھا وہ سب حافظے میں محفوظ تھا۔ مولانا محمد اسلم صاحب کوروڈیہ کے ہم درس وہم جماعت تھے۔ ان سے قاری محمد عفان بہت فیضیاب ہوئے۔ آپ ان کی علمی صلاحیت سے بہت متاثر تھے۔ چند سال قبل مولانا یار محمد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

قاری محمد عفان مدرسہ سلیمانیہ میں زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکے۔ یہاں کے بعد ایک مشہور دینی ادارہ مدرسہ قاسمیہ گیا سے وابستہ ہوگئے۔ کئی سالوں تک یہاں درس دینے کے بعد اسلام پور پٹنہ کے ایک دینی ادارہ سے منسلک ہوکر تعلیمی خدمت انجام دی۔ یہاں بھی آپ کو قرار نہیں ملا اور مدرسہ اسلامیہ باڑھ، ضلع پٹنہ میں آپ استاد مقرر ہوگئے۔ درس وتدریس کے علاوہ آپ یہاں جامع مسجد کے امام اور خطیب بھی تھے اور رمضان میں تراویح بھی پڑھاتے رہے۔ آپ ایک عالم دین کے علاوہ ایک کامیاب

حافظ قرآن اور قاری بھی ہیں اور بڑی اچھی قرأت کرتے ہیں۔ گذشتہ سال سے علاقے کے ایک سرکاری مڈل اسکول لدیانہ گوراوڈیہ میں استاد ہیں۔

قاری محمد عفان صاحب ایک باصلاحیت عالم دین اور متحرک و فعال نوجوان ہیں۔ علماء دین سے گہری نسبت ہے۔ ۱۹۹۲ء میں حضرت مولانا شاہ ابرارالحق خلیفہ ومجاز حضرت تھانویؒ سے بیعت ہیں۔

مولانا محمد مصباح الدین

(پ۔۱۹۶۵ء)

مولانا محمد مصباح الدین ابن مولانا محمد عبدالرقیب آزاد ۳۰ جنوری ۱۹۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں مولوی محمد فضل الرحمٰن اور مولوی محمد شرف الدین سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اعزازیہ میں علوم متداولہ حضرت مولانا خلیل احمد اور حافظ عبدالخالق صاحب سے حاصل کئے۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۹ء میں یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا سید ارشد مدنی، مولانا معراج الحق، مولانا حسین احمد (ملا بہاری)، مولانا مفتی محمود الحسن اور مولانا نصیر احمد خاںؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

۲۸ر نومبر ۱۹۹۲ء کو اپنے شفیق استاد مولانا محمود الحسنؒ کے ایماء پر دارالعلوم ام کلثوم، ڈیہہ سرسونا ضلع سمستی پور میں صدر مدرس کا عہدہ قبول کیا۔ ہنوز اسی ادارہ سے وابستہ ہیں۔ یہ ادارہ انجینئر جناب قمرالزماں قمر نے اپنی والدہ کے نام پر قائم کیا ہے۔ ان دنوں آپ انگلینڈ میں تھے۔ ادارہ کے تمام اخراجات خود پورا کرتے تھے۔ ۱۹۹۹ء میں جب ان کا وصال ہو گیا تو ان کی اہلیہ اس کے جملہ مصارف پورا کرتی رہیں۔ ۲۰۰۳ء میں ان کے وصال کے بعد ان کی بیٹی اور داماد جو انگلینڈ ہی میں مقیم ہیں اس کے جملہ مصارف پورا کرتے ہیں۔ جب مولانا محمد مصباح الدین نے اس ادارہ کا زمام اپنے ہاتھ میں لیا تھا تو یہ ابتدائی دور میں تھا یہاں صرف چند جھونپڑیاں تھیں۔ جناب مولانا نے انجینئر صاحب کی نگرانی میں

دارالعلوم ام کلثوم کی پختہ عمارت کی بنیاد رکھی اور ابھی یہ مدرسہ دس پختہ کمروں میں چل رہا ہے۔ ماشاءاللہ ادارہ علاقے میں اپنی شناخت رکھتا ہے۔ فی الوقت یہاں تحفیظ قرآن کے علاوہ فارسی اور عربی کی تعلیم ہورہی ہے۔

مولانا مصباح الدین باہمت اور پرعزم صالح جوان ہیں۔ دینی امور سے شغف رکھتے ہیں۔ اس ادارہ کی ترقی اور بہبود کے لئے کوشاں ہیں۔ اگران کی یہ دل جمعی باقی رہی تو یہ ادارہ علاقہ میں علم کی اشاعت کا ایک مرکز ہوگا اور طالبان علم اس سے مستفیض ہونگے۔

مولانا محمد رفیع الدین

(پ۔ ۱۹۶۵ء)

مولانا محمد رفیع الدین ۱۵ر اپریل ۱۹۶۵ء کو کوروڈیہہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد سلطان ابن محمد امداد علی ہے۔ وہ ۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فسادات میں موضع نوادہ، کہلگاؤں ضلع بھاگلپور سے ترک وطن کر کے کوروڈیہہ میں آکر آباد ہوگئے۔ ان کے ساتھ ان کے والد اور چھوٹے بھائی محمد سعادت علی بھی تھے۔ محمد سلطان کی شادی سپاہی ٹولہ میں ولایت علی کی صاحبزادی سے ہوئی وہ الٰہی بخش خلیفہ کے بڑے بھائی تھے۔ الٰہی بخش اپنے وقت کے مشہور خیاط تھے۔ پہلی بیوی سے ان کو صرف لڑکیاں تھیں۔ ان کے وصال کے بعد اس نے دوسری شادی کی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ خلیفہ جی کے وصال کے بعد ان کی بیوہ کپڑا سی کر اپنا گذر بسر کرتی تھیں۔ جب ان کا بھی وصال ہوگیا تو خلیفہ جی کی زمین محمد سلطان نے قیمتاً حاصل کی۔ ابھی وہ اپنے خسر اور خلیفہ جی کی حاصل کردہ زمین پر اپنے کنبہ کے ساتھ گذر بسر کر رہے ہیں۔ ان کا بڑا لڑکا محمد سمیع تو علم حاصل نہیں کرسکا لیکن ان کے دوسرے لڑکوں نے تعلیم حاصل کی اور گاؤں کے ماحول کا خود سلطان پر یہ اثر ہوا کہ وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور تہجد گذار

ہوگئے۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت ہوکرنئی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ کسی قدر صرف ہندی زبان جانتے ہیں اوراسی زبان کے سہارے پابندی سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔

مولانا محمد رفیع الدین نے اپنی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اعزازیہ پتھنہ میں میزان ومنشعب تک کی تعلیم جناب مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبدالحکیمؒ اور حافظ عبدالخالق وغیرہ سے حاصل کرنے کے بعد ۱۹۷۶ء میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھ مدرسہ اشرف المدارس کلٹی ضلع بردوان چلے آئے اور یہاں کافیہ، قدوری اوراصول الشاشی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۷۹ء میں آپ نے مدرسہ امدادیہ[1] ضلع دربھنگہ میں داخلہ لیا اور یہاں اس وقت کے مشہور اساتذہ مولانا مفتی محمد یحیٰ قاسمی، مولانا ابواختر قاسمی اور مولانا محمد سراج السالکین وغیرہم سے موقوف علیہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فضیلت کی سند سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعد آپ ۱۹۸۱ء میں قصاب محلہ راج محل کی جامع مسجد میں خطیب اور امام مقرر ہوئے اور ۱۹۸۴ء میں قلی پاڑہ صاحب گنج کی مسجد میں امام اور خطیب کی حیثیت سے منتقل ہوگئے۔ لیکن یہاں کی آب وہوا آپ کوراس نہیں آئی اور ۱۹۸۵ء میں لوکو محلہ بردوان چلے آئے اور یہاں کی مسجد بھی میں آپ نے امامت کے فرائض انجام دیئے اور ۱۹۸۷ء تک آپ کا یہاں قیام رہا۔ ۱۹۸۹ء میں آپ نے نگرپاڑا ٹیچرس ٹریننگ اسکول بھاگلپور سے تربیتی سند حاصل کی۔

---

[1] الحاج مولانا منورعلی، خلیفہ ومجاز حاجی امداداللہ مہاجر مکی (م۔۱۹۰۱ء) نے اپنے پیرومرشد کے نام پر ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۱ر اپریل ۱۸۹۴ء کو اپنے آبائی گاؤں رسول پور نستہ دربھنگہ میں مدرسہ امدادیہ قائم کیا۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اس کے پہلے سرپرست ہوئے ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سرپرست ہوئے۔ ان کے بعد حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی سرپرست ہوئے۔ ابھی یہ ادارہ حضرت مولانا سید ولی رحمانی صاحب کی سرپرستی میں چل رہا ہے۔ یہاں دارالعلوم دیوبند کا نصاب رائج ہے۔

مدرسہ امدادیہ ۴ر ربیع الاول ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۸۹۸ء کو ہی محلہ امام باڑی اسماعیل گنج دربھنگہ شہر منتقل ہوگیا۔ تاکہ مرکزی جگہ میں بہتر تعلیمی خدمات انجام دے سکے۔ یہاں جید اور نامور اساتذہ مقرر ہوئے۔ جیسے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مولانا غلام نبی خاں ہزاری، مولانا عبدالرحمٰن جونپوری، علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا محمد ریاض چمپارنی اور مولانا حفیظ الرحمٰن، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وغیرہ

۱۶ر ستمبر ۱۹۸۹ء کو بہار دینی تعلیمی بورڈ کے آرگنائزر مقرر ہوئے جس کے صدر جناب مولانا محمد قاسم مہتمم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ واستاد حدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ ہیں۔ ۳۰ نومبر ۲۰۰۶ء تک آپ اس عہدہ پر کارگذار رہے۔ ۳۰ر نومبر ۲۰۰۶ء کو آپ کی ملازمت فتح جنگ پور، سبل پور پٹنہ کے ایک اسکول میں ہوگئی۔ ابھی آپ اسی اسکول میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد رفیع الدین فعال اور متحرک نوجوان ہیں۔ مولانا محمد قاسم صاحب کی تعلیم وتربیت میں آپ نے اپنی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے میں خصوصی توجہ دی۔ آپ کا مزاج دینی ہے اور شرعی وضع قطع میں ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ اپنے بزرگوں اور علماء دین کی خدمت میں پیش قدمی کرتے ہیں اور خدمت کے آداب سے بھی واقف ہیں۔ ۲۰۱۰ء میں حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خدا شرف قبولیت بخشے آمین۔

مشہور طلباء میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالعزیز بہاری، حضرت مولانا نظام الدین صاحب امیر شریعت بہار، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا تمین الدین (ایم۔ پی)، مولانا مفتی بلال احمد بھاگلپوری، مولانا حکیم زمان حسینی کلکتہ، مولانا محمد از ہر مدرسہ اسلامیہ رانچی، مولانا محمد عثمان دربھنگوی اور مولانا محمد قاسم مظفر پوری، صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ افضلہ سوپول، دربھنگہ وقاضی امارت شریعہ، دربھنگہ وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ معیار تعلیم دورۂ حدیث تک ہے۔ (بحوالہ مدرسہ امدادیہ تاریخ کے آئینہ میں)

مولانا محمد عاصم

(پ۔۱۹۶۵)

مولانا محمد عاصم ابن محمد ثابت حسین ۱۵؍اکتوبر ۱۹۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی محمد فضل الرحمٰن سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور شرح وقایہ، کنز، اصول الشاشی اور فارسی میں گلستاں بوستاں اور اخلاق محسنی وغیرہ تک کی تعلیم مولانا خلیل احمدؒ اور حافظ عبدالخالق صاحب سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۷۸ء میں فارغ التحصیل ہو کر وطن واپس آئے۔ ۱۹۸۱ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں ۲۵۰؍روپے ماہوار پر استاد مقرر ہوئے۔ فارسی علم الصرف اور علم نحو کی ابتدائی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔ درس وتدریس کے علاوہ آپ مدرسہ کی تعمیر و ترقی اور مالی فراہمی میں نہایت فعال اور سرگرم رہے۔ ۲۰۰۳ء سے معہد ارشد، اطہر نگر کوروڈیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ ادارہ ریاستی دینی تعلیمی بورڈ بہار کے تحت چل رہا ہے۔ جس کی سرپرستی مولانا محمد قاسم صاحب فرما رہے ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

مولانا محمد عاصم نیک طبع صلح پسند اور صالح نوجوان ہیں۔ دین اور دینی امور سے خاصہ شغف ہے۔

مولانا فضیل احمد

(پ۔۱۹۶۶)

مولانا فضیل احمد ابن مولانا زبیر احمد ۱۹۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں مولوی محمد فضل الرحمٰن اور مولوی شرف الدین صاحب سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں نحو میر، میزان منشعب، علم الصیغہ اور پنج گنج وغیرہ تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالرشاد، بارہ بنکی،

یوپی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور سال دوم میں داخلہ لیا۔ ۱۹۹۲ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد ۱۹۹۳ء میں مدرسہ اسلامیہ بیر بنا، ضلع بھاگلپور میں استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۷ء تک مانک پیر، کلکتہ کی جامع مسجد میں امام اور خطیب رہے۔ اس کے بعد خانگی مجبوری کی وجہ سے گھر واپس آ گئے۔ ۱۹۹۸ء میں جامعہ ابی ھریرہ، کوروڈیہہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے تا حال اسی ادارہ سے وابستہ رہ کر دینی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد شائق احمد (ڈھرپوری) نے ۱۹۹۸ء میں جامعہ ابی ھریرہ قائم کیا تھا۔ وہ کلکتہ کی ایک جامع مسجد میں امام اور خطیب تھے اس کے علاوہ ایک ادارہ قائم کر کے بچوں کو دینی تعلیم بھی دیتے تھے۔ یہاں آپ کی بڑی شہرت اور پذیرائی تھی۔ آپ مولانا اشہد رشیدی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد، یوپی کے ہم درس وہم جماعت تھے۔ علماء طبقہ میں بھی آپ کی بڑی مقبولیت تھی۔ ان کی قیام گاہ پر علماء کرام کی آمد کا سلسلہ تھا۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ تھے، بڑی متشرع زندگی گذاری۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت تھے۔ بہت کم عمری میں گردہ کا عارضہ ہو گیا۔ کافی تکلیف میں رہتے تھے۔ پھر بھی جامعہ ابی ھریرہ کے لئے فکر مند رہتے۔ آپ ایک مسجد کی تعمیر کے لئے بھی کوشاں تھے۔ آپ کی خوش دامن بی بی حدیثہ صاحبہ نے اپنے گھر کے قریب مسجد کے لئے زمین عنایت کی۔ اس پر مولانا محمد شائق نے مسجد کی بنیاد رکھی۔ بحمد اللہ اب وہ مسجد مکمل ہو گئی ہے اور اس میں نماز پنجگانہ بھی شروع ہو چکی ہے۔ جامعہ ابی ھریرہ بھی اس کے بازو میں منتقل ہو جائے گا۔ مولانا محمد شائق اس کے بانی مہتمم تھے اور اس کے جملہ مصارف کو خود ہی پورا کرتے تھے۔ ۱۸ / مارچ ۲۰۰۵ء کو گردہ کے ناکارہ ہو جانے کی وجہ سے حضرت مولانا انتقال کر گئے۔ ادارہ کے لئے یہ ایک نقصان عظیم تھا۔

بہر حال مولانا فضیل احمد اس ادارہ کی ترقی کے لئے سرگرم ہیں اور مولانا محمد شرف الدین صاحب اب اس کے مہتمم ہیں۔ اللہ اس ادارہ کو باعث خیر بنائے۔

مولوی محمد افضال عالم

(پ۔۱۹۶۷ء)

مولوی محمد افضال عالم ابن مولانا محمد یامین ۲۶ رفروری ۱۹۶۷ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے دادا مولوی محمد یٰسین سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں اپنے والد سے عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔بعدہٗ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخلہ لیا اور مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا عبدالحکیمؒ سے کافیہ قدوری تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ کیتھا ٹیکر بانکا، مدرسہ محمودیہ سمریا اور مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم ماچھی پور وغیرہ سے کسب علم کیا۔۱۹۹۱ء میں فاضل فارسی اور ۱۹۹۳ء میں فاضل اردو کے امتحانات میں شریک ہوکر کامیابی حاصل کی۔

مولوی محمد افضال عالم تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف تعلیمی اداروں سے منسلک رہ کر تدریسی خدمات انجام دیں۔۲۰۰۵ء میں معہد دینیہ الحمیدیہ، الفت نگر، بھاگلپور میں استاد مقرر ہوئے اور ۲۰۰۹ء تک اس ادارہ میں عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔نیز عصری علوم میں انگریزی اور ہندی کے علاوہ علم حساب کے اسباق بھی آپ کے ذمہ تھے۔۲۰۱۰ء سے معہد ارشد، اطہر نگر، کوروڈیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔آپ بہت ہی خاموش طبع انسان ہیں۔درس اور تدریس کا اچھا تجربہ ہے۔بڑی محنت سے طلباء کو درس دیتے ہیں۔

بچپن ہی میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔دادا اور دادی نے آپ کی پرورش کی اور انہیں کی کفالت اور نگرانی میں تعلیم مکمل کی۔ان دونوں کے وصال کے بعد آپ گویا دوبارہ یتیم ہوگئے۔آپ کی پرورش میں دادا اور دادی نے جس طرح شفقت و محبت کا اظہار کیا گویا والدہ کی کمی کو ایک حد تک پورا کردیا۔آپ کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں آپ کے دادا جان کی بڑی قربانیاں شامل ہیں اور ان کے اثرات کو بھی آپ نے بہت حد تک قبول کیا ہے۔اپنے سوتیلے بھائی اور بہنوں کے ساتھ آپ نے بڑی محبت کا برتاؤ کیا اور والد کے انتقال کے بعد ان کی تعلیم و تربیت میں اہم دلچسپی لی۔

مولانا حافظ محمد مصلح الدین

(پ۔۱۹۶۷ء)

مولانا حافظ محمد مصلح الدین ابن حافظ محمد صالح اعزازی ماہ جون ۱۹۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور اپنے والد سے حفظ کلام اللہ مکمل کیا۔ تکمیل حفظ کے بعد اسی ادارہ میں عربی و فارسی کی کتابیں مولانا خلیل احمد اور حافظ عبدالخالق سے پڑھیں پھر جامع مسجد امروہہ چلے گئے اور یہاں عربی میں متوسطات تک پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۹۸۸ء میں یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ امروہہ میں آپ کے اساتذہ میں مولانا منظور احمد، مولانا اسماعیل، قاری عبدالحفیظ، مفتی نسیم احمد فریدی اور دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں قاری محمد عثمان منصور پوری، مولانا ارشد مدنی، مولانا سعید احمد پالن پوری، مولانا نصیر احمد خاں، مولانا عبدالخالق مدراسی اور مولانا عبدالحق وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد دسمبر ۱۹۸۹ء مطابق شوال ۱۴۱۰ھ میں مدرسہ حسینیہ لال دروازہ جونپور میں عربی کے استاد مقرر ہوئے تادم تحریر اسی ادارہ سے منسلک ہیں۔ آپ کی وجہ سے گاؤں اور علاقے کے بہت سے طلباء نے یہاں سے تعلیم حاصل کی اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ آپ گاؤں کی قدیم مسجد میں گذشتہ دس برسوں سے رمضان المبارک میں تراویح پڑھا رہے ہیں اور اپنے والد کی طرح کوئی رقم یا نذرانہ قبول نہیں کرتے ہیں۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ (م۔۲۰۰۶ء) سے ۱۹۹۸ء میں بیعت حاصل کی اور ۲۰۰۹ء میں حج بیت اللہ سے سرفراز ہوئے۔

آپ عالم باعمل ہیں۔ اسلامی وضع قطع میں رہتے ہیں۔ بحمد اللہ سلف کے نمونے پر زندگی گزارنے کی سعی کرتے ہیں۔

مولوی محمد یوسف

(پ۔۱۹۶۸ء)

مولوی محمد یوسف ولد مولانا محمد یونس یکم جنوری ۱۹۶۸ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخلہ لیا اور یہاں سے عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ انوار العلوم اسلاپور، پورنیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۸۶ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ عصری تعلیم میں آپ نے بی۔ اے۔ تک کی بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد یامین، مولانا خلیل احمد، حافظ عبدالخالق اور مولانا حسین احمد اور مولانا محمد قاسم وغیرہ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

۶؍فروری ۱۹۸۷ء سے مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں عصری علوم کے استاد ہیں۔ تبلیغی جماعت سے گہری وابستگی ہے اور اس کے اجتماعات اور پروگرام میں سرگرم رہتے ہیں۔ مرکزی تبلیغی جماعت کے سابق امیر حضرت مولانا انعام الحقؒ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ آپ تعمیری اور اصلاحی ذہن کے حامل ہیں۔ مزاج میں سنجیدگی اور متانت ہے۔ علمی ذوق کے حامل ہیں اور دینی کتابوں کے مطالعے کا شوق ہے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن

(پ۔۱۹۶۹)

مولانا حافظ مرغوب الرحمٰن ابن حافظ عبدالخالق ابن مولانا عبدالسلامؒ ایک علمی خانوادہ میں ۱۹۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ یہ آپ کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۸۹ھ کا سال تخریج ہوتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں حافظ مجیب الرحمٰن ابن حافظ عبدالرحمٰن سے حاصل کی۔ کچھ دنوں تک گاؤں کے مکتب میں مولوی فضل الرحمٰن، مولوی شرف الدین اور ماسٹر محمد ادریس سے بھی حاصل

کی۔اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں قاری محمد صالح اعزازی سے قرآن شریف حفظ مکمل کیا۔ اورعربی کی کتابیں حضرت مولانا خلیل احمدؒ، حافظ عبدالخالق اور مولانا محمد عاصم سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۲ء میں یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۹۹۳ء سے جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں درجہ علیا کے استاد ہیں۔مفتی محمود الحسن گنگوہی سے بیعت ہیں۔بچیوں کی تعلیم کے لئے گاؤں میں جامعہ دارالبنات قائم کیا ہے۔۲۰۰۷ء سے یہ ادارہ آپ کے مکان کے ایک حصہ میں بحسن وخوبی چل رہا ہے۔اس کے کل اخراجات آپ پورا کرتے ہیں۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صالح فکر کے عالم باعمل ہیں اور متشرع زندگی گذارتے ہیں۔تعلیم کے سلسلے میں آپ کی فکر واضح ہے۔لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو بھی علم دین سے آراستہ و پیراستہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔آپ کا نظریہ ہے کہ اگر لڑکیاں تعلیم یافتہ ہوں گی تو ان کی گود میں پلنے والی نسل بھی تعلیم سے آشنا ہوگی اور اس سے صالح اور مہذب خاندان وجود میں آئے گا۔آج اس تہذیبی بحران میں تعلیم یافتہ مائیں اپنا تعمیری کردار ادا کریں گی۔مولانا مرغوب الرحمٰن ایک کامیاب استاد کے علاوہ ایک اچھے مقرر اور خطیب بھی ہیں۔معاشرہ کی اصلاح کے لئے مختلف مساجد، مکاتب اور مدارس میں آپ کی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا ترجمان ''ندائے قاسم'' میں آپ کے علمی واصلاحی مضامین شائع ہوتے ہیں۔اس طرح آپ اشاعت علم اور اصلاح معاشرہ کیلئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔

مولانا محمد اطہر حسن

(پ۔۱۹۷۱ء)

مولانا محمد اطہر حسن ۸رمارچ ۱۹۷۱ء کو پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام مولوی محمد نورالحسن ہے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں مولوی فضل الرحمان اور مولوی محمد جواد علی سے حاصل کی۔اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ناظرہ قرآن سے کافیہ، قدوری تک کی تعلیم مولانا خلیل احمدؒ،

مولوی محمد ولی الدین اور حافظ عبدالخالق سے پائی۔ پھر یہاں سے مدرسہ قاسمیہ مراد آباد یوپی میں شرح جامی، شرح وقایہ، مشکوٰۃ اور اصول الشاشی وغیرہ کتابیں پڑھنے کے بعد ۱۹۸۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا۔ ۱۹۸۴ء میں تکمیل ادب اور تکمیل تفسیر میں داخلہ لیا اور فراغت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۸۵ء میں مدرسہ قاسم العلوم بہیڑی، ضلع بریلی میں صدر مدرس بحال ہوئے اور ۱۹۸۸ء تک یہاں آپ کا قیام رہا۔ اس مدت قیام میں درس و تدریس کے علاوہ اہتمام بھی آپ کے ذمہ تھا۔ آپ نے مدارس ملحقہ کے امتحانات بھی پاس کئے اور ۹۱۔۱۹۸۹ء کے شیشن میں شیرگھاٹی ٹیچرس ٹریننگ کالج ضلع گیا سے Teachers training کا امتحان پاس کیا۔

۱۶؍مارچ ۲۰۰۱ء کو مسلم ہائی اسکول، بھاگلپور میں معاون مدرس مقرر ہوئے اور ابھی اسی ادارہ سے وابستہ رہ کر تدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مولانا عبدالقیوم

(پ۔۱۹۷۱ء)

مولانا محمد عبدالقیوم ابن محمد علاء الدین ۱۴؍نومبر ۱۹۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ گھر میں پڑھنے پڑھانے کی کوئی روایت نہیں تھی محض گاؤں کا علمی ماحول اور تعلیم یافتہ حضرات کی کوشش اور طرز حیات نے ان کے والدین کو اس امر کے لئے اکسایا کہ وہ بھی اپنے لڑکے کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔ گاؤں کا قدیم مکتب جہاں مولانا شمس الاسلامؒ کی تدریسی خدمات اور ان کی مساعی جمیلہ گاؤں کو علم و ادب سے آراستہ کر چکی تھی اور ان کے مسند درس پر ان کے چھوٹے صاحبزادے مولوی محمد فضل الرحمٰن صاحب تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے ان کی نگرانی میں مولانا عبدالقیوم نے رسم بسم اللہ خوانی کی اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مرکز علم و آگہی مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں عربی و فارسی کی متداولہ کتابیں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور حافظ عبدالخالق سے پڑھ کر جامعہ مسجد امروہہ میں

داخل درس ہوئے اور یہاں شیخ الحدیث مولانا سید طاہر حسین، مولانا شبیہ احمد، مفتی نسیم امروہی سے کسب فیض کیا اور ۱۹۸۶ء میں فضیلت کی سند سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعد جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ ،جس کو مولانا محمد قاسم صاحب شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے ۱۹۸۹ء میں قائم کیا ہے اس میں تاسیسی مدرس کی حیثیت سے تقرری ہوئی اور کئی سالوں تک اس ادارہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد اس ادارہ سے الگ ہو کر شہر بھاگلپور میں خود ہی ایک ادارہ قائم کیا۔ لیکن یہ ادارہ فروغ نہیں پا سکا۔ پٹنہ آئے اور ایک دوسرا ادارہ جامعۃ الصفہ کے نام سے عالم گنج میں قائم کیا۔ یہاں بھی وہ نہیں جم سکے اس کو بھی چھوڑ دیا۔ ۲۰۰۸ء میں جھاجھا ضلع جموئی میں ایک سرکاری اسکول میں ملازمت مل گئی۔ فی الوقت اسی اسکول میں برسرکار ہیں۔ ان کا گاؤں میں آنا جانا بہت کم ہے اس لئے اس ملازمت سے متعلق مجھے زیادہ اطلاع نہیں ہے۔

مولانا عبدالقیوم حوصلہ مند نوجوان ہیں اور فعال زندگی گذار رہے ہیں۔ خدا کرے ان کے ذریعہ تعلیم کا فروغ ہو اور ان کی یہ کوشش جاری رہے۔ دینی مزاج رکھتے ہیں۔ اپنے استاد جناب مولانا شبیہ احمد صاحب مجاز و خلیفہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل ہے۔

مولانا محمد ناظم

(پ۔ ۱۹۷۳ء)

مولانا محمد ناظم ابن محمد ثابت حسین یکم جنوری ۱۹۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہہ میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ گئے اور مولانا خلیل احمدؒ، حافظ عبدالخالق اور مولانا عاصم سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر یہاں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۹۲ء میں علم حدیث اور فن تفسیر میں فضیلت کی سند حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت

مولانا سید ارشد مدنی، حضرت مولانا نصیر احمد خاں اور مفتی سعید احمد وغیرہم ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ پٹنہ چلے آئے اور اپنے بڑے بھائی مولانا محمد قاسم صاحب استاد حدیث مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی نگرانی میں پرائیوٹ سے انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۴ء کو جامعہ مدینہ سبل پور پٹنہ میں استاد مقرر ہوئے۔بعد میں ناظم جامعہ کی ذمہ داری آپ کو سپرد کی گئی بحمد اللہ آپ کے دور نظامت میں جامعہ نے تعلیمی اور تعمیراتی اعتبار سے قابل ستائش ترقی کی ہے۔اس کا شمار بڑے دینی اداروں میں ہوتا ہے۔یہاں تقریباً چھ سو بچے زیر تعلیم ہیں۔ان کی تعلیم و تربیت کے لئے تقریباً تین درجن اساتذہ شب و روز مصروف ہیں۔

مولانا محمد ناظم ایک صالح نوجوان ہیں۔اصول کے بڑے پابند اور سختی سے اس پر کاربند ہیں۔بے ترتیبی اور بدنظمی کو وہ برداشت نہیں کرتے۔مدرسہ کے نظام تعلیم اور انتظام پر ان کی بڑی گہری نظر ہے۔وہ ایک باصلاحیت استاد، منفرد مقرر اور اعلیٰ منتظم کار ہیں۔تصنیف و تالیف سے بھی خصوصی دلچسپی ہے۔جامعہ کا ترجمان ''ندائے قاسم'' میں درس حدیث کے عنوان سے مستقل ان کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔رفع یدین اور مسلک احناف پر ان کی ایک وقیع کتاب شائع ہو کر مقبول ہوئی ہے۔ان کی تحریر بڑی جامع، مدلل اور واضح ہوتی ہے۔ایک معتبر عالم دین اور شعلہ بیان مقرر کی حیثیت سے آپ متعارف ہیں۔شہر پٹنہ کی مختلف مساجد میں آپ کے درس قرآن اور درس حدیث میں بکثرت لوگ شریک ہوتے ہیں۔جمعیۃ علماء بہار کے آپ ناظم عمومی بھی ہیں۔یکم اپریل ۲۰۱۰ء کو آپ کی نظامت میں جمعیۃ علماء بہار کا نواں اجلاس پٹنہ کے تاریخی گاندھی میدان میں منعقد ہوا تھا جس میں تقریباً ایک لاکھ افراد شریک ہوئے۔صوبہ بہار و جھارکھنڈ کا پٹنہ میں یہ سب سے بڑا اجلاس تھا۔جمعیۃ علماء بہار کا آٹھواں اجلاس پٹنہ میں ۴/ستمبر ۲۰۰۵ء کو شری کرشن میموریل ہال میں منعقد ہوا تھا جس میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی (م۔۲۰۰۶) صدر جمعیۃ علماء ہند بنفس نفیس شریک ہوئے تھے۔صوبہ بہار میں یہ ان کا آخری دورہ تھا۔علم دین کی اشاعت کے ساتھ ملی مسائل کے حل کے لئے مولانا محمد ناظم بڑے فعال اور سرگرم ہیں۔دعا ہے کہ اللہ آپ سے بہتر خدمات لے۔آمین

حافظ محمد ابصر حسن

(پ ۔۱۹۷۴ء)

حافظ محمد ابصر حسن ولد مولوی محمد نور الحسن ۱۲ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ تجوید القرآن مونگیر میں قاری محمد بدر عالم اور قاری عبداللہ بخاری سے قرآن حفظ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں داخل ہوئے اور یہاں سے فراغت پائی۔ اپنے بڑے بھائی حافظ منور حسن کی نگرانی میں سونو ہائی اسکول جموئی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد پٹنہ کالج، پٹنہ یونیورسٹی سے آئی۔ اے، بی۔ اے آنرز (تاریخ)، ایم۔ اے۔ (تاریخ) مکمل کرنے کے بعد پھر اسی یونیورسٹی سے ۱۹۹۵ء میں بی۔ ایڈ۔ اور پٹنہ لاء کالج سے وکالت کے اسناد بھی حاصل کیں۔ ۲۴ر جنوری ۲۰۰۷ء سے ٹاؤن ہائی اسکول مونگیر میں تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حافظ محمد ابصر حسن نے اپنے والد کے وصال (۱۹۸۳ء) کے بعد اپنے بڑے بھائی کی نگرانی اور سرپرستی میں تمام تعلیمی مراحل طے کئے۔ ان کے بڑے بھائی حافظ منور حسن جو خود ایک اچھے حافظ اور باصلاحیت استاد ہیں ان کی تربیت اور صلاحیت کو نکھارنے میں کامیاب کوشش کی ہے۔ ابھی آپ تعلیمی میدان میں نو وارد ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے والد کی علمی روایت کو استحکام بخشیں گے۔ ان کے والد خود مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فارغ اور بہت اچھی صلاحیت کے مالک تھے۔

مولانا محمد ثناء اللہ ازہری

(پ۔۱۹۷۴ء)

مولانا محمد ثناء اللہ ابن مولانا محمد نعمان ۴رفروری ۱۹۷۴ء کو پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ چھتی ہنومان نگر سوپول میں داخل ہوئے۔ حافظ قاری محمد شوکت سے قرآن حفظ کیا اورنورالایضاح اور ہداتیہ النحو تک کی تعلیم جناب مولانا محمد سلطان صاحبؒ اور اپنے والدمحترم سے حاصل کرنے کے بعد ۱۹۹۲ء میں مدرسہ عرفانیہ لکھنؤ چلے گئے اور درجہ سوم میں داخلہ لیا اور یہاں درجہ ششم تک تعلیم حاصل کی۔ پھر یہاں سے ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ چلے آئے اور درجہ عالیہ ثالثہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۹۹ء میں آپ کی فراغت ہوئی۔ ۲۰۰۰ء میں دارالعلوم (وقف) دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ ۲۰۰۱ء میں جامعۃ الازہر، مصرتشریف لے گئے اور یہاں سے تخصص فی اللغت العربیہ میں سند حاصل کی۔ ۲۰۰۲ء میں جامعہ قاہرہ میں داخلہ لیا اور یہاں سے السند التمہید یہ للماجیسترفی قسمۃ الشریعتہ الاسلامیہ مکمل کرنے کے بعد ۲۰۰۵ء میں وطن واپس آئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۲۰۰۵ء میں الجامعتہ المحمد یہ للعلوم الاسلامیہ والعصریہ، کے نام سے ایک ادارہ نیوعظیم آباد کالونی پٹنہ میں قائم کیا۔ یہ ادارہ آپ کے اہتمام میں چل رہا ہے۔ علاوہ ازیں آپ پیر بہوڑ پٹنہ کی مسجد میں امام اور خطیب بھی ہیں۔ جناب مولانا محمد ثناء اللہ صاحب گاؤں کے پہلے عالم دین ہیں جو حصول علم کے لئے بیرون ملک تشریف لے گئے اور باوقار عالمی شہرت یافتہ اداروں سے اعلیٰ اسناد حاصل کیں۔ آپ نے عربی زبان میں تقریباً ایک درجن کتابیں تصنیف وتالیف کیں ہیں۔ اب تک یہ کتابیں زیورطبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہیں۔ مولانا محمد ثناء اللہ صاحب ایک باصلاحیت عالم دین، معروف ومشہور خطیب اور صاحب تصنیف عالم ہیں اور علم دین کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

مولانا محمد مطیع الرحمٰن

(پ۔۱۹۷۷ء)

مولانا محمد مطیع الرحمٰن ابن مولوی محمد فضل الرحمٰن یکم مارچ ۱۹۷۷ء کو ایک علمی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخلہ لیا اور یہاں حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور حافظ عبدالخالق صاحب سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ کیتھا ٹیکر ضلع بانکا چلے گئے اور یہاں مولانا محمد فاروق (کوروڈیہ) اور مولانا محمد ابن الحسن (سمریا) سے کافیہ، قدوری وغیرہ پڑھیں۔ ۱۹۹۱ء میں آپ نے مدرسہ اسلامیہ عربیہ جاتر گھات ضلع گیا میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۴ء تک یہاں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۹۵ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یوپی) سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور فراغت پائی۔ یہاں آپ کے معروف اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب، مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری (مدیر ندائے شاہی) مولانا شریف الحسن بجنوری اور مولانا محمد رضوان سستی پوری وغیرہ ہیں۔

آپ نے تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ انعام العلوم، گوراضلع مونگیر میں ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۳ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہ ادارہ تبلیغی جماعت ہند دہلی کے سابق امیر حضرت مولانا محمد انعام الحقؒ سے منسوب ہے۔ اس کے بعد آپ جامعہ ابی ھریرہ، موضع کوروڈیہ ضلع بھاگلپور سے منسلک ہیں اور دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مولانا محمد مطیع الرحمٰن ایک متحرک اور فعال نوجوان ہیں۔ دینی امور کے علاوہ فلاحی اور اصلاحی امور میں بھی سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اپنے بڑے اور بزرگوں کا احترام کرتے ہیں اور ان کی خدمت کا بھی جذبہ رکھتے ہیں۔ مولانا محمد حماد الرحمٰن کی چھوٹی صاحبزادی نشاط فاطمہ آپ سے منسوب ہیں۔ بچوں کی تعلیم وتربیت پر آپ کی خصوصی توجہ ہے۔ دینی اور تاریخی کتابیں جمع کرنے کا شوق ہے اور مطالعے کا بھی نفیس اور ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔

مولوی محمد تاج الدین

(پ۔۱۹۷۷)

مولوی محمد تاج الدین ابن مولوی محمد عبدالرقیب آزاد ۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں حاصل کی۔ یہ ادارہ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق ہے۔ ان دنوں مولانا محمد یامین صاحب (م۔۱۹۹۹ء) صدر مدرس تھے۔اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے اور یہاں کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۹۹۵ء مطابق ۱۴۱۶ھ میں فراغت حاصل کی۔ ۲۰۰۷ء میں مدرسہ فلاح المسلمین محمدی چک، تاج پور سمستی پور میں استاد مقرر ہوئے۔ یہاں تقریباً تین سال تک تدریسی خدمت انجام دی۔ فی الوقت ضلع سہرسا میں ایک سرکاری اسکول میں مصروف کار ہیں۔

مولوی محمد سعد الرحمٰن

(پ۔۱۹۷۸ء)

مولوی محمد سعد الرحمٰن ابن مولانا محمد حماد الرحمٰن ۱۹۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخل ہوکر عربی و فارسی کی مبتدیات پڑھیں۔اس کے بعد جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ چلے گئے۔ پھر یہاں سے جامعہ حیات العلوم مرادآباد یوپی میں درجہ ششم تک کی تعلیم حاصل کی۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی سے دورۂ حدیث کی اور ۲۰۰۱ء میں فارغ ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد یامین، مولانا خلیل احمد، حافظ عبدالخالق، مولانا محمد عاصم اور شاہی میں مولانا مفتی سلمان منصور پوری اور مولانا مفتی شبیر احمد وغیرہ شامل ہیں۔ فراغت کے بعد جامع مسجد

شام بازار کلکتہ میں امام اور خطیب مقرر ہوئے اور کئی سالوں تک آپ نے اس دینی فریضہ کو انجام دیا۔اس کے کچھ دنوں بعد آپ معہد ارشد، اطہر نگر، کوروڈیہ میں ۲۲ر جون ۲۰۱۰ء سے تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد بہاء الدین

(پ۔۱۹۷۸ء)

مولانا محمد بہاء الدین حافظ محمد صالح اعزازی کے منجھلے لڑکے ہیں۔۱۹۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ، مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ اور مدرسہ حسینیہ جونپور سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۹۵ء میں فضیلت الشیخ ہوئے اور علم تفسیر میں تخصص حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد یامین، مولانا محمد عاصم، حافظ عبدالخالق، مولانا سید ارشد مدنی، مولانا قاری محمد عثمان اور مولانا عبدالخالق مدراسی کے نام اہم ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۳ء تک اشرف العلوم الورا، راجستھان میں تدریسی خدمت انجام دی اس کے بعد ۲۰۰۴ء سے جامعہ کاشف العلوم سیداذکر، براول، جوناگڑھ گجرات میں عربی کے استاد ہیں اور اشاعت دین مین مصروف ہیں۔

مولانا محمد آصف انور ندوی

(پ۔۱۹۷۹ء)

مولانا محمد آصف انور ندوی ابن مولانا محمد یونس یکم اگست ۱۹۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں مولانا محمد یامینؒ (م۔۱۹۹۹ء) اور ماسٹر محمد نسیم الدین سے حاصل کرنے

کے بعد مدرسہ اسلامیہ کیتھا ٹیکر، ضلع بانکا میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ مدنیہ چلمل بانکا چلے آئے اور یہاں کچھ دنوں تک تعلیم حاصل کی۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۹۷ء میں فضیلت کی سند سے سرفراز ہوئے۔ یہاں آپ کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (م۔۲۰۰۰ء) جیسے عالمی شہرت یافتہ عالم دین مفکر اسلام اور بلند پایہ استاذ الاساتذہ سے کسب علم کا موقع ملا اوران کی صحبت میں رہ کر زندگی کے کاروان کا قریب سے مطالعہ کیا۔ حضرت مولانا رابع الحسنی ندوی اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی صاحبان سے بھی پڑھنے کے مواقع میسر آئے اوران حضرات کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوئے۔

فراغت کے بعد آپ شعبۂ دعوت وارشاد، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے وابستہ ہوگئے۔ کچھ مدت آپ نے جامعہ مدینہ سبل پور پٹنہ میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ لیکن آپ کو یہ جگہ راس نہیں آئی پھر آپ لکھنؤ واپس ہوگئے اور Azad Institute of Engineering and technology, Lucknow (U.P.) میں شعبۂ کمپیوٹر سے وابستہ ہیں۔ لکھنؤ کے مدت قیام میں آپ نے لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے۔ کی سند بھی حاصل کی۔ عربی زبان وادب کے علاوہ آپ انگریزی اور ہندی زبانوں سے بھی خاصی واقفیت رکھتے ہیں۔ انشانگاری سے بھی شوق رہا ہے۔ دعوت وارشاد کے تحت تقریر ووعظ بھی کرتے ہیں۔ لکھنؤ میں دینی مدارس کے اساتذہ کرام سے بھی آپ کے خوشگوار تعلقات ہیں۔ ان حضرات کی صحبت بھی آپ کو میسر ہے۔ تعمیری فکر کے حامل ہیں اور مصروف زندگی گذارتے ہیں۔ مطالعے کا صاف اور ستھرا ذوق ہے فقہ سے طبعی میلان ہے۔ توارث میں آپ کو یہ ذوق ملا ہے۔

مولانا مطلوب احمد

(پ۔۱۹۷۹ء)

مولانا مطلوب احمد ولد ڈاکٹر شفیع احمد نے گاؤں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہار کے مختلف مدارس میں حصول علم کے لئے سرگرداں رہے۔ ان کی یہ علمی کاوش انہیں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مختلف اداروں میں پھراتی رہی۔ مدرسہ اصلاح المسلمین چمپانگر بھاگلپور میں ان کے پھوپھا مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عربی کے استاد تھے۔ یہاں ان کی نگرانی میں رہے۔ جب ان کی ملازمت دوسری جگہ ہوگئی تو آپ اپنے چچا مولانا ذکی احمد کے ساتھ مدرسہ امدادیہ شاہ کنڈ بھاگلپور چلے گئے۔ وہ اس ادارہ میں استاد تھے۔ جب وہ بھی اس ادارہ سے منتقل ہو کر مدرسہ سہولیہ بادے لوگائیں بھاگلپور چلے آئے تو مولانا مطلوب احمد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوگئے اور یہاں سے عربی کی متوسطات تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ حسینیہ جونپور، یوپی میں مولانا مصلح الدین صاحب کی تربیت میں آگئے۔ وہ آپ کے بڑے ماموں ہیں اور اسی ادارہ میں ایک تجربہ کار استاد ہیں۔ یہاں آپ نے درجۂ پنجم تک تعلیم حاصل کی بعدہٗ دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۹۷ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ عربیہ منگلور، ہردوار میں کچھ دنوں تک استاد رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے ایک استاد کے مشورہ سے مدرسہ عربیہ پلم نیر چنئی (مدراس) میں استاد مقرر ہوئے۔ اس کے بعد یہاں سے آپ مدرسہ عربیہ بسونڈہ غازیہ باد منتقل ہوگئے اور مدرسہ کا اہتمام آپ کے سپرد ہوا۔ چند سال یہاں رہ کر اہتمام کو درست کیا۔ ابھی آپ حیدرآباد، اندھرا پردیش میں مقیم ہیں اور یہاں کی مصروفیات کی مجھکو زیادہ اطلاع نہیں ہے۔

مولانا محمد عضد الدین

(پ۔۱۹۸۱ء)

مولانا محمد عضد الدین حافظ محمد صالح اعزازی کے سنجھلے لڑکے ہیں۔آپ ۱۹۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ، مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ اور جامعہ حسینیہ جونپور میں تعلیم پائی اور ۱۹۹۸ء مطابق ۱۴۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں، حضرت مولانا سید ارشد مدنی، حضرت مولانا قاری محمد عثمان اور مولانا عبدالخالق مدراسی وغیرہ سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔

۱۴رصفر ۱۴۲۱ء مطابق ۲۰۰۰ء سے جامعہ حسینیہ مدنی اسکول رُھند پچکولہ (ہریانہ) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔

مولانا محمد ہاشم

(پ۔۱۹۸۲ء)

مولانا محمد ہاشم ولد مولانا محمد یونس ۲رجولائی ۱۹۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں جناب مولانا محمد یامین اور ماسٹر محمد نسیم الدین سے حاصل کی۔اس کے بعد جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے عربی کی متوسطات تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث میں داخل ہوکر ۲۰۰۳ء میں فراغت حاصل کی۔

یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء سے جامعہ قاسمیہ جامع الہدیٰ، کھاری بجنور یوپی میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔شروع سے ہی دین سے کافی شغف ہے۔۲۰۰۳ء مطابق ۲۷ررمضان المبارک ۱۴۲۴ھ کو فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے بیعت ہوکر متشرع زندگی گزار رہے ہیں۔

مولانا محمد عبدالقادر

(پ۔1983ء)

مولانا محمد عبدالقادر ابن مولانا محمد یامین ۱۹۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ میں حاصل کی۔ اس وقت ان کے والد اس مدرسہ میں صدر مدرس تھے اور یہاں بہت اچھی تعلیم ہورہی تھی۔ پھر یہاں سے جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر چلے گئے اس کے بعد ۱۹۹۸ء میں جامعہ حسینیہ، جونپور، یوپی میں داخلہ لیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۲۰۰۳ء مطابق ۱۴۲۴ھ میں یہاں سے فراغت واجازت حاصل کی۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا خورشید عالم، مولانا حافظ محمد مصلح الدین، مولانا سید ارشد مدنی، مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری، مفتی سعید احمد اور حضرت مولانا نصیر احمد خاں سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند شامل ہیں۔

مولانا عبدالقادر کی تعلیم وتربیت میں ان کے دادا جناب مولوی محمد یٰسین صاحب (م۔۱۹۹۴ء) نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کے دادا اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوکر گھر پر بچوں کو بڑی تن دہی سے آخر وقت تک پڑھاتے رہے۔ مولانا عبدالقادر نے بھی ابتدائی کتابیں ان سے پڑھیں۔ وہ اپنے دادا سے بہت قریب تھے۔ جناب مولانا پر ان کے دادا کے اخلاق وکردار کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ وہ کم عمری سے ہی سنجیدہ باوقار اور پابند شرع ہیں۔ باصلاحیت ہیں۔ تقریر کرنے کا اچھا ملکہ ہے۔ مؤثر اور پرمغز تقریر کرتے ہیں۔ میں نے ان کی دو ایک تقریریں سنی ہے۔ ابھی آپ بارہ مولہ کشمیر کے ایک مدرسہ میں درجۂ علیا کے استاذ ہیں۔

مولانا حافظ ماموراحمد

(پ۔۱۹۸۴ء)

مولانا حافظ ماموراحمد ولد ڈاکٹر شفیع احمد ۳ر مارچ ۱۹۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں مکمل کرنے کے بعد جامعہ حسینیہ جونپور، یوپی کے درجہ حفظ میں داخل ہوئے اور حفظ کلام پاک مکمل کیا اور یہاں درجۂ پنجم تک کی تعلیم حاصل کی۔ ۲۰۰۴ء میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ بحرالعلوم سین پورہ، میرٹھ میں استاد مقرر ہوئے اور کئی سالوں تک یہاں درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ فی الوقت مدرسہ تجوید القرآن نفیس کالونی اوکھلا دہلی میں استاد ہیں۔

حافظ ماموراحمد نے مولانا محمد مصلح الدین استاد جامعہ حسینیہ کی نگرانی میں جونپور میں اپنی تعلیم مکمل کی اور ان کی تربیت کے زیر اثر رہے۔ قرآن خوب یاد ہے۔ تجوید سے قرأت کرتے ہیں اور پابندی سے تراویح میں قرآن سناتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری سے قریب رہے اور ان سے خاصہ علمی استفادہ کیا۔

مولانا محمد اعزاز الحسن

(پ۔۱۹۸۸ء)

مولانا محمد اعزاز الحسن ابن مولانا محمد احسن ۱۰ر مارچ ۱۹۸۸ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں گھر

پر اپنے دادا جناب ڈاکٹر مولانا عبدالحمیدؒ سے پڑھنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں داخل ہوئے۔ پھر یہاں سے جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں عربی دوم میں داخلہ لیا۔اس کے بعد مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد یوپی چلے گئے۔۲۰۰۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی۔

فراغت کے بعد ایک سال تک مدرسہ تعلیم الاسلام پرگاوان،نوبت پور،ضلع پٹنہ میں درس دیا۔ ۲۰۰۵ء سے معہد الدینیہ الحمیدیہ۔الفت نگر ضلع بھاگلپور میں مدرس اول کی حیثیت سے تعلیمی اور دینی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔اشاعت دین کے ساتھ ساتھ ادارہ کے فروغ میں بھی سرگرم عمل ہیں۔

مولانا محمد نجم الحسن عارض

(پ۔۱۹۹۲ء)

مولانا محمد نجم الحسن عارض مولانا محمد احسن صاحب کے منجھلے لڑکے ہیں۔یکم جنوری ۱۹۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے دادا جناب ڈاکٹر عبدالحمیدؒ سے حاصل کرنے کے بعد جامعہ حسینہ جونپور چلے گئے اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۳ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔فراغت کے معاً بعد مدرسہ اسلامیہ بشریہ بھوجپور بہار میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔کچھ دنوں تک تدریسی خدمت انجام دے کر علوم عصریہ کی طرف راغب ہوئے اور پٹنہ یونیورسٹی سے بی۔اے۔کی سند حاصل کی۔ مزید تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔ حوصلہ اور عزائم بلند ہیں۔صلاحیت اور علمی ذوق بھی ہے۔ترقی کے امکانات روشن ہیں۔

☆☆☆

داستاں میری

راقم الحروف محمد ارشد جمیل ابن حاجی محمد عبدالرزاق نے ۲۳؍جنوری ۱۹۵۳ء (باعتبار سند) کو اس جہان آب وگل میں آنکھیں کھولیں۔ تقریباً پانچ سال کی عمر میں مکتب نشینی ہوئی اور حضرت مولانا شمس الاسلام صاحبؒ نے بسم اللہ خوانی کرائی۔ ان سے قرآن پاک ناظرہ اور اردو کی چوتھی تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد گھر پر اپنے چچا الحاج مولانا عبدالحکیم صاحبؒ اور الحاج مولانا (ڈاکٹر) عبدالحمید صاحبؒ سے پڑھنا شروع کیا۔ اس وقت میرا بنگلہ کسی مدرسہ سے کم نہیں تھا۔ گھر کے بچوں کے علاوہ گاؤں کے دوسرے بچے بھی یہاں پڑھتے تھے۔

منجھلے چچا ڈاکٹر عبدالحمید صاحبؒ کی گھر پر ڈسپنسری تھی وہ ایک اچھے معالج اور ہومیو پیتھک کے ایک مستند ڈاکٹر تھے۔ اس پیشہ کی وجہ سے ڈاکٹر ان کے نام کا ایک جز بن گیا کہ اگر ان سے اس کو الگ کردیا جائے تو ان کی شخصیت گم ہوکر رہ جائے۔ زیادہ تر وہی پڑھاتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو کی بڑی اچھی صلاحیت تھی۔ انگریزی بھی اچھی جانتے تھے۔ نحو وصرف اور فقہ پر بھی گہری نظر تھی۔ پڑھانے کا انداز بہت عمدہ اور دلنشیں تھا۔ معمول یہ تھا کہ فجر کے بعد وہ اپنے معمولات سے فارغ ہوکر مریضوں کو پہلے دیکھتے۔ آس پاس میں کوئی اور دوسرا معالج نہیں تھا۔ مریضوں کی اچھی بھیڑ رہتی تھی۔ ہم لوگ اپنا اپنا آموختہ پڑھتے رہتے۔ جب آپ مریضوں سے فارغ ہوجاتے تو ناشتہ کے لئے اندر تشریف لے جاتے اور ہم لوگوں کو بھی ناشتہ کی فرصت ہوجاتی۔ ناشتہ کے بعد اسباق کا سلسلہ شروع ہوتا۔ سبق سے فارغ ہوکر پہاڑا اور حساب بناتے۔ ساڑھے دس بجے تک عموماً فرصت ہوجاتی۔ اس کے بعد تختی لکھتے۔ بڑی چچی مرحومہ چاول کی روشنائی تیار کرنے میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔ چینی مٹی کی ایک بڑی بوتل میں وہ روشنائی تیار کردیتیں اور ہم سب بھائی بہن اس کو استعمال کرتے تھے۔

تختی پوتنے اور اس پر لکھنے کا عمل بڑا دلچسپ تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد دوبارہ تعلیم کا سلسلہ شروع

ہو جاتا۔سب سے پہلے تختی یا کاپی پر خوشخط دیکھتے اور اصلاح فرماتے۔ چچا جان خود بھی بہت خوبصورت تحریر لکھتے تھے۔اس کے بعد ہی سبق کا دور شروع ہوتا اور آخر میں املا لکھواتے۔عصر کی اذان تک فرصت ہو جاتی اور مغرب کی نماز کے بعد پھر پڑھنے بیٹھ جاتے اور عشاء تک اپنا اپنا سبق یاد کرتے۔اس وقت چچا اور والد وغیرہ سب ہی دروازہ پر موجود ہوتے اور ہم لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح بھی فرماتے جاتے۔ آج بھی آنکھوں کے سامنے وہ منظر روشن اور تابناک ہے۔اس وقت ہمارا خاندان مشترک تھا۔تمام چچیرے بھائی اور بہنیں آپس میں بڑی محبت سے رہتے تھے۔ایک ساتھ کھاتے پیتے، کھیلتے کودتے اور پڑھتے لکھتے۔دادی صاحبہ کا بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔جبکہ میرے والد صاحب کی عمر سات آٹھ سال کی تھی۔بڑی چچی گھر کی مالکہ تھیں۔بڑی محبت کرنے والی اور سبھوں کا خیال رکھنے والی خاتون۔سبھی ان کا احترام کرتے اور ان کے سامنے دم بخود رہتے۔پورے گھر کی بڑی محسنہ اور مربیہ تھیں۔کبھی انہوں نے آپس میں کوئی امتیاز نہیں برتا۔ہمارا خاندان اتفاق واتحاد اور محبت ورواداری میں ایک نمونہ تھا۔

آمدنامہ، فارسی کی پہلی، دوسری، گلزار دبستان اور میزان الصرف بحث فعل مضارع پڑھ کر ۱۹۶۰ء میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں داخلہ لیا۔نئی جگہ، نیا ماحول اور لڑکوں سے مدرسہ بھرا پرا تھا۔ یہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ صدر مدرس تھے۔ان سے باکورۃ الادب، نحومیر، کافیہ، شرح مأتہ عامل، روضۃ الادب اور فارسی میں بوستاں سعدی اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب سے میزان و منشعب، پنج گنج، علم الصیغہ، نورالایضاح، قدوری، نفحۃ العرب، فصول اکبری اور فارسی میں گلستاں سعدی (باب ہشتم، اول، دوئم اور سوم) اور اخلاق محسنی پڑھیں۔ ماسٹر محمد ظہور حسن صاحب اور ماسٹر ابوالحسن صاحب حساب اور ہندی وغیرہ پڑھاتے تھے اور عصر سے قبل حافظ عبدالرحمٰن صاحب املا لکھاتے اور اس کے بعد فرصت ہو جاتی۔ ہمارا قیام مدرسہ میں نہیں تھا۔گاؤں کے تقریباً پچیس تیس بچے صبح مدرسہ جاتے اور شام کو گھر واپس آجاتے۔اس وقت گاؤں کے چند ہی بچے مدرسہ کے دارالاقامہ میں رہتے تھے۔مدرسہ گاؤں سے تین کیلومیٹر پر واقع تھا۔گاؤں سے باہر مدرسہ کے راستہ میں (بجانب شمال) ایک باندھ ہے جو ''بیجبا'' باندھ کے نام سے مشہور ہے۔یہاں ہم لوگ کچھ دیر ٹھہرتے اور دوسرے

ساتھیوں کا انتظار کرتے۔اسی باندھ پر خانقاہ شہباز یہ بھاگلپور کے میاں صاحب کا ایک مکان تھا۔اس میں محمد مختار اور ان کی اہلیہ ''مترنی'' جن کو ہم لوگ خالہ کہتے تھے، رہتے تھے۔گاؤں کے ہی رہنے والے تھے۔خانقاہ کی موضع پتھنہ میں ایک سو بیگھہ موقوفہ زمین تھی۔جس کی وہ نگرانی کرتے تھے۔آتے جاتے یہاں ضرور رکتے، آپس میں خوب چھیڑ چھاڑ کرتے اور پھر گھر واپس آجاتے۔

مترنی خالہ ہم لوگوں سے بہت خوش تھیں۔ان کا شوہر دمہ کا مریض تھا اور دن بھر کھانستا رہتا۔ ایک دن ہم تمام ساتھیوں نے پروگرام بنایا کہ جمعرات کو فی کس چار چار آنہ اور ایک ایک پاؤ مہین کترنی چاول اپنے ساتھ لائیں۔ پکنک منائیں گے۔مترنی خالہ سے بات ہوئی وہ تیار ہوگئیں جمعرات کے دن ہم لوگوں نے سارا سامان ان کے حوالے کیا اور گھومنے نکل گئے۔ دوپہر تک کبڈی کھیلتے اور کلیل کرتے رہے۔ جب کھانا تیار ہوگیا تو ہم لوگوں نے پہلے غسل کیا۔وہاں ایک بہت بڑا کنواں تھا جس کا پانی بہت شیریں تھا۔ پلاؤ اور مرغ خوب ڈٹ کر کھایا اور مقررہ وقت پر گھر پہنچ گئے۔کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ بہت خوش تھے یہ پکنک منا کر۔

آج جو سڑک کوروڈیہہ سے پتھنہ تک جاتی ہے وہ ان دنوں بالکل غیر آباد اور ناقابل ذکر تھی۔ہم لوگ کھیت اور چور ہوکر پندرہ منٹ میں مدرسہ پہنچ جاتے۔ یہی ایک راستہ تھا اور سالوں بھر اسی سے آتے جاتے رہے۔

ہم سبھی مطمئن تھے کہ حضرت مولانا عبدالسلامؒ سے کچھ عذر کر لینگے۔ جب سنیچر کو مدرسہ حاضر ہوئے تو حضرت مولانا قبل ہی سے پکنک پارٹی کے استقبال کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ایک زوردار آواز گونجی۔کوروڈیہہ کے'' پکنک پارٹی'' کو بھیجو۔سبھوں کی سٹی پٹی گم۔مولانا سے تو پہلے سے ہی سبھی خائف رہتے تھے۔ان کے پاس کھجور کی چھڑی کو دیکھ کر اور بھی حواس باختہ ہوگئے۔ ایسی سرزنش ہوئی پھر کبھی پکنک یاد نہیں آیا۔شام کو گھر واپس ہوتے وقت راستہ بھر غور کرتے رہے کہ ہم لوگوں نے حلفیہ یہ عہد کیا تھا کہ اس کی خبر کسی کو نہیں دی جائے گی۔آخر مولانا کو یہ خبر کیسے ہوئی؟ پتا چلا کہ اس دن..... مدرسہ نہیں آیا تھا۔ضرور اسی کی یہ کارستانی ہے۔دوسرے دن ہم لوگوں نے اس کو دبوچا۔ مارے خوف کے اس نے

ساری باتیں بتادی۔ بہت دنوں تک ان کا مقاطعہ کیا۔ نہ وہ ساتھ آتا اور نہ جاتا اور نہ ہی اس سے کوئی بات کرتا۔ ہم لوگوں نے آخر ترس کھا کر اس کو معاف کر دیا۔ پھر ایک ساتھ سب گھل مل گئے۔

برسات کا زمانہ تھا۔ کھیت میں دھان کا پودا لگا ہوا تھا۔ راستے میں ایک بڑا کھیت تھا۔ اس کے آل سے گھوم کر جانے میں دیر ہوتی تھی۔ جب کھیت کا پانی ختم ہوگیا۔ تو ہم لوگوں نے بیچ کھیت سے آنا جانا شروع کر دیا۔ میاں صاحب کا یہ کھیت ندو (اصل نام نادعلی) کرتا تھا۔ اس نے مولانا سے ہم لوگوں کی شکایت کی۔ کچھ دنوں کے بعد ندو نے دوسرے کھیت میں چنا بویا۔ جب چنا میں انکور آ گیا تو اس کھیت کا ایک ایک چنا چن چن کر کھا گئے۔ دوسرے دن وہ راستہ پر ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ ہم لوگوں نے اس کو معاف کر دیا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ایک اور صاحب کلر تھے۔ عین راستے پر ان کا بھی کھیت تھا اور کھیت میں چنے کا پودا لہلہا رہا تھا۔ آتے جاتے ہر روز اس کو دیکھتے۔ جب اس میں چھمڑی لگ گئی تو ایک لڑکے نے اس سے ایک جھاڑ اکھاڑ لیا۔ ان دنوں چنا کا پودا بڑا گھنا اور چھتنار ہوتا تھا کہ اگر ایک جھاڑ بھی اکھاڑ یے تو بیچ میں اتنا خلا پیدا ہو جاتا کہ آسانی سے چوری کا پتہ چل جاتا۔ اس نے مولانا کی عدالت میں ہم لوگوں پر استغاثہ کیا۔ نتیجہ معلوم ..... اس کے کچھ دنوں بعد راستے سے کچھ ہٹ کر لڑکوں نے چھمڑی سے دانہ اس مہارت سے نکالا کہ اس کا چھلکا تو جھاڑ سے پیوست رہا اور دانہ غائب۔ جب اس کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے بھی لڑکوں سے معافی مانگ لی۔ خیر یہ ان دنوں لڑکوں کی شرارت تھی۔ اس کو یہیں چھوڑیئے۔

جی ہاں! بات مدرسہ اعزازیہ کی چل رہی تھی۔ مدرسہ میں ایک اور استاد مولوی محمد علیم الدین صاحب موضع بدلو چک کے رہنے والے تھے جو بچوں کو دینیات پڑھاتے تھے۔ بڑے خاموش طبع دن بھر بچوں میں گھرے رہتے۔ مدرسہ میں شب و روز ان کا قیام تھا۔ رات میں بھی بچوں کی نگرانی کرتے۔

حافظ عبدالرحمن کے بعد الحاج حافظ نجابت حسین صاحب دوبارہ درجۂ حفظ میں آ چکے تھے۔ کھانے اور کھلانے کے بہت شوقین۔ موضع استو، ضلع بھاگلپور کے رہنے والے تھے۔ اولاد کوئی نہیں تھی۔ بڑے خوشحال تھے۔ پھر بھی مدرسہ پر فدا رہتے۔ مدرسہ کی مالی فراہمی میں وہ دور دور تک جاتے اور دامن

پیار کر غلّہ چندہ کر کے لاتے۔ ایک بار ایک گاؤں میں کسی در پر صدا لگائی۔ ایک عورت سوپ میں دھان لے کر بڑبڑاتی ہوئی باہر آئی..... ''نہ مرتے ہیں اور نہ جینے دیتے ہیں۔ لے یہ دھان لے، کہاں سے آیا ہے؟''۔ حافظ صاحب نے اپنا دامن پیار اور شوق سے لے لیا۔ (یہ واقعہ وہ خود بیان کرتے تھے) اب کہاں ہیں دین کے ایسے دیوانے اور مدرسہ پر مر مٹنے والے۔

جس دن مدرسہ میں مٹنگ ہوتی اس دن حافظ صاحب کی چستی اور پھرتی دیکھنے میں آتی۔ ادھر سبق پڑھا رہے ہیں اور باورچی کو ہدایت بھی دے رہے ہیں۔ سالن میں زیادہ نمک نہ پڑے اور ہاں گوشت لگنے نہ پائے۔ نہیں تو مہمانوں کے سامنے بڑی سبکی ہوگی۔ حافظ صاحب سالن پکانے کے فن سے خوب واقف تھے۔ دوپہر میں لڑکوں کو اپنی نگرانی میں کھانا کھلاتے۔ کبھی دال کم ہو جاتی اور لڑکے شور مچاتے تو آپ فرماتے۔ میاں کیا دال، دال کرتے ہو، مدرسہ کی دال کیا ہے، پانی! سبزی بھات کھاؤ اور بھر پیٹ کھاؤ۔ اگر کبھی سبزی کم ہو جاتی تو کہتے کہ سبزی میں کیا رکھا ہے بس ابلی ہوئی! دال کھاؤ مسور کی دال بنی ہے۔ اس میں بڑی طاقت ہے اور بچی ہوئی دال بھی ہم لوگوں کو پلوا دیتے۔ بڑی محبت سے کھلاتے۔ کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتے۔

میانہ قد، گول چہرہ، سفید گھنی داڑھی، کلی دار سفید کرتا اور چاند مار کہ لنگی پہنتے، سر پر سفید ٹوپی میں خوب جچتے۔ گول گول بڑی خوبصورت تحریر لکھتے تھے۔ مدرسہ محمودیہ سمریا کے پڑھے ہوئے تھے۔ حافظ دیانت احمد صاحبؒ سے کلام اللہ حفظ کیا تھا۔

ایک بار ہم لوگ ان کے گاؤں بھی گئے۔ آپ حج کر کے آئے تھے۔ اپنے ہاتھوں سے سبھوں کو کھجور کھلایا اور آب زمزم پلایا۔ نومبر ۱۹۸۵ء مطابق صفر ۱۴۰۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور گاؤں کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

ان دنوں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں عبدالوحید باورچی تھے۔ اساتذہ اور طلبا سبھی اس کو نانا کہتے تھے۔ نانا، نانا کی صدا سے مدرسہ کی فضا گونجتی رہتی۔ ادھر کسی پکارا نانا، ادھر سے آواز آئی جی ناتی! سر پر بڑی پگڑی باندھتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں، چہرہ پر الجھی ہوئی داڑھی، کرتا اور بغیر سلی ہوئی لنگی

استعمال کرتے تھے۔ جو اکثر صفائی کو ترستی رہتی۔ ننگے پاؤں دن بھر گھومتے رہتے۔ غالباً دائم النوم کے مریض تھے۔ مسالحہ پیس رہے ہیں اور خراٹا بھر رہے ہیں۔ کیا مجال کہ ہاتھ رک جائے اور بہک جائے۔ ماڑ پسار رہے ہیں اور دیگچی کو سر سے لگا کر سو رہے ہیں۔ نہ کبھی دیگچی گری اور نہ ماڑ بالٹی سے باہر گرا۔ اگر کسی نے کہانانا یہ کیا کر رہے ہیں۔ فوراً جواب دیتے نہیں بالکل جگے ہوئے ہیں۔ گوشت جھمار رہے ہیں اور آنکھیں بند ہیں۔

وہ لڑکوں سے بڑی محبت کرتے اور سبھوں کی خبر رکھتے۔ ان دنوں مدرسہ میں کچھ ایسے لڑکے بھی تھے جو دوپہر کا کھانا گھر سے اپنے ساتھ لاتے۔ کبھی ستو اور کبھی روٹی۔ وہ کھانے کی گھنٹی سے قبل ایسے لڑکوں کو ڈھونڈتے پھرتے۔ آج کھانے میں کیا لایا ہے؟'' اگر کسی نے کہا ستو، تو وہ کہتے، ستو ہم کو دے دو، ستو کھا کر کیا پڑھو گے، میرا حصہ بھات کھا لو گے''۔ وہ ستو کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور اگر کوئی روٹی لے کر آتا تو انہیں چھپا کر سالن دے دیتے۔ مطبخ کے انچارج حافظ نجابت حسین صاحب یا کوئی اور استاد اس سے چشم پوشی کر لیتے۔

اس نے مدرسہ کی بڑی خدمت کی۔ اسّی اسّی لڑکوں کا تنہا کھانا تیار کر لیتے۔ بڑے ایماندار اور فرض شناس تھے۔ مدرسہ اعزازیہ کا ذکر اس کے بغیر ادھورا ہے۔ کبھی ہم لوگ کہتے نانا، اگر آپ مرینگے تو آپ کو مدرسہ ہی میں گاڑیں گے۔ اس پر وہ کہتے ناتی! ہم غریب کو اس وقت کون پوچھے گا اور تم لوگ بھی کہاں رہو گے کیا خبر۔ واقعی مجھے اس کی خبر نہیں ہوئی کہ وہ کب مرے اور کہاں گاڑے گئے۔

اس وقت مدرسہ میں بہار کے علاوہ بنگال اور اڑیسہ تک کے لڑکے پڑھتے تھے۔ ایک کنواں سے پانی پیتے، ایک مطبخ میں کھاتے اور سب ایک ساتھ مل کر رہتے۔ محمد نذیر حسین، محمد قیام عالم اور محمد مظفر حسین ڈہر پور، محمد ادریس اور محمد اختر الاسلام بدلو چک، محمد سجاد حسین، کمال پور ہرنا، محمد شمس الہدیٰ ڈھائی ہرنا، محمد شفیق الرحمٰن بیربل پور بھاگلپور ہمارے ہم جماعت تھے۔ محمد چاند خاں اور حافظ محمد مسلم پٹنہ بعض کتابوں میں ہمارے ساتھ تھے۔ محمد اسلام گرہوتیہ اور محمد مجیب الرحمٰن کانٹا گاچھی مدنا پور بنگال قدوری اور کافیہ میں ہمارے ساتھی تھے۔

میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر ۱۹۶۳ء میں مدرسہ محمودیہ سمریا چلا آیا۔ مدرسہ محمودیہ میں درجہ فوقانی میں داخلہ لیا۔ برادرم مولوی محمد احسن صاحب دو سال قبل ہی یہاں آچکے تھے۔ بعد میں محمد اعظم، محمد حماد الرحمٰن، محمد مظفر عالم، عبدالباقی، اظہار الحق، عزیر احمد، رفیع احمد اور مسعود احمد آگئے۔ اس طرح گاؤں سے مدرسہ جانے والوں کا ایک قافلہ بن گیا۔ مدرسہ گاؤں سے بجانب مغرب سات کیلومیٹر دوری پر واقع تھا۔ اس دوری کو ہم لوگ پیدل طے کرتے تھے۔ ہنستے کھیلتے مدرسہ وقت پر پہنچ جاتے۔ ہفتہ دو ہفتہ میں گھر آنے کا معمول تھا۔ موسم برسات میں وہ چار پانچ ندیاں جو راستے میں حائل تھیں ایک دلچسپ سماں پیش کرتیں۔ اس جماعت میں چند ایسے افراد بھی موجود تھے جو تیراکی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ایک ہاتھ میں سامان لیتے اور تیز دھار میں تیر کر دوسرے کنارے پر پہنچ جاتے۔ اس موسم میں یہ دوری اور بڑھ جاتی۔ لیکن کبھی کسی نے ہمت نہیں ہاری۔ موسم کوئی بھی ہو، ہمارے معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔ بلکہ ہر موسم جدا جدا لطف دیتا۔ یہ دوری جہاں نہ سڑک اور نہ ہموار راستے بس کھیت ہی کھیت اور اس کی میڑھیں۔ سب اپنے دھن میں منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے اور یہ دوری منہ چڑھاتی ہے۔

حضرت مولانا محمد غنی صاحبؒ (م۔۱۹۶۶ء) اس وقت صدر مدرس تھے اور مدرسہ کے بنیاد گذاروں میں سے تھے۔ بڑے نیک اور نرم دل۔ سمریا گاؤں کے ہی رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (م۔۱۹۲۰ء) کے شاگردوں میں سے تھے۔ عالمانہ شان میں رہتے اور شخصیت بھی بڑی پروقار تھی۔ میانہ قد، کشادہ پیشانی، روشن چہرہ، جس سے ذہانت اور فراست کا اظہار ہوتا۔ سفید کلی دار کرتا، شلوار، سفید ٹوپی اور سفید جوگوشہ رومال ہمیشہ زیب تن فرماتے۔ لڑکوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ بڑے امانت دار، لڑکے اپنے پیسے ان کے پاس امانت رکھتے۔ جب بھی وہ واپس لیتے وہی رقم ان کو ملتی جو انہوں نے امانت رکھی تھی۔ ۱۹۶۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ راقم نے ان سے فوقانیہ میں اخوان الصفا اور تاریخ اسلام پڑھی اور خوش خط نویسی میں اصلاح لیتے تھے۔ آپ بہت ہی خوش ارقام تھے۔

حضرت مولانا محمد غنیؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا حافظ دیانت احمدؒ صدر مدرس منتخب

ہوئے۔ آپ بھی مدرسہ محمودیہ کے بنیاد گذاروں میں سے تھے اور حضرت مولانا غنیؒ صاحب کے ہم جماعت تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند سے فارغ، بڑے نیک، سادہ لوح اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار، عوام وخواص میں بھی بہت مقبول ومحبوب اور روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ فرصت کے اوقات میں ایک بڑی خلقت اور آپ کو گھیرے رہتی۔ کسی کو دم کر رہے ہیں، کسی کو پانی پڑھ کر دے رہے ہیں، اور کوئی تعویز لے رہا ہے۔ سبھی شفایاب ہوتے۔ دور دراز سے آسیب وسحر زدہ آتے اور بامراد ہوتے۔ بڑا مسکراتا ہوا چہرہ، کبھی اس سے تکدر وتفکر کا اظہار نہیں ہوتا۔ سادہ لوحی کا یہ عالم کہ سبھوں کی بات پر یقین کر لیتے۔ آپ موضع چکدریا، بھاگلپور کے رہنے والے تھے۔ پورے علاقے میں بڑی عزت اور قدر ومنزلت تھی۔ دور دور تک مشہور تھے۔

مدنی مسافر خانہ بھاگلپور میں حاجت مندوں کے لئے ایک بڑا امامن اور شہر میں اجنبی واردین و صادرین کے لئے ایک مسکن ہے۔ جہاں ہر طرح کی سہولت فراہم ہے۔ امت مسلمہ کے لیے یہ ایک بڑی نعمت ہے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کا یہ صدقۂ جاریہ ہے۔ اللہ اس فیض کو جاری رکھے۔ آمین۔ ۱۹۷۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔ موضع چکدریا کا مدرسہ دیانت العلوم آپ سے ہی منسوب ہے۔ آپ کے صاحبزادہ جناب مولانا محمد صداقت حسین نے بھی آپ کی یادگار میں ایک مدرسہ اور خانقاہ قائم کیا ہے۔

علامہ محمد رشیدؒ (پورینی) مدرسہ محمودیہ کے ایک قابل اور جید استاذ تھے۔ حضرت شیخ الہند کے شاگرد اور علامہ ابراہیم بلیاوی کے ہم درس اور ہم جماعت تھے۔ درجہ علیا کے اساتذہ میں آپ کا شمار تھا۔ تفسیر اور حدیث پر بڑی گہری نظر تھی۔ فلسفہ اور منطق کے گویا امام تھے۔ کثرت مطالعہ اور وسعت نظری میں آپ دیگر اساتذہ پر فائق تھے۔ عربی، فارسی اور اردو شعر وادب پر فاضلانہ نظر تھی۔ اشعار بہت یاد تھے۔ انداز درس بڑا عالمانہ اور حکیمانہ ہوتا تھا۔ قلندر صفت اور فقیرانہ شان میں رہتے تھے۔ لباس اور وضع قطع میں سب سے منفرد اور یگانہ تھے۔ پیوند لگے کپڑے میں بھی شاہانہ وقار اور عالمانہ شان ٹپکتا تھا۔ دو پلی ٹوپی اور صدری آپ کے لباس کا خاص حصہ تھا۔ بہت کم خوراک تھے۔ مگر صبح وشام دو دو پیالی دودھ کی چائے لازماً نوش فرماتے۔ میانہ قد، بڑا سر، کشادہ پیشانی، نحیف ونزار، خمیدہ کمر، چال میں تیزی اور

آواز میں کڑک۔ جب درس دیتے تو جوئے نغمہ خواں کا سماں پیش کرتے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال نہ فضول گو اور نہ لاف وگزاف۔ اساتذہ اور طلباء سبھی یکساں ان کی عزت کرتے۔ مدرسہ محمودیہ میں آپ مرکز نگاہ تھے۔ عزت واحترام کی وجہ سے کوئی آپ کا نام نہیں لیتا بلکہ علامہ صاحب ہی کہہ کر خطاب کرتے۔ جلالین شریف، ترمذی شریف، شرح ہدایت الحکمۃ اور مقامات حریری وغیرہ آپ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۷۱ء میں چلتے پھرتے اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور اپنے گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ تقریباً اسی سال عمر پائی۔ اللہ غریق رحمت کرے۔ آمین۔ آپ کے دولت کدہ پر دو ایک شب گذارنے کا موقع ملا۔ آپ اسلاف کے نمونہ تھے۔ پروفیسر محمد غفار صدیقی، پٹنہ یونیورسٹی آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

اس مدرسہ کی دوسری بڑی شخصیت حضرت مولانا سعید احمدؒ (م۔۱۹۸۴ء) کی تھی۔ آپ مولانا عبدالحمید صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سمریا کے بڑے صاحبزادہ تھے۔ موضع پورینی آپ کا وطن تھا۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ فقہ اور عربی ادب میں بڑی مہارت تھی۔ عربی ادب کی بیشتر کتابیں آپ کے زیر درس تھیں۔ درس کا انداز تشریحی اور توضیحی تھا۔ دوران درس تحلیل صرفی اور تحلیل نحوی کے ذریعہ عبارت اس قدر سہل اور آسان کردیتے کہ کوئی دشواری ہی نہیں رہتی۔ اسی طرح ہدایہ آخرین کے درس میں فقہی مسائل کو اس قدر عمومی رنگ میں بیان کردیتے کہ عملی زندگی سے اس کی مطابقت ہوجاتی۔ آپ کا انداز درس سبھوں میں نمایاں اور منفرد تھا۔ طلباء آپ سے کافی مانوس اور بے تکلف تھے۔ پان کے بڑے شیدائی اور عادی تھے۔ اکثر منہ میں پان رہتا۔ دینی جلسوں میں بھی آپ مدعو ہوتے اور بصیرت افروز تقریر فرماتے۔ سیرت پر بڑی والہانہ گفتگو کرتے۔ حافظ تو نہیں تھے لیکن قرآن بہت یاد تھا۔ جب کبھی فجر کی نماز میں امامت فرماتے تو لمبی قرأت کرتے اور لحن میں تلاوت فرماتے۔ آواز میں سوز اور درد تھا۔ راقم الحروف کو ہدایہ آخرین، سبعہ معلقہ، قصیدہ بردہ، متنبی، مختصر المعانی، معالم الاصول، سراجی وغیرہ آپ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ مدرسہ کے قابل اور

باصلاحیت اساتذہ میں آپ کا شمار تھا۔ دیگر فنون پر بھی آپ کو استادانہ دسترس حاصل تھا۔۱۹۸۴ء میں آپ کا انتقال ہوااور آبائی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آمین

مدرسہ کے دیگر اساتذہ میں ایک اہم نام مولانا حافظ محمد ہاشم صاحبؒ کا ہے۔ آپ دمہ کے سخت مریض تھے۔ رات میں آپ کی ایسی کیفیت ہوجاتی کہ ان کو دیکھ کر ترس آتا۔ ایسی حالت میں آپ خود ہی انجکشن لگالیتے۔ رات اکثر موت کی آغوش میں گذارتے اور صبح کو سب سے پہلے درس گاہ میں حاضر ہوجاتے۔ بڑے ذہین اور معاملہ فہم تھے۔ ترجمہ قرآن، آثار السنن، شرح وقایہ اور فارسی ان سے پڑھی۔ بڑے اچھے استاد، نحیف ونزار ہونے کے باوجود نہ مدرسہ سے غیر حاضر ہوتے اور نہ پڑھانے میں سستی برتتے۔ مطالعہ کے بڑے شوقین تھے۔ حصول علم کا یہ شوق تھا کہ ۱۹۷۰ء میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے میٹرک کا بورڈ امتحان اول درجہ میں پاس کیا۔ مدرسہ عزیزیہ بہار شریف سے فارغ تھے۔ موضع سلیم پور، بھاگلپور آپ کا وطن تھا۔ سال وفات معلوم نہیں۔ گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

(دیگر اساتذہ کی تفصیل تاریخ مدرسہ محمودیہ سمریا کے ذیل میں دیکھئے۔)

ان دنوں ''جمعیۃ الطلباء'' کے نام سے طلباء کی ایک انجمن تھی۔ ہر ہفتہ اس کے تحت نشست ہوتی جس میں طلبا علمی مذاکرے اور تقریریں کیا کرتے تھے۔ درجہ عالم کے کوئی طالب علم اس کی صدارت کرتے، اور آخر میں اپنا اظہار خیال کرتے اور مفید مشوروں سے نوازتے۔ مولانا محمد سالم موضع سمریا اس فریضہ کو بہتر طور پر انجام دیتے تھے۔ باصلاحیت طلباء میں ان کا شمار تھا۔

طلباء کی ایک لائبریری تھی جس میں درسی، نیم درسی، تاریخ، سیرت نبوی اور دیگر اصناف پر کتابیں تھیں۔ لڑکوں کے چندوں سے یہ لائبریری چلتی تھی۔ وہی اس کے نگراں ہوتے۔ اساتذہ کرام کی اس میں کوئی مداخلت نہیں تھی۔ مختلف علاقوں کے لڑکے ایک ساتھ ہاسٹل میں رہتے، ایک میس میں کھاتے اور ایک ساتھ کھیلتے۔ آپس میں اتفاق واتحاد ایسا کہ کبھی کوئی رنجش، گروہ بندی اور علاقائی تعصب نام کو نہیں۔ کیا خوب ماحول تھا۔ چھوٹے بڑوں کی عزت کرتے اور بڑے چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔ اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے اور شخصیتوں کو سنوارنے کے یہاں بہتر مواقع اور ماحول میسر تھے۔

یہاں مطبخ کا نظام اور کھانے کا معیار اپنی نوعیت کا تھا اور منفرد تھا۔ محمد شاہد باورچی تھا۔ بڑا ہٹا کٹا کڑیل جوان۔ سوسولڑکوں کا دن رات کھانا تیار کر لیتا پھر بھی ہمیشہ تازہ دم اور مسکراتا رہتا۔ لڑکوں سے بہت خوش۔ لڑکے بھی ان کو نوازتے رہتے۔ ایک مرتبہ مستطیع طلباء نے کھانے کے معاملے میں احتجاج کیا اور مطبخ انچارج کی شکایت کی اور کھانے کے معیار کو وجہ بتایا۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے حکم صادر فرمایا کہ ایسے لڑکے خود اپنا انتظام کر لیں۔ محمد شاہد نے صدر مدرس سے صاف کہہ دیا کہ ہم آپ لوگوں کا کھانا نہیں پکائیں گے۔ وہ احتجاج کرنے والے لڑکوں کے ساتھ تھا۔ آخرش مطبخ انچارج ہٹائے گئے۔ حافظ عبدالرازق صاحب سنہولی جو مدرسہ کے ایک نرم دل اور شفیق استاد تھے مطبخ کے انچارج ہوئے۔ اچھا کھانا ملنے لگا اور معیار میں بھی خاصی تبدیلی آگئی۔ محمد شاہد اب لڑکوں کا اور بھی محبوب نظر ہو گیا اور ان پر نوازشیں بھی پہلے سے زیادہ ہونے لگیں۔

محمد رئیس عالم، محمد ریاض الدین اور مجاہد الاسلام سمریا، محمد سجاد حسن کمال پور ہرنا، حافظ محمد سمیع الدین بدلو چک، محمد رستم شیری چک، محمد یونس اور محمد رستم کھرکچیا، دمکا، محمد مقصود بلتھر، محمد ایوب دگھی اور محمد ریاض غوری پور بانکا ہمارے ساتھی اور ہم درس تھے۔ آپس میں بڑی محبت سے رہتے، خوب چھیڑ چھاڑ بھی کرتے۔ لیکن کبھی کوئی رنجش نہیں۔ ۱۹۷۰ء میں یہاں سے عالم کرنے کے بعد میں پٹنہ چلا آیا۔

عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لیا۔ یہ ادارہ اپنی ساخت اور شناخت کے اعتبار سے بالکل مختلف تھا۔ پورے بہار کے منتخب لڑکے یہاں زیر درس تھے۔ اساتذہ کرام ٹوپی کرتا کے بجائے سوٹ پہنتے، ٹائی باندھتے اور پروفیسر کہلاتے تھے۔ یہاں لکچر کا رواج عام تھا۔ اب تک چٹائی پر بیٹھتے آئے تھے اور یہاں بینچ اور کرسیاں میسر تھیں۔ دو زانو بیٹھنے کے بجائے پیر پھیلا کر بیٹھتے۔ مدرسوں میں اساتذہ کرام کی خدمت میں درس کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ یہاں لڑکوں کو قطبیت حاصل تھی۔ ایک جگہ جم کر بیٹھ جاتے اور پروفیسر حضرات لڑکوں کو گھوم گھوم کر پڑھاتے۔ لڑکے کتابوں کی جگہ پر کاپیاں ساتھ لاتے اور لکچر نوٹ کرتے۔ پچاس پچپن لڑکے ایک جماعت میں تھے۔ یہ سب بہار کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدا میں اجنبی پن کا احساس تھا لیکن رفتہ رفتہ سب ایک دوسرے

سے مانوس ہو گئے۔ یہاں مورننگ شفٹ میں ہی تعلیم ہوتی تھی۔ اکثر و بیشتر لڑکے کالجوں میں بھی پڑھتے تھے۔ یہ اپنے وضع قطع سے مدرسوں کے لڑکوں سے مختلف نظر آتے۔

ہم لوگ شیش محل ہاسٹل احاطہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں رہتے تھے۔ ہاسٹل کی حیثیت ایک بڑے کنبے کی تھی۔ جونیر اور سینئر طلباء سبھی ایک ساتھ رہتے اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے۔ آپس میں عزت واحترام بہت تھا۔ سینئر طلباء کو گارجین کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ جونیئر طلباء کا خاص خیال رکھتے اور ان کی رہنمائی کرتے۔ احترام کا یہ حال تھا کہ جونیئر اپنے سینئر کے کمروں میں بلا وجہ بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوتے اور سینئر طلباء بھی ان کو اپنے چھوٹے بھائی سے کم نہیں سمجھتے۔ اسٹڈی آور کا پورا اہتمام تھا۔ ایسے موقعوں پر سینئر اپنے جونیئر کی فہمائش کرتے اور مطالعے کی تاکید کرتے۔ ہاسٹل میں کھیل کود اور گیمس کے سامان بھی مہیا تھے۔ حسب ذوق لوگ اس میں حصہ لیتے۔ بزم ادب کے نام سے لڑکوں کی ایک ادبی تنظیم تھی۔ اسکے سربراہ اعلیٰ جنرل سکریٹری کہلاتے اور صدر کوئی پروفیسر ہوتے۔ اس تنظیم کے مختلف شعبے تھے اور ہر ایک شعبہ کے نگراں سکریٹری کہلاتے تھے۔ تمام عہدہ داروں کا انتخاب ہوتا تھا۔ اس کی مدت کارکردگی ایک سال کی تھی۔ انتخاب کے زمانے میں بڑی ہماہمی رہتی۔ یہ انتخاب خفیہ بیلٹ پیپر کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام سالانہ تقریب بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوتی تھی جس میں زعمائے شہر کے علاوہ ریاستی وزراء اور اراکین اسمبلی کی بھی شرکت ہوتی تھی۔ تمام لڑکے بڑی سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ رات میں مشاعرہ کی محفل آراستہ ہوتی تھی۔ شہر اور بیرون شہر کے نامور شعراء کرام اس میں شریک ہوتے۔ سامعین کی بھی اچھی خاصی تعداد ہوتی تھی۔ پروفیسر عطا کاکوی، پروفیسر سید حسن، پروفیسر کلیم احمد عاجز، پروفیسر حفیظ بنارسی، رمز عظیم آبادی، کیف عظیم آبادی، ارشد فہمی، سلطان اختر وغیرہ جیسے شعراء اس بزم شعر و سخن میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ محترم جناب شمیم فاروقی صاحب جو خود بھی شاعر ہیں وہ ان دنوں پٹنہ ریڈیو اسٹیشن کے شعبہ اردو کے انچارج تھے۔ وہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ تشریف لاتے اور اس کی ریکارڈنگ کرتے تھے۔

انجمن ''بزم ادب'' نے لڑکوں میں ان کے پوشیدہ جوہر کو نکھارنے اور ان کی علمی، ادبی اور شعری ذوق کو پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا جو بعد میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اور ملک و ملت کی خدمت کی اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اس وقت کے سینئر طلباء میں اظہار عالم (آئی پی ایس)، مظفر عالم اشرفی (اے ڈی ایم)، نظام الدین (فائنانس آفیسر)، احمد حسین (کسٹم کمشنر) محمد عزیر شمسی (پروفیسر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی)، محمد بدیع الزماں (پروفیسر آر کے کالج مدھوبنی)، محمد رضوان الحق ندوی (پروفیسر ماڑواری کالج کشن گنج)، محمد غفار صدیقی (پروفیسر پٹنہ یونیورسٹی)، محمد شمس الضحیٰ (پروفیسر پٹنہ یونیورسٹی اور موجودہ وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ) وغیرہ اور ہمارے ساتھیوں میں انیس صدری، انوار تبسم، محمد نظیر الحسن سلفی اور محمد خالد دگھی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

۱۹۷۶ء میں دکتور العلم (کامل) کے لئے میرا انتخاب ہو گیا اور میں دوبارہ شیش محل ہاسٹل منتقل ہو گیا۔ مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین کی تحریک اپنے شباب پر تھی۔ ڈاکٹر رضوان الحق ندوی اس کے جنرل سکریٹری تھے۔ اسی سال وہ لکچرر ہو کر ڈی۔ اے۔ وی کالج سیوان چلے گئے۔ ان کے بعد آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین کا جنرل سکریٹری راقم الحروف منتخب ہوا۔ میری مصروفیت کافی بڑھ گئی اور پھر اسی دوران ۱۹۷۹ء میں بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ کا بھی ممبر نامزد ہو گیا۔ حضرت مولانا سید نور اللہ رحمانی اس بورڈ کے چیئرمین تھے (تفصیلات مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے ذیل میں دیکھئے)۔ ۱۹۷۶ء سے ستمبر ۱۹۷۹ء تک شیش محل ہاسٹل کا پریفکٹ بھی رہا۔ اس وقت وارڈن پروفیسر علی حیدر نیر صاحب تھے۔

شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں اس ادارہ کے بہت احسانات ہیں۔ جو آگے چل کر بڑے برگ و بار لائے۔ یہاں سے ۱۹۷۲ء میں فاضل فارسی اور ۱۹۷۹ء میں دکتور العلم (کامل) کی ڈگریوں سے سرفراز ہوا۔ اسی دوران مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فاضل اردو کا بورڈ امتحان ۱۹۷۴ء میں پاس کیا۔

۱۹۷۰ء میں پٹنہ کالج، پٹنہ یونیورسٹی میں آئی اے میں داخلہ لیا۔ اسی سال بھاگلپور ضلع اسکول سے میٹرک کیا تھا۔ پٹنہ یونیورسٹی بہار کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔ یہ ۱۹۱۷ء میں قائم ہوئی۔ سر سلطان احمد پٹنہ کے ایک مقتدر رئیس اور ایک مشہور بیرسٹر اس کے پہلے ہندوستانی وائس چانسلر مقرر ہوئے۔

۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ء تک وہ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ یہ ایک باوقار اور عالمی شہرت یافتہ یونیورسٹی ہے۔ یہاں کے اساتذہ اور فارغین بین الاقوامی شہرت کے حامل ہوئے ہیں۔ آئی۔اے میں انگریزی، معاشیات، نفسیات، اردو اور ہندی میرے مضامین تھے۔ بڑا ادارہ، نیا ماحول اور نئے تجربوں سے دوچار ہوا۔ غیر مسلم طلباء اور اساتذہ سے پہلی بار سابقہ پڑا۔ لڑکوں کے علاوہ لڑکیاں بھی ہماری جماعت میں تھیں۔ یہاں بڑے قابل، باصلاحیت اور مشہور اساتذہ سے پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ حضرات بڑی محبت اور انہماک سے پڑھاتے تھے۔ ذریعہ تعلیم انگریزی تھی۔ ہندو اور مسلم میں بہت زیادہ تفریق اور منافرت نہیں تھی۔ اساتذہ بڑے باوقار تھے اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ طلباء اور طالبات مہذب اور آج کی طرح فیشن زدہ نہیں تھے۔ شش ماہی اور سالانہ امتحان بڑی سختی اور پابندی سے صحیح معنوں میں صاف ستھرے ماحول میں ہوتا تھا۔ وہ ماحول اور حالات اب ماضی کی باتیں ہیں۔

بہر حال اس عظیم تعلیمی ادارے سے ۱۹۷۲ء میں آئی۔اے، ۱۹۷۴ء میں بی اے آنرس، ۱۹۷۶ء میں ایم اے فارسی، ۱۹۷۸ء میں ایم اے اردو، ۱۹۸۰ء میں ایل ایل۔بی۔ کیا اور ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز ہوا۔ یہاں ہمارے مسلم اساتذہ میں پروفیسر سید حسن، پروفیسر عطا کاکوی، پروفیسر صدرالدین فضا شمسی، پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن، پروفیسر محمد صدیق، پروفیسر انوار احمد، پروفیسر خواجہ افضل امام، پروفیسر حبیب المرسلین، پروفیسر ممتاز احمد، پروفیسر کلیم احمد عاجز، پروفیسر ضیاء الدین احمد، پروفیسر سید موسیٰ رضا، پروفیسر شمشاد حسین اور انگریزی میں پروفیسر وسیم احمد اور پروفیسر شمیم احمد کے اسماء گرامی شامل ہیں، اور قریب ترین ساتھیوں میں پروفیسر انیس صدری، سمستی پور کالج سمستی پور، پروفیسر رفیق عالم، ویر کنور سنگھ یونیورسٹی، ڈاکٹر عبداللطیف حیدری، ڈی اس کالج کٹیہار، ڈاکٹر سلیم الدین احمد، اسسٹنٹ ڈائرکٹر خدابخش لائبریری پٹنہ، جناب مختار احمد مونگیری، ڈپٹی لیبر کمشنر گیا اور ڈاکٹر غفران احمد سبزی باغ پٹنہ، قابل ذکر ہیں۔ جن کی یادیں آج بھی فرحت بخش ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ میں ملازمت مل گئی اور ۲۳ رستمبر ۱۹۷۹ء کو ریسرچ اسسٹنٹ کے عہدے پر بحال ہوا۔ اس وقت میری تنخواہ گرانی بھتہ کے ساتھ

آٹھ سو پچاس روپیہ تھی جو بعد میں بڑھ کر ایک ہزار ہوگئی۔ پہلے اس عہدے پر ڈاکٹر رضوان الحق ندوی تھے۔ ۱۹۷۶ء میں وہ لکچرر ہو کر ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج سیوان جا چکے تھے۔ ابھی وہ ماڑواڑی کالج کشن گنج میں صدر شعبہ اردو ہیں۔ یہاں مجھے جدید فارسی ادب کا پرچہ پڑھانے کو ملا۔ تازہ دم تھا۔ بہت ذوق وشوق سے فاضل فارسی کے لڑکوں کو پڑھایا۔ لڑکے بھی درس سے کافی مطمئن تھے۔ جب کوئی دشواری ہوتی تو پروفیسر افسر الدولہ فیاض الدین حیدر صاحب سے رجوع کرتا۔ آپ ادارہ کے ڈائرکٹر تھے۔ قدیم اور جدید فارسی زبان وادب کے بڑے عالم اور پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ فارسی اور تہران یونیورسٹی سے ڈپ۔ لٹ۔ تھے۔ بڑی اچھی صلاحیت تھی۔ ایرانی لہجہ میں خوب گفتگو کرتے۔ آپ میرے استاد بھی تھے۔ آپ سے میں نے خوب خوب استفادہ کیا۔ یہاں دوسرے اساتذہ میں پروفیسر علی حیدر نیر، شعبۂ عربی میں، پروفیسر سید اطہر شیر اور ڈاکٹر شمس الحق، شعبہ ٹریننگ میں پروفیسر سمیع الدین حیدر اور پروفیسر کرم اللہ رام پوری اور شعبۂ انگریزی میں پروفیسر قاضی عبدالوارث تھے۔

۲/اکتوبر ۱۹۸۲ء کو شعبۂ اردو متھلا یونیورسٹی دربھنگہ میں لکچرر ہو کر آ گیا۔ بھاگلپور اور بہار یونیورسٹی کے کچھ حلقوں کو کاٹ کر یہ یونیورسٹی ۵/اگست ۱۹۷۲ء کو قائم کی گئی ہے۔ یونیورسٹی کا مرکزی دفتر مہاراجہ لکشمیشور سنگھ کے سکریٹریٹ میں ہے۔ اس کی عمارت اپنی فنی تعمیر کے اعتبار سے ہند مغل آرٹ کا عمدہ شاہکار ہے جو سیاحوں کے لئے ایک زیارت گاہ بھی ہے۔ سنسکرت یونیورسٹی دربھنگہ انہی کی رہائش عمارت نولکھا پیلیس میں ۱۹۶۹ء میں قائم ہوئی۔

متھلا انچل میں مہیش ٹھاکر ایک مشہور پنڈت تھے جو اپنے وقت کے معروف عالم وفاضل مانے جاتے تھے۔ ان کے ہزاروں شاگرد تھے۔ ان تمام شاگردوں میں رگھونندن رائے سب پر فائق ہوئے اور پنڈ رائے کے نام سے مشہور ہوئے۔ عہد اکبری میں دہلی پہنچے۔ شدہ شدہ پنڈت رائے کی خبر بادشاہ اکبر کو ہوئی۔ انہوں نے ان کو ان کے تحصیل علم نادرہ سے متاثر ہو کر راج ترہت وریاست ترہت کی جاگیر ۹۶۵ فصلی میں عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے عطایات سے بھی نوازا۔ پنڈت رائے نے اس جاگیر کو اپنے گرو مہیش ٹھاکر کو گرودان کے طور پر پیش کر دیا۔ اس کے بعد سے مہیش ٹھاکر ریاست

ترہت کے پہلے مہاراجہ ہو گئے۔(بحوالہ ریاض ترہت مصنف اجودھیا پرساد مطبوعہ ۱۸۶۸ء/۱۲۸۵ھ)

متھلا یونیورسٹی میں شعبۂ اردو ۲۱رفروری ۱۹۷۹ء میں قائم ہوا اور ۲۱رستمبر ۱۹۷۹ء کو ایک مختصر تقریب سے شعبۂ اردو میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ڈاکٹر محمد کمال الدین صدر شعبۂ اردو سی۔ایم کالج دربھنگہ (قائم شدہ ۱۹۳۸ء) اس کے پروفیسر انچارج بنائے گئے۔۱۸رستمبر ۱۹۸۱ء کو جناب پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب باضابطہ یونیورسٹی پروفیسر اور صدر شعبہ کی حیثیت سے متھلا یونیورسٹی تشریف لائے۔ اس سے قبل وہ پٹنہ یونیورسٹی میں انچارج صدر شعبۂ اردو تھے۔وہ ایک معروف اور باثر شخصیت کے مالک تھے۔انہی کی سفارش پر نومبر ۱۹۸۱ء میں سی ایم کالج دربھنگہ سے ڈاکٹر محمد طیب صدیقی اور ڈاکٹر عبدالمنان طرزی شعبہ اردو میں ٹرانسفر ہو کر آ گئے اور ڈاکٹر محمد کمال الدین اپنی پرانی جگہ پر واپس ہو گئے۔اس مدت میں ڈاکٹر شاکر خلیق سی ام کالج میں صدر شعبۂ اردو تھے۔

۲رنومبر ۱۹۸۲ء کو میرے ساتھ ڈاکٹر فاران شکوہ یزدانی نے بھی جوائن کیا تھا۔وہ پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔اے ہیں۔آپ پورنیہ کی مشہور و معروف اور علمی و ادبی شخصیت جناب اکمل یزدانی جامعی کے صاحبزادے ہیں۔ فاران شکوہ یزدانی نے ایم۔اے کرنے کے بعد جناب پروفیسر کلیم الدین احمد صاحب کے ساتھ اردو انگریزی ڈکشنری پروجیکٹ میں بھی شریک کار تھے۔ان کے ساتھ ہمارے ایک دوست جناب مصطفیٰ کمال ہاشمی بھی اس پروجیکٹ میں شریک غالب تھے۔وہ پٹنہ یونیورسٹی سے انگریزی اور فارسی میں ام۔اے۔ تھے۔بعد میں ان کی ملازمت خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہو گئی۔ان دنوں خدا بخش لائبریری میں جناب ڈاکٹر عابد رضا بیدار ڈائرکٹر تھے۔بڑے علمی اور متحرک آدمی۔ان کے عہد میں لائبریری نے بڑی شہرت اور ترقی حاصل کی۔میں اپنے ریسرچ کے دوران ان سے قریب ہوا۔ان کی وجہ سے مجھ کو لائبریری میں بڑی سہولت ملی۔انہی دنوں یہاں ہمارے اور کئی احباب ملازم تھے۔انیس صدری، محمود عالم مرحوم، ڈاکٹر سلیم الدین احمد (موجودہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر) متین ابدالی، محمد اکرم، ڈاکٹر عتیق الرحمٰن قاسمی اور محمد حسنین وغیرہ۔

۱۴رنومبر ۱۹۸۲ء کو پروفیسر سید ضیاء الرحمٰن سمستی پور کالج سمستی پور سے ٹرانسفر ہو کر شعبہ اردو

متھلا یونیورسٹی تشریف لائے۔ شعبہ میں ڈاکٹر عبدالقیوم اسسٹنٹ اور سید امداد حسین (چندن پٹی، در بھنگہ) پیون تھے۔ شعبۂ اردو نرگونا پیلس میں منتقل ہو چکا تھا۔ یہ شاندار محل آخری مہاراجہ ڈاکٹر کامیشور سنگھ نے ۱۹۳۴ء کے زلزلہ کے بعد اپنی رہائش کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ فنی اعتبار سے یہ عمارت جدید مغربی طرز کی ہے۔ اس کا محل وقوع نہایت شاندار، حسین اور پر فضا ہے۔ یہ عمارت دو منزلہ ہے جس میں ایک سو ایک کمرے ہیں۔ اوپر کی منزل پر جانے کے لئے اس میں پانچ سیڑھیاں ہیں۔ جن میں سے ایک لوہے کی پیچ دار سیڑھی اور ایک عدد لفٹ جواب نا قابل استعمال ہے۔ اس میں آرٹس فیکلٹی کے تمام شعبے چل رہے ہیں۔ شعبۂ اردو کے بازو میں شعبۂ سماجیات ہے۔ یہاں ہمارے ایک دوست ڈاکٹر خواجہ غلام اشرف عرف غریب نواز جن کا تعلق اچھے پور، پورنیہ سے ہے۔ انہوں نے ۶ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو اس شعبہ میں لکچرر کی حیثیت سے جوائن کیا۔ تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس سال اپنے والدین، خسر اور خوشدامن کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے گئے ہوئے تھے۔

۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر قمر التوحید صاحب متھلا یونیورسٹی میں وائس چانسلر تھے۔ اس سے قبل وہ بھاگلپور یونیورسٹی میں انگریزی کے ایک مشہور اور جید استاد تھے۔ ۱۹۸۰ء میں ان سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اس طرح کہ عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ پٹنہ میں مرزا عبدالقادر بیدل پر ایک قومی سمینار ہونے والا تھا۔ ڈاکٹر سید اطہر شیر اس سیمینار کے ڈائرکٹر اور راقم الحروف سکریٹری تھا۔ ہم لوگوں کی خواہش تھی کہ پروفیسر کلیم الدین احمد اس سیمینار کے افتتاحی سیشن کی صدارت فرمائیں۔ ہم دونوں ان کی رہائش گاہ شری کرشنا پوری پٹنہ گئے۔ ان سے گزارش کی اور وہ راضی ہو گئے اور عرض کیا کہ بیدل سے متعلق جو بھی کتابیں آپ کی لائبریری میں موجود ہیں ان کو بھجوا دیجئے۔ میں دوسرے دن ان کتابوں کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دس دنوں بعد پروفیسر کلیم الدین احمد صاحب کا فون آیا کہ اپنی ذاتی مصروفیت کی وجہ سے میں آپ کے سیمینار میں شرکت نہیں کر سکوں گا۔ کتابیں واپس منگا لیجئے۔ راقم دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور! آپ اس کی صدارت فرماتے تو ہم لوگوں کے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہوتی۔ اس میں مقالہ تو پڑھنا نہیں ہے۔ اس کے جواب میں پروفیسر کلیم

الدین احمد صاحب نے فرمایا کہ بغیر مطالعہ کے کسی موضوع پر گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے۔ان کتابوں کو دیکھنے کے لئے وقت نہیں نکال سکا۔معذرت! وہ بہت کم سخن تھے۔ میں کتابوں کے ساتھ واپس آ گیا۔ بعد میں اطہر شیر صاحب نے جناب ڈاکٹر قمر التوحید صاحب سے رابطہ کیا وہ راضی ہو گئے۔شیر صاحب کے وہ دوست اور پٹنہ یونیورسٹی میں ہم عصر تھے۔بی۔اے تک فارسی ان کا ایک پرچہ تھا۔اس سیمینار میں ڈاکٹر قمر التوحید صاحب سے میرا تعارف ہوا۔ جب دربھنگہ میں پہلی بار پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے حیرت سے پوچھا کہ آپ یہاں! میں نے ان کو بتایا تو آپ خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

اخبار سے یہ خبر معلوم ہوئی کہ ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو پروفیسر کلیم الدین احمد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اردو دنیا کے لئے یہ ایک افسوس ناک خبر تھی۔کلیم الدین احمد انگریزی ادب کے ایک مستند عالم، مشہور پروفیسر اور اردو زبان کے ایک عالمی شہرت یافتہ اور بلند پایہ ناقد تھے۔انہوں نے اردو تنقید کو ایک وقار اور معیار بخشا۔اردو تنقید پر انہوں نے کئی گراں قدر کتابیں لکھیں جو جامعات کے نصابوں میں آج بھی شامل ہیں۔

۲۵ر جنوری ۱۹۸۴ء کو قاضی عبدالودود کی موت کی خبر نے اردو دنیا کو پھر ایک بار سوگوار کیا۔وہ فارسی اور اردو کے بلند پایہ محقق اور دانشور تھے۔انہوں نے اردو تحقیق کو جو معیار و افتخار عطا کیا ہے وہ بعد والوں کے لئے مشعل راہ ہے۔بھنور پوکھر دریاپور پٹنہ میں ان کی رہائش گاہ تھی۔ وہ پٹنہ کے ایک بڑے رئیس تھے۔اردو اور فارسی کے پروفیسروں اور دانشوروں کے لئے ان کا مکان ایک مرجع تھا۔قاضی مسعود ان کے لڑکے تھے۔ پٹنہ یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم۔اے اور ہمارے استاد پروفیسر سمیع الدین حیدر اور پروفیسر سید اطہر شیر کے ہم جماعت اور گہرے دوست تھے۔وہ اکثر عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آتے اور اپنے احباب کے درمیان بیٹھتے۔ بڑے باوقار اور گفتگو میں محتاط تھے۔ میں بھی ان سے متعارف ہو گیا تھا۔کئی بار پروفیسر سمیع الدین حیدر اور اطہر شیر کے ساتھ ان کے دولت کدہ پر حاضر ہونے کا موقع ملا۔۔یہ حضرات قاضی عبدالودود سے بڑے بے تکلف تھے۔انہوں نے قاضی صاحب سے

میرا تعارف کرایا۔ ایک بار قاضی صاحب نے شیر صاحب سے کہا کہ مسعود آپ کا دوست ہے ان کی شادی کیوں نہیں کرا دیتے۔ ان سے کہئے کہ شادی انچ ٹیپ لے کر گھومنے سے نہیں ہوتی ہے۔ شیر صاحب نے عرض کیا ''حضور اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایک ہفتہ کے اندر ان کی شادی کرا دوں''۔ اس پر قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ مسعود کا ذاتی معاملہ ہے۔ قاضی مسعود غیر شادی شدہ تھے۔ شادی کے لئے ان کی بڑی سخت شرطیں تھیں۔

۱۲/اگست ۱۹۸۷ء کو در بھنگہ میں زبردست سیلاب آیا۔ شہر میں کئی فٹ پانی گھس آیا۔ بہت سے مکانات گر گئے۔ ان دنوں راقم الحروف، پروفیسر ضیاء الرحمٰن اور ڈاکٹر ظفر سعید، ڈاکٹر فاروق اعظم کے مکان واقع محلہ مرزا حیات بیگ میں ایک ساتھ مقیم تھے۔ اس سیلاب میں جزوی طور پر ہم لوگوں کا بھی نقصان ہوا۔ حیا گھاٹ بلاس پور میں بڑی تباہی ہوئی۔ حاجی عثمان صاحب کے مکان میں بہت سے افراد پناہ گزیں تھے۔ وہ پختہ مکان بہہ گیا اور اس کے ساتھ درجنوں افراد بھی بہہ گئے۔ جن کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ اب وہ جگہ ایک بڑی کھائی میں تبدیل ہوگئی ہے جس کی گہرائی اب بھی پچاس فٹ ہوگی۔

۱۹۸۷ء میں پروفیسر چیتکر جھا متھلا یونیورسٹی میں وائس چانسلر اور پروفیسر شمیم احمد پرو وائس چانسلر تھے۔ جب پروفیسر چیتکر جھا مستعفی ہوکر چلے گئے تو پروفیسر شمیم احمد انچارج وائس چانسلر ہوئے۔ وہ بہت کم آمیز اور کم سخن تھے۔ یونیورسٹی کے مسائل پر ان کی گرفت بڑی ڈھیلی تھی اور وہ مسائل سے دو چار ہونا نہیں چاہتے تھے۔ عموماً ہیڈ کوارٹر سے باہر رہتے۔ یونیورسٹی میں ملازمین ہڑتال پر تھے۔ ایک مدبر اور دانش مند وائس چانسلر کے لئے یونیورسٹی منتظر تھی۔ اسی دوران ۱۸/ دسمبر ۱۹۸۷ء کو ڈاکٹر شکیل الرحمٰن متھلا یونیورسٹی میں وائس چانسلر ہوکر تشریف لائے۔ وہ اردو کے ایک مشہور استاد، تنقید نگار اور بہار یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر تھے۔ ان کی آمد سے کافی امید بندھی کہ وہ ایک کامیاب اور موثر وائس چانسلر ثابت ہوں گے۔ لیکن آنے کے بعد ہی انہوں نے ہر چہار طرف سے ایسا محاذ کھولا کہ بہت جلد ان کی مخالفت شروع ہوگئی۔ اس وقت کے وزیر تعلیم ڈاکٹر ناگندر جھا سے دشمنی مول لی۔ دوسری طرف اس وقت کے چانسلر اور گورنر شری گووند نارائن سنگھ سے بھی مخاصمت مول لے لی۔ اساتذہ اور ملازمین کی ایک

بڑی تعداد کا تبادلہ کر دیا۔ ملازمین اسٹرائک پر چلے گئے تو ۱۷۹ ملازمین کو معطل کر دیا۔ حکمران وقت سے بلا وجہ الجھ گئے۔ آخر کار ۶؍اگست ۱۹۸۸ء کو چانسلر نے ان کو اس عہدہ سے برخاست کر دیا اور دربھنگہ کے کمشنر اے۔ کے۔ مشرا کو وی سی کا چارج دیا گیا۔ پروفیسر شکیل الرحمٰن اگر تدبر و فراست سے کام لیتے تو ایک کامیاب وی۔ سی۔ ہوتے۔ اس کے بعد ۱۹۸۹ء میں دربھنگہ پارلیامانی انتخاب میں جنتا پارٹی کے وہ امیدوار ہوئے اور ڈاکٹر ناگندر جھا کانگریس کے امیدوار تھے۔ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کافی ووٹ سے کامیاب ہوئے۔ مرکز میں چندر شیکھر کی حکومت بنی تو محکمہ صحت کا قلمدان وزارت آپ کے سپرد ہوا۔ لیکن یہ حکومت چھ ماہ سے زیادہ نہیں چل سکی۔ ابھی ڈاکٹر شکیل الرحمٰن گڑگاؤں ہریانہ میں رہائش پذیر ہیں اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں۔ جمالیاتی تنقید آپ کا خاص میدان ہے اور گویا آپ اس فن کے امام ہیں۔ ''مرزا غالب اور مغل ہند جمالیات'' آپ کی اہم تصنیف ہے۔

۳؍دسمبر ۱۹۸۸ء کو پروفیسر شمیم احمد پرو۔ وی۔ سی۔ کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے اور ۷؍جنوری ۱۹۸۹ء کو آپ بہار سروس کمیشن کے ممبر نامزد ہوئے۔ اس سے قبل آپ بھاگلپور یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو تھے۔ ان کے بعد پروفیسر بی۔ ان۔ شری واستو، پرو۔ وی۔ سی۔ مقرر ہو کر تشریف لائے۔ وہ پٹنہ لاء کالج میں پرنسپل تھے۔ میں نے پٹنہ لا کالج میں ان سے Constitution of India، Law of evidence اور Muslim Law پڑھا تھا۔ وہ Constitution of India میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ تھے۔ لاء کالج میں ایک اچھے استاد اور کامیاب منتظم کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ ان کا آبائی وطن الہ آباد تھا۔ بڑی اچھی اردو بولتے تھے۔ جب ان کے دفتر میں، میں پہلی بار ان سے ملنے گیا تو آپ کو پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ دو ایک بار ان کی رہائش گاہ پر بھی گیا۔ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آئے۔

حکیم عبدالمنان صدری سے میری پہلی ملاقات ان کے گاؤں فاضل پور سمستی پور میں غالباً ۱۹۷۸ء میں ہوئی تھی۔ انیس صدری کی شادی میں شرکت کے لئے میں پٹنہ سے یہاں حاضر ہوا تھا۔ مرحوم محمود عالم اور سلیم الدین احمد بھی ساتھ تھے۔ بارات موضع بریول، دربھنگہ گئی تھی۔ انیس کی یہ دوسری

شادی تھی۔ ان کی پہلی شادی حکیم عبدالمنان صدری صاحب کی بیٹی سروری خاتون سے ہوئی تھی۔ شادی کے محض تین سال بعد وہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ یہ شادی کا موقع تھا اور ہمہ ہمی تھی، اس لئے حکیم صاحب سے محض رسمی ملاقات ہوئی۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں جب میں دربھنگہ آ گیا تو انیس سے ملنے ان کے گاؤں فاضل پور گیا۔ حکیم عبدالمنان صدری انیس صدری کے بڑے ماموں تھے۔ اس بار ان سے بالمشافہ گفتگو ہوئی اور ان کی شخصیت کے بارے میں علم ہوا۔

حکیم صاحب ایک خوش حال اور متمول خاندان میں ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی غلام علی فارسی کے عالم اور دادا اصدر علی علاقے کے مقتدر اور سر برآوردہ شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔ یہ پورا علاقہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م۔ ۱۹۱۸ء) کے زیر اثر مسلک اہل حدیث سے قریب ہے۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کا شمار ایک مستند عالم دین اور محدث کی حیثیت سے تھا۔ وہ مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد رشید اور اپنے وقت کے مشہور خطیب اور مسلک اہل حدیث کے مبلغ اور بڑے داعی تھے۔ حکیم صاحب کا خانوادہ بھی ان کے زیر اثر تھا۔ اسی مناسبت سے آپ کا داخلہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں کرایا گیا جو مسلک اہل حدیث کا بہار میں سب سے بڑا دینی ادارہ ہے۔ یہاں سے آپ متوسطات تک کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد تکمیل الطب کے لئے ۱۹۲۸ء میں دہلی چلے گئے اور ۱۹۳۰ء تک یہاں آپ کا قیام رہا۔ ہندوستان میں تحریک آزادی کا یہ دور شباب تھا۔ پورے ملک میں یہ تحریک چل رہی تھی۔ حکیم صاحب بھی اس تحریک میں عملی طور پر شریک ہوگئے۔ جمعیۃ العلماء ہند اس وقت مسلمانوں کی واحد تنظیم تھی جو کانگریس کے ساتھ اس تحریک آزادی میں سرگرم عمل تھی۔ حکیم صاحب جمعیۃ العلماء سے قریب ہوگئے اور جب دہلی میں مسلم طلباء نے جمعیۃ العلماء کی نگرانی میں جمعیۃ الطلبا کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تو حکیم صاحب اس کے صدر نامزد ہوئے اور بڑی سرگرمی سے تحریک آزادی میں کود پڑے۔ اسی دوران آپ کے والد نے اپنی علالت کی وجہ بتا کر آپ کو گھر بلا لیا۔ آپ اس وقت تک حکومت برطانیہ کی نظر میں آ چکے تھے۔ دلی ریلوے اسٹیشن پر آپ کے ساتھیوں کی ایک بڑی جماعت آپ کو رخصت کرنے آئی تھی، جب پولیس کو اس کی خبر ہوگئی تو آپ کو گرفتار کرنے کے لئے وہ اسٹیشن پر

آگئی۔اس وقت تک ٹرین روانہ ہو چکی تھی اور آپ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔

حکیم صاحب گھر پر مطمئن نہیں تھے۔طب کی تکمیل ابھی باقی تھی۔آپ کے ایک رشتہ دار حکیم محمد سالم صدری لکھنؤ میں طب کے طالب علم تھے۔آپ لکھنؤ چلے آئے اور یہیں سے ۱۹۳۱ء میں تکمیل الطب کی سند حاصل کی۔

حکیم صاحب نے فراغت کے بعد گھر پر مطب کھولا۔بڑے باصلاحیت اور مشہور حکیم ہوئے۔ نباضی اور تشخیص میں کمال مہارت رکھتے تھے۔اس پیشہ میں دولت اور شہرت دونوں حاصل کی۔سیاسی اعتبار سے پکے کانگریسی تھے اور پوری زندگی ادھر سے اُدھر نہیں ہوئے۔دولت و ثروت کی وجہ سے پورے علاقہ میں آپ کا گھر سیاست کا مرکز بن گیا تھا۔بڑی بڑی شخصیتیں آپ کے در دولت پر حاضر ہوئی ہیں۔آپ بڑے روادار اور مہمان نواز تھے۔راقم الحروف کو بھی آپ کے گھر پر دعوت میں شرکت کا موقع ملا ہے۔انیس کی وجہ سے میں اس خانوادے سے بہت قریب ہو گیا۔جب بھی اس گھر میں کوئی تقریب ہوتی ہے تو میں مدعو ہوتا ہوں۔تقریب کے علاوہ بھی اس گاؤں میں بار بار میری حاضری ہوئی ہے۔رابطے کی مرکزی کڑی محبِّ گرامی پروفیسر انیس صدری ہیں۔

حکیم انوار صدری، حکیم مشتاق صدری پیشۂ طبابت سے منسلک ہیں اور حکیم عبدالمنان صدری کی روایت کو زندہ رکھا ہے۔اس خانوادہ کے افراد بڑے خوش اخلاق اور خوش اطوار ہیں۔رواداری اور شرافت کے حامل ہیں۔بھائی اشفاق صاحب، بھائی عبدالحنان صاحب، پروفیسر انیس صدری، ڈاکٹر اسرار صدری اور محمد ضیاءالدین صدری وغیرہ اس روایت کے امین ہیں۔جب کبھی میں اس گاؤں میں آتا ہوں تو احساس ہی نہیں ہوتا کہ میں باہر ہوں۔سبھی اپنے معلوم ہوتے ہیں۔بڑے ہی وسیع المشرب ہیں یہ لوگ۔یہ پورا خانوادہ صدری برادران سے مشہور ہے اور مورث اعلیٰ جناب صدر علی کی طرف یہ نسبت ہے۔

۱۹۸۸ء میں حکیم عبدالمنان صدری کا انتقال ہو گیا۔ان کے انتقال سے یہ پورا علاقہ ایک مشہور حکیم اور خادم قوم و ملت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے بانی اور اس کے وائس

چانسلر حکیم عبدالحمید جیسی معروف شخصیت حکیم عبدالمنان صدری کے ساتھی اور ہم جماعت تھے۔ جب بھی اس علاقے کی تاریخ لکھی جائے گی حکیم صدری کے بغیر تاریخ نامکمل ہوگی۔

۲۱ راگست ۱۹۸۸ء بروز اتوار عین ۵ بجے صبح زبردست زلزلہ آیا جس سے شہر دربھنگہ اور اس کے گرد وپیش میں سیکڑوں مکانات گر گئے یا اس میں شگاف پیدا ہو گیا۔ مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ کی عمارت زمیں بوس ہوئی، جس کی زد میں آکر مدرسہ کے صدر مدرس جناب مولانا محب رسول قادریؒ اور ان کے علاوہ آٹھ اور افراد جاں بحق ہو گئے۔ زلزلہ کا اثر دربھنگہ، مدھوبنی اور مونگیر میں سب سے زیادہ تھا۔

۱۰ رمئی ۱۹۸۹ء کو پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے اعزاز میں ایک مخصوص ادبی نشست ڈاکٹر محمد طیب صدیقی کی رہائش گاہ محلہ شیر محمد بھیگو دربھنگہ میں منعقد ہوئی تھی۔ جس میں راقم الحروف کے علاوہ ڈاکٹر محمد قیس، ڈاکٹر منصور عمر اور ڈاکٹر ظفر سعید، ڈاکٹر مظفر مہدی، ڈاکٹر ام اے ضیا، محمد سالم، دربھنگہ، ڈاکٹر حسن امام درد (برادر بزرگ مظہر امام)، ڈاکٹر امام اعظم اور ڈاکٹر عبدالقیوم شریک تھے۔

اس نشست میں ڈاکٹر طیب صدیقی نے پروفیسر آزاد سے علامہ اقبال سے متعلق چند ادبی سوالات کئے اور علامہ اقبال کے چند مشہور اشعار کی وضاحت کے لئے ان سے گذارش کی۔ ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا آپ کی ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی ہے؟ اس کے جواب میں پروفیسر آزاد نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ان سے براہ راست میری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ جن دنوں میں لاہور میں انٹر کا طالب علم تھا ان دنوں علامہ اقبال اپنی رہائش گاہ گاہ میں موجود رہا کرتے تھے۔ لیکن میں نے علامہ سے متعلق ایسی بلند اور مثالی رائے قائم کرلی تھی کہ اس جانب رخ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ جبکہ میں ابتدا سے ہی ادبی مجلسوں اور محفلوں میں شرکت کرنے لگا تھا۔ علامہ کا نام اپنے والد تلوک چند محرومؔ سے بچپن میں ہی سن رکھا تھا۔ ان کے کلام سے بھی واقف تھا۔ ان کے کلام نے مجھ پر ایسا جادو کر دیا تھا کہ میں اس کا گرویدہ ہو گیا اور لاہور پہنچنے سے قبل ہی علامہ کے کلام کا حافظ ہو گیا تھا۔ مشاعرے میں میرا تعارف حافظ کلام اقبال کے لقب سے کرایا جاتا تھا۔ اس کی خبر خود علامہ کو بھی ہوگئی تھی اور انہوں نے خود مجھ سے ملنے کی خواہش بھی کی تھی لیکن مجھ میں ان سے ملنے کی تاب نہیں تھی۔ حتیٰ کہ اگر کبھی ان کے مکان

کے قریب سے گزرنے کا اتفاق ہوتا تو نظریں جھکائے بڑی تیزی سے گزر جاتا کہ کہیں میری نظر ان پر نہ پڑ جائے۔ گویا علامہ میرے مثالی محبوب تھے۔ میں نے ان کے بارے میں ایک خیالی پیکر تراش لیا تھا۔ اس خیالی پیکر نے کبھی مجھے حقیقی اقبال سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔

پروفیسر آزاد اردو دنیا میں ماہر اقبالیات کی حیثیت سے معروف تھے۔ اقبال پر ان کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ وہ ایک اچھے شاعر تھے اور اقبال ان کا محبوب موضوع تھا۔ جموں یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر تھے۔ ان دنوں وہ متھلا یونیورسٹی میں پروفیسر شپ کے پروموشن میں اکسپرٹ کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ پہلی بار ان سے شرف ملاقات کا موقع ملا۔

پروفیسر آزاد ۵ر دسمبر ۱۹۱۸ کو مغربی پنجاب (پاکستان) کے شہر عیسیٰ خیل میں پیدا ہوئے تھے۔ ۲۴ر جنوری ۲۰۰۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کے تقریباً ۱۵ر شعری مجموعے اور بیس کے قریب نثری کتابیں بھی شائع ہوئیں ہیں۔ ان کے وصال کے بعد کتاب نما دہلی میں ان کی آخری غزل شائع ہوئی تھی:

غزل یا باغ امکاں کے نظارے کم نہیں ہونگے
نظارہ دیکھنے والوں میں لیکن ہم نہیں ہونگے

جہاں میں جب تیرے جلوں کی زد پر ہم نہیں ہونگے
تیرے جلوے تو ہونگے، اس طرح پیہم نہیں ہونگے

تم اپنی بزم میں، اب ہمکو پہچانو نہ پہچانو
کمی محسوس ہوگی، بزم میں جب ہم نہیں ہونگے

جہاں جھلکی تمہارے اک تبسم کی پڑی ہوگی
وہاں ہوگی مسرت رقص فرما، ہم نہیں ہونگے

کلیم و طور کی باتیں پرانی ہی سہی لیکن
یہ باتیں پھر کہاں ہونگی، یہاں جب ہم نہیں ہونگے

ہزاروں انقلاب آئیں، ہزاروں آندھیاں اٹھیں
تیرے شعلے غم جاناں، کبھی مدھم نہیں ہونگے

یہ ناقدری زمانے کی جو ہم پر آج ہنستی ہے
ہمیں اس وقت روئے گی، یہاں جب ہم نہیں ہونگے

۱۹۸۹ء کا سال میرے لئے عام الحزن سے کم نہیں رہا۔ اس سال بڑے بڑے حادثات اور روح فرسا واقعات رونما ہوئے۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بھاگلپور شہر اور اس کے سیکڑوں گاؤں میں بدترین فرقہ وارانہ فساد، آتش زنی اور لوٹ مار شروع ہوگئی، جس میں تقریباً دو ہزار مسلمانوں کی جانیں تلف

ہوئیں۔ سیکڑوں گاؤں اور سو سے زائد مسجدیں جلا کر برباد کر دی گئیں۔ اس فرقہ پرستی اور نسل کشی میں موضع لوگائیں اور چندیری ضلع بھاگلپور میں سب سے زیادہ لوگ شہید کئے گئے۔ صرف لوگائیں میں ۱۲۲ اور چندیری میں ۶۷ مرد، عورت اور بچے بڑی بے دردی سے قتل کر دئے گئے۔

بابری مسجد اور رام جنم بھومی مسئلہ نے گزشتہ دو سالوں سے ہندوستان کی فضا کو بہت دھماکہ خیز بنا دیا تھا۔ وشو ہندو پریشد اور بھارتیہ جنتا پارٹی نے اس مسئلہ کو ہندوستان گیر پیمانے پر مسلمانوں کے خلاف ایک تحریک کی شکل دے دی تھی۔ جس کی وجہ سے فرقہ پرست ہندو، مسلمانوں کا جانی دشمن ہو گیا تھا۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۸۹ء کو فیض آباد اجودھیا میں بابری مسجد کے احاطے میں رام مندر کی بنیاد رکھنا طے پائی تھی۔ اس سے قبل ہر شہر اور گاؤں سے شیلا نیاس کے نام پر جلوس نکل رہے تھے۔ اور وشو ہندو پریشد نے یہ نعرہ دیا تھا کہ ہر گاؤں سے ایک ایک اینٹ اس مندر کی تعمیر میں لگے۔ اس نے فرقہ پرست ہندوؤں کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا تھا۔ اس موقع پر اشتعال انگیز نعرے بھی لگائے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بھاگلپور شہر میں جلوس نکلا جس نے خونی شکل اختیار کر لی اور دیکھتے دیکھتے پورا شہر اور اس کے اطراف کے گاؤں جلنے لگے۔ سبور، جگدیش پور، شاہ کنڈ، ناتھ نگر، امر پور، نوگچھیا، رجون اور بانکا کے بلاکس وغیرہ بری طرح متاثر ہوئے۔ ضلع انتظامیہ نے اس فساد میں بڑا گھنونا کردار ادا کیا۔ ان دنوں میں فرصت میں اپنے گاؤں میں موجود تھا۔ ہمارے گاؤں پر بھی متواتر حملے کی سازشیں کرتے رہے لیکن گاؤں کی حکمت عملی اور چوکسی نے اس سازش کو ناکام کر دیا۔ راقم الحروف اس ہنگامی صورت حال کے پیش نظر گاؤں کا امیر منتخب ہوا تھا۔ گاؤں اور علاقے کی حفاظتی تدابیر کے لئے رات دن سرگرم رہا گاؤں اور علاقے والوں کے اندر ہمت اور جرأت کے لئے عملی تدابیر اختیار کیں۔ اللہ نے ہماری نصرت کی اور یہ علاقہ اس فساد میں محفوظ رہا۔ ان دنوں میرا گاؤں پناہ گزینوں اور ریفیوجیوں کا کیمپ بنا ہوا تھا۔ تقریباً ڈھائی ہزار پناہ گزیں یہاں موجود تھے۔ گاؤں والوں نے ان کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کے لئے بڑی ہمت اور جرات کا مظاہرہ کیا۔ بعد میں ریلیف کے سامان بھی آنے لگے۔

۱۷ر نومبر ۱۹۸۹ء کو موضع کوروڈیہہ کے ۶۵ اور موضع چھتنہ کے تقریباً چالیس آدمی

C.R.P.F. کی گاڑی پر ان کی نگرانی میں لوگ آئیں پہنچے اور صرف اس تاریخ کو ۹۴ لاشیں دو الگ الگ قبروں میں اجتماعی طور پر دفن کیا۔ یہ منظر اس قدر دل دوز اور روح فرسا تھا کہ ان لاشوں کو دیکھتے ہی بڑے بڑے ہمت ور بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ان لاشوں کو دفن کرنے کے بعد تقریباً تین بجے شب میں ہم تمام لوگ پولیس کی نگرانی میں اپنے گاؤں واپس آئے۔ پہلی بار ہم لوگ گاؤں سے باہر نکلے تھے۔

فسادیوں نے پہلے ان لاشوں کو دو کنوؤں میں موندا اور پھر اس پر کیلا اور لیمو کے پودے لگائے۔ جب یہ راز فاش ہو گیا تو پھر ان فسادیوں نے ان لاشوں کو کھیت میں دفن کر کے اس پر گوبھی اور گیہوں کی کاشت کی۔ ان لاشوں کو ہم لوگوں نے کندھوں پر ڈھو ڈھو کر یک جا کیا اور پھر دفن کیا۔ آج بھی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم جاتا ہے۔

جب قدرے حالات بہتر ہوئے تو میں بھاگلپور سے بذریعہ ٹرین پٹنہ آیا براہ راست روزنامہ سنگم کے دفتر میں پہنچا اور پوری رپورٹنگ اخبار میں دی۔ دنیا اب تک اس سے لاعلم تھی جب دوسرے دن اخبار میں یہ نیوز آئی تو لوگوں نے اپنے سروں کی دونوں آنکھوں سے اس خونی داستان کو پڑھا اور خون کے آنسو روئے۔

۲۹ رنومبر ۱۹۹۰ء کو پروفیسر حسن عسکری کے وصال کی خبر سے دل کی عجیب کیفیت ہو گئی۔ ان سے میں بہت دنوں سے متعارف تھا۔ میرے دو استاد پروفیسر کمال احمد صبا اور پروفیسر شرف عالم سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ یونیورسٹی و سابق وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ ان کے مکان کے ایک حصہ میں کرایہ دار تھے اور میں ان حضرات سے اکثر ان کی رہائش گاہ پر ملنے جایا کرتا تھا۔ اسی دوران میں پروفیسر حسن عسکری صاحب سے میرا تعارف ہوا۔ اس کے بعد پھر خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اپنے ریسرچ کے دوران گھنٹوں ان کے قریب بیٹھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ دبلے پتلے، سانولا رنگ، سر پر دو پلی ٹوپی، کلین شیو شروانی، خالتا پائجامہ اور چپل ہی میں ہمیشہ نظر آئے۔ ان کے لباس اور وضع قطع سے دیکھنے والوں پر کوئی خاص تاثر نہیں ہوتا۔ اپنی شہرت اور علمی وقار کی جس بلندی پر وہ فائز تھے لباس ٹھیک اس کے برعکس۔ گفتگو میں بھی کوئی آن بان اور شان نہیں۔ وہ ہر دن لائبریری میں آتے اور

ایک پرانی سائیکل ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی۔ میں نے ان کو سائیکل پر سوار کبھی نہیں دیکھا۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار ڈائرکٹر خدا بخش خاں لائبریری ان کی بہت عزت اور احترام کرتے اور لائبریری میں انہیں ہر طرح کی سہولت بہم پہنچانے میں مستعد رہتے۔ ان کی موت کی خبر نہ صرف میرے لئے بلکہ علمی دنیا کے لئے ایک عظیم سانحہ سے کم نہیں تھی۔ اس شدت احساس کی وجہ سے میں نے دوسرے دن ڈائری میں اپنے تاثرات قلم بند کئے میں اسے یہاں بعینہ نقل کرتا ہوں۔

''آزاد ہندوستان کی مشہور و معروف شخصیت، عہد وسطیٰ کے مقتدر و مستند مؤرخ اور قابل فخر محقق پروفیسر سید حسن عسکری ایک طویل علالت کے بعد اپنی رہائش گاہ محلہ خان مرزا میر شکار ٹولی پٹنہ میں شب کے ابتدائی حصے میں ۲۹ر نومبر ۱۹۹۰ء بروز جمعرات انتقال کر گئے۔ وہ ۱۹۰۱ء میں ضلع سیوان کے کھجوا گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ پٹنہ یونیورسٹی کے طالب علم رہے اور پھر اسی یونیورسٹی کے ماتحت شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہو کر سبکدوش ہوئے۔

پروفیسر عسکری اپنی ملازمت کے دوران اور اس کے بعد بھی آخری عمر تک سنہا وجیشوال لائبریری اور خدا بخش لائبریری پٹنہ سے نہ صرف فائدہ اٹھایا بلکہ اپنی صلاحیت اور علمیت کے وہاں گہرے نقوش بھی چھوڑے۔ ان مقامات سے شائع ہونے والے جریدوں میں ان کے دقیع مقالے شائع ہوتے رہے ہیں، جو نہایت بلند پایہ ہوتے تھے۔ یہ لائبریریاں ان کے مطالعے کی جگہ ہی نہیں بلکہ ریسرچ اسکالروں کے لئے وہ خود بھی حوالہ تھے۔ میں نے اپنے ریسرچ کے دوران کئی اہم موڑ پر ان سے خدا بخش لائبریری میں استفادہ کیا تھا۔ اسی طرح اساتذہ اور دانشوروں کو بھی لائبریری میں ان سے صلاح و مشورہ کرتے دیکھا۔ خصوصاً فادر جیکشن پال جو اٹالین تھے اور سینٹ زیویر اسکول پٹنہ میں قیام پذیر تھے۔ ان دنوں وہ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کی مشہور کتاب خوان پر نعمت پر کام کر رہے تھے۔ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کی مشہور کتاب مکتوبات صدی کا Hundred letters of Sharafuddin Maneri کے نام سے بعد میں فادر جیکشن پال نے انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ یہ سب کام پروفیسر عسکری کی نگرانی میں ہوا تھا۔

تاریخی واقعات اور ان کی جزیات پر نہ صرف ان کی گہری نظر تھی بلکہ اپنے حافظے میں ان کو محفوظ بھی کر لیا تھا۔ برجستہ سوالوں کا وہ جواب دیتے اور مستند حوالوں کی طرف رہنمائی بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے اوقات کو خالص علمی کاموں میں صرف کیا۔ آپ نے کئی اہم تصانیف اور بے شمار تحقیقی مقالے یادگار چھوڑے۔ ان کی علمیت اور صلاحیت کو سراہتے ہوئے غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی نے غالب ایوارڈ، صدر جمہوریہ نے پریسی ڈنٹ ایوارڈ اور حکومت ہند نے پدم شری جیسے اعزازات سے ان کو نوازا۔

یقیناً ایسی ہستیاں کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ پٹنہ کے ارکان ثلاثہ میں سے ایک بچے ہوئے تھے۔ شہر عظیم آباد کی وہ آخری علمی مینار بھی ہم سے روپوش ہو گیا۔ کبھی بہار کو علوم مشرقیہ میں پروفیسر کلیم الدین احمد، قاضی عبدالودود اور پروفیسر سید حسن عسکری پر ناز تھا۔ آج ایک ایک کر کے ہم سے سب جدا ہو گئے''۔

۱۹۹۱ء میں اکاڈمک اسٹاف کالج، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے زیر اہتمام ریفریشر کورس میں شرکت کرنے کے لئے متھلا یونیورسٹی دربھنگہ سے ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی، ڈاکٹر منصور عمر، ڈاکٹر ظفر سعید، ڈاکٹر مظفر مہدی، ڈاکٹر محمد بدیع الزماں، ڈاکٹر عبداللطیف حیدری، ڈاکٹر احمد رضا صدیقی اور راقم الحروف ایک ساتھ علیگڑھ پہنچے۔ یہ کورس ۴؍ مارچ ۱۹۹۱ء سے ۳۰؍ مارچ ۱۹۹۱ء تک کا تھا اور موضوع ''اردو فکشن'' تھا۔ اس کے ڈائرکٹر ایچ۔ اے۔ اس جعفری اور کوآرڈی نیٹر پروفیسر شہریار تھے۔ اولڈ طبیہ کالج ہاسٹل میں یہ پروگرام چل رہا تھا اور ہم لوگوں کی رہائش بھی اسی میں تھی۔ ریسورس پرسن کی حیثیت سے اردو ادب کی اہم اہم شخصیتیں مدعو تھیں جیسے پروفیسر مسعود حسین خاں، پروفیسر قاضی عبدالستار، پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر جعفر رضا، پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر لطف الرحمٰن، جناب شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر ابوالکلام قاسمی وغیرہ۔ ان حضرات سے مختلف عنوانات کے تحت وقیع لکچرس سننے، انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے کے مواقعے ملے۔

اس قیام کے دوران میں علیگڑھ کی دوسری علمی اور ادبی شخصیتوں کی خدمت میں حاضری کا موقع بھی ملا جیسے ڈاکٹر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین احمد آرزو، پروفیسر سید امین اشرف، پروفیسر یٰسین مظہری وغیرہ۔ پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب سے میری ملاقات پٹنے ہی سے تھی۔ وہ مدرسہ اسلامیہ شمس

الہدیٰ پٹنہ سے فارغ تھے۔ان کے والد مولانا ظفرالدین صاحب یہاں استاد تھے جو بعد میں پرنسپل بھی ہوئے۔وہ ایک مستند عالم دین اور صاحب تصنیف تھے۔پروفیسر آرزو صاحب نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی نسبت سے بہت سی پرانی باتیں سنائیں اور اپنے اساتذہ،اس وقت کا ماحول اور پٹنہ کے حالات وغیرہ سے آشنا کرایا۔میں دوباران کی خدمت میں حاضر ہوا۔مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے متعلق کچھ اہم معلومات انہیں حاصل کرنے تھے۔میں نے واپسی پر انہیں فراہم کرنے کا وعدہ کیا اسی سلسلے میں ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع ہوا۔ان کے کئی خطوط میرے پاس ہیں۔تاریخ کوروڈیہہ، بھاگلپور کے ایک باب ''نقشہاء دگر'' میں ان کہ چند خطوط کے عکس شامل ہیں۔

پروفیسر مختارالدین آرزو علمی وادبی دنیا کے ایک مقتدر عالم اور عربی،فارسی اور اردو کے بلند پایہ محقق تھے۔وہ شعبۂ عربی علیگڑھ میں پروفیسر اور صدر بھی ہوئے۔بلند اخلاق اور خوش اطوار انسان تھے۔ ۳۰رجون ۲۰۱۰ء کو ان کا انتقال ہوگیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ناظمہ منزل ان کے مکان کا نام تھا جو پروفیسرس،اسکالرس اور تشنگان علم کا مرجع ومامن تھا۔ان کا مکان کیا تھا ایک عظیم لائبریری تھی۔جو بھی ان سے ملنے آتے ان سے علمی وتحقیقی گفتگو ہوتی اور سبھی وہاں سے شاد کام واپس آتے۔اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔آمین

ایک دن مولانا آزاد لائبریری میں جناب انور شاہ سے ملاقات ہوگئی۔وہ میرے پرانے شناسا تھے۔۷۹-۱۹۷۸ء میں وہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ملازمت میں تھے۔انہوں نے بڑی محبت اور اپنائیت کا مظاہرہ کیا اور لائبریری کے اہم مخطوطات ونوادرات دکھلائے۔یہاں خط کوفی میں جھلی پر لکھا ہوا مکمل قرآن دیکھا جس میں کل تیس صفحات ہیں۔تحریر بہت باریک اور صاف ستھری نہ کہیں روشنائی پھیلی ہے اور نہ سطر بہکی ہے۔بغیر محدب شیشہ کے اس کو پڑھنا مشکل ہے۔حیرت ہوئی کہ کس قلم سے لکھا گیا ہے۔بتایا گیا کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔واللہ اعلم۔یہاں ایک نیم آستین بنڈی بھی دیکھی جو موٹے سوتی کپڑے کی ہے اور پوری بنڈی پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں۔تحریر بالکل صاف ستھری ہے۔کہیں روشنائی نہیں پھیلی ہے۔مغل بادشاہ اس بنڈی کو پہن کر میدان جنگ میں جاتے اور

اس کی برکت سے فتح وکامرانی نصیب ہوتی۔ یہاں عہد مغلیہ کے ایک مصور کی حسین نقاشی بھی دیکھی۔ ایک کاغذ پر ایک خوبصورت پھول کھلا ہوا ہے۔ اس کی پنکھڑیوں پر شبنم کے قطرے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے اردگرد چند شہد کی مکھیاں منڈلا رہی ہیں۔ محدب شیشے سے دیکھنے کے بعد اس کے پیر کی روئیں بھی صاف نظر آتی ہیں۔ اسکے چاروں طرف خوبصورت خط میں فارسی کے اشعار تحریر ہیں اور اس کے حاشیے پر حسین بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ یہ مستطیل شکل میں ہے اور شیشے میں فریم کیا ہوا ہے۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی مصور رنگ آمیزی کر کے اٹھا ہے۔ بتایا گیا کہ جہانگیر بادشاہ کی پیدائش کے موقع پر مہاراجا مان سنگھ نے شہنشاہ اکبر کو تحفہ میں پیش کیا تھا۔ اس نقاشی کو دیکھ کر عقل دنگ رہتی ہے۔ نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام (پاکستان) کا گولڈ میڈل بھی یہاں دیکھا وہ میڈل ہتھیلی کے برابر ہے۔ اس کے ایک رخ پر ڈاکٹر عبدالسلام کا نام کندہ ہے، اور مخالف سمت میں ایک حسین دوشیزہ کی تصویر ہے جو اپنے سفید دوپٹے کو فضا میں لہرا رہی ہے۔ غالباً یہ فطرت کی نقاب کشائی کی علامت ہے۔ بلاشبہ یہ سب بڑے قیمتی نوادرات ہیں۔

اس مدت قیام میں پروفیسر سید امین اشرف کی بیگم محترمہ ام ہانی اشرف صاحبہ جو ہم لوگوں کے ساتھ اس کورس میں شریک تھیں، انہوں نے بڑی پرتکلف دعوت کی۔ محترمہ ام ہانی اشرف صاحبہ عبداللہ گرلس کالج میں اردو کی پروفیسر ہیں۔ اس موقع پر پروفیسر عزیز شمسی مرحوم، مولانا سعود عالم قاسمی اور پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے بھی بڑی شاندار دعوتیں کیں۔

علی گڑھ ہی میں مارچ ۱۹۹۱ء کی کسی تاریخ کو اخبار سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار اور جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ کا انتقال ہوگیا۔ یہ موت ایک بڑے عالم دین کی موت تھی۔ اپنے والد حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی طرح آپ بھی دین کے بڑے داعی، شریعت حقہ کے محافظ اور ملت اسلامیہ کے عظیم مجاہد تھے۔ پوری زندگی قوم وملت کی خدمت میں گذاردی۔ خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین اور جامعہ رحمانی کے ناظم اعلیٰ بھی تھے۔ حق مغفرت کرے۔ آمین

۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء کو جمعہ کے دن بھاگلپور کا جنوبی مشرقی علاقہ ایک تباہ کن اور ہلاکت خیز سیلاب

کی زد میں آ گیا، یہ سیلاب اس قدر ناگہانی اور غیر متوقع تھا کہ نہ کسی کو کوئی ترکیب سوجھی اور نہ ہی اس سے بچنے کے لئے کوئی تدبیر کر سکے۔ یہ علاقہ سیلاب زدہ نہیں ہے اور نہ یہاں بہت زیادہ ندیاں ہیں۔ علاقہ بھی بہت نشیبی نہیں ہے۔ بعض مصیبتیں انسان کی خود ساختہ ہوتی ہیں۔ قدرتی وسائل میں رخنہ اندازی کر کے وہ خود آفت کے شکار ہوتے ہیں۔

اس سال ''ہتھیا پچھتر'' میں مسلسل چھتیس گھنٹے بارش ہوئی تھی جو ایک مثال ہے۔ بارش کی وجہ سے پورا علاقہ جل تھل بنا ہوا تھا۔ ندی نالے سب بھرے ہوئے تھے۔ جنوبی بہار کی ساری ندیاں دکھن سے اتر کی سمت بہتی ہیں اور نشیب وفراز سے گزرتی ہوئی گنگا ندی میں مل جاتی ہیں۔ یہ سب برساتی ندیاں ہیں اور سال کے بیشتر حصوں میں خشک رہتی ہیں۔ لیکن برسات میں اس میں ایسی طغیانی اور روانی ہوتی ہے کہ پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے اور علاقے کا علاقہ ویران کر دیتی ہے۔

بھاگلپور ضلع کے جنوبی اور مونگیر ضلع کے مشرقی حصوں کو کاٹ کر ایک نیا ضلع بانکا کو وجود میں لایا گیا ہے۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے اور یہاں پہاڑوں کے کئی سلسلے ہیں۔ ان میں سے دو متوازی پہاڑی سلسلے کو باندھ لگا کر ایک بہت بڑا ڈیم بنایا گیا ہے اور یہ ''لچھمی پور ڈیم'' کے نام سے مشہور ہے۔ علاقے کا سارا پانی اسی ڈیم میں جمع ہوتا ہے، جس کی وسعت دس بارہ میل سے کم نہیں ہے اور گہرائی پچاس فٹ ہوگی۔

امسال مسلسل بارش کی وجہ سے ڈیم میں پانی کا دباؤ کافی بڑھ گیا تھا اور اس کے ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کے محافظین نے بغیر کسی ماقبل اطلاع کے اس سے بیس فٹ پانی کا اخراج کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس کا زیریں علاقہ دیکھتے ہی دیکھتے غرق آب ہو گیا۔ پانی چھتوں اور چھپڑوں کے اوپر سے گزر گیا اور سینکڑوں بستیاں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ اس تباہی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بانکا شہر میں ڈی۔ ایم۔ اور ایس۔ پی۔ کی رہائش گاہوں میں چھ سے سات فٹ پانی تھا۔ ہر طرف کہرام مچا ہوا تھا اور پرسان حال کوئی نہیں۔

ہمارا گاؤں کوروڈیہہ اس ''ڈیم'' سے تقریباً ساٹھ کیلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ سیلاب کی تباہی

کی خبریں مل رہی تھی لیکن کسی کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ اس قدر بلاخیز ہوگا۔ جب گاؤں میں سیلاب کا پانی گھسا رات کا وقت تھا اور مسجد میں عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ گاؤں میں تین سے چار فٹ پانی تھا، اس میں ایسی تیزی اور روانی تھی اور ہر شخص اپنے اپنے گھروں میں گھر گیا، ایک دوسرے سے رابطے کی کوئی صورت نہیں تھی اور نہ کسی کو کسی کی خبر۔ سبھوں نے جیسے تیسے رات گزاری اور جب صبح ہوئی تو پانی اتر چکا تھا لیکن وہ اپنی بربادی کا نشان چھوڑ گیا تھا۔ گاؤں کے نوے فیصد کچے مکانات بہہ گئے یا پھر وہ ناقابل رہائش تھے۔ ہمارا قدیم دروازہ جو مسجد دروازہ کے نام سے مشہور ہے وہ سیلاب کے صدمہ کو برداشت نہیں کر سکا اور زمیں بوس ہو گیا۔ مولانا محمد قاسم صاحب کا پرانا مکان اپنی بنیاد سے دور جا گرا اور گھر کے سارے سامان بکھر گئے تھے۔ غریبوں اور مزدوروں کے آشیانے بھی نہ بچے۔ گاؤں کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں اس سیلاب بلاخیز کی رسائی نہیں تھی۔ امیر و غریب سبھی اس کے زد میں تھے۔ گاؤں کے بوڑھوں اور بزرگوں نے ایسی تباہی اور بربادی دیکھی تھی اور نہ سنی تھی، گاؤں میں لوگوں کے پاس اچھی کاشت ہے اور خوشحال ہیں۔ کافی مالی نقصان ہوا، ہزار من سے زیادہ صرف چاول برباد ہوا یا بہہ گیا۔ گاؤں سے باہر کھیت کھلیان میں چھ چھ، سات سات فٹ پانی تھا۔ تاحد نگاہ پانی، پانی، پانی۔ چھپڑوں اور پیڑوں پر لوگوں کو بہتے دیکھا۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ ان کو بچا سکے۔ بہتے سامان کا تو کوئی حد وحساب نہیں۔ سبھی گنگا برد ہو گئے۔

اس سیلاب میں ضلع بانکا سب سے زیادہ تباہ و برباد ہوا تھا۔ ضلع بھاگلپور کے متاثرہ علاقوں میں ناتھ نگر، سبور، جگدیش پور، سنہولا وغیرہ سب سے زیادہ تباہی کے شکار ہوئے۔ سبور بلاک میں کوروڈیہہ، ڈہرپور، ڈنڈابازار، بنایک پور اور جگدیش پور بلاک میں استو، میرن چک، سنہولی، چکدریا اور بھیگاؤں مواضعات کے کچے مکانات بہہ گئے۔ ان بستیوں میں مالی نقصان بھی بہت زیادہ ہوا۔

اس زمانے میں پروفیسر لطف الرحمٰن صاحب ناتھ نگر حلقہ سے آر۔ جے۔ ڈی۔ کے ایم۔ ایل۔ اے۔ تھے۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور صورتحال سے باخبر کیا۔ آپ بلا تاخیر تشریف لائے اور گرہوتیہ، گوراڈیہہ، ڈہرپور اور کوروڈیہہ کا معائنہ کیا اور نقصانات کا جائزہ لیا۔ میں دن بھر ان کے ساتھ

رہا۔ آپ نے ضلع انتظامیہ کی اس نااہلی پر کافی سرزنش کی اور بلا تاخیر راحت رسانی کے لئے اقدام کرنے کو کہا۔ اب تک حکومت کی طرف سے کوئی راحت نہیں ملی تھی۔

جب حالات قدرے بہتر ہوئے تو میں نے اپنے گاؤں کی تباہی و بربادی اور متاثرہ لوگوں کی ایک جامع فہرست تیار کرائی اور اس کو لے کر سبور بلاک کے بی۔ڈی۔او۔ کے پاس گیا۔ میرے ساتھ حافظ مسرور احمد اور محمد عبدالودود بھی تھے۔ جب میں نے بی۔ڈی۔او۔ سے بات کی تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ اتنی بربادی اور تباہی نہیں ہوئی ہے، آپ بڑھا چڑھا کر اس کو پیش کر رہے ہیں۔ میں نے سخت لہجہ میں ان سے کہا کہ آپ کو شرم آنی چاہئے کہ آپ کے بلاک میں ایسی تباہی ہوئی ہے اور آپ نے سرزمین تک جانے کی یا کسی کو بھیجنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور جب صحیح صورتحال سے آپ کو باخبر کرایا جارہا ہے تو آپ اس سے انکار کر رہے ہیں۔ پھر اس نے بہانہ بنایا کہ آپ کے گاؤں کے لوگ خوشحال ہیں اور بیشتر لوگ اچھی ملازمت میں ہیں۔ بڑی ردوکد کے بعد وہ راضی ہوئے اور مجھ سے ایک حلف نامہ داخل کرایا کہ اس لسٹ میں جو تفصیلات درج ہیں وہ صحیح ہیں اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ حالانکہ اس لسٹ میں ہم لوگوں میں سے کسی کا نام شامل نہیں تھا۔

بڑی مشکل سے گاؤں والوں کو ۵۵ کوئنٹل گیہوں بطور راحت مل سکا۔ فی کس دوسو روپئے بھی دینے کی بات تھی۔ چند دنوں کے بعد میں دربھنگہ چلا آیا اور بعد میں مجھے اطلاع ملی کہ یہ رقم کسی کو بھی نہیں ملی۔ کس کس بربادی کا کوئی ماتم کرے۔ ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے۔

جولائی ۱۹۹۶ء کو پروفیسر عبدالمغنی متھلا یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوکر آئے۔ اس وقت یونیورسٹی معاشی اور انتظامی بحران کا شکار تھی۔ جناب ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی چانسلر و گورنر بہار نے پروفیسر عبدالمغنی کو اس امید کے ساتھ وائس چانسلر مقرر کیا تھا کہ یہاں کے حالات پر وہ بہت جلد قابو پالینگے۔ یقیناً موصوف نے اپنی حکمت عملی سے یونیورسٹی کو صحیح خطوط پر ڈال دیا۔ پورے بہار میں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ عوام اور حکومت کے درمیان ان کا وقار بلند ہوا۔ لیکن بہت جلد وہ یونیورسٹی کے نرغے میں پھنس گئے۔ ان کے خلاف محاذ آرائی شروع ہوگئی۔ اس وقت کے پرووائس چانسلر ڈاکٹر ہری بر بھگت

سے ان کی مخالفت شروع ہوگئی۔ بی۔ ایڈ۔ ڈگری گھوٹالے میں پروفیسر عبدالمغنی کو پھنسایا گیا اور گرفتار ہوکر جیل چلے گئے۔ ۲۱ر مئی ۱۹۹۸ء کو پٹنہ ہائی کورٹ سے ضمانت پر رہا ہوئے یہ گرفتاری درحقیقت سیاسی نوعیت کی تھی۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد پروفیسر عبدالمغنی صاحب بیمار رہنے لگے۔ ایک طویل علالت کے بعد ۵ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو وہ اپنی رہائش گاہ نیو عظیم آباد کالونی، پٹنہ میں انتقال کر گئے۔ ۴ر جنوری ۱۹۳۶ء کو آپ ضلع اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا عبدالروٗف ندوی ایک مشہور عالم دین اور قاضی شہر تھے۔ پروفیسر عبدالمغنی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے عالم تھے۔ اس کے بعد پٹنہ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔ اے۔ کیا پھر پٹنہ یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر ہوگئے اور ۱۹۹۶ء میں بی۔ ان کالج پٹنہ کے شعبۂ انگریزی سے سبکدوش ہوئے تھے۔

پروفیسر عبدالمغنی انگریزی اور اردو کے مشہور صاحب قلم اور مصنف تھے۔ ان کی شہرت اردو کے ایک مشہور ناقد کی حیثیت سے تھی۔ انہوں نے اردو تنقید پر کئی اہم کتابیں تصنیف کیں جو بہت مشہور ہوئیں۔ آپ انجمن ترقی اردو کے صدر اور سالار اردو تھے۔ اردو کو بہار میں ثانوی درجہ دلوانے میں ان کا قائدانہ کردار رہا ہے۔ اردو کی خدمت کے لئے ان کو بہت سارے انعامات واعزازات بخشے گئے۔ ۱۹۹۹ء میں بہار راج بھاشا نے، انہیں شرف الدین یحیٰ منیری اوارڈ عطا کیا جس میں ایک لاکھ اکاون ہزار نقد کے علاوہ ایک توصیفی سند سے سرفراز ہوئے۔ ۱۹۷۲ء سے راقم ان سے متعارف تھا۔ وہ اردو کی خدمت کی وجہ سے یاد کئے جائیں گے۔ ان کی موت اردو دنیا کے لئے ایک عظیم خسارہ ہے۔

۱۴ر فروری ۱۹۹۲ء کو میرے رفیق کار محسن اور ہمدرد جناب عبدالمنان طرزی کے والد محترم جناب مولانا حافظ قاری محمد داوٗد طالبؔ کا ان کے آبائی گاؤں جلوارہ میں انتقال ہوگیا۔ آپ نے اپنا زیادہ تر وقت دربھنگہ شہر سے باہر ہی گزارا۔ آخر وقت میں علیل ہوکر دربھنگہ تشریف لائے۔ طرزیؔ صاحب نے والد صاحب کی جس قدر خدمت کی وہ لائق ستائش ہے۔ اُن سے میری کئی ملاقاتیں تھیں۔ آپ ایک اچھے مقرر اور صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ جناب ڈاکٹر منصور عمر نے آپ کے کلام کو

''کلیات طالب دربھنگوی'' کے نام سے ترتیب دے کرشائع کی ہے۔

دربھنگہ آنے سے قبل شمالی بہار کی دو عظیم علمی اور روحانی شخصیتوں کے فیوض و برکات کی خبر سنی تھی۔ان میں سے ایک حضرت مولانا عارف حسین ہرسنگھ پوری تھے۔ان کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا جو عہد مغلیہ میں اپنے علم وفضل کی وجہ سے ممتاز رہا ہے۔ان کے مورث اعلیٰ میں منشی حسن یار وکیل علم ریاضی میں بہت مشہور تھے۔مغل بادشاہ شاہ عالم (۱۷۹۵ء۔۱۸۰۶ء) کے عہد میں وہ صوبہ بہار میں محتسب اعلی کے عہدہ پر فائز تھے۔ان کے دادا حاجی امداد حسین ایک مشہور انشا پرداز اور ان کے والد الحاج بلاغت حسین صاحب کشف وکمال اور حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کے متوسلین میں سے تھے۔خود مولانا عارف صاحب کا شمار علمی شخصیتوں میں تھا۔آپ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے خلیفہ اور مجاز اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے پیرومرشد تھے۔آپ کئی اداروں کے بانی اور مہتمم بھی رہے۔آپ ۱۵/شعبان ۱۲۴۲ھ کو سعدی پور سمستی پور میں اپنی نانیہال میں پیدا ہوئے۔۹/صفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۴/فروری ۱۹۴۴ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ہرسنگھ پور کے عام قبرستان میں دفن ہوئے اور آج تک آپ کی قبر کچی ہی حالت میں ہے اور اس پر کوئی عمارت یا کتبہ موجود نہیں ہے۔صرف ان کی قبر اینٹ سی گھیری ہوئی ہے۔۱۹۹۷ء میں ایک تقریب میں ہرسنگھ پور حاضر ہوا تھا اور آپ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کا موقع ملا۔

۱۹۹۸ء میرے لئے بڑا حزن وملال کا سال تھا۔اس سال ہمارے کئی اساتذہ، مشفق وکرم فرما حضرات جیسے پروفیسر عطا کاکوی، پروفیسر ممتاز احمد، پروفیسر اطہر شیر، پروفیسر قیام الدین احمد، مولانا سید شاہ محمد اسمٰعیلؒ، وائس پرنسپل، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور اردو کے ایک بے لوث خادم، بڑی محبت کرنے والے مولانا محمد بیتاب صدیقی اور میرے گاؤں کے چند شناسا چہرے اس بزم ہستی سے روپوش ہو گئے۔جیسے مولانا محمد شمس الدین، ماموں زاد بھائی محمد حسن، محمد عثمان (باباجی) محمد غریب اللہ اور اہلیہ محمد سلطان یہ تمام اموات میرے لئے ذاتی نقصان سے کم نہیں۔ان تمام لوگوں سے میرے قریبی مراسم تھے۔آج بھی ان کی باتیں اور یادیں دل میں ایک ہوک پیدا کرتی ہیں۔اللہ ان مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ دے۔آمین

مولانا سید شاہ محمد اسعد بن سید شاہ احمد امام دربھنگہ کی ایک مشہور و معروف علمی شخصیت تھی۔ دربھنگہ کے محلہ پکی حویلی میں آپ کا آبائی مکان تھا۔ دینی اور دنیاوی دونوں علوم سے بہرہ ور تھے۔ درس گاہ اسلامی رام پور یوپی سے فاضل اور بہار یونیورسٹی مظفر پور سے فارسی اور اردو میں ایم۔اے۔ تھے۔ فراغت کے بعد کئی ملی اور اسلامی تنظیموں سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۲ء میں علیگڑھ اسلامک ریسرچ سنٹر کے ایسوسی ایٹ ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں بہار ریسرچ سوسائٹی سے منسلک ہو گئے اور اپنی تحقیقی اور علمی ذوق و شوق کو نکھارا۔

آپ کو تعلیم و تدریس سے بڑی دلچسپی تھی۔ مظفر پور کے ایک ہائی اسکول میں پہلے استاد پھر ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ اسی دوران شیام نندن سہائے کالج مظفر پور میں آپ اردو کے لکچرر ہو کر آ گئے اور یہاں چار سال تک اردو کی تعلیمی خدمت انجام دی۔ مظفر پور میں آپ کی صحت خراب رہنے لگی تو احباب کے مشورہ سے ذکیہ آفاق کالج سیوان میں اردو کے لکچرر ہو کر چلے گئے۔ یہاں بھی آب و ہوا راس نہیں آئی تو محض ایک سال کے بعد موتی پور، مظفر پور آ گئے۔ گھر کے دیگر افراد بھی یہیں تھے۔

موتی پور میں شوگر فیکٹری کافی مشہور تھی اور بڑے پیمانے پر اس کا کاروبار تھا۔ اس فیکٹری میں آپ اکاؤنٹنٹ ہو گئے۔ ۱۹ سال تک آپ اس ملازمت میں رہے۔ اس مدت میں موتی پور کی جماعت اسلامی ہند کے امیر بھی رہے۔ بعد میں ضلع مظفر پور کے ناظم جماعت مقرر ہوئے اور ۲۵ سال تک اس ذمہ داری کو بھی بحسن و خوبی انجام دیا۔ جماعت کی مصروفیت کے علاوہ آپ کے علمی و ادبی مشاغل بھی جاری رہے۔ تقریباً تیس مقالے آپ نے قلمبند کئے اور یہ تمام مقالے ہند و پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ جو اب تک کتابی شکل میں جمع نہیں ہو سکے ہیں۔

شاہ صاحب آخر عمر میں پٹنہ منتقل ہو گئے اور پٹنہ سکریٹریٹ کے قریب شاہ گدی مسجد میں امام اور خطیب مقرر ہوئے۔ جمعہ کی نماز سے قبل آپ کا ایک بلیغ خطاب ہوتا تھا جس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہو کر فیضیاب ہوتے تھے۔ ایک بار میں بھی اس مسجد میں نماز جمعہ میں شریک ہوا تھا۔ سوئے قسمت کہ آپ اسی مسجد کے صحن میں گر گئے اور کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر آپ موتی پور چلے آئے اور یہیں مئی

۱۹۹۹ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ دربھنگہ کی مشہور شخصیت جناب حسنین سید صاحب کے آپ خویش تھے۔

شاہ صاحب فکر وعمل کے اعتبار سے صحیح معنوں میں شاہ تھے۔ گوشہ نشیں اور قناعت پسند، وضع قطع بھی اسی انداز کا اور بڑے متشرع۔ بایں ہمہ بڑے متحرک فعال اور سرگرم عمل انسان تھے۔

مرحوم سے میری پہلی ملاقات ستمبر ۱۹۷۹ء میں موتی پور، ضلع مظفر پور میں محبی سلیم الدین احمد کی شادی میں ہوئی تھی۔ پروفیسر غفار صدیقی، پروفیسر انیس صدری اور راقم الحروف اس شادی میں شرکت کے لئے پٹنہ سے آئے تھے۔ اس کے بعد شاہ صاحب سے دربھنگہ اور پٹنہ میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ آپ سے میری آخری ملاقات پٹنہ میں اس وقت ہوئی تھی جب آپ کے پیر میں پلاسٹر بندھا ہوا تھا اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اب کہاں ہیں ایسے دین کے دیوانے اور اس پر مر مٹنے والے۔ اللہ رحم کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

بیسوی صدی میں بہار کی سطح پر کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جنہوں نے اپنی علمی خدمات اور تعلیمی جہاد کی بنیاد پر اتنے گہرے نقوش چھوڑے ہوں جن کو ان کی خدمات کی وجہ سے لوگ اس قدر یاد کرتے ہوں کہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ اب ہمارے درمیاں نہیں ہیں۔ دربھنگہ میں ایک ایسی شخصیت تھی جن کی فکری اجتہاد اور تعلیمی سرگرمیوں نے نہ ان کو چین سے بیٹھنے دیا اور نہ اہل شہر کو۔ ان کی پوری زندگی ایک تحریک کی علامت تھی۔ ایسی فعال اور متحرک شخصیت کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے جو اپنے تحرک و تعمل سے معاشرے کے جمود کو توڑ کر متحرک و فعال بنا دیتی ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی ان تمام اوصاف حمیدہ سے متصف و منتسب تھے۔ وہ دربھنگہ کے ایک مشہور علمی خاندان میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈاکٹر سید محمد فریدؒ دربھنگہ کی ایک معروف اور مقتدر شخصیت تھی۔ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفیؒ نے اپنی تعلیم کا آغاز دربھنگہ کے ایک قدیم دینی ادارہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ سے کیا۔ یہاں انہوں نے قرآن شریف حفظ کیا اور عالمیت کی درسیات سے ۱۹۳۷ء میں فارغ ہوئے۔ آپ کے والد کی خواہش تھی کہ آپ جامع ازہر مصر سے فراغت حاصل کریں۔ لیکن آپ کی خواہش علوم عصریہ کے حصول کی تھی۔ اس طرح آپ شہر کے ایک قدیم علمی ادارہ شفیع مسلم ہائی اسکول

(قائم شدہ ۱۹۳۲ء) جہاں اسلامی ماحول میں عصری تعلیم دی جارہی تھی اس میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۸ء میں یہاں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد در بھنگہ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے اور یہاں سے L.M.P. اور کلکتہ سے L.T.M. کیا۔ اس کے بعد در بھنگہ میڈیکل کالج سے MBBS کیا۔

مدرسہ احمدیہ سلفیہ، در بھنگہ، آپ کے والد ڈاکٹر سید محمد فریدؒ کی نظامت میں چل رہا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں جب وہ سیاست میں داخل ہوکر بہار ریاستی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے تو مدرسہ کی نگرانی اور ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی۔ اس سے ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی کی صلاحیت اور ان کی فراست کا اندازہ ہوتا ہے۔ مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے آپ کی صلاحیت اور بہتر کارکردگی کو دیکھ کر ۱۹۵۱ء میں مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی نظامت کی مکمل ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی۔ آپ کے دور نظامت میں مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی شہرت ملک اور بیرون ملک تک ہوگئی۔ یہاں کے فارغین نے اپنی علمی لیاقت اور تعلیمی صلاحیت سے بڑے بڑے اداروں کو متاثر کیا۔ اس کی وجہ سے مدرسہ احمدیہ سلفیہ نے علمی دنیا میں اپنی شناخت قائم کی۔ اس بنیاد پر جامعہ مدینہ منورہ، جامعہ الامام محمد، ریاض، جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ جیسے باوقار اور عالمی شہرت یافتہ اداروں نے سلفیہ کی اسناد کو منظور کیا اور ان اداروں سے یہاں کی ڈگریوں کا بھی معادلہ ہوا۔

ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی پیشے سے ڈاکٹر تھے اور خاندانی ڈاکٹر تھے۔ در بھنگہ کی صورت حال سے واقف تھے اور یہاں کے معاشی حالات کو آپ بہتر طور پر جانتے تھے۔ شہر کی ضرورت اور حاجت مندوں کے تقاضے کے پیش نظر ۱۹۵۲ء میں فریدیہ شفاخانہ قائم کیا اور اس ادارہ کے توسط سے قوم کی بڑی خدمت کی۔ ملت کے لئے شفیع مسلم اسکول تو تھا ہی لیکن مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مسلمانوں کا کوئی ادارہ نہیں تھا جہاں وہ اپنے تمام تخصصات اور امتیازات کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں۔ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور عمائدین شہر کی ایک نشست طلب کی جس میں ''انجمن مسلم تعلیم در بھنگہ'' کے نام سے ایک تنظیم قائم ہوئی اور اسی کے تحت ۱۹۵۷ء میں ملت کالج کا قیام عمل میں آیا جس کے آپ سکریٹری مقرر ہوئے۔ ملت کالج کی علمی خدمات کا اندازہ آپ اس طرح کیجئے کہ ادبی دنیا کے معروف و مشہور ناقد، شاعر اور ادیب پروفیسر لطف الرحمٰن اور قمر اعظم ہاشمی یہاں سے اردو کے پہلے گریجوٹ ہیں اور

فارسی میں پروفیسر شاکر خلیق، پروفیسر ولی اللہ سلفی اور حضرت مولانا شمس الہدیٰ راجوی دربھنگوی کے نام شامل ہیں جو اپنی علمی، ادبی اور دینی شناخت رکھتے ہیں۔ پروفیسر عبدالمنان طرزی، عالمی شہرت یافتہ شاعر کا بھی مادر علمی یہی ادارہ رہا ہے۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سمستی پور (م۔۱۹۱۸ء) شمالی بہار میں مکتبہ اہل حدیث کے بڑے مبلغ اور داعی تھے۔ ان کے وصال کے بعد یہ لو مدھم ہو رہی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس فکر کو مہمیز کرنے کے لئے اس حلقے میں ایک دینی ادارہ قائم کیا جائے۔ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی نے اس کے لئے اقدام کیا اور ۱۹۵۸ء مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے گاؤں، رحیم آباد، سمستی پور میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اساتذہ کو اپنی جیب خاص سے تنخواہ ادا کرتے رہے۔ یہ تھا دینی جذبہ اور اشاعت علم کا شوق۔

تعلیم کے معاملے میں جب فکر میں وسعت اور نظر میں گہرائی پیدا ہوتی ہے تو دینی اور عصری علوم کے درمیان سے حد فاصل ختم ہو جاتی ہے۔ ملت اور قوم کی ترقی اور اس کے استحکام کے لئے دونوں طرح کے علوم کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی وسعت نظری اور دانشوری کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۶۵ء میں سلفیہ جونیئر اسکول قائم کیا۔ ایک طرف مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی بلند و بالا عمارت اور دوسری طرف سلفیہ جونیر اسکول کی عالیشان بلڈنگ کس طرح ہم آہنگ اور بغل گیر ہیں۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے زیر اہتمام مدرسہ سلفیہ میں ایک اجلاس ہوا تھا جس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م۔۱۹۹۹ء) صدر مسلم پرنسل لا بورڈ بھی شریک ہوئے تھے۔ مدرسہ سلفیہ کا پورا احاطہ عمائدین شہر اور علاقہ کے افراد سے اٹا ہوا تھا۔ ان دونوں اداروں کے بچے مہمانوں کی ضیافت اور سہولت رسانی میں سرگرم عمل تھے۔ دینی اور عصری علوم کا یہ حسین امتزاج ایسا تھا کہ راقم کو ابتک یاد ہے۔

آپ کی انتظامی صلاحیت اور مقناطیسی شخصیت کسی کو بھی اپنے قریب کر سکتی تھی یہی وجہ ہے کہ شفیع مسلم ہائی اسکول جیسے قدیم اور باوقار ادارے کی صدارت کے لئے آپ سے گزارش کی گئی جس کے آپ ۱۹۷۰ء سے تادم آخر صدر رہے۔

اب تک آپ کی شہرت ملک گیر پیمانہ پر ہو چکی تھی اور آپ کی صلاحیت کا بھی اندازہ لوگوں کو

ہو چکا تھا۔ ۱۹۷۳ء میں آپ مرکزی اہل حدیث ہند کے صدر اور امیر منتخب ہوئے اور ۱۹۷۹ء تک اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہ کر دینی اور ملی خدمات انجام دیں۔

ستر کی دہائی میں حکومت بہار نے مدارس ملحقہ کو Nationalize کرنے کی کوشش کی اس میں مدارس ملحقہ کے بیشتر اساتذہ پیش پیش تھے۔ حکومت بہار کو اس ادارہ سے باز رکھنے کے لئے آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین پٹنہ نے شدید مخالفت کی۔ غلام سرور صاحب جو مدارس ملحقہ کی تحریک کے بڑے معاون تھے انہوں نے بھی اس کی مخالفت کی اور اخبار میں بیان شائع کیا۔ اس موقع پر دینی اور ملی شخصیتوں میں ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی نے جس شدت سے حکومت کی مخالفت کی کوئی دوسرے سامنے نہیں آئے۔ اسی دوران مدرسہ احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ کے انتظامی معاملے میں بھی بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ کی مداخلت کو کسی حال میں برداشت نہیں کیا اور سپرم کورٹ تک اس کے خلاف لڑے۔ آخر میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، ایک اقلیتی ادارہ ہے اور اس کے انتظام کا اختیار بھی انہی کو ہے۔ حکومت جو رقم دیتی ہے وہ اس کو دیکھ سکتی ہے کہ اس کی تقسیم صحیح طور پر ہوئی ہے کہ نہیں اور بس۔ یہ قانونی فیصلہ مدارس ملحقہ کے ارباب بست وکشاد کے لئے چشم کشا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ۱۹۸۱ء میں سلفیہ طبیہ کالج قائم کیا۔ اس کی وجہ سے ایک طرف طب یونانی کا احیاء ہوا تو دوسری طرف یہاں کے فارغین بھی ہسپتالوں میں برسر روزگار ہوئے۔ ایک موقع پر مولانا سید سمیع جعفری صاحب سعودیہ عربیہ چلے گئے تھے۔ مدرسہ اصلاح المسلمین پتھر کی مسجد پٹنہ کے وہ ناظم اور نگراں تھے۔ آج بھی پٹنہ میں یہ ایک بڑا دینی ادارہ ہے۔ جعفری صاحب کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی نے اس مدرسہ کی نظامت اور نگرانی اس طرح کی کہ تعلیم کے ساتھ مدرسہ کی موجودہ عمارت جو شیش محل کے نام موسوم ہے آپ نے ہی تعمیر کرائی ہے۔

آپ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ ایسی کوئی دوسری شخصیت اس سرزمین سے نہیں اٹھی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م۔ ۱۹۹۹ء) نے کسی موقع پر کہا تھا کہ اگر ڈاکٹر سید عبدالحفیظ کی طرح دس افراد پیدا ہو جائیں تو ملک میں انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ آپ کی شخصیت کے لئے حضرت

مولانا علی میاںؒ کا یہ کس قدر بلیغ تعارف ہے۔

۱۹۷۷ء میں آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین پٹنہ کے زیر اہتمام بہار اسٹیٹ مدرسہ کنونشن پٹنہ میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں مولانا ابوالعرفان ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، حامد الانصاری غازی مدیر اخبار مدینہ بجنور، یوپی کے علاوہ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی بھی شریک تھے۔ پہلی بار آپ کو دیکھنے اور آپ کی تقریر سننے کا موقع ملا۔ پھر تو دربھنگہ میں کئی بار آپ سے ملنے کا شرف ہوا۔ آپ ایک عرصہ تک مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی مسجد میں خود تراویح بھی پڑھاتے رہے۔ ایک باصلاحیت عالم دین کی حیثیت سے بھی آپ کا شمار تھا۔ آپ کے تینوں صاحبزادے ڈاکٹر عبدالعزیز سلفی، ڈاکٹر حافظ عبدالحکیم مظفر اور ڈاکٹر عبدالحلیم اب اپنے والد کی وراثت اور روایت کے امین ہیں اور شہر میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔

گرمی کی فرصت میں راقم الحروف اپنے گاؤں، کوروڈیہ، بھاگلپور میں تھا کہ ایک دن جناب طرزی صاحب کا فون آیا کہ ۸ر جون ۱۹۹۹ء کو ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی کا انتقال ہوگیا۔ آپ کچھ دنوں سے علیل تھے۔ اللہ آپ کے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے۔ آمین

نہ اٹھا کوئی رومیؔ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی

(اقبالؔ)

۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو عالم اسلام کی ایک عظیم علمی اور روحانی ہستی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا انتقال ہوگیا۔ وہ ایک بڑے عالم دین، روحانی پیشوا، بلند پایہ مصنف ندوۃ العلماء لکھنو کے ناظم اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر تھے۔ ان سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۸۶ء میں جب آپ نے مدرسہ اولڈ بوائز پٹنہ کے کنونشن کی صدارت کی تھی۔ دربھنگہ میں دو بار آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی موت ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم خسارہ ہے۔ دربھنگہ میں آپ کے تعزیتی اجلاس میں بھی شریک ہوا۔ بلاشبہ بیسویں صدی کی عظیم مسلم شخصیتوں میں آپ کا شمار تھا۔ اللہ آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین

۹/اکتوبر ۲۰۰۰ء کو میرے ایک شفیق اور محبوب استاد پروفیسر محمد صدیق کا انتقال ہوا۔ وہ پٹنہ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ فارسی، ڈین فیکلٹی آف آرٹس اور پٹنہ کالج کے پرنسپل بھی ہوئے۔ ایک بار یونیورسٹی کے کام سے دربھنگہ بھی تشریف لائے تھے۔ مجھکو خبر کر کے بلوایا اور بہت دیر تک بات ہوئی۔ آپ بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔

آپ ایک خالص علمی آدمی تھے۔ ایک سمینار میں دلی تشریف لے جا رہے تھے کہ بنارس میں ٹرین ہی پر دل کا دورہ پڑا اور جاں بحق ہو گئے۔ آپ کا چھوٹا لڑکا اعجاز احمد آپ کے ساتھ تھا۔ نعش پٹنہ آئی اور سلطان گنج قبرستان میں مدفون ہوئے۔ تفصیل عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو عالم اسلام کے ایک جید عالم دین، فقہ حنفی کے ممتاز اور ماہر فقیہ، مفکر اور دانشور، مسلم پرنسل لابورڈ کے صدر، نائب امیر شریعت بہار اور قاضی شریعت جناب مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، دہلی کے اپولو ہسپتال میں رحلت فرما گئے۔

۵/اپریل ۲۰۰۲ء بروز جمعہ ایک بجکر ۴۵ منٹ پر سہارا ایر لائنس سے آپ کا جسد خاکی پٹنہ ایر پورٹ پر اترا۔ سرکاری اعزاز واحترام کے ساتھ ان کے تابوت کو سلامی دی گئی۔ امیر شریعت حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب نے ڈھائی بجے دن میں دفتر امارت شریعہ کے احاطے میں نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد ازاں حکومت بہار کے خصوصی طیارہ کے ذریعہ جنازہ دربھنگہ پہنچا۔ مہدولی دربھنگہ میں اپنے نو تعمیر شدہ مکان کے احاطے میں ساڑھے آٹھ بجے شب میں ہزاروں اشکبار کی موجودگی میں سپرد خاک ہوئے۔ نماز جنازہ، آپ کے برادر زادہ جناب مولانا خالد سیف اللہ، جو خود بھی ایک بڑے عالم دین اور فقیہ ہیں، نے پڑھائی۔ یہاں بھی سرکاری اعزاز کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پورا شہر اور آس پاس اور قرب وجوار کی بستیوں سے لوگ جنازہ میں شرکت کرنے اور آخری دید کے لئے امڈ پڑے تھے۔ اس دن یہ کسی بڑے اجتماع کا منظر تھا لیکن سبھی مغموم اور اداس تھے۔ تقریباً چالیس ہزار افراد ان کے جنازہ میں شریک تھے۔ آپ نے ۶۶ سال کی عمر پائی۔ پس ماندگان میں صرف آپ کی اہلیہ ہیں۔ آپ کو کوئی

اولاد نہیں تھی۔ آپ کی اہلیہ اپنے چھوٹے بھائی جناب صفی اختر کے بال بچوں کے ساتھ اپنے مکان محلّہ مہدولی، دربھنگہ میں قیام پذیر ہیں۔

حضرت مولانا کی ابتدائی تعلیم مدرسہ محمودیہ دملہ، مدھوبنی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں ہوئی اور فراغت دارالعلوم دیوبند سے پائی۔ آپ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی امروہوی اور علامہ ابراہیم بلیاوی کے شاگرد تھے۔ آپ بیحد ذہین اور زبردست قوت حافظہ کے مالک تھے اور یہ ذہانت تادم آخر باقی رہی۔ فراغت کے بعد آٹھ سال جامعہ رحمانی مونگیر میں مدرس رہے۔ ۱۹۶۲ء میں امارت شریعہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے وصال کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کے صدر ہوئے۔

حضرت قاضی صاحب مسلمانوں کی تعلیمی زبوں حالی اور ملی انتشار سے کافی فکرمند رہتے تھے۔ مسلمانوں کی بہتری کے لئے آپ نے ملی کانسل کی تشکیل کی اور تاحیات اس کے جنرل سکریٹری رہے۔ اپنے گاؤں جالے میں ایک کالج قائم کیا۔ مہدولی دربھنگہ میں المجیبیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس کا افتتاح ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی سابق گورنر بہار نے کیا تھا۔ قاضی صاحب درجنوں مدارس کے سرپرست اور نگراں بھی تھے۔ پوری زندگی تصنیف وتالیف میں بھی مشغول رہے۔ چھوٹی بڑی تقریباً دودرجن کتابیں آپ نے یادگار چھوڑیں۔ ایک علمی اور فقہی مجلّہ ''بحث ونظر'' کے آپ بانی مدیر بھی تھے۔

پٹنہ میں طالب علمی کے زمانے سے ہی ان سے میری ملاقات تھی۔ بسلسلۂ ملازمت جب میں دربھنگہ آیا تو مہدولی میں اکثر ان سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان سے میری آخری ملاقات وفات سے قبل پہلی رمضان کو مہدولی میں ہوئی تھی۔ پروفیسر عبدالعلیم ہلال سابق پرنسپل ملت کالج اور ڈاکٹر منصور عمر بھی اس وقت موجود تھے۔ بعد میں قاری شبیر صاحب ناظم مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھڑوارہ، دربھنگہ تشریف فرما ہوئے۔ بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔

حضرت قاضی صاحب بڑے نیک، منکسرالمزاج اور سادگی پسند انسان تھے۔ وہ محبت، شفقت

اور خوداعتمادی کے پیکر تھے۔ان کی تقریر بڑی دل پذیر ہوتی تھی۔ایسی تقریر بہت کم سننے کو ملی۔زبان و بیان اورانداز گفتگو سے تدبراوردانشوری کا اظہار ہوتا تھا۔ایسی جامع اور ہمہ گیر شخصیت کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔اللہ آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔آمین۔

حضرت مولانا حافظ محمد بشارت کریمؒ شمالی بہار کے ایک جید عالم دین اور سلسلہ نقشبندیہ کے بلند پایہ بزرگ اوراپنے ہم سبق مولانا غلام حسینؒ کانپوری کے خلیفہ اور مجاز تھے۔آپ مولانا محمد علی مونگیریؒ کے ہم عصر تھے۔آپ نے پیری مریدی کا سلسلہ زیادہ نہیں پھیلایا۔آپ کے مریدین میں حضرت پنڈت جیؒ جوآپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا نام آپ نے محمد نوراللہ رکھا،وہ آپ کے مشہور مرید اور خلیفہ ومجاز تھے۔حضرت پنڈت جیؒ بعد میں پاکستان چلے گئے اور وہیں ۱۹۵۸ء میں انتقال ہوا۔

حضرت مولانا بشارت کریمؒ کا تعلق ضلع سیتامڑھی کے موضع گڑھول سے تھا۔آپ کی عظمت اور بزرگی کی نسبت سے یہ گاؤں گڑھول شریف کے نام سے مشہور ہے۔

استاذی پروفیسر مطیع الرحمٰن صاحب سابق صدر شعبہ اردو متھلا یونیورسٹی دربھنگہ کے ساتھ ۱۶راپریل ۲۰۰۲ء کو دربھنگہ سے گڑھول کے لئے روانہ ہوا۔رات کو موضع سوریہ ضلع، دربھنگہ میں ان کی پوتی ناہید کے یہاں قیام کیا۔صبح ناشتہ کے بعد اپنی سواری سے تقریباً ۱۲ بجے دوپہر میں گڑھول شریف پہنچے۔ساتھ میں ناہید کے خسر حاجی محمد عابد حسین اوران کے بچے بھی تھے۔سب سے پہلے حضرت مولانا بشارت کریمؒ کے دردولت پر حاضر ہوئے اوران کے پوتوں سے ملاقات ہوئی۔ظہر کی نماز کے بعدان کی قبر پر فاتحہ پڑھا اور مغفرت کی دعائیں بھی کیں۔

حضرت مولانا کی قبر گاؤں کی مسجد کے شمال جانب عام قبرستان کے احاطے میں ہے۔لیکن ان کی قبر بالکل کچی اور ایک فٹ سے بھی کم اونچی ہے۔البتہ لوہے کی جالیوں سے وہ گھری ہوئی ہے۔ان کے پہلو میں دوسری قبر آپ کی اہلیہ محترمہ کی ہے۔قبر کے سرہانے ایک پختہ سائبان ہے۔جس میں چند افراد بیک وقت بیٹھ سکتے ہیں۔آپ کی قبر پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے۔جس پر یہ عبارت درج ہے:

گفت ہاتف اوست نور عرشیاں

۱۳۵۴ھ

آہ واصل شد بحق دیں یادگار نقشبند

۱۹۳۵ء

قطعۂ تاریخ وفات مرشد کامل فخر آماثل حضرت مولانا قاری حافظ شاہ محمد بشارت کریم نور اللہ مرقدہ۔

آنکہ اسم پاک او آمد بشارت با کریم
ذات او محبوب درگاہ جناب کردگار
بود فخر نقشبند آں رخ حسن ازل
جان پاکش خوش خرامیدہ سوئے ایوان یار

ان کے گھر کے لوگوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا لیکن ہم لوگ دوسری جگہ مدعو تھے۔ پھر بھی ہلکی ضیافت کی۔ یہ حضرات شریف، صالح اور باصفا ہیں۔ چہرے بشرے سے متشرع اور مذہبی وضع قطع میں تھے۔ آتے وقت اس کمرے کی بھی زیارت کی جس میں حضرت مولانا قیام فرماتے تھے۔ یہ کمرہ چھوٹا اور کھپڑا پوش ہے۔ کمرے سے ایک راستہ زنان خانے میں کھلتا ہے اور دوسرا برآمدے میں جو باہر کا حصہ ہے۔

حضرت کا مکان کوئی محل یا پھر بڑی عمارت نہیں ہے۔ لیکن اس کے در و دیوار سے روحانیت ٹپکتی ہے۔ اب مولانا کے پوتے وغیرہ ملازمت میں ہیں۔ گاؤں زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے۔ سڑکیں کچی اور برسات میں تکلیف دہ تھیں۔ لیکن گاؤں میں بجلی پہنچ چکی ہے۔ آبادی مخلوط ہے۔ حضرت مولانا کی وجہ سے آج بھی گاؤں محترم اور مکرم ہے۔ لوگ گاؤں کا نام احترام سے لیتے ہیں۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

دربھنگہ کی ایک مشہور و معروف ورعلمی شخصیت، ڈاکٹر قاضی انصار الحق ۲۷ / اکتوبر ۲۰۰۳ء کو ایک طویل علالت کے بعد اپنی رہائش گاہ محلہ میرمنجن قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں انتقال کر گئے۔

میرا تقرری نامہ آپ کے ہی دستخط سے جاری ہوا تھا۔ جس پر قیو۔اے۔حق ہری روشنائی اور جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ اس وقت آپ متھلا یونیورسٹی میں کارگذار رجسٹرار تھے اور رجسٹرار جناب روپ نارائن جھا فرصت علالت میں تھے۔ آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ خدائے برتر نے وہ صورت یوں پیدا کردی کہ ۱۴رنومبر ۱۹۸۲ء کو پروفیسر سید شاہ ضیاء الرحمٰن سمستی پور کالج سے منتقل ہوکر شعبۂ اردو متھلا یونیورسٹی آگئے۔ ہم لوگ مرزا حیات بیگ میں ایک ساتھ رہتے تھے۔

جناب قاضی انصار الحق صاحب متھلا یونیورسٹی میں انسپکٹر آف کالجز برائے سائنس تھے۔ اس سے قبل آپ سمستی پور کالج سمستی پور میں پرنسپل اور پروفیسر سید ضیاء الرحمٰن صاحب صدر شعبۂ اردو اور برسر بھی تھے۔ قاضی صاحب وہاں بہت مشہور پرنسپل ہوئے۔ کالج میں تعمیری کام آپ کے دور میں بہت ہوا نہ اس سے قبل ہوا تھا اور نہ بعد میں۔ اس نے کالج میں آپ کی ساکھ کو اور مضبوط کردیا تھا۔

پروفیسر سید ضیاء الرحمٰن صاحب کا جناب قاضی صاحب کے یہاں آمد و رفت کا سلسلہ تھا۔ ایک دن میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ بعد مغرب کے بعد کا وقت تھا۔ قاضی صاحب دفتر سے آنے کے بعد اپنی خواب گاہ میں استراحت فرما رہے تھے۔ ہم لوگوں کو بھی وہیں بلالیا۔ بہت دیر تک یونیورسٹی کے معاملہ پر گفتگو ہوئی نیز ہم لوگوں کی تقرری پر کیا کچھ ہوا اور ہونے والا تھا۔ یہ سب بھی گفتگو کے دوران آئے۔ تقرری میں ہیرا پھیری کی خبر پٹنے میں مل چکی تھی۔ قاضی صاحب کی گفتگو سے اس کی تصدیق ہوئی۔ اگر قاضی صاحب اس وقت رجسٹرار کے عہدہ پر نہیں ہوتے تو شاید تقرری کی موجودہ ترتیب باقی نہیں رہتی۔ پھر قاضی صاحب کے یہاں آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آپ بڑی محبت سے ملتے اور شفقت کا انداز ہوتا۔ یونیورسٹی میں ان کے کام کرنے کا انداز بالکل مختلف تھا۔ بڑے بے باک، صاف گو اور دفتری امور میں ماہر تھے۔

ڈاکٹر ظفر سعید متھلا یونیورسٹی سے ٹرانسفر چاہ رہے تھے۔ نو آبجکشن کی ضرورت تھی۔ قاضی صاحب کے دفتر میں پہنچے۔ درخواست پیش کی اور عرض مدعا کیا۔ آپ نے متعلقہ کلرک کو بلایا اور ہدایت دے کر درخواست ان کے حوالے کی۔ اس دوران آپ نے چائے بھی پیش کی اور ایک ہفتہ بعد ملنے کو گیا۔

جب ہم دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اسی کلرک کو بلایا اور فائل کے بارے میں دریافت کیا۔کلرک نے درخواست نہ ملنے کا بہانہ کیا اور ہم لوگوں سے کہا کہ دوسری درخواست دے دیجئے۔ قاضی صاحب بہت برافروختہ ہوئے اور کہا کہ ہرگز دوسری درخواست نہیں دیں گے۔ میں نے ان کو آج بلایا ہے۔نوآبجکشن آج اور ابھی ان کو ملے گا۔ کیسے اور کس طرح وہ آپ جانیں۔ وہ کلرک سر جھکا کر چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں ظفر سعید کو نوآبجکشن مل گیا۔ قاضی صاحب معذرت خواہ ہوئے کہ آپ لوگوں کو دیر ہوگئی اور ہم لوگ سلام پیش کر کے واپس ہوگئے۔ قاضی صاحب بعد میں مستقل رجسٹرار بھی ہوئے۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے بوٹنی میں ایم ایس سی اور ڈاکٹریٹ تھے اور ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی کے شاگرد بھی تھے۔

قاضی صاحب نے سی۔ ایم سائنس کالج، دربھنگہ سے اپنی ملازمت شروع کی تھی اور سبکدوش ہونے کے بعد قاضی احمد کالج، جالے کے دوسال پرنسپل بھی رہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ٹیچرس ٹریننگ کالج دربھنگہ کے صدر بھی ہوئے اور اس وقت پروفیسر کاشف حسین، ملت کالج دربھنگہ اس کے سکریٹری تھے۔ آپ کا مزاج دینی تھا۔ آخر عمر میں حج سے بھی سرفراز ہوئے۔

قاضی صاحب جہاں بھی رہے بڑے بااثر رہے۔ کام کرنے کا سلیقہ تھا۔ قلم کے بڑے پختہ تھے۔ شاعری سے بھی شوق تھا اور نجمی تخلص کرتے تھے۔ استاذی پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب اور محترم ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ ان کی موت نے سبھوں کو سوگوار کیا۔ مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ کے میدان میں نماز جنازہ ہوئی جس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور اس کے قریب قبرستان میں پیوند خاک ہوئے۔ ضلع دربھنگہ کے ایک علمی اور ترقی یافتہ گاؤں کمہرولی سے آپ کا تعلق تھا۔

۳۰ر اپریل ۲۰۰۴ء بروز جمعہ علی الصباح پروفیسر مطیع الرحمٰن صاحب اس بزم ہستی سے اس طرح خاموشی کے ساتھ رخصت ہوگئے کہ گھر کے لوگوں کو بھی اس کی خبر نہ ہو سکی۔ چالیس سال قبل آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر کسی پر بوجھ بن کر نہیں رہے۔ دربھنگہ کے مشہور سرجن ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب کو جب ان کی موت کی خبر ہوئی تو بلا تاخیر ان کی رہائش گاہ (''گلشن رشید'' محلہ چک رحمت، بھیگو، دربھنگہ) پر پہنچے۔ ان سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ دیکھتے ہی اشکبار ہوگئے اور کپکپاتے ہوئے گویا ہوئے۔

''اس خاموشی کے ساتھ چلے گئے۔ خدمت کا بھی موقع نہیں دیا''۔ آپ بالکل صحت منداور چاق و چوبند تھے۔ ہمہ وقت تصنیف و تالیف میں لگے رہتے۔ ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۸ء کو متھلا یونیورسٹی سے سبکدوش ہوئے تھے۔ آپ یہاں پروفیسر و صدر شعبۂ اردو تھے۔ ۱۶ر ستمبر ۱۹۸۱ء کو بذریعہ یونیورسٹی کمیشن یہاں آپ کی تقرری عمل میں آئی تھی۔ اس مدت میں آپ نے یونیورسٹی اور شعبہ میں ایسے گہرے نقوش چھوڑے کہ آج تک آپ سے متعلق بہت سی باتیں افسانوی طور پر لوگ بیان کرتے ہیں۔ آپ نے شعبہ کو وقار اور معیار عطا کیا یونیورسٹی میں ایسی قدر و منزلت حاصل کی کہ کسی امر میں آپ کی شمولیت صحت و درستگی اور حق و صداقت کی سند تھی۔ آپ انتہائی ایمان دار، فرض شناس اور محنت شاقہ کے عادی تھے۔ آپ کو اللہ نے ایسا حافظہ عطا کیا تھا کے جب آپ کہ علم میں کوئی بات آجاتی تو آپ کی گرفت سے پھر وہ باہر نہیں جاسکتی۔ انداز بیان بیحد دلکش اور شیریں تھا۔ عہد وسطیٰ اور عہد جدید کی تاریخ پر بڑی گہری نظر تھی۔ ہندوستانی تہذیب اور اسلامی ثقافت کا وسیع مطالعہ تھا۔ جب کوئی واقعہ یا حالات بیان کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ خود اس میں شریک تھے۔

پروفیسر صاحب کا مطالعہ کثیر الجہات اور محیر العقول تھا۔ ادب کے استاد، عالمی جغرافیہ اور پن کوڈ کے ماہر، علم تصوف، سلاسل اصفیا، بزرگان دین کے مزارات و مقابر اور مشہور دینی خانقاہیں سب آپ کے حافظے میں محفوظ تھیں۔ مولانا سعید احمد مکرانویؒ کی تعلیم و تربیت میں تصوف کے مدارج طے کئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ لیکن آپ نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع نہیں کیا۔ بزرگان دین، صوفیاء باصفا اور علماء کرام کے بیحد معتقد تھے۔ عشق رسول کا ایسا والہانہ جذبہ کہ جب ذکر کرتے تو ان پر گریاں و بریاں کی کیفیت طاری ہوجاتی۔ گداز قلب اور اشک بار چشم کی ایسی دولت میسر تھی کہ دل کی کھیتی ہمیشہ ہری بھری رہتی۔ عہدہ، منصب اور دولت و ثروت سے نہ کبھی مرعوب ہوئے اور نہ اس کی طلب نے کش مکش میں رکھا۔ طبیعت میں بیحد استغنا۔ حق گوئی اور بے باکی میں ایسے جری کہ کبھی کسی کے سامنے مصلحت کے شکار نہیں ہوئے۔ اس لئے لوگ ان سے گفتگو میں گھبراتے اور مداہنت میں کتراتے تھے۔

آپ نے میٹرک ضلع اسکول مظفر پور سے کیا تھا اور پورے ترہت ڈویژن میں تیسری پوزیشن

حاصل کی۔ بی۔ اے کے تمام فیکلٹیز میں ٹاپر رہے اور ایم اے میں بھی سرفہرست تھے۔ دربھنگہ آنے تک آپ پٹنہ یونیورسٹی اور پٹنہ کالج میں استاد رہے۔ مجھے پٹنہ کالج میں آپ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۸۲ء سے ستمبر ۱۹۸۸ء تک آپ کی نگرانی اور سرپرستی میں کام کرنے کا موقع ملا۔ آپ سے بہت قریب رہا۔ جس دن آپ کا وصال ہوا شدت سے محسوس کیا کہ آج میں نے اپنے ایک مربی، ایک شفیق استاد اور محبت کرنے والے ایک محسن کو کھو دیا ہے۔

دوسرے دن ملت کالج سے متصل قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ آپ کے ماموں زاد بھائی مولانا امان اللہ قاسمی نے پڑھائی:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

آپ یونیورسٹی کے کام کے لئے ہمیشہ اردو کی باوقار شخصیتوں کو مدعو کرتے۔ شعبہ کے اساتذہ اور طلباء کا ان سے تعارف کراتے اور ان سے اپنے تجربات و تاثرات کو پیش کرنے کی گزارش کرتے۔ ایسی باوقار شخصیتوں میں پروفیسر ظہیر احمد صدیقی (دہلی یونیورسٹی)، پروفیسر عتیق احمد صدیق (علیگڑھ مسلم یونیورسٹی)، پروفیسر عبدالسلام سندیلوی، پروفیسر محمود الٰہی (گورکھپور یونیورسٹی)، پروفیسر منشاء الرحمٰن خاں منشا (ناگپور یونیورسٹی)، پروفیسر عنوان چشتی (دہلی یونیورسٹی)، پروفیسر جگن ناتھ آزاد (جموں یونیورسٹی) وغیرہ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

۸؍ مارچ ۲۰۰۸ء کو شعبہ میں ان کی خدمات اور شخصیت پر ایک سیمینار منعقد ہوا تھا جس میں شہر اور بیرون شہر کے ادیب و فنکار نے گرانقدر مقالے پیش کئے۔ راقم الحروف نے بھی ایک مقالہ بعنوان ''پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن: مشاہدات و تاثرات'' پڑھا۔

پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب کی ذات ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن تھی۔ آپ کی ڈیڑھ درجن کتابیں منظر عام پر آئیں۔ پچاسوں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مقالے لکھے جن سے آپ کی علمی اور فکری جہات کا اندازہ ہوتا ہے۔

دربھنگہ کی سرزمین علم و فضل کے لئے بڑی زرخیز رہی ہے۔ یہاں بڑی بڑی شخصیتیں پیدا

ہوئیں۔ان بلند وبالا شخصیتوں میں جناب شاداں فاروقی صاحب کا بھی ایک اہم نام ہے۔

آپ ایک شفیق استاد، معتبر محقق، مستند مورخ، مقتدر صاحب قلم، خسرو اقلیم شعر وسخن، مہذب، شریف النفس اور انسانیت نواز شخصیت کے حامل تھے۔۲/نومبر ۱۹۸۲ء کو جب میں متھلا یونیورسٹی میں لکچرر ہوکر آیا تو ان کی رہائش گاہ لیچی باغ مہیش پٹی، دربھنگہ کے بازو میں جناب نورالہدیٰ نور صاحب کے نوتعمیر شدہ مکان میں بطور کرایہ دار اقامت پذیر تھا اور صاحب خانہ اپنی ملازمت کے سلسلے میں رانچی میں مقیم تھے۔اس مکان میں میرے ساتھ ڈاکٹر ظفر سعید بھی تھے اور وہ حضرت شاداں سے قبل سے شناسا تھے۔پھلواری شریف پٹنہ کے رہنے والے اور شاداں صاحب خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے وابستہ تھے اور اس کے ارادت مندوں میں سے تھے نیز اسی خانوادہ کے ایک فرد جناب سید محمد بلال (مولانا سید شاہ امان اللہ صاحب قادریؒ کے بھانجے) آپ کی چھوٹی بیٹی سے منسوب ہیں۔ہم دونوں شام کو ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ان کی بارگاہ میں اعیان شہر ارادت کے ساتھ حاضری دیتے۔جناب شاداں فاروقی فقیرانہ مسند پر شاہانہ انداز میں جلوہ افروز ہوتے۔سبھوں کی سنتے لیکن خود لب کشائی نہیں کرتے۔ جب کبھی تبسم ریز لب پر حرکت ہوتی تو سبھی گوش برآواز ہوجاتے۔نہ کسی کی غیبت اور نہ شکوہ برلب۔بس علمی گفتگو کرتے جس سے ان کے علم کی گہرائی اور تدبر ودانائی کا اظہار ہوتا۔ان کی مجلس میں ایک کیف و سرور کا احساس ہوتا۔جب اس مجلس سے اٹھ کر جاتا تو تادیر اس لذت کو محسوس کرتا۔اس موقع پر آپ کی سادہ اور خوش رنگ چائے لطف کو اور دوبالا کر دیتی۔

حضرت شاداں پوری زندگی علم کو سمیٹتے اور شائقین کے درمیان اس کو بکھیرتے رہے۔ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ان کی ذاتی لائبریری تھی۔جس میں تقریباً دس ہزار کتابیں اور مختلف جریدے تھے۔کھوئے ہوؤں کی جستجو ان کی زندگی کا مشن تھا۔ایسے ایسے گہر وجواہر ڈھونڈ نکالے جن کو زمانے کی گرد نے نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ان کی تاریخی دریافت اور بازیافت نے دربھنگا کو علمی دنیا میں گراں مایہ کر دیا۔انہوں نے دربھنگہ کی قدیم مساجد کی دریافت کی اور ان کی تاریخی حیثیت کو متعین کیا اور تاریخ المساجد جیسی نادر کتاب معرض وجود میں آئی۔ان کی ''بزم شمال'' ایسی نادرہ تخلیق ہے کہ شعراو

فنکار اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس بزم میں شریک ہیں۔ ان کی دوسری تخلیق ''مغل شاہزادیاں'' جو گم گشتہ و پراگندہ تھیں سب کو نکھار کر یکجا کر دیا۔

حضرت شاداں فاروقی شرافت و نجابت اور اخلاق و مروت کے ایسے پیکر تھے کہ سبھی ان کو اپنا کہتے اور وہ سبھوں کو اپنا سمجھتے۔ شہر میں ایسی محبوبیت اور مقبولیت دوسروں کے حصے میں کم آئی۔ اونچے اونچے عہدوں پر فائز ان کے شاگرد جب ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو طفل مکتب کی طرح لرزاں اور ترساں رہتے۔ یہ شاہانہ وقار جو ان کو حاصل تھا یہ ان کے کردار کا ثمرہ تھا۔

جن دنوں میں محلہ رحم خاں میں مقیم تھا اور حضرت شاداں فاروقی اپنے داماد احمد کریم شرفی کے یہاں محلہ رحم گنج میں منتقل ہو گئے تھے۔ نئی کتابوں اور پرچوں کی جمع آوری ان کی بڑی کمزوری تھی۔ آپ کبھی محلہ رحم خاں ہو کر قلعہ گھاٹ دربھنگہ جاتے یا آتے۔ راقم الحروف کے یہاں تشریف فرما ہوتے اور دربھنگہ کے حدود ابعاد سے آشنا کراتے۔ تاریخی واقعات کا تو ان کے پاس ایک بڑا خزانہ تھا۔ کریدتے جایئے اور سمیٹتے جایئے۔ آج بھی ان کا سراپا نظروں میں سمایا ہوا ہے۔

میانہ قد، صاف رنگ، متبسم چہرہ، سلیقہ سے بنی ہوئی داڑھی، ہونٹوں پر پان کی سرخی، سر پر سیاہ مخملی ٹوپی، سفید کرتا، چوڑی مہری کا پائجامہ ہاتھ میں چھڑی اور سر پر چھتری کا سائبان جو دھوپ کی تمازت اور لو کی شدت سے آپ کی حفاظت میں ہمیشہ تنی رہتی۔ آپ اس شان بے نیازی سے چلتے کہ نہ کسی کے سلام کی تمنا اور نہ کسی کے فرش راہ ہونے کی چاہت۔ نظریں نیچی رفتار میں متانت اور وقار۔ گزرنے والے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے اور آگے بڑھ جاتے۔ جو آپ کو سلام پیش کرتے ان کو مسکرا کر جواب دیتے اور خیریت دریافت کرتے۔

آپ اسلاف کے نمونہ اور دربھنگہ کے لئے ایک اثاثہ تھے۔ آپ کی موت نے اس شہر نگاراں کو ایسا کم مایہ کر دیا کہ اب کہیں نظریں نہیں ٹھہرتیں۔ آپ کا تعلق موضع علی نگر دربھنگہ سے تھا جو ایک قدیم علمی، تہذیبی اور ثقافتی مرکز ہے۔ جس کے آپ آخری امین تھے۔ ۵ر مئی ۲۰۰۴ء کو علم کا یہ آفتاب سرزمین دربھنگہ میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

شمالی بہار میں سیلاب کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہاں کے لوگوں کا یہ مقدر ہے۔ ہر سال سیلاب آتا ہے اور اس علاقہ میں تباہی اور بربادی کے آثار چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگ اس کے عادی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی سیلاب کی یہ تباہی اور بربادی اس حد تک بھیانک ہو جاتی ہے کہ اپنے تمام سابقہ ریکارڈ کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے اور اپنی تباہی و بربادی کے لئے یہ سال تاریخ کے اوراق کی زینت بن جاتا ہے۔ ابھی تک ۱۹۸۷ء کا سیلاب یہاں کے لوگوں کی زبان پر تھا۔ لیکن ۱۱ر جولائی ۲۰۰۴ء کا سیلاب اس قدر بھیانک، قیامت خیز اور رونگٹے کھڑا کر دینے والا تھا کہ ضلع دربھنگہ کا نوے فیصد علاقہ نہ صرف زیر آب ہو گیا بلکہ بیشتر علاقوں کے گاؤں کے گاؤں اس سیلاب میں بہہ گئے۔ چھپر اور چھتوں کے اوپر سے پانی گزر گیا۔ مالی نقصان کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ سیکڑوں کی تعداد میں انسانی زندگی لقمۂ اجل بن گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں جانور بہہ گئے۔

شہر کا بیشتر علاقہ جہاں کبھی سیلاب کا پانی نہیں آیا تھا وہاں بھی چار چار پانچ پانچ فٹ پانی گھس آیا۔ گھروں اور مکانوں کے اندر کے اثاثے بہہ گئے یا برباد ہو گئے۔ کمشنر، ضلع مجسٹریٹ اور ایس۔ پی۔ کی رہائش گاہوں میں کئی کئی فٹ پانی گھس آیا۔ پاسبان شہر بھی اپنی پناہ کے لئے محفوظ مقامات کی تلاش کے لئے نکل پڑے اور دربھنگہ ریلوے جنکشن پر ریل کے ڈبوں میں پناہ لینی پڑی۔ شہر کا جنوبی حصے جو لہیر یاسرائے کے نام سے موسوم ہے جہاں اعلیٰ حکام کی کوٹھیاں اور دفاتر ہیں۔ جب شہر میں اچانک پانی داخل ہوا تو رات کا آدھا حصہ بچا ہوا تھا اور لوگ خواب استراحت میں تھے۔ پورے شہر میں کہرام مچ گیا۔ صبح ہونے سے قبل خصوصاً لہیر یاسرائے غرق آب ہو چکا تھا۔ یہاں کی آبادی میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی اور لوگ حواس باختہ تھے۔ جائے پناہ یا تو چھت یا چھپر۔ باگمتی ندی کا باندھ ''اکی'' کے پاس ٹوٹ چکا تھا۔ ندی کا دھارا اور اس کا رخ شہر کی طرف تھا۔ قیامت کی گھڑی تھی اور لوگ گویا میدان حشر میں۔ بیشتر گھروں کا غلہ غرق ہو چکا تھا اور پانی کا نل نظروں سے اوجھل۔ نہ پینے کے لئے پانی میسر اور نہ کھانے کا ٹھکانا۔ بعض بعض جگہوں پر سیلاب کا ہی گدلا اور گندہ پانی پینا پڑا۔ بجلی شہر سے غائب کالی بھیانک رات اور اوپر سے بارش کو بوچھار۔ انسانی زندگی خطروں میں گھری تھی۔ رہ رہ کر شور اور غوغا اٹھتا اور رات کو

بھیانک بنادیتا۔ نیند آنکھوں سے غائب دماغ محشر خیال۔اس دوران خبر ملی کہ متھلا یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر راج منی پرساد کی رہائش گاہ میں بھی پانی گھس آیا ہے اور وہ بے پناہی کے عالم میں ننگے پاؤں، ننگے بدن پناہ کے لئے دوڑے اور یونیورسٹی گیسٹ ہاؤس میں دم لیا۔ان کی گاڑی بہہ چکی تھی اور سارا سامان زیرآب تھا۔تمام تعلیمی ادارے ۲۴ رجولائی تک کے لئے بند کردئے گئے تھے۔

راحت رسانی کے لئے فضاؤں میں ہیلی کاپٹر کی مسلسل پروازیں اور ان کی دل دہلادینے والی آوازیں دن بھر جاری رہتیں، بیشتر آبادی چھتوں اور چھپروں پر اٹی پڑی تھی۔ جب ان کے سروں پر ہیلی کاپٹر پرواز کرتا تو امید کی نظریں اوپر اٹھتیں۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر امداد کے لئے یک بارگی چیخ اٹھتے۔ دربھنگہ میڈیکل کالج وہاسپٹل کی عمارت نشیبی علاقوں میں ہونے کی وجہ سے اور بھی سیلاب کی زد میں تھی۔ ڈاکٹرس، نرسیں اور یہاں کے اسٹوڈنٹس سب پانی میں گھرے ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹرس انہیں نکال نکال کر دوسری جگہیں لے جارہے تھے۔اسی دوران ایک ہیلی کوپٹر گر کر تباہ ہوگیا۔جس کو بعد میں دوسرا بڑا ہیلی کوپٹر اٹھا کر لے گیا۔اس کی آواز سے پورا شہر دہل گیا تھا۔میرے مکان کے مین گیٹ پر پانچ فٹ اور کمروں میں ایک ایک فٹ پانی گھس آیا تھا۔بچوں کے ساتھ چھت پر پناہ گزیں تھے۔ اللہ کا کرم تھا کہ میرا ٹیوب ول زیرآب نہیں ہوا۔ پانی کی سہولت تھی اور کھانے کے سامان بھی پہلے سے موجود تھے۔اس لئے بہت دشواری نہیں ہوئی۔

اس مکان کے پیچھے دوسرے مکان میں پروفیسر عبدالعلیم ہلال پرنسپل، ملت کالج دربھنگہ رہائش پذیر تھے۔کافی نشیب میں ہونے کی وجہ سے ان کے مکان میں پانچ فٹ پانی تھا۔ پرنسپل صاحب کو بھی چھت پر پناہ لینی پڑی۔ ان کا ٹیوب ول زیرآب ہوگیا تھا۔دونوں مکان کے درمیان بانس کی سیڑھی کا پل بنایا اور دونوں مکان میں آمدورفت کا واحد ذریعہ یہی سیڑھی تھی۔ پرنسپل صاحب کا کافی مالی نقصان ہوا۔ بہت سارے سامان سڑگل گئے۔ ان کا چھوٹا لڑکا حکیم غزالی انور ہلال ان کے ساتھ تھے۔ جن کی وجہ سے کافی راحت ملی۔ہم لوگوں کا رہنا۔سہنا کھانا پینا سب چھت پر تھا۔

دربھنگہ ریلیف کمیٹی بڑی فعال تھی۔ دربھنگہ کے مشہور سرجن محترم جناب ڈاکٹر عبدالوہاب کی صدارت اور نگرانی میں یہ کام چل رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے خیریت دریافت کی اور ضرورت پوچھی۔

حسب ضرورت انہوں نے دوسرے دن موم بتی، ماچس، ترپال اور پلاسٹک شیٹ بھیجی۔ میرے مکان سے جلد ہی پانی اتر گیا۔ لیکن پرنسپل صاحب کو چھت پر بہت دنوں تک رہنا پڑا۔

اسی دوران جناب قیصر عالم صاحب، لاڈلے بھائی کے ساتھ پانی میں ہیلتے ہوئے میری خیریت معلوم کرنے آگئے اور اپنے ساتھ چائے کی پتی اور چینی بھی لائے۔ وہ جانتے تھے کہ سادہ چائے میری بڑی کمزوری ہے۔ اس کی وجہ سے بڑی راحت ملی۔ پھر مجی ڈاکٹر منصور عمر کراشن تیل لے کر آگئے۔ اندھیرے میں چراغ روشن ہوا۔ اس مدت میں ملت کالج کی چھت پر سیکڑوں لوگ پناہ گزیں تھے۔

چوروں کی بن آئی تھی۔ اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر چور رات میں کشتیاں لے کر آتے اور گھروں میں گھس کر سامان لے جاتے۔ پانی میں چھپ چھپ کی آواز، رات کو اور ڈراونی اور مہیب بنادیتی۔ اس پر چور چور کا شور دہشت میں اور بھی اضافہ کردیتا۔

شہر ہر چہار طرف سے کٹا ہوا تھا۔ خورد ونوش کے سامان بازار سے غائب۔ گرانی ہوش ربا۔ جب پانی اتر گیا تو گداموں میں غلوں کے سڑنے کی وجہ سے ایسا تعفن کہ معاذ اللہ۔ لوگوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ یہ سب ہماری بداعمالی کے نتیجے ہیں۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے۔ آمین

اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی شہرت کی اس بلندی پر پہنچ جانا جہاں عمر کے آخری حصوں میں بھی بہتوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ دربھنگہ میں ایک ایسی شخصیت تھی جو شہرت کے پر لگا کر اڑ رہے تھے۔ اس شخص کا نام محمد حسنین سید تھا۔ ۱۹۷۹ء میں ان سے میری پہلی ملاقات خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہوئی تھی۔ وہ اپنی کسی ضرورت سے آئے تھے۔ میرے رفیق اور ہم درس سلیم الدین احمد جو خدا بخش لائبریری میں ملازم تھے۔ انہوں نے ان سے تعارف کرایا کہ آپ محمد حسنین سید ہیں، دربھنگہ سے تعلق ہے اور میرے والد (انیس الدین احمد مرحوم) کے دوستوں میں سے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں جب میں اپنی ملازمت کے سلسلے میں دربھنگہ آگیا اور شہر سے بھی کچھ آشنائی ہوگئی تو حسنین سید کا ذکر آیا اور ان سے متعارف بھی ہوا۔

محمد حسنین سید صاحب کا تعلق دربھنگہ کی ایک مردم خیز اور تعلیم یافتہ بستی کمہرولی سے تھا۔ تاریخ پیدائش ۲۳ / مارچ ۱۹۱۷ء ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم تو علاقے کے ایک اسکول میں ہوئی تھی لیکن اعلیٰ تعلیم

کے لئے جوخواب دیکھا اس کے پیچھے جو مقاصد اور عزائم تھے بڑے پاکیزہ اور مقدس۔ انہوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں اپنے والد کی مرضی کے خلاف تعلیم حاصل کرنے کا عزم کیا۔ ان کے والد کی خواہش تھی کہ ایسی تعلیم حاصل کرے جو ملازمت اور حصول دولت کا ذریعہ بنے۔ ان کی نگاہ میں وکالت کا پیشہ بڑا پرکشش تھا۔ لیکن حسنین سید کی سوچ بالکل اس کے برعکس تھی۔ بہرحال وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی بدقت تمام پہنچے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں اس وقت شیخ الجامعہ تھے۔ حسنین سید نے شیخ الجامعہ کے سامنے پہلی ہی ملاقات میں مقصد، ارادہ اور صورت حال کو جرأت اور صداقت کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ شیخ الجامعہ بہت خوش ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھ سے ایک عہد کیجئے مسئلے کا حل ہوگا۔ وہ کیا! حسنین سید نے پوچھا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب گویا ہوئے "کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے"۔ اس پر حسنین سید نے کہا کہ میں پہلے سے ہی جھوٹ نہیں بولتا ہوں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین مسکراتے ہوئے بولے کہ تو پھر مسئلے کا حل ہو گیا۔

حسنین سید نے اپنے اخراجات کے لئے گھر کے لوگوں پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا۔ وہ جامعہ میں پڑھتے بھی رہے اور اپنے مصارف کے لئے سبیل بھی پیدا کی۔ اس میں ڈاکٹر ذاکر حسین بڑے معاون اور محسن ثابت ہوئے۔

حسنین سید نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ۱۹۳۴ء میں درجہ ثانوی سوم میں داخلہ لیا تھا۔ اس وقت جامعہ میں بڑے قابل اور نامور اساتذہ موجود تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے علاوہ پروفیسر محمد مجیب، پروفیسر عابد حسین اور مولانا اسلم جیراجپوری وغیرہ زیادہ مشہور تھے۔ جامعہ کے قیام کو ابھی چودہ سال ہوئے تھے گویا جامعہ کی طفلی کے ایام تھے۔ اساتذہ تازہ دم، باصلاحیت، بلند نگاہ اور ملی جذبے سے سرشار تھے۔ ماحول سازگار، تحریک آزادی کا زمانہ، ہندوستان کی بڑی بڑی شخصیتوں کی آمد کا سلسلہ اور جامعہ کے بانیوں کے نیک ارادے اور پاکیزہ مقصد نے اس ماحول کو اور بھی تابناک اور پرکشش بنا دیا تھا۔

حسنین سید شروع ہی سے بڑے ذہین، معاملہ فہم، بلند نگاہ، متحرک اور فعال تھے۔ بہت جلد جامعہ میں اساتذہ اور طلبا کے درمیان مقبول ہو گئے۔ اساتذہ کی شفقت اور مہربانی قدم بقدم رہی اور طلبا بھی ان کی شیدائی تھے۔ جب طلباء کی تنظیم "انجمن اتحاد" قائم ہوئی تو قرعۂ فال حسنین سید کے نام نکلا اور

وہ اس انجمن کے ناظم مقرر ہوئے۔ اس وقت ان کے ساتھیوں اور دوستوں میں پروفیسر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی، جناب خورشید عالم خاں، سابق وزیر حکومت ہند اور ڈاکٹر سید حسن (انسانی اسکول کشن گنج والے) وغیرہ تھے جو بعد میں علمی وسیاسی افق پر شمس وقمر بن کر چمکے۔

جامعہ میں ''انجمن اتحاد'' کا ترجمان ''جوہر'' تھا۔ اس کی ادارت کے لئے بھی ایک ایسے جوہر آبدار کی تلاش تھی جو اس کی قدر و قیمت کو باقی رکھے۔ سبھوں کی نگاہ حسنین سید پر پڑی اور اس کی ادارت کا زمام بھی ان کے ہاتھ میں ڈال دیا۔ حسنین سید اب تک جس تدبر و دانائی ژرف نگاہی اور اولوالعزمی کا جوہر دکھا چکے تھے ''جوہر'' کی ادارت کے لئے ان سے کم پر قناعت کا کوئی سوال بھی نہیں تھا۔

جامعہ نے حسنین سید کے تمام پوشیدہ امکانات کو روشن کر دیا اور ان کے عزم وارادے کو ایسا استحکام بخشا کہ کبھی پائے ثبات میں حرکت وجنبش نہیں آئی۔ ان کی شخصیت کی تعمیر میں ایک طرف جامعہ کا ہاتھ تھا تو دوسری طرف جامعہ کے واردین وصادرین میں خصوصاً علامہ اقبال اور مولانا مودودی کی نظر نے بھی اپنا کام کیا۔ ان کے وہ ایسے گرویدہ ہوئے کہ آخری سانس تک ان کی یادیں اور باتیں حرز جاں بن کر رہیں۔

۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کو عالم اسلام نے ایک ایسی روح فرسا خبر سنی کہ اردو وفارسی کا ایک عظیم شاعر جو لوگوں کے دلوں کا دھڑکن تھا جن کی شاعری کشت حیات میں آب زلال کی حیثیت رکھتی تھی یعنی علامہ اقبال اس جہاں آب وگل سے رشتہ توڑ کر عالم قدس کی طرف رہ سپار ہوگئے۔ اس غم نے سبھوں کو نڈھال کر دیا۔ لیکن جامعہ نے اس داغ مفارقت کو جس شدت سے محسوس کیا وہ ''جوہر اقبال'' کے مطالعہ سے ہی ظاہر ہوسکتا ہے۔ ''انجمن اتحاد'' نے فیصلہ کیا کہ علامہ اقبال پر ''جوہر'' کا ایک خصوصی شمارہ نکالا جائے جو جامعہ کے شایان شان ہو اور علامہ کے لئے ایک خراج عقیدت اور اس کی حیثیت بھی دستاویزی ہو۔ جوہر کے مدیر حسنین سید اس تحریک کے روح رواں تھے۔ جامعہ میں دہلی کے عمائدین کی ایک تعزیتی نشست ہوئی اس میں بھی یہ تجویز رکھی گئی۔ سبھوں نے اس کی تائید کی اور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین جو سید صاحب کے آئیڈیل تھے ان کی دل جوئی اور معاونت نے اس کام کو اور آسان کر دیا۔ علامہ اقبال کے انتقال کے چند مہینوں کے بعد ''جوہر'' کا اقبال نمبر منظر عام پر آ گیا۔ دنیا میں

علامہ اقبال پر یہ پہلی کتاب تھی جو ان کے وصال کے بعد شائع ہوئی۔ اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے آج بھی اقبالیات پر یہ ایک مستند اور معتبر وثیقہ ہے۔ جس میں مولانا آزاد، مہاتما گاندھی، رابندر ناتھ ٹیگور، سر اکبر حیدری، سر تیج بہادر سپرو، مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو، مولانا عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر راجندر پرشاد، علامہ سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر رشید احمد صدیقی، مولانا ابوالاعلی مودودی، پروفیسر خواجہ غلام السیدین، مولانا اسلم جیراجپوری، مولانا سعید اکبرآبادی، پروفیسر محمد مجیب، پروفیسر عابد حسین، حفیظ جالندھری وغیرہ نیز اس وقت کے طلباء میں حسنین سید کے علاوہ پروفیسر مسعود حسین خاں، محمد اسماعیل خاں، حامد حسین اور حسن سبحانی وغیرہ کے تاثرات وتحریرات اس میں شامل ہیں۔ شاید کسی ایک کتاب میں ایسی عظیم شخصیتوں کی یکجا تحریر نہیں ہوگی۔ لیکن حسنین سید نے آسمان فن اور شعر و ادب کے ایسے ایسے شمس وقمر اور کواکب سے ''جوہر اقبال'' کو آراستہ کردیا کہ آج تک اس کے تب و تاب میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بی۔ اے۔ کا طالب علم اور ایسا عظیم علمی کارنامہ! لیکن حسنین سید کے عزم واراد ے نے سب کو آسان کردیا اور وہ خود شہرت کی بلندی پر پہنچ گئے۔

حسنین سید ۱۹۴۰ء میں جامعہ سے صرف فراغت کی سند ہی لیکر وطن مالوف واپس نہیں ہوئے تھے بلکہ عزم وعمل اور نصاب زندگی بھی ساتھ لائے تھے۔

۱۹۴۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے واپس آنے کے بعد حسنین سید نے ایک ماہانہ علمی وادبی رسالہ ''ہمالہ'' جاری کیا۔ مدیران میں حسنین سید کے علاوہ شین۔ مظفر پوری اور مولوی اعزاز احمد محلّہ سینا پت دربھنگہ شریک تھے۔ جناب مولوی اعزاز احمد اس وقت دربھنگہ ڈسٹرکٹ بورڈ میں چیئرمین تھے۔ تقریباً دو سال تک یہ رسالہ جاری رہا۔ ''ہمالہ'' کے سارے شمارے مولوی اعزاز احمد کے صاحبزدہ محمد طارق صاحب کے پاس موجود ہیں۔

۱۹۴۱ء سے ان کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ ۲۶ر اگست ۱۹۴۱ء کو آل انڈیا جماعت اسلامی کی تشکیل لاہور میں عمل میں آئی تو اکتوبر ۱۹۴۱ء میں ہی حسنین سید اس کے رکن بنالئے گئے۔ ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا جماعت اسلامی کا ایک نمائندہ اجلاس رسول پور الل پٹی اسلام نگر دربھنگہ میں سید

شاہ مسعود عالم (خسر حسنین سید) کے احاطے میں منعقد ہوا تھا جس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحی، ملک نصراللہ عزیز (مدیر کوثر)، نعیم صدیقی، میاں طفیل محمد (مدیر نقوش)، مولانا صدرالدین اصلاحی اور مولانا مسعود عالم ندوی (کیٹلاگر خدا بخش لائبریری پٹنہ) نے شرکت کی تھی۔ اس کا کھلا اجلاس ٹاؤن ہال دربھنگہ میں ہوا۔ اختلاف وانتشار کے پیش نظر مولانا مودودی اس میں شریک نہیں ہو سکے۔

۱۹۴۴ء میں حسنین سید آل انڈیا جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے رکن بنائے گئے۔ اس مجلس شوریٰ کے تاسیسی ارکان میں مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ بھی رکن نامزد ہوئے تھے۔ لیکن بعد میں آخرالذکر دونوں اراکین نظریاتی اختلاف کی وجہ سے اس سے الگ ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں دارالاسلام پٹھان کوٹ میں جماعت اسلامی کا پہلا کل ہند اجتماع ہوا تو اس میں حسنین سید نے اس میں شرکت کی۔ ۱۹۴۶ء میں جماعت اسلامی مشرقی ہند کا ایک اجتماع پٹنہ میں ہوا تھا۔ کچھ دنوں پہلے بہار میں ہولناک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے۔ فرقہ وارانہ فضا کو سازگار بنانے اور مسلمانوں کی دلجوئی کے لئے گاندھی جی پٹنہ میں مقیم تھے اور ڈاکٹر سید محمود، اس وقت کے وزیر تعلیم، کے یہاں ان کا قیام تھا۔ گاندھی جی ہر شام کو گاندھی میدان پٹنہ میں پرارتھنا کرتے تھے۔ مولانا شفیع احمد داؤدی مظفر پور جو گاندھی جی سے قریب تھے اور جماعت اسلامی کے رکن بھی تھے، انہوں نے گاندھی جی کو اس اجلاس میں شرکت کی دعوت دی تو گاندھی جی بہ نفس نفیس اس اجتماع میں شریک ہوئے۔

دوسرے دن مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والوں نے جماعت اسلامی کے خلاف بیان شائع کیا کہ جماعت اسلامی کانگریس کی حامی ہے۔ ادھر کانگریسی اخبار نے اس بات پر اپنی برہمی کا اظہار کیا کہ گاندھی جی کو جماعت اسلامی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ یہ ان کے مرتبہ کے خلاف ہے۔ تیسرے دن گاندھی جی کو پرارتھنا سبھا میں وضاحت کرنی پڑی کہ جماعت اسلامی کے لوگ فقیر ہیں۔ ایسے فقیر نہیں جو گندے کپڑوں میں رہتے ہیں اور بھیک مانگتے ہیں۔ بلکہ دل کے فقیر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تم لوگ جب اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تو اللہ کے حکموں پر بھی عمل کرنا چاہئے، ہم بھی اپنے

ہندو بھائیوں سے کہیں گے کہ جب وہ رام کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کو رام کے طریقے پر چلنا چاہئے۔اس دفعہ تو میں موٹر پر بیٹھ کر جماعت کے جلسے میں گیا تھا آئندہ اگر وہ اپنے جلسے میں بلائیں گے تو میں پیدل چل کر جانے میں خوشی محسوس کروں گا۔(بحوالہ:''جوہر اقبال'' مطبوعہ ۲۰۰۹ء) گاندھی جب دلی واپس گئے اور حسب معمول پرارتھنا میٹنگ میں تھے کہ ''گوڈسے'' نے ۳۱ رجنوری ۱۹۴۷ء کو انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

۱۹۵۱ء میں رسول پور اللپٹی در بھنگہ میں ایک ایسا اقامتی تعلیمی ادارہ ''درسگاہ اسلامی'' کے نام سے قائم کیا جو شمالی ہندوستان میں اپنی نوعیت کا یہ واحد ادارہ تھا۔وہ خود اس کے ناظم تھے۔اس ادارہ نے اپنی تعلیمی خدمات کی بنیاد پر بڑی شہرت حاصل کی جس کا ماضی نہایت شاندار ہے۔اس ادارہ میں ہندوستان کی مشہور ومعروف علمی وادبی شخصیتیں قدم رنجاں ہوئیں ہیں جیسے مولانا ابواللیث صدیقی، مولانا محمد یوسف اصلاحی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی، کلدیپ نیر اور غلام سرور وغیرہ۔

۱۹۵۶ء میں ان کے شفیق استاد اور محسن ڈاکٹر ذاکر حسین جب بہار میں گورنر ہو کر آئے تو حسنین سید کو بیحد خوشی ہوئی اور اپنی مسرت وشادمانی کا اظہار کیا اور خود ذاکر صاحب نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔استاد اور شاگرد کا کیسا مقدس رشتہ تھا کہ عہدہ بھی راہ میں حائل نہیں ہوا۔ایک دوسرے سے بڑی محبت وعقیدت سے ملے۔

۱۹۴۱ء سے ۱۹۶۲ء تک تبلیغ اور اشاعت دین کے لئے بہار، بنگال اور اڑیسہ میں بڑے سرگرم عمل رہے اور ہر جگہ اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔۱۹۶۲ء میں آپ گوہاٹی، آسام کے امیر حلقہ مقرر ہوئے اور ۱۹۷۰ء تک اس دشت جنوں میں دعوت واشاعت دین کے لئے سرگرداں رہے۔یہاں کی سرزمین، یہاں کے کوہ ودمن اور یہاں کی آب وہوا آج بھی اس محبت اور عشق وجنوں کی داستانیں سناتی ہیں۔نہ معلوم کتنے دین کے دیوانے ہوئے اور کتنے فرزانے تائب ہو کر ان کے ہاتھوں پر بیعت دین کی۔

۱۹۷۰ء میں آپ پھر در بھنگہ آ گئے اور یہی جگہ آپ کے لئے دعوت دین کا مرکز بنی اور یہ سرزمین

جو آپ کا وطن بھی ہے اس نے اپنی چشم وا سے دیکھا۔

یوسف گم گشتہ باز آید غم مخور
کلبۂ احزاں شود معمور روزے غم مخور

۱۹۹۷ء میں آپ نے ایک رسالہ ''میرے تین محسنین'' شائع کیا جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین، علامہ اقبال اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے متعلق اپنے گرانقدر تاثرات اور مشاہدات پیش کئے اور اس میں ڈاکٹر ذاکر حسین کا ایک خط اور وہ تاثرات بھی شامل ہیں جو انہوں نے ''جوہر اقبال'' کی ترتیب کے وقت ارسال کیا تھا۔ پڑھنے کے لائق ہے۔ علامہ اقبال سے اپنی عقیدت اور والہانہ محبت کا تذکرہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور پانی پت میں ان کو دیکھنے اور سننے کے جو مواقع میسر آئے اس کا بھی حسین ذکر ہے۔ آخر میں مولانا مودودی سے متعلق عقیدت مندانہ اظہار ہے۔

حسنین سید صاحب نے بڑی فعال اور بامقصد زندگی گزاری۔ زندگی کے آغاز میں اپنے لئے جو راہیں متعین کی تھیں اس پر تادم آخر سرگرم سفر رہے۔ حالات اور وقت کبھی ان کے رخ کو نہیں موڑ سکے بلکہ جب کبھی متصادم ہوئے تو انہوں نے خود اپنے راستے بدل لئے۔ دربھنگہ میں ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفیؒ کے علاوہ اور کوئی دوسری ایسی قدآور شخصیت نظر نہیں آتی۔

آخر عمر میں آپ کی صحت دن بدن کرتی چلی گئی۔ بینائی تو پہلے سے کمزور تھی اب قوت سماعت بھی جاتی رہی۔ بغیر تحریر کے گفتگو کرنا ممکن نہیں تھا۔ بڑی فقیرانہ اور نمود و نمائش سے پاک زندگی گزاری۔

دین کا یہ داعی اور عزم و عمل کا یہ پیکر زندگی کی آخری منزل میں تھا۔ تھکا، تھکا اور مضمحل ایک پڑاؤ کی تلاش تھی۔ درس گاہ اسلامی اسلام نگر اللپٹی، دربھنگہ کی مسجد کے پہلو میں وہ جگہ مل گئی۔ زندگی کا تھکا ہوا یہ مسافر اب اسی جگہ آرام فرما ہے۔

تاریخ وفات ۱۴رجنوری ۲۰۰۵ء۔

۶رفروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷رمحرم ۱۴۲۷ھ کو فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا دہلی کے اپولو ہسپتال میں ایک طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ دربھنگہ میں میری مدت قیام کے

دوران آپ یہاں دو بار تشریف فرما ہوئے اور آپ سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ ایک بار تو ۱۹۸۸ء میں جب دربھنگہ اور اس کے مضافات میں شدید زلزلہ آیا تھا جس میں بڑے پیمانے پر مالی اور جانی نقصان ہوا تھا۔ اس موقعے پر مدرسہ امدادیہ میں آپ کی تشریف آوری ہوئی تھی۔

آپ مسلمانوں کے بڑے قائد اور رہنما تھے۔ آپ کی موت قوم وملت کے لئے ایک عظیم نقصان ہے۔ (تفصیل حالات باب شمع عرفاں میں ملاحظہ کیجئے)

ملکی چک، دربھنگہ ضلع میں ایک قدیم اور تاریخی بستی ہے۔ علم وفضل اور روحانیت کے اعتبار سے اس بستی کو بڑی اہمیت اور شہرت حاصل ہے۔ حضرت سید شاہ عبدالرزاق بیکمر بانسویؒ (م۔۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کا ایک معزز خاندان صدیوں سے ملکی چک دربھنگہ میں آباد ہے۔ ان کی آٹھویں پشت میں سید شاہ حفاظت علی فائق (م۔۱۹۸۸ء) ایک مشہور اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کے ایک قریبی رشتہ دار حکیم قمرالہدیٰ ملکی چکوی ۱۹۷۵ء جو بڑے قابل اور صاحب علم تھے انہوں نے ۱۹۲۹ء میں ''بشرہ'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا تھا۔ پہلے ہی شمارہ کی آب وتاب کو دیکھ کر ان کے احباب اور ہمدرد نے مشورہ دیا اور پیہم اصرار کیا کہ ایسا رسالہ جو دینی، ادبی اور علمی حیثیت کا ہو اس کے لئے ''بشرہ'' سے زیادہ موزوں نام ''آفتاب'' ہے۔ اس طرح ''بشرہ'' کی جگہ ''آفتاب'' بڑی پابندی سے شائع ہونے لگا۔ بابت ماہ مئی ۱۹۲۹ء کا شمارہ راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔

اس کے مدیر حکیم قمرالہدیٰ ہیں۔ اس شمارہ کے مضمون نگاروں میں مولانا حکیم سید علی آشفتہ لکھنوی، مولانا ابو مصلح مبلغ قرآن حیدرآباد دکن، حکیم سید زین الدین چندن پٹی دربھنگہ، فضل الرحمٰن عظیم آبادی، مولانا خیر رحمانی، مولانا شاہ غلام حسین پھلواروی وغیرہ اور شعراء میں اکبرالہ آبادی، سید حفاظت علی فائق ملکی چکوی، حافظ مشکی پوری، سید نعمت اللہ اختر مظفر پوری، مولانا ابوالخیر خیر رحمانی کے کلام شامل ہیں۔ آج سے ۸۰ سال قبل کسی دورافتادہ گاؤں سے اس قسم کا دینی، ادبی اور علمی رسالہ نکلنا ناممکن نہیں تو حیران کن ضرور ہے اور اس میں معروف شخصیتوں کے مضامین اور کلام کی شمولیت اور بھی حیران کن ہے۔

اس تاریخی بستی کو دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ اللہ نے وہ صورت یوں پیدا کی کہ ۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء کو حضرت سید حفاظت علی فائق کے پوتے جناب سید اقبال احمد ابن سید محمد جمال (مینیجر سنٹرل بینک آف انڈیا، سمستی پور کالج، سمستی پور برانچ) نے ختم تراویح میں شرکت کی دعوت دی۔ اس سال ان کے گاؤں کی جامع مسجد میں ان کے لڑکے حافظ سید آصف جمال اور بھانجہ محمد توصیف عالم ولد محمد قیصر عالم مشترکہ طور پر پہلی تراویح پڑھا رہے تھے۔ ملکی چک میں یہ میری پہلی حاضری تھی۔ اس گاؤں کے بڑے اور بزرگوں سے گاؤں کے حالات اور واقعات سنے۔ ان حضرات کی رہائش اور آداب معاشرت سے قدیم تہذیب وشائستگی کا اندازہ ہوا۔ راقم الحروف کے ساتھ جناب حافظ قاری عبدالستار صاحب اور محمد زبیر عالم (فضیلت کالونی دربھنگہ) بھی تھے۔ تراویح کے ختم ہونے کے بعد جناب قاری عبدالستار صاحب اور راقم الحروف نے قرآن اور تحفیظ قرآن کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اس موقعے پر جناب سید اقبال احمد نے بڑی پر تکلف دعوت طعام کا بھی اہتمام کیا تھا جس میں گاؤں کی معروف ومعزز ہستیاں بھی شریک تھیں۔

پروفیسر محمد مطیع الرحمٰنؒ (م۔ ۲۰۰۴ء) کی شخصیت اور خدمات پر ۸/ مارچ ۲۰۰۸ء کو شعبہ اردو میں ایک سیمینار منعقد ہوا تھا جس کی صدارت پروفیسر طلحہ رضوی برق سابق صدر شعبۂ اردو ویر کنور سنگھ یونیورسٹی آرہ نے کی۔ ڈاکٹر حسین احمد، ویر کنور سنگھ یونیورسٹی، حافظ عبدالمنان طرزی، پروفیسر شاکر خلیق، ڈاکٹر انیس صدری، ڈاکٹر آفتاب اشرف، ڈاکٹر قیام نیر، ڈاکٹر جمال اویسی، ڈاکٹر محمد بدرالدین، ڈاکٹر خالد سجاد اور راقم الحروف نے پروفیسر مطیع الرحمٰن صاحب کی شخصیت، خدمات اور دیگر اوصاف پر مقالات پیش کئے۔ شرکاء میں ڈاکٹر عبدالوہاب (معروف سرجن)، پروفیسر عبدالعلیم ہلال سابق پرنسپل ملت کالج، ڈاکٹر ظفر سعید، ڈاکٹر سید رضوان اللہ، ڈاکٹر خواجہ غلام اشرف، ڈاکٹر محمد نہال عمر، ڈاکٹر ودیاناتھ مشرا، ڈاکٹر دونے کمار جھا، جناب محمد نسیم جان، پروفیسر ضیاء الحق نظر، پروفیسر کیول کمار داس، محمد علاء الدین حیدر وارثی سابق پرنسپل شفیع مسلم ہائی اسکول دربھنگہ، حسن امام فاروقی اور اعجاز اختر نے بھی اپنے تاثرات پیش کئے۔ اس موقع پر اختر رشید عرف عطی (خلف پروفیسر مطیع الرحمٰن) بھی شریک تھے اور

نظامت ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی نے کی۔

شعبۂ اردو متھلا یونیورسٹی کے زیر اہتمام پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن کی خدمات کے اعتراف میں بطور خراج عقیدت یہ سیمینار یاد رکھا جائے گا۔

اسی سال ۲۹، ۳۰ مارچ کو شعبہ کی طرف سے ایک قومی سیمینار منعقد ہوا تھا۔ جس کا موضوع ''بہار میں اردو ناول نگاری ۱۹۸۰ء کے بعد'' تھا۔ میں اپنی علالت کی وجہ سے اس میں شریک نہیں ہو سکا۔

۱۱رنومبر ۲۰۰۸ء کو شعبۂ اردو کی مولانا آزاد چیر کے تحت زیر عنوان ''مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور جہات'' پر ایک روزہ صوبائی سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت اس وقت کے یونیورسٹی وائس چانسلر ڈاکٹر مسری لال ٹھاکر نے کی اور اس کا افتتاح کیا۔ اس موقعے پر یونیورسٹی آفیسرس کے علاوہ غیر مسلم اساتذہ بھی موجود تھے۔

پروفیسر ناز قادری، ڈاکٹر عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر سید حسین احمد، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر رئیس انور، ڈاکٹر امام اعظم، ڈاکٹر جمال اویسی، ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی، ڈاکٹر مبین صدیقی، ڈاکٹر عبدالودود قاسمی، ڈاکٹر قیام نیر، ڈاکٹر بدرالدین اور راقم الحروف نے مقالے پیش کئے۔ بعد میں پروفیسر شاکر خلیق اور جناب شمیم فاروقی نے بھی اپنے خیالات پیش کئے۔

اسی سال شعبۂ اردو کا ترجمان ''محاسبہ'' پہلی بار شائع ہوا جس کی حیثیت تاریخی ہے۔ یہ تمام علمی و ادبی سرگرمیوں کے محرک پروفیسر رئیس انور رحمان تھے۔ اس وقت وہ شعبہ کے صدر تھے۔ پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب کے دور صدارت میں انہوں نے ۱۷ر مارچ ۱۹۸۸ء کو ریڈر کی حیثیت سے شعبہ میں جوائن کیا تھا۔ اس سے قبل وہ بھاگلپور یونیورسٹی میں لکچرر کے عہدے پر فائز تھے اور ابھی یونیورسٹی پروفیسر ہیں۔

دربھنگہ کے ایک مشہور عالم دین مولانا محمد اثری ۲۴ر جولائی ۲۰۰۸ء کو اپنے آبائی گاؤں دملہ مدھوبنی میں انتقال کر گئے۔ آپ اس گاؤں میں ۱۹۳۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ دملہ ایک مشہور علمی بستی ہے۔ یہاں ایک مشہور قدیم دینی مدرسہ محمود العلوم ہے جس کی نسبت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن

(م۔۱۹۲۰ء) سے ہے۔ اس مدرسہ سے قاضی مجاہدالاسلام سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسی عبقری شخصیت نے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا محمد اثری صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ میں پائی۔ پھر دربھنگہ کی مشہور درسگاہ اسلامی اسلام نگر میں چلے آئے۔ مدرستہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ سے فارغ التحصیل تھے۔

مولانا محمد اثریؒ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۸۹ء میں ہوئی تھی۔ ان دنوں آپ جماعت اسلامی کی طرف سے بھاگلپور میں فرقہ وارانہ فساد کے موقعے پر بھاگلپور ریلیف کمیٹی کے انچارج تھے۔ میرا گاؤں ان دنوں رفیوجی کیمپ بنا ہوا تھا۔ تقریباً ڈھائی ہزار متاثرین و و خانماں برباد یہاں پناہ گزین تھے اور گاؤں کے لوگ ہی ان کے خورد و نوش کا انتظام کر رہے تھے۔ گاؤں میں پہلی بار ایک ٹیم ریلیف لے کر آئی جس میں کمبل، کپڑے اور اشیاء خوردنی وغیرہ تھیں۔ اس ٹیم کے سربراہ محمد عبدالقدوس صاحب تھے۔ اس ہنگامی صورت حال کے پیش نظر میں گاؤں کا امیر بنا دیا گیا تھا اس لئے ریلیف کی ذمہ داری اور اس کی نگرانی بھی میرے سر تھی۔ میں نے عبدالقدوس صاحب سے سامان وصول کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ محلہ تاتارپور بھاگلپور میں جماعت کا دفتر ہے۔ سامان کی رسید اور اس کی تقسیم کی تفصیل دفتر انچارج کے حوالہ کر دیں گے۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے لڑکوں کی ایک جماعت بھاگلپور کے فرقہ وارانہ فساد میں مہلوکین اور مالی نقصان کا سروے کر رہی تھی۔ اس سلسلے میں یہ ٹیم میرے گاؤں بھی آئی تھی۔ اس کے سربراہ عبدالقدوس صاحب ہی تھے اور وہ ان دنوں علیگڑھ یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر تھے۔ انہیں کی اطلاع اور گزارش پر ریلیف کا یہ وافر سامان پہلی بار میرے گاؤں میں آیا تھا۔

جب حالات قدرے بہتر ہوئے اور مجھے دربھنگہ واپس آنا تھا اس لئے ریلیف سے متعلق ساری تفصیلات میں خود ہی ساتھ لیتا آیا۔ جماعت کے دفتر کا مجھے پہلے سے کوئی علم نہیں تھا۔ بہر حال تلاش کرتے ہوئے دفتر آیا۔ ایک شخص لکھنے میں مصروف تھے میں نے سلام کیا۔ پہلے وہ کھڑے ہوئے، سلام کا جواب دیا اور پھر مصافحہ کیا۔ دراز قد، سانولا رنگ، سر پر دوپلی ٹوپی، شرعی داڑھی، مسکراتا ہوا چہرہ، کرتا اور پائجامے میں ملبوس تھے۔ دریافت کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا

کوروڈیہہ سے ۔ یہ سننا تھا کہ آپ مجھ سے لپٹ گئے اور فرمایا ارشد جمیل صاحب آپ کے گاؤں کے بارے میں مجھے پوری تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔اس لئے میں نے ریلیف کا سامان سب سے پہلے آپ کے گاؤں میں بھیجا ہے۔اب بتایئے وہ لوگ کیسے ہیں اور مزید کن چیزوں کی ضرورت ہے؟ آپ کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا گویا یہ مصیبت ان کی اپنی ہے اور ان کے اپنے لوگ اس میں گھرے ہوئے ہیں۔ورنہ ایسے موقعوں پر بہتوں کو تفریح اور سیر کرتے بھی دیکھا۔نہ دل میں سوز، نہ تڑپ اور نہ ہی ایسی گھڑی میں خدمت خلق کا جذبہ۔ یہ تھے مولانا محمد اثری صاحب جن سے میں پہلی بار متعارف ہوا۔ان کے حسن اخلاق سے میں بیحد متاثر ہوا۔جب میں دربھنگہ آ گیا تو ڈاکٹر مظفر مہدی صاحب (جو میرے ہی ساتھ ایم۔آر۔ایم کالج جوائن کیا تھا اور ایک ہی محلے میں ہم دونوں کرایے کے مکان میں رہ رہے تھے) سے مولانا اثری صاحب کے بارے میں دریافت کیا وہ ان سے واقف تھے اور کسی زمانے میں وہ ان کے شاگرد بھی تھے۔انہوں نے اثری صاحب کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔اس مدت قیام میں مولانا محمد اثری صاحب کو بہت قریب سے دیکھا۔درس گاہ اسلامی اسلام نگر دربھنگہ،جن کے ناظم ہمارے ایک رفیق پروفیسر سید رضوان اللہ ہیں انہوں نے مجھ کو اس ادارے کا رکن اساسی بنایا۔جب میں پہلی بار میٹنگ میں شریک ہوا تو اس کے ایک رکن مولانا محمد اثری بھی تھے۔اس مناسبت سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔مولانا اثری صاحب کم بولتے تھے،ان کی گفتگو سنجیدہ اور باوقار ہوتی تھی۔صاحب فکر اور اہل الرائے تھے۔مزاج میں شدت نہیں تھی۔وسیع النظر تھے۔ ہر طبقے اور ہر حلقے میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔مسلک کے اعتبار سے اہل حدیث اور فکری اعتبار سے جماعت اسلامی سے متاثر تھے۔لیکن آپ کبھی ذہنی الجھن کے شکار نہیں ہوئے۔جمعیۃ علماء اور علماء دیوبند کی بھی ان کے دل میں عزت تھی۔کئی موقعوں پر ان سے گفتگو ہوئی۔عزت سے ان اداروں کا ذکر کرتے اور ان کی خدمات بیان کرتے۔

ایسے عالم باعمل کی موت ملت اسلامیہ کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ان کے انتقال کی خبر سے مجھے سخت صدمہ ہوا۔اللہ مغفرت فرمائے۔

۲۲راگست ۲۰۰۸ء کو جناب محمد فضیل الرحمن صاحب کا انتقال ہوا۔ان کا تعلق ایک قدیم علمی

خانوادے سے تھا۔ آبائی مکان تو محی الدین نگر ضلع سمستی پور تھا۔ لیکن محلہ چک رحمت بھگو دربھنگہ میں اپنا مکان بنا کر مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کے والد مولانا عبدالودود دارالعلوم دیوبند سے فارغ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں استاد تھے۔ جید عالموں میں ان کا شمار تھا۔ تحریک آزادی ہند میں پیش پیش تھے۔ قید فرنگ کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ مولانا عارف حسین ہرسنگھ پوری محمد فضیل الرحمٰن کے نانا اور مولانا لطف الرحمٰن صاحب دربھنگوی آپ کے ماموں تھے جو خود بھی ایک مشہور عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ جن کا انتقال ۴؍ستمبر ۱۹۸۸ء کو ہوا۔

الحاج جناب محمد فضیل الرحمٰن صاحب بہار یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ فارسی اور رانچی یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم اے تھے۔ ۱۹۵۰ء میں سب انسپکٹر آف اسکول سے ملازمت شروع کی۔ ۱۹۵۸ء میں ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول ہوئے۔ مختلف ٹیچرس ٹریننگ کالجوں میں پرنسپل کے عہدوں پر فائز رہے۔ 1981ء اس۔ڈی۔ای۔او ہوئے۔ غالباً ۱۹۸۶ء میں اسی عہدہ سے دربھنگہ میں اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۸۹۔۱۹۸۸ء میں جالے ڈگری کالج کے پرنسپل بھی ہوئے۔ ۱۹۸۹ء میں حج سے فراغت ہوئی تھی۔

شاعری سے بھی شوق تھا۔ ثمر محی الدین نگری کے نام سے پرچوں میں آپ کی غزلیں اور نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ ۱۹۴۶ء میں ''غالب کے خطوط'' کے نام سے آجکل نئی دہلی میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس وقت سی۔ایم کالج دربھنگہ میں آپ بی۔اے کے طالب علم تھے۔

استاذی پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ انہی کے ذریعہ میں آپ سے متعارف ہوا۔ پھر اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ بڑے باوضع اور مذہبی انسان تھے۔ ہمیشہ متشرع انداز میں رہتے تھے۔ پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد ان کی ساری شفقتیں محمد فضیل الرحمٰن کے اندر منتقل ہو گئیں۔ پھر تو آپ مجھ سے اور بھی محبت کرنے لگے۔ استاذ محترم کی کمی کو آپ نے ایک حد تک کم کر دیا۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر خصوصی دعوت کا اہتمام کرتے اور بڑی محبت سے کھلاتے۔ اس دعوت میں ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی بھی شریک ہوتے۔ میرے بچوں سے بھی بڑی محبت

کرتے اور جب آپ یہاں تشریف لاتے تو بچوں کے لئے تحفہ ضرور لاتے۔ آخری دنوں میں شدید بیمار ہوگئے تھے اور ڈاکٹر عبدالباسط صاحب کے زیر علاج تھے۔ اکثر میں ان کی عیادت کے لئے جاتا۔ میرے آجانے سے ایک گونہ ان کو مسرت ہوتی۔ میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبائے رہتے۔ اس حال میں بھی اپنی محبت کا اظہار کرتے۔ محبت کی اس گرمی کو میں آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ بڑے شریف النفس اور باوقار انسان۔ اخلاق، کردار اور گفتار میں نمونۂ اسلاف تھے۔ ۲۲ راگست ۲۰۰۸ء کو میں ان کی محبتوں سے محروم ہوگیا۔ محمد فضیل الرحمٰن صاحب کو کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ صرف دو بیٹیاں۔ آپ کی چھوٹی بیٹی اپنے شوہر محمد شہاب الدین کے ساتھ اب اس مکان میں رہتی ہیں۔

ملت کالج سے متصل قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اللہ آپ کے درجات کو بلند اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین

۲۰۰۸ء میں حکومت بہار نے پہلی بار بہار کی تمام یونیورسٹیوں میں روٹیشنل ہیڈ شپ کی اسکیم نافذ کی جس کی مدت تین سال ہے۔ اسی اسکیم کے تحت یکم دسمبر ۲۰۰۸ء کو جناب پروفیسر ظفر حبیب صدر شعبۂ اردو متھلا یونیورسٹی مقرر ہوکر آئے۔ اس سے قبل آپ اے۔ پی۔ اس۔ ام۔ کالج برونی میں صدر شعبۂ اردو تھے۔ میں ان کو ایک افسانہ نویس کی حیثیت سے جانتا تھا لیکن جب وہ یہاں آئے تو معلوم ہوا کہ آپ شاعر بھی ہیں اور بھرپور شاعری کرتے ہیں۔ بڑے فعال اور متحرک آدمی ہیں اپنے دور صدارت میں ''یونیورسٹی میں اردو تدریس اور تحقیق کے مسائل'' کے عنوان سے ایک علمی مذاکرے کا انعقاد کیا جس میں شعبہ کے اساتذہ کے علاوہ پروفیسر اظہار احمد، ڈاکٹر بدیع الزماں، ڈاکٹر ظفر سعید، ڈاکٹر آفتاب اشرف وغیرہ نے بھی اپنے اپنے خیالات پیش کئے۔ اس کی نظامت پروفیسر سید محمد رضوان اللہ نے کی۔

۳ر مارچ ۲۰۰۹ء کو ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی (پروفیسر ظفر حبیب کے بعد) انچارج صدر مقرر ہوئے۔ ۲۱ جون ۲۰۰۹ء کو پروفیسر جمیلہ خاتون صدر شعبہ ہوکر تشریف لائیں۔ اس سے قبل وہ ایم۔ آر۔ ام کالج دربھنگہ میں صدر شعبہ اردو تھیں۔ تادم تحریر وہ اسی عہدہ پر فائز ہیں۔

۲ر جون ۲۰۰۹ء کو میری بڑی بیٹی سعدیہ زرین سلمہا کی شادی کی تاریخ طے تھی اور یہ تقریب

گاؤں میں ہوئی تھی۔ میں نے اپنے تمام احباب کو دعوت دی اور اس تقریب میں شرکت کی گزارش کی۔ بہت دنوں سے خواہش تھی کہ تمام احباب کسی جگہ جمع ہوں اور پرانی یاد تازہ کریں۔ اس تقریب نے یہ موقع فراہم کیا اور بیشتر احباب اس میں شریک ہوئے۔

محب گرامی ڈاکٹر رضوان الحق ندوی نے ''ایک سفر کوروڈیہہ (بھاگلپور) کا'' کے عنوان سے اپنے تاثرات کو قلم بند کئے ہیں۔ جس میں تمام شریک احباب کا تعارف ہے۔ ''نقشہائے دگر'' کے باب میں یہ اس کتاب میں شامل ہے۔

۲۲ رستمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۱۳ رشوال ۱۴۳۱ھ کو جناب محمد آخرالزماں ابن منظور احمد دہلی کے ایک ہسپتال میں انتقال کر گئے۔ وہ خونی کینسر کے مرض میں مبتلا تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔

جناب آخرالزماں کا تعلق شہر دربھنگہ کے محلہ لال باغ سے تھا۔ ان کے والد اپنی علالت کی وجہ سے اکمی منتقل ہو گئے۔ یہاں ان کی سسرال تھی اور اخیر عمر تک یہیں رہے۔ جناب زماں صاحب نے شفیع مسلم ہائی اسکول دربھنگہ سے میٹرک کیا اور سی۔ ایم۔ کالج دربھنگہ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد بی بی پاکڑ مڈل اسکول دربھنگہ میں ملازمت مل گئی لیکن چھ سات ماہ سے زیادہ اس پیشہ میں نہیں رہ سکے۔ اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی ملازمت میں آ گئے۔ انٹا گھاٹ پٹنہ کے برانچ میں جوائن کیا۔ ۱۹۷۸ء میں دربھنگہ میڈیکل کالج برانچ میں تبادلہ ہو گیا اور پھر اسی برانچ سے سبکدوش ہوئے۔ محلہ رحم خاں میں ان کا اپنا ایک بڑا مکان ہے۔ لیکن وہ دہلی منتقل ہو گئے تھے۔

آخرالزماں صاحب شروع سے ہی مذہبی اور دینی مزاج کے حامل تھے۔ بچپن ہی سے نماز کی پابندی اور مسجد سے وابستگی تھی۔ مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ مسجد کی خدمت اور نمازیوں کو سہولت پہنچانے میں بڑی مسرت ہوتی تھی۔

محلہ رحم خاں دربھنگہ میں جس مکان میں میرا قیام تھا وہ ان کے خسر جناب حاجی رضا کریم صاحب کا تھا اور یہ مکان جناب آخرالزماں صاحب کی نگرانی میں تھا۔ اسی مناسبت سے ۱۹۹۱ء سے میرا تعلق ان سے ہوا۔ آخر وقت تک انہوں اس تعلق کو قائم رکھا۔ ۱۶ را کتوبر ۲۰۰۰ء کو میں محلہ رحم خاں سے

قیصر منزل بی بی پاکٹرنز دلمت کالج منتقل ہوگیا۔ یہ مکان محمد قیصر عالم صاحب کا ہے جو الہ آباد بینک دربھنگہ میں ملازمت میں ہیں۔ قیصر صاحب کے تعلقات بھی زماں صاحب سے بڑے گہرے تھے۔ اکثر مرحوم محبت سے ان کا ذکر کرتے تھے۔ مرحوم کی رواداری کا یہ حال تھا کہ جب بھی آپ دہلی سے دربھنگہ تشریف لاتے بلا تاخیر ملنے آتے اور واپسی میں مل کر ہی جاتے۔

مرحوم کا سب سے بڑا کارنامہ رحم خاں محلہ کی مسجد کی تعمیر جدید ہے۔ ۱۹۸۸ء کے زلزلے میں جب یہ مسجد منہدم ہوگئی تو آپ نے اس مسجد کی تعمیر میں بڑی سرگرمی دکھلائی۔ انتہائی محنت اور لگن سے ایک شاندار دو منزلہ مسجد تعمیر کرائی۔ وہ اس مسجد کے سکریٹری تھے۔ اب یہ دربھنگہ کی مشہور مسجدوں میں شمار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جزاء خیر دے۔ آمین

۲۰۱۰ء میں مجھ ناچیز پر اللہ رب العزت کا سب سے بڑا کرم یہ ہوا کہ حج بیت اللہ کے لئے توفیق عطا فرمائی اور میں اپنی اہلیہ کے ساتھ ۱۲/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو اپنی رہائش گاہ قیصر منزل دربھنگہ سے اس مبارک سفر پر روانہ ہوا۔ دوستوں میں پروفیسر عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر منصور عمر، محمد زبیر عالم فضیلت کالونی، ڈاکٹر سید رضوان اللہ، محمد قیصر عالم، ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی اور عزیز شاگردوں میں ڈاکٹر آفتاب اشرف، ڈاکٹر سید احتشام الدین اور عزیزی حکیم غزالی انور ہلال، حکیم ارشاد عالم اور ان کے بڑے بھائی جناب احسان عالم وغیرہ نے اپنی نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ مکہ مکرمہ میں شارع الجبل الکعبہ پر حرم سے قریب شمال مشرق میں ایک قدیم محلہ جرول بلڈنگ نمبر ۲۰۷ میں میرا قیام تھا۔ اللہ رب العزت نے صحت اور سلامتی کے ساتھ حج کے ارکان کو ادا کرنے کی سعادت بخشی۔ مسجد نبوی ﷺ اور روضۂ اطہر کی زیارت نصیب ہوئی۔ مدینہ منورہ کی خاک پاک کو نظروں سے لگایا۔ دل کی دیرینہ تمنا بر آئی۔ ۲۵/نومبر ۲۰۱۰ء کو واپسی تھی۔ ''الوفیر'' ایرویز کی پرواز براہ راست جدہ ایرپورٹ سے اندرا گاندھی نیشنل ایرپورٹ دہلی ہوئی پھر یہاں سے ''گو'' ایرویز کے ذریعہ دوسرے دن علی الصباح پٹنہ ایرپورٹ پر اترا۔ نماز فجر کے بعد کسٹم وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر آیا تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب استاد حدیث مدرسہ شمس الہدی پٹنہ، محمد مجیب الدین اور عبدالوالی کے علاوہ دوسرے عزیزان پہلے سے موجود تھے۔ یہاں سے براہ راست

حضرت مولانا کے ساتھ ان کی رہائش گاہ پر آیا۔نوری مسجد پٹنہ میں نماز جمعہ ادا کی۔دوپہر کے کھانے کے بعد دربھنگہ آنا تھا۔ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی نے ایک دن قبل ہی اپنی گاڑی بھیج دی تھی۔براہ سمستی پور دربھنگہ آنا تھا۔تاج پور سمستی پور میں میرے رفیق دیرینہ پروفیسر حافظ محمد انیس صدری منتظر تھے۔ان سے بغل گیر ہوا۔یہیں مغرب کی نماز ادا کی۔جاتے وقت بھی صدری اپنے بڑے بھائی محترم الحاج جناب اشفاق احمد صدری کے ساتھ رخصت کرنے آئے تھے۔ان حضرات نے اس موقعے پر کچھ زادراہ بھی عنایت کی تھی۔

صاحبزادگان میں حافظ محمد معاذ ارشد، محمد اسامہ ارشد اور محمد بشار ارشد بھی موجود تھے۔آٹھ بجے شب میں دربھنگہ پہنچا۔ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی، ڈاکٹر ظفر سعید، ڈاکٹر سید رضوان اللہ اور الحاج زبیر عالم پہلے سے موجود تھے۔ ان حضرات سے ملاقات کے بعد براہ راست مسجد نور آیا اور عشاء کی نماز کے بعد تمام مصلیوں سے مل کر اپنی رہائش گاہ قیصر منزل آ گیا۔ **فللہ الحمد حمداً کثیراً۔**

دربھنگہ میں میرے قیام کو اٹھائیس سال سے زائد ہو گئے۔جب یہاں کے ماضی پر نظر ڈالتا ہوں تو ایک خوش گوار فرحت کا احساس ہوتا ہے۔یہ چھوٹا سا شہر کس قدر اپنی روشن تاریخ، تہذیب و ثقافت اور تعلیم و معاشرت کی کیسی حسین اور دلچسپ داستانیں رکھتا ہے۔عہد اسلامیہ سے قبل اور اس کے بعد اس شہر کو جو تہذیبی، ثقافتی اور علمی مرکزیت حاصل رہی ہے وہ بہار کے دوسرے شہروں میں فقید المثال ہے۔یہ سرزمین متھلا کا دل اور ہندوستان کی قدیم روایات اس کے دل کی دھڑکن ہے۔اس کی سانسوں میں علم و عرفان کی آگہی ہے۔مذہبی رواداری اور دینی مروت اس کا شعار ہے۔مسلم عہد سلطنت میں علماء، صوفیا، شیوخ، جاگیرداران، فوجداران اور جرنیلوں سے یہ شہر آباد تھا۔ان مقدس بزرگوں اور تاریخی ہستیوں کے نام سے یہاں کے محلات آج بھی ان کی عظمتوں کے ثناخواں ہیں۔شاہان وقت نے اپنے عطایا سے انہیں سرفراز کیا اور مورخوں نے بڑے احترام سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

علمی دنیا میں اس شہر خوباں نے ایسی شہرت پائی کہ علامہ ابراہیم بلیاویؒ جیسے نابغۂ عصر نے یہاں اپنی مسند درس آراستہ کی۔علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین پھلواری شریف، حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ سابق سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری

شریف اور حضرت مولانا نظام الدین امیر شریعت، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ جیسی عبقری اور عہد ساز شخصیتوں نے اس سرزمین سے کسب فیوض و برکات کیے۔ یہ شہر علوم و فنون کا گہوارہ اور شعر و ادب کا مرکز ہے۔ یہ شہر اپنے فضل و کمال میں ہندوستان کا شیراز و اصفہان ہے۔ تفصیل کے لئے پروفیسر عبدالمنان طرزی کی منظوم تخلیق بے بہا، ''رفتگاں و قائماں'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اس چھوٹے سے شہر نے دنیاء علم و فن میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ یہاں بیک وقت دو دو یونیورسٹیاں (ال۔ان۔متھلا یونیورسٹی قائم شدہ ۱۹۶۷ء کامیشور سنگھ سنسکرت یونیورسٹی) درجن بھر کالج اور ان سے زیادہ ہائی اسکول ہیں۔ مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ (قائم شدہ ۱۸۸۲ء، مدرسہ امدادیہ (قائم شدہ ۱۸۹۲ء)، مدرسہ احمدیہ سلفیہ (قائم شدہ ۱۹۱۸ء) اور دار العلوم فدائیہ خانقاہ سمرقندیہ جیسے قدیم دینی ادارے بھی ہیں جن کا ماضی نہایت روشن اور تابناک رہا ہے۔

ان قدیم دینی مدرسوں کے علاوہ، مدرسہ اسلامیہ جھگڑوا کی بڑی تاریخی اہمیت ہے۔ مہاراج دربھنگہ جب یہاں اپنے قلعہ کی تعمیر کرنے لگے تو انہوں نے اس جگہ کی پوری آبادی کو دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ آبادی تو منتقل ہوگئی لیکن قدیم مسجد کا معاملہ بڑا طول پکڑ گیا۔ مہاراجہ دربھنگہ چاہتے تھے کہ مسجد بھی یہاں سے منتقل کر دی جائے اس لئے کہ یہ قلعہ کی تعمیر میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ پوری مسلم آبادی اس مسجد کی حفاظت اور بقا کے لئے اڑ گئی۔ انگریز کا زمانہ تھا، معاملہ عدالت تک گیا۔ مہاراجہ دربھنگہ مقدمہ ہار گئے۔ ان کو قلعے کی دیوار کج کرنی پڑی۔ آج بھی یہ مسجد اپنی پرانی جگہ پر باقی ہے اور جھگڑوا مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کو آباد رکھنے کے لئے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ اس نے بھی بڑے نشیب و فراز دیکھے۔ ابھی یہ مدرسہ مولانا سید ابواختر قاسمی کی سرپرستی میں بہتر طور پر چل رہا ہے اور شہر میں حفظ قرآن کا ایک بڑا مرکز ہے۔ اس کے آس پاس کوئی مسلم آبادی نہیں ہے۔ مدرسہ کی وجہ سے یہ مسجد آباد ہے دن کے حصے میں متھلا یونیورٹی کے مسلم ملازمین اسی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں اور جمعہ کی نماز میں آس پاس کے مسلم ملازمین بھی آجاتے ہیں اور جمعہ کی ایک بڑی جماعت ہوتی ہے۔ مدرسہ اسلامیہ کے صدر مدرس اس کی امامت فرماتے ہیں۔ اس مسجد اور مدرسہ کے بازو میں بجانب شمال اونچائی پر حضرت نظام شاہ کشمیریؒ کا مزار ہے۔ گزرنے والے اس مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور عام میں

کرتے ہیں۔اس طرح یہ مقبرہ بھی مسجد اور مدرسے کے ساتھ آباد ہے۔

یہاں کے بیدار مغز، حساس اور دردمند دل افراد نے ملی تشخص اور تہذیبی اقدار کے تحفظ کے لئے ۱۹۳۲ء میں شفیع مسلم ہائی اسکول، ۱۹۵۱ء میں درس گاہ اسلامی، اسلام نگر دربھنگہ، ۱۹۵۷ء میں ملت کالج، ۱۹۶۵ء میں سلفیہ جونیئر اسکول، ۱۹۷۲ء میں صغریٰ گرلس اسکول (بانی اور موجودہ صدر ڈاکٹر عبدالوہاب) اور ۱۹۸۱ء میں سلفیہ طبیہ کالج جیسے باوقار تعلیمی ادارے قائم کئے۔ یہ سب ملت اسلامیہ کے عظیم ورثے ہیں۔ جدید علمی تقاضوں کے پیش نظر ڈاکٹر ذاکر حسین ٹیچرس ٹریننگ کالج، مولانا آزاد ٹیچرس ٹریننگ کالج، متھلا مائنوریٹی ڈینٹل کالج اور دربھنگہ ڈنٹل کالج (جواب بند ہوگیا) جیسے تعلیمی ادارے وجود میں آئے تو دوسری طرف اوڈ بائن ہائی اسکول، ڈان باسکو اسکول، اقراء اکاڈمی، درس گاہ اسلامی پرانی منصفی، الحرا پبلک اسکول اور اوپٹمم انٹرنیشنل اسکول موجود ہیں۔ابتدائی درجات کے لئے چھوٹے چھوٹے درجنوں تعلیمی ادارے بھی تعلیمی سرگرمیوں میں پیش پیش ہیں۔ یہاں سے بیک وقت تین علمی اور ادبی جریدے الہدیٰ (مدرسہ احمدیہ سلفیہ کا ترجمان، مدیر شکیل احمد سلفی) تمثیل نو (مدیر ڈاکٹر امام اعظم) اور جہان اردو (مدیر ڈاکٹر مشتاق احمد) پابندی سے شائع ہورہے ہیں۔ فاصلاتی نظام تعلیم کے لئے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ماتحت ریجنل سنٹر، تعلیم اور اردو زبان کے فروغ میں نمایاں خدمت انجام دے رہا ہے۔ڈاکٹر امام اعظم صاحب اس کے ریجنل ڈائرکٹر ہیں۔

اس شہر میں ملی سرگرمی، علمی مذاکرے، سیمینار اور دینی اجتماع کے لئے باضابطہ کوئی جگہ نہیں تھی۔ جناب ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب، جو ملت کا درد اور اس کے مداوا کے لئے سرگرم رہتے ہیں انہوں نے ''الخیر ٹرسٹ'' کے تحت اپنی نجی زمین پر ۲۰۰۱ء میں ''علامہ اقبال لائبریری'' قائم کر کے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔آج یہ جگہ دینی وملی سرگرمیوں کا ایک مرکز ہے۔ یہاں علمی وادبی سطح پر جو سرگرمیاں ہیں وہ سب یہاں کے اساتذہ، شعراء اور ادباء کی مرہون منت ہیں۔ ملازمت کے چند اور سال بچ گئے ہیں اللہ اس کو بھی بخوبی گزار دے۔ آمین۔

لطیف بود حکایت دراز تر گفتم

☆☆☆

حفاظ کرام

﴿الف﴾

۱۔ حافظ محمد ابصر حسن ابن مولوی محمد نوار الحسن مرحوم
۲۔ حافظ ابوالکلام ابن محمد اسلام
۳۔ حافظ محمد اختر ابن محمد سلطان
۴۔ حافظ محمد ازھد ابن مولوی محمد اعظم
۵۔ حافظ محمد اسامہ ابن محمد صفیر الدین
۶۔ حافظ محمد اسامہ ابن محمد فیض الرحمٰن
۷۔ حافظ محمد اشفاق ابن محمد مستغنی
۸۔ حافظ محمد اشہار ابن محمد اختر ابن حافظ محمود الحسن
۹۔ حافظ محمد اشھد ابن ڈاکٹر شفیع احمد
۱۰۔ حافظ محمد اطہر حسین ابن حاجی لیاقت حسین ابن حاجی عبد الصمد
۱۱۔ حافظ محمد اظفر عباس ابن مولوی محمد اعظم
۱۲۔ حافظ محمد اعجاز ابن محمد اقبال
۱۳۔ حافظ محمد اقبال ابن مولوی محمد احسان
۱۴۔ حافظ محمد امان اللہ ابن محمد امیر الدین
۱۵۔ حافظ محمد امداد اللہ ابن محمد ابرار

۱۶۔ حافظ محمد انصار عالم ابن مولوی محمد مظفر عالم

۱۷۔ حافظ محمد انعم ابن مولوی محمد اعظم

۱۸۔ حافظ محمد انور ابن حافظ سعود احمد

۱۹۔ حافظ محمد انتصار ابن محمد فخر الدین

۲۰۔ حافظ محمد انظر الاسلام ابن مولوی محمد اسعد

۲۱۔ حافظ محمد ادریس ابن حافظ مجیب الرحمٰن ابن حافظ عبد الرحمٰن

﴿ب﴾

۲۲۔ حافظ محمد بشیر الدین ابن محمد سراج الدین

﴿ث﴾

۲۳۔ حافظ محمد ثاقب ابن حافظ محمد مستقیم

۲۴۔ حافظ محمد ثناء اللہ ازھری ابن مولانا محمد نعمان

﴿ج﴾

۲۵۔ حافظ محمد جسیم الدین ابن محمد ہاشم ابن محمد منیر الدین

۲۶۔ حافظ محمد جمال الدین ابن محمد علاء الدین

﴿ح﴾

۲۷۔ حافظ محمد حارث ابن مولانا محمد قاسم

﴿د﴾

۲۸۔ حافظ محمد دانش منیب ابن ماسٹر محمد مجیب الدین

﴿ر﴾

۲۹۔ حافظ محمد راشد ابن مولوی محمد احسن

۳۰۔ حافظ محمد راغب ابن مولوی محمد یوسف

۳۱۔ حافظ محمد رحمت اللہ ابن حافظ محمد عفان

۳۲۔ حافظ محمد رونق ابن مولوی محمد سالم

﴿س﴾

۳۳۔ حافظ محمد سجاد ابن محمد بدرالدین مرحوم

۳۴۔ حافظ محمد سرفراز ابن حافظ محمد شوکت

۳۵۔ حافظ محمد سرفراز ابن محمد غیاث الدین

۳۶۔ حافظ محمد سرفراز ابن حافظ محمد مستقیم

۳۷۔ حافظ محمد سعد اللہ ابن حافظ محمد عمران

۳۸۔ حافظ سعود احمد ابن حکیم محمود حسن مرحوم

۳۹۔ حافظ سہیل احمد ابن مولوی زبیر احمد ابن حاجی محیط علی

﴿ش﴾

۴۰۔ حافظ محمد شارب ابن حافظ محمد مستقیم

۴۱۔ حافظ محمد شاہ جہاں ابن مولوی محمد عبدالقیوم ابن محمد صادق

۴۲۔ حافظ محمد شبیر ابن محمد نصیر الدین ابن محمد ثمین الدین

۴۳۔ حافظ محمد شعیب الرحمٰن ابن مولوی حبیب الرحمٰن

۴۴۔ حافظ محمد شفیع الدین ابن محمد رفیق الدین

۴۵۔ حافظ محمد شفیع الدین ابن محمد مولوی محمد رفیع الدین ابن محمد سلطان

۴۶۔ حافظ محمد شمس الزمان ابن محمد بدیع الزمان

۴۷۔ حافظ محمد شمس عالم ابن مولوی محمد رفیع الدین

۴۸۔ حافظ شمیم احمد ابن حاجی عبدالرشید مرحوم

۴۹۔ حافظ محمد شوکت ابن حاجی محمد کرامت علی مرحوم

﴿ص﴾

۵۰۔ حافظ محمد صالح اعزازی ابن حافظ محفوظ حسین مرحوم

۵۱۔ حافظ محمد صلاح الدین ابن محمد سعادت

﴿ض﴾

۵۲۔ حافظ محمد ضمیرالدین ابن محمد منیرالدین ابن محمد توفیق عالم

﴿ط﴾

۵۳۔ حافظ محمد طاہر ابن مفتی محمد اسرافیل

﴿ع﴾

۵۴۔ حافظ محمد عاطف ابن مولانا محمد سجادالرحمٰن

۵۵۔ حافظ محمد عامر ابن مولانا محمد عاصم

۵۶۔ حافظ محمد عبادالرحمٰن ابن محمد عیاض الدین مرحوم

۵۷۔ حافظ محمد عبداللہ ابن محمد یعقوب عرف دکھی

۵۸۔ حافظ حاجی عبدالحلیم ابن شیخ بھتو

۵۹۔ حافظ عبدالحفیظ ابن محمد صدرالدین

۶۰۔ حافظ عبدالحق ابن محمد اظہر

۶۱۔ حافظ عبدالخالق ابن مولانا عبدالسلامؒ

۶۲۔ حافظ عبدالباری ابن عبدالحنان مرحوم

۶۳۔ حافظ عبدالرحمٰن ابن محمد صادق

۶۴۔ حافظ عبدالسلام ابن محمد عاصم

۶۵۔ حافظ عبدالسلام ابن محمد عالم

۶۶۔ حافظ عبدالدیان ابن مولوی وصی احمد

۶۷۔ حافظ محمد عصمت اللہ ابن محمد مصطفیٰ

۶۸۔ حافظ محمد عتیق الرحمٰن ابن محمد سیف الرحمٰن مرحوم

۶۹۔ حافظ محمد عفان ابن مولوی محمد شہاب الدین

۷۰۔ حافظہ بی بی عفیفہ ابن حافظ شمیم احمد مرحوم

۷۱۔ حافظ عبید اللہ ابن محمد یعقوب ابن محمد مقبول

۷۲۔ حافظ محمد علقمہ ابن حافظ عبدالخالق

۷۳۔ حافظ محمد فاروق ابن حافظ محمد مصلح الدین

۷۴۔ حافظ عبدالمنان ابن محمد صادق علی

ف

۷۵۔ حافظ محمد فرید الدین حافظ محمد صالح اعزازی

۷۶۔ حافظ محمد فیروز ابن محمد عیدو

ق

۷۷۔ حافظ محمد قاسم ابن منیر الدین ابن محمد الدین

۷۸۔ حافظ محمد قمر الدین ابن مولوی محمد رفیع الدین

۷۹۔ حافظ محمد قمر الزماں ابن حافظ مسعود احمد

۸۰۔ حافظ محمد قیام الدین ابن محمد اسلام

﴿ک﴾

۸۱۔ حافظ محمد کلام الدین ابن محمد صدرالدین

۸۲۔ حافظ محمد کلیم الدین ابن محمد زبیر عرف جمن (مؤذن)

﴿م﴾

۸۳۔ حافظ ماموراحمد ابن ڈاکٹر شفیع احمد

۸۴۔ حافظ مبشر احمد ابن مولوی حبیب الرحمٰنؒ

۸۵۔ حافظ مجیب الرحمٰن ابن حافظ عبدالرحمٰنؒ

۸۶۔ حافظ محفوظ حسین ابن شیخ محبت علیؒ

۸۷۔ حافظ محفوظ حسین ابن عبدالحفیظؒ (خیاط)

۸۸۔ حافظ محمود حسن ابن محمد غریب اللہ

۸۹۔ حافظ مرغوب الرحمٰن ابن حافظ عبدالخالق

۹۰۔ حافظ محمد مزمل ابن مولوی محمد حبیب الرحمٰن

۹۱۔ حافظ محمد مستقیم ابن محمد صادق علی ابن محمد طہور علی

۹۲۔ حافظ مسرور احمد ابن حاجی محیط علی

۹۳۔ حافظ مشہود احمد ابن ڈاکٹر شفیع احمد

۹۴۔ حافظ مشہود احمد ابن مولوی مسعود احمد

۹۵۔ حافظ محمد مطہر حسن ابن مولوی محمد نورالحسن مرحوم

۹۶۔ حافظ محمد معاذ ابن مولوی مسعود احمد

۹۷۔ حافظ محمد معاذ ارشد ابن پروفیسر محمد ارشد جمیل

۹۸۔ حافظ محمد مصلح الدین ابن حافظ محمد صالح اعزازی

۹۹۔ حافظ محمد معظم ابن محمد ربول حسن

۱۰۰۔ حافظ محمد مقیم الدین ابن حاجی عبد الغنیؒ

۱۰۱۔ حافظ محمد مقیم الدین ابن محمد نسیم الدین ابن محمد سعید

۱۰۲۔ حافظ محمد منصود ابن مولوی مسعود احمد

۱۰۳۔ حافظ محمد منصود ابن حافظ عبد الخالق

۱۰۴۔ حافظ محمد منظور عالم ابن محمد ادریس ابن محمد شرافت حسین

۱۰۵۔ حافظ محمد منور حسن ابن مولوی محمد نور الحسن مرحوم

۱۰۶۔ حافظ محمد منہاج الدین ابن حاجی محمد ریاض الدین مرحوم

۱۰۷۔ حافظ مودود احمد ابن مولوی مسعود احمد

۱۰۸۔ حافظ محمد منیب الدین ابن محمد نسیم الدین (ارجل) ابن محمد سعید

﴿ن﴾

۱۰۹۔ حافظ محمد ناظم ابن محمد حنیف

۱۱۰۔ حافظ محمد نثار ابن فخر الدین ابن محمد سخاوت حسین مرحوم

۱۱۱۔ حافظ محمد نور اللہ ابن حافظ محمد عمران

۱۱۲۔ حافظ محمد نوشیر عالم ابن محمد حدیث

﴿و﴾

۱۱۳۔ حافظ محمد وارث ابن حاجی عبد الغنی مرحوم

۱۱۴۔ حافظ محمد وسیم الدین ابن محمد منیر الدین عرف منو

﴿ ہ ﴾

۱۱۵۔ حافظ محمد ھدایت اللہ ابن محمد مرتضیٰ

۱۱۶۔ حافظ محمد ھشام الدین ابن مولوی محمد برھان الدین

﴿ ی ﴾

۱۱۷۔ حافظ محمد یوسف ابن محمد یعقوب

☆☆☆

(حجاج کرام)

نمبر شمار	نام مع ولدیت	پہلا حج	دوسرا حج	تیسرا حج	سنہ وفات
۱	حاجی عبدالصمد ابن شیخ محمد عرف بھکاری				۱۹۰۵ء
۲	حاجی لیاقت حسین ابن حاجی عبدالصمد				۱۹۳۳ء
۳	حاجی نثار احمد ابن شیخ عمر علی	۱۹۳۳ء	۱۹۵۵ء		۱۹۷۶ء
۴	حاجی لیاقت علی ابن عنایت علی				۱۹۶۴ء
۵	حاجی محفوظ حسین ابن محبت علی	۱۹۵۵ء			۱۹۶۱ء
۶	حاجی محیط علی ابن وحید علی	۱۹۵۶ء			۱۹۶۹ء
۷	حاجی حکیم محمود حسن ابن حاجی نثار احمد	۱۹۶۴ء			۱۹۹۹ء
۸	مولوی محمد یٰسین ابن الفت حسین	۱۹۶۵ء			۱۹۹۴ء
۹	مولانا عبدالحکیم ابن الفت حسین	۱۹۷۱ء			۱۹۸۹ء
۱۰	مولانا ڈاکٹر عبدالحمید ابن الفت حسین	۱۹۷۱ء			۲۰۰۴ء
۱۱	حاجی محمد عبدالرزاق ابن الفت حسین	۱۹۷۱ء			
۱۲	حاجی عبدالرشید ابن لیاقت حسین ابن عبدالصمد	۱۹۷۱ء			۱۹۸۸ء
۱۳	مولانا شہاب الدین ابن مولانا شمس الاسلام	۱۹۷۱ء	۱۹۸۳ء		۱۹۹۲ء
۱۴	حاجی محمد انصر ابن حاجی لیاقت علی	۱۹۷۱ء			۱۹۹۳ء
۱۵	حاجی عبدالحلیم ابن شیخ بھتو	۱۹۷۱ء			۲۰۰۷ء

۱۶	مولانا محمد طالب الدین ابن حافظ محفوظ حسین	۱۹۷۶ء			۱۹۸۸ء
۱۷	حافظ محمد عمران ابن مولانا محمد شہاب الدینؒ	۱۹۸۳ء			
۱۸	مولانا محمد نعمان ابن مولانا محمد شہاب الدین مرحوم	۱۹۸۳ء	۱۹۹۱ء	۲۰۰۱/۲۰۰۶ ۲۰۰۹ء	
۱۹	مولانا حسین احمد ابن مولانا عبدالسلامؒ	۱۹۸۴ء	۱۹۹۰ء		
۲۰	مولانا محمد قاسم ابن محمد ثابت حسین	۱۹۸۹ء	۱۹۹۷ء	۲۰۰۳ء	
۲۱	مولانا محمد خالد ابن ریاست علی	۱۹۹۰ء	۲۰۰۵ء		
۲۲	مولانا محمد یونس ابن شرافت حسین	۱۹۹۰ء			۲۰۱۰ء
۲۳	مولانا عبدالمنان ابن محمد صادق	۱۹۹۱ء			۲۰۰۳ء
۲۴	حاجی عبدالغنی ابن ریاست علی	۱۹۹۱ء			۲۰۰۳ء
۲۵	حافظ محمود حسن ابن غریب اللہ	۱۹۹۱ء			۱۹۹۸ء
۲۶	مولوی جواد علی ابن غریب اللہ	۱۹۹۱ء			۲۰۱۰ء
۲۷	مولانا محمد فیضان ابن مولانا محمد شہاب الدین	۱۹۹۱ء			
۲۸	حاجی کرامت علی ابن محمد شعور علی	۱۹۹۱ء			۲۰۰۷ء
۲۹	مولانا سعید احمد ابن حکیم محمود حسین	۱۹۹۱ء	۲۰۰۴ء		
۳۰	حاجی محمد ریاض الدین ابن محمد غیاث الدین	۱۹۹۱ء			۲۰۰۹ء
۳۱	مولانا محمد اسلم ابن مولانا ڈاکٹر عبدالحمید	۱۹۹۱ء	۲۰۰۶ء	۲۰۰۹ء	
۳۲	مولانا عبدالرقیب ابن حافظ محفوظ حسین	۱۹۹۱ء	۲۰۰۵ء		
۳۳	مولوی عبدالوالی ابن عبدالشافعیؒ	۱۹۹۳ء			

۳۴	مولانا سعود احمد ابن حاجی عبدالرشید	۱۹۹۶ء			
۳۵	مولوی محمد نجیب الدین ابن محمد نقیب الدین	۱۹۹۸ء	۲۰۰۲ء		
۳۶	مولوی محمد سلمان ابن مولانا محمد شہاب الدین	۱۹۹۸ء			
۳۷	مولانا سجاد الرحمٰن ابن مولانا عبدالحکیم	۱۹۹۸ء	۲۰۰۹ء		
۳۸	حاجی محمد علیم الدین ابن محمد علاء الدین	۱۹۹۸ء			
۳۹	حاجی محمد منصور ابن مرزا علی حسن بیگ	۲۰۰۳ء			
۴۰	مولانا محمد شمس الہدیٰ ابن محمد تسیر الدین	۲۰۰۵ء			
۴۱	حافظ عبدالخالق ابن مولانا عبدالسلامؒ	۲۰۰۵ء			
۴۲	مولانا محمد عاصم ابن محمد ثابت حسین مرحوم	۲۰۰۵ء			
۴۳	حاجی محمد مکرم ابن محمد عبدالکریم مرحوم	۲۰۰۶ء			
۴۴	مولانا محمد حسنین ابن مرزا فقیر الحسن بیگ	۲۰۰۶ء			
۴۵	مولوی محمد نسیم الدین ابن صادق علی	۲۰۰۸ء			
۴۶	حاجی محمد مقصود ابن مرزا علی حسن بیگ	۲۰۰۸ء			
۴۷	مولانا محمد ثناء اللہ ازہری ابن مولانا محمد نعمان	۲۰۰۸ء			
۴۸	مولانا محمد مصلح الدین ابن حافظ محمد صالح	۲۰۰۹ء			
۴۹	مولانا محمد عطاء الرحمٰن ابن حافظ اطہر حسین	۲۰۰۹ء			
۵۰	مولوی محمد حماد الرحمٰن ابن مولانا عبدالحکیم	۲۰۰۹ء			
۵۱	مولوی محمد اعظم ابن مولانا ڈاکٹر عبدالحمید	۲۰۰۹ء			
۵۲	مولوی محمد یوسف ابن مولانا محمد یونس مرحوم	۲۰۰۹ء			

۵۳	حاجی محمد فخرالحسن عرف فقیر ابن محمد چھیدی	۲۰۰۹ء			
۵۴	حاجی محمد عصام الدین ابن محمد عیاض الدین مرحوم	۲۰۰۹ء			
۵۵	پروفیسر محمد ارشد جمیل ابن حاجی محمد عبدالرزاق	۲۰۱۰ء			
۵۶	مولانا محمد ناظم ابن محمد ثابت حسین مرحوم	۲۰۱۰ء			
۵۷	مولانا مرغوب الرحمٰن ابن حافظ عبدالخالق	۲۰۱۰ء			
۵۸	مولوی محمد عبدالمغنی ابن حاجی عبدالغنی	۲۰۱۰ء			
۵۹	ڈاکٹر شفیع احمد ابن محمد طیب مرحوم	۲۰۱۰ء			
۶۰	محمد آفتاب عالم ابن مولانا عبدالمنان مرحوم	۲۰۱۰ء			
۶۱	محمد قیصر عالم ابن مولانا عبدالمنان مرحوم	۲۰۱۰ء			
۶۲	مولوی محمد رفیع الدین ابن محمد سلطان	۲۰۱۰ء			

☆☆☆

مستورات

نمبر شمار	زوجیت	پہلا حج	دوسرا حج	تیسرا حج	سنہ وفات
۶۳	اہلیہ حاجی نثار احمدؒ	۱۹۴۳ء	۱۹۵۵ء		۱۹۸۸ء
۶۴	اہلیہ مولانا عبدالمجیدؒ (والدہ حدثیہ)	۱۹۵۵ء			۲۰۰۳ء
۶۵	اہلیہ وحید علی (والدہ حاجی محیط علی)	۱۹۵۷ء			۱۹۵۹ء
۶۶	اہلیہ مولانا عبدالحکیمؒ	۱۹۷۱ء			۲۰۰۴ء
۶۷	اہلیہ مولانا ڈاکٹر عبدالحمیدؒ	۱۹۷۱ء			۲۰۰۹ء
۶۸	اہلیہ حاجی محمد عبدالرزاق	۱۹۷۱ء			۲۰۰۹ء
۶۹	اہلیہ مولانا عبدالسلامؒ	۱۹۷۱ء			۱۹۹۴ء
۷۰	اہلیہ مولانا شمس الاسلامؒ	۱۹۷۱ء			۱۹۸۳ء
۷۱	اہلیہ مولوی محمد زبیر ابن محمد سراج الدین	۱۹۷۱ء			۲۰۰۳ء
۷۲	اہلیہ حاجی محمد انصر مرحوم	۱۹۷۱ء			۱۹۹۱ء
۷۳	اہلیہ حاجی عبدالرشید مرحوم	۱۹۷۱ء			
۷۴	اہلیہ مولوی محمد یٰسین مرحوم	۱۹۷۶ء			۱۹۷۸ء
۷۵	اہلیہ مولانا طالب الدین مرحوم	۱۹۷۶ء			۱۹۸۸ء
۷۶	اہلیہ حافظ محمد اطہر حسین مرحوم	۱۹۷۶ء			۲۰۰۸ء
۷۷	اہلیہ محمد نقیب الدین (والدہ محمد نجیب الدین)	۱۹۷۸ء			۲۰۰۰ء

۷۸	اہلیہ مولانا شہاب الدین مرحوم	۱۹۸۳ء			
۷۹	اہلیہ مولانا محمد خالد	۱۹۹۰ء			
۸۰	اہلیہ مولانا محمد یونس مرحوم	۱۹۹۰ء			
۸۱	اہلیہ مولانا حسین احمد	۱۹۹۰ء			
۸۲	اہلیہ مولانا عبدالمنان	۱۹۹۱ء			
۸۳	اہلیہ مولوی محمد جواد علی مرحوم	۱۹۹۱ء			
۸۴	اہلیہ حاجی عبدالغنی	۱۹۹۱ء			۱۹۹۶ء
۸۵	اہلیہ مولانا محمد نعمان	۱۹۹۱ء			
۸۶	اہلیہ مولانا شہاب الدین	۱۹۹۱ء			
۸۷	اہلیہ حافظ محمود حسن	۱۹۹۱ء			
۸۸	اہلیہ محمد اقبال مرحوم ابن نجابت حسین	۱۹۹۱ء			
۸۹	اہلیہ حاجی کرامت علی	۱۹۹۱ء			
۹۰	اہلیہ حاجی محمد ریاض الدین مرحوم	۱۹۹۱ء			۲۰۰۹ء
۹۱	اہلیہ مولانا محمد اسلم	۱۹۹۱ء	۲۰۰۶ء		۲۰۰۸ء
۹۲	اہلیہ مولانا عبدالرقیب	۱۹۹۱ء			
۹۳	اہلیہ مولانا محمد نجیب الدین	۱۹۹۸ء	۲۰۰۲ء		
۹۴	اہلیہ مولوی محمد سلمان	۱۹۹۸ء			
۹۵	اہلیہ محمد علیم الدین	۱۹۹۸ء			
۶۹	اہلیہ مولوی عبدالعزیز مرحوم	۲۰۰۲ء			

۹۷	اہلیہ مولانا محمد قاسم	۲۰۰۳ء				
۹۸	اہلیہ مرزا علی حسن بیگ مرحوم	۲۰۰۳ء				
۹۹	اہلیہ مرزا انوار الحسن بیگ مرحوم	۲۰۰۳ء				۲۰۰۴ء
۱۰۰	اہلیہ مولانا سعید احمد	۲۰۰۴ء				
۱۰۱	اہلیہ مولانا شمس الہدیٰ	۲۰۰۵ء				
۱۰۲	اہلیہ حاجی محمد مکرم	۲۰۰۶ء				
۱۰۳	اہلیہ مولوی محمد حسنین	۲۰۰۸ء				
۱۰۴	اہلیہ محمد صادق علی ابن طہور علی	۲۰۰۸ء				
۱۰۵	اہلیہ مولوی نسیم الدین	۲۰۰۸ء				
۱۰۶	اہلیہ مرزا مقصود بیگ	۲۰۰۸ء				
۱۰۷	اہلیہ حافظ محمد صالح	۲۰۰۹ء				
۱۰۸	اہلیہ مولانا محمد مصلح الدین	۲۰۰۹ء				
۱۰۹	اہلیہ مولانا سعود احمد	۲۰۰۹ء				
۱۱۰	اہلیہ مولانا محمد عطاء الرحمٰن	۲۰۰۹ء				
۱۱۱	اہلیہ مولوی محمد اعظم	۲۰۰۹ء				
۱۱۲	اہلیہ مولانا محمد یامین	۲۰۰۹ء				
۱۱۳	اہلیہ مولوی محمد یوسف	۲۰۰۹ء				
۱۱۴	اہلیہ مولانا محمد سجاد الرحمٰن	۲۰۰۹ء				

۱۱۵	بی بی صفیہ بنت حافظ اطہر حسین	۲۰۰۹ء			
۱۱۶	اہلیہ محمد عیاض الدین مرحوم	۲۰۰۹ء			
۱۱۷	اہلیہ مولانا مرغوب الرحمٰن	۲۰۱۰ء			
۱۱۸	عامرہ بنت محمد ثابت حسین	۲۰۱۰ء			
۱۱۹	اہلیہ پروفیسر محمد ارشد جمیل	۲۰۱۰ء			
۱۲۰	اہلیہ ڈاکٹر شفیع احمد	۲۰۱۰ء			

☆☆☆

سرچشمۂ ہدایت

دارالعلوم دیوبند

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ عظیم دینی اور ملی ادارہ ہے۔ یہ اپنے تعارف کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ محض برکت اور سعادت کے لئے اس کا تذکرہ شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

''دارالعلوم دیوبند کا قیام حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ، برصغیر میں علوم دینیہ کے احیاءنو کے لئے اسلامی تعلیمی تحریک کا آغاز ہے۔ لارڈ میکالے نے یہ اعلان کیا تھا کہ ہم ایک ایسا نظام تعلیم رائج کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں تیار ہونے والی نسلیں ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں مگر ذہن وفکر کے اعتبار سے عیسائی ہوں۔ حجۃ الاسلام نے میکالے کے اس چیلنج کو سنجیدگی سے لیا اور ایک ایسے نظام تعلیم وتربیت کے قیام کی عملی تحریک چلائی جس کے نتیجہ میں ایسی نسل تیار ہوسکے جو ظاہری شکل صورت کے اعتبار سے جو بھی ہو مگر فکر ونظر اور شعور کے اعتبار سے مسلمان ہو۔ چنانچہ آپ نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی دینی، مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے ۱۵ رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ رمئی ۱۸۶۶ء (بروز جمعرات) کو دارالعلوم کے قیام کا فیصلہ فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے۔ جس نے مختلف محاذوں پر امت مسلمہ کی صحیح قیادت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور اس کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے منصوبہ بند کوشش کی، دینی تعلیم وتربیت کا ایسا مرکز ثابت ہوئی جس نے ہندو پاک ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کو مبلغین، مجاہدین، ائمہ اور مختلف محاذ پر کام کرنے والے، افراد فراہم کئے۔ حجۃ الاسلام نے مدارس اسلامیہ کے نظام تعلیم کو مفید وبامقصد بنانے کے لئے اصول ہشت گانہ مرتب کئے جو آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔''

(ماخوذ: حجۃ الاسلام حیات، افکار وخدمات، ص:۱۱)

دارالعلوم دیوبند نے ابتک کثیر تعداد میں علماء، مشائخ، مفتی، مبلغ، صحافی اور مجاہد پیدا کئے۔ جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی شفیع احمد دیوبندیؒ، حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ امروہوی، فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین مرادابادیؒ اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ وغیرہ جیسی قدآور اور تاریخ ساز شخصیتیں شامل ہیں، جو اپنی علمی و دینی خدمات اور مجاہدانہ کارناموں کی بنا پر نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ پورے براعظم ایشاء میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

فضلائے دارالعلوم دیوبند نے ہندوپاک اور دیگر بہت سے ملکوں میں اسلامی علوم وثقافت کی حفاظت واشاعت کی غرض سے ہزاروں کی تعداد میں مدارس اسلامیہ اور دینی ادارے قائم کئے۔ مختلف دینی موضوعات پر بے شمار اور بہترین کتابیں تصنیف کیں اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ دارالعلوم دیوبند کا یہ عظیم اور بے مثال کارنامہ ہے۔''

(ماخوذ: حالات دارالعلوم دیوبند، ص:۱۸)

موضع کوروڈیہ کا دارالعلوم دیوبند سے قدیم تعلیمی، نظریاتی اور فکری رشتہ ہے۔ یہاں کے علماء کرام اور فارغین عظام کوروڈیہ تشریف فرما ہوتے رہے ہیں جیسے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا عبدالاحد، حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ، حضرت مولانا سید ارشد مدنی اور حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری، حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری وغیرہم۔

حضرت مولانا شمس لاسلامؒ اور حافظ محمد اطہر حسین صاحبؒ ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے۔ ان کے بعد حضرت مولانا عبدالسلامؒ، مولانا عبدالمجیدؒ اور مولانا عبدالحکیمؒ ۱۹۳۰ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔ اب تو فارغین کی تعداد پچاسوں ہوگی۔ بحمد اللہ دارالعلوم دیوبند سے حصول علم کا یہ سلسلہ بلافصل جاری ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۴ر اکتوبر ۱۸۹۸ء کو قائم ہوا۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ (م۔۱۹۲۷ء) اس کے بانی اور ناظم اول تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہ ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے بعد دوسرا عالمی شہرت یافتہ دینی ادارہ ہے۔ حالات اور ضرورت کے پیش نظر شروع سے یہاں کے نصاب تعلیم میں عصری علوم بھی شامل ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی اسناد ہندوستان کے علاوہ بیرون ملک کی کئی اہم یونیورسٹیاں تسلیم کرتی ہیں۔ اس ادارہ نے بڑی عظیم ہستیاں پیدا کیں۔ جن کی تخلیقات و تصنیفات دنیائے علم وفن میں بطور حوالے استعمال ہوتی ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ (م۔۱۹۵۲ء)، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی (م۔۱۹۹۹ء)، مولانا سعود عالم ندوی (م۔۱۹۵۶ء)، مولانا ریاست علی ندوی (م۔۱۹۷۶ء)، مولانا عبداللہ عباس ندوی (م۔۲۰۰۶) وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

آج پوری دنیا میں ندوۃ العلماء کے فارغین پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی علمی وادبی خدمات سے اقصائے عالم مستفیذ ہو رہی ہے۔ فارغین ندوہ کا غالب پہلو یہ ہے کہ دینی، علمی اور عصری مسائل پر یہ حضرات بکثرت اپنی تخلیقات پیش کر رہے ہیں۔ جن سے اردو زبان وادب کا دامن بھی وسیع تر ہوا ہے۔

موضع کوروڈیہہ میں ندوۃ العلماء کے فارغین میں مولانا محمد آصف انور ندوی، مولانا ثناء اللہ ندوی ازہری، مولانا محمد فائق ندوی، مولانا محمد شائق ندوی، مولانا ضیف الرحمٰن ندوی اور مولانا محمد واثق ندوی وغیرہ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ آج بھی یہاں کے بہت سارے طلبا ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم ہیں۔ خدا اس سلسلہ کو جاری رکھے۔

مدرسہ نعمانیہ پورینی، بھاگلپور

بھاگلپور شہر سے ۱۱ کیلومیٹر جنوب میں ''پورینی'' نام کی ایک معروف بستی ہے۔ اس گاؤں کو مشہور سیاح بزرگ حضرت مخدوم علاء الدین چرم پوشؒ سہروردی (مدفون پنڈوہ شریف ضلع مالدہ، بنگال و مرید حضرت شاہ تقی سہروردیؒ) نے آباد فرمایا تھا۔ مسجد اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور اپنے روحانی فیوض و برکات سے علاقہ کو منور فرمایا۔ مسجد تو آباد رہی مگر خانقاہ مخدومیہ ساڑھے چار سو سالوں کے بعد زوال پذیر ہوگئی۔ ضلع بھاگلپور کی قدیم ترین مسجدوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ء کے ایک مصدقہ فارسی محضر نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مظفر شاہ بلخیؒ مدفون بہار شریف کا قیام بھی اس خانقاہ میں رہا ہے۔

عہد عالمگیر کے مشہور فقیہ قاضی رضی الدین بھاگلپوری (م۔ ۱۰۹۶ھ) جو فتاویٰ عالمگیری کے شعبۂ تدوین کے ایک رکن تھے) کے خاندان کے ایک دوسرے فقیہ عالم حضرت مولانا محمد سہول عثمانیؒ سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ و مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے خسر اور پھوپھی زاد بھائی مولوی فقیر حسن سررشتہ دار نے ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں مدرسہ نعمانیہ کے نام سے ایک خانگی مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ دس سال بعد جس وقت کہ حضرت مولانا مفتی محمد سہول عثمانیؒ (۱۲۹۲ھ۔ ۱۳۶۹ھ بہ مطابق ۱۸۷۵ء۔ ۱۹۴۹ء) دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس عربی پڑھاتے تھے۔ اپنے ایک شاگرد مولانا مفتی اعزاز علی امروہوی (۱۳۰۰ھ۔ ۱۳۷۴ مطابق ۱۸۸۲ء۔ ۱۹۵۴ء) کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (م۔ ۱۳۳۹ء۔ مطابق ۱۹۲۰ء) کی اجازت سے مدرسہ نعمانیہ کے لئے منتخب فرمایا۔ چنانچہ حضرت شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ نے ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مدرسہ نعمانیہ کے زمام تدریس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر عربی زبان و ادب، فقہ و منطق میں تعلیمی معیار بلند فرمایا۔ مدرسہ کے اولین تلامذہ میں علامہ محمد رشید پورینی (م۔ ۱۹۷۲ء)، حضرت مولانا عبدالحمید پورینی (م۔ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء) سابق صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سمریا، بھاگلپور، مولانا محمد شائق عثمانی (ایڈیٹر، عصر جدید کلکتہ)،

حضرت مولانا حافظ دیانت احمدؒ چکدریا، حضرت مولانا محمد غنی سمریا سابق صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سمریا، حکیم منصور علی پورینی، مولانا شمس الاسلام کوروڈیہ (م۔۱۹۶۹ء) اور حافظ محمد اطہر حسین کوروڈیہ (م۔۱۹۴۲ء) مشہور ہیں۔

حضرت شیخ الادبؒ کا اس مدرسہ سے تدریسی تعلق سات سالوں تک رہا (بحوالہ مقدمہ نوارالایضاح و ماہنامہ الرشید لاہور کا دارالعلوم دیوبند نمبر فروری و مارچ ۱۹۷۹ء) جب تک شیخ الادبؒ کی سرپرستی قائم رہی ذی استعداد طلبہ یہاں سے براہ راست بڑے بڑے مدرسوں میں پہنچ کر اپنی صلاحیت کا لوہا منواتے رہے۔ طلبہ میں عربی ادب کا ایسا شستہ مذاق پیدا کیا کہ جب مدرسہ کا جلسہ ہوا تو بعض طلبہ نے برجستہ عربی میں تقریریں کیں۔

سات سال بعد جب شیخ الادبؒ نے اپنی خواہش اور اپنے مربی استاد حضرت شیخ الہندؒ کی اجازت سے مدرسہ نعمانیہ سے سبکدوشی حاصل کرلی اور مدرسہ عین العلم شاہجہاں پور میں تین سالوں تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس عربی تقرری عمل میں آئی۔

حضرت شیخ الادبؒ کے بعد ایک عرصہ تک مدرسہ کا نظم ونسق درہم برہم رہا۔ اس کے بعد مولوی محمد سید حسین اگانوی استھانوی بہار شریف ضلع نالندہ (م۔۱۹۴۸ء) کو مدرسہ کا مدرس بنایا گیا۔ ان کے صاحبزادے الحاج مولانا قاری سید فصیح احمد بہاری نے اپنے والد کی نگرانی میں اسی مدرسہ نعمانیہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ (بحوالہ آئینہ دیسی مرتبہ پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن (م۔۲۰۰۴ء) سابق صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ وسابق صدر شعبۂ اردو متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ، ص: ۳۵۸) مولوی سید حسین کے زمانے میں دیوبند کے منشی فضل الٰہی فارسی کے استاد کی حیثیت سے پڑھاتے تھے۔

اس کے بعد قاری سید احمدؒ (م۔۱۹۸۲ء) پہڑیہ متصل شیخپورہ اور مولانا تفضل حسین صاحب (م۔۱۹۹۷ء) اس مدرسہ کے مدرس رہے۔ مگر تعلیم کا وہ سابق معیار برقرار نہ رہا۔ اب ایک طویل عرصہ سے مولانا محمد احمد خلف اکبر مولانا محمد سہول عثمانی کے وصال کے بعد سے مدرسہ ایک معمولی مکتب کی صورت میں ہے۔ مستقل مسجد کے امام ہی اس مکتب میں دونوں وقت پڑھاتے ہیں۔ حکیم منصور علی مرحوم

کے داماد جناب عبدالعلی صدیقی اور بعض دیندار بیڑی مزدوروں کے تعاون سے امام ومؤذن کی تنخواہوں کا انتظام چل رہا ہے۔ (بحوالہ تحریر مولانا مظفرالحق ندوی، پورینی ضلع بھاگلپور مرقومہ ۳رمئی ۲۰۰۵ء)

مدرسہ عزیزیہ بہار شریف

مدرسہ عزیزیہ بہار شریف ایک قدیم دینی ادارہ ہے۔ محترمہ بی بی صغریٰ صاحبہ مرحومہ نے صغریٰ وقف اسٹیٹ کے تحت لہیری محلہ بہار شریف ضلع نالندہ میں اپنے شوہر جناب محمد عبدالعزیز کے نام سے ۱۹۱۰ء مطابق ۱۳۲۸ھ میں یہ ادارہ قائم کیا اور اس کے لئے ایک شاندار عمارت تعمیر کی۔ اچھی اور معیاری تعلیم کے لئے مشہور و معروف اور ماہرین فن اساتذہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ جمیع طلباء کے قیام وطعام کے علاوہ دھوبی، نائی اور روشنی کے تمام اخراجات وقف کے ذمہ تھے۔ بہت کم مدت میں اس ادارہ کی شہرت پورے ملک میں ہوگئی اور مدرسہ کی موجودہ عمارت ناکافی ہوگئی۔ صغریٰ وقف اسٹیٹ کے چھٹے متولی جناب محمد عاصم کے دور تولیت میں محلہ مراد پور (رام چندر پور) بہار شریف میں ۱۹۳۰ء میں ایک دوسری خوبصورت عمارت تعمیر ہوئی اور مدرسہ عزیزیہ اس نئی عمارت میں منتقل ہوگیا اور مدرسہ کی پرانی عمارت طلباء کے ہوسٹل کے لئے استعمال ہونے لگی۔

۱۹۳۰ء میں بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ پٹنہ سے مدرسہ عزیزیہ کا درجہ فاضل تک الحاق ہوا۔ دینی تعلیم کے فروغ اور اس کی اشاعت میں اس ادارہ کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں یہاں سے طلباء فارغ ہوکر ملک وملت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں کے مشہور فارغین میں جنہوں نے اپنی شناخت قائم کی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے ان میں مولانا محمد نظام الدین، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، پروفیسر محمد کمال احمد صبا، سابق پروفیسر ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ، وسکریٹری بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ آر۔ ڈی۔ ڈی۔ وڈی۔ اپی۔ آئی حکومت بہار پروفیسر سمیع الدین حیدر، استاد ادارہ

تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ اور پروفیسر اطہر شیر، سابق ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ وغیرہ کے نام مشہور ہیں۔

یہاں کے مشہور اساتذہ میں حضرت مولانا فخر الحسن، صدالمدرسین دارالعلوم دیوبند، مولانا ریاض احمد چمپارن سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالواجد احمد مدنی، مولانا عبداللہ ادیب بہاری، مولانا عبدالمتینؒ، مولانا محمد حنیف، مولانا سید فصیح احمد، مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد آفاق صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔

موضع کوروڈیہ کا اس ادارہ سے قدیم رشتہ ہے۔ حضرت مولانا (ڈاکٹر) عبدالحمیدؒ صاحب (م۔۲۰۰۴ء) مولانا محمد طالب الدین صاحبؒ (م۔۱۹۸۸ء) مولانا محمد شہاب الدینؒ (م۔۱۹۹۲ء) اور مولانا محمد یونسؒ صاحب (م۔۲۰۱۰ء) وغیرہ یہاں کے مشہور فارغین میں سے تھے۔

مدارس ملحقہ میں ابھی جو تعلیمی انحطاط ہے اس سے یہ ادارہ بھی محفوظ نہیں ہے۔ ۲۰۰۵ء میں اس ادارہ میں میری حاضری ہوئی تھی۔ اس کی کس مپرسی اور صورت حال کو دیکھ کر افسوس ہوا۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ صوبہ بہار کا ایک قدیم اور مشہور دینی ادارہ ہے۔ جناب الحاج مسٹر سید نورالہدیٰ[1] (م۔۱۹۳۵ء) نے اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے اپنے والد جناب محمد سید شمس الہدیٰ کے نام سے ۱۹۱۲ء میں اس کو قائم کیا۔ مدرسہ کے استحکام اور اس کے اخراجات کے لئے اپنی جائداد کا ایک حصہ جس کی سالانہ آمدنی مبلغ پندرہ ہزار روپیہ تھی اسکو بذریعہ رجسٹری وقف کر دیا۔

---

[1] جناب مسٹر سید نورالہدیٰ صاحب بانی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ۱۸۵۴ء میں لودی کٹرہ پٹنہ سیٹی میں پیدا ہوئے۔ یہ آپ کی دادیہال تھی۔ اپنی نانیہال موضع کاندھا ضلع گیا میں مشہور فاضل مولانا محمد کمال صاحب سے عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ آپ کے والد مولوی محمد شمس الہدیٰ پٹنہ کے بڑے زمیندار رئیسوں میں سے تھے بڑے مخیر اور علم دوست۔ جناب سید نورالہدیٰ صاحب انٹرنس کرنے کے بعد ۱۸۷۷ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے

ان دنوں جناب مسٹر سید نوار الہدیٰ صاحب بنگال میں جج تھے اور وہیں قیام پذیر تھے۔ اس لئے مدرسہ کے انتظام و انصرام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل کی۔ جناب سر سید فخر الدین سابق وزیر تعلیمات صوبۂ بہار و اڑیسہ، جناب مولوی فصیح احمد صاحب مرحوم مختار محلہ دریا پور پٹنہ اور چند عمائدین شہر اس کے ممبر مقرر ہوئے۔

ان حضرات کے مشورہ سے ایک نصاب تعلیم مرتب کیا گیا۔ جناب مولانا مشتاق احمد صاحب کانپوری ابن حضرت مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد شریف صاحب، اعظم گڈھی اور جناب مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری سابق مدرس مدرسہ حنفیہ آرہ علی الترتیب تفسیر، حدیث اور فقہ کے لئے ۶۰/، ۴۰/ اور ۳۰/ روپے ماہانہ تنخواہ پر مدرس مقرر ہوئے۔ ان حضرات نے اپنے اپنے ساتھ نو نو طالب علم لیکر پٹنہ تشریف فرما ہوئے۔ موجودہ شریف کالونی پٹنہ جہاں جج صاحب کی کوٹھی تھی اس کے پورب بنگلہ میں یکم نومبر ۱۹۱۲ء کو مدرسہ کا افتتاح ہوا۔

بعد میں ضرورت محسوس ہوئی کہ نیچے کے درجات بھی قائم ہوں تو اس کے لئے مولانا سید اقبال حسین صاحب اور مولانا سید حافظ عبدالرشید صاحب بیس بیس روپے ماہوار پر استاد مقرر ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے لئے مولوی سید ظہور احمد صاحب اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی تقرری ہوئی۔ درجۂ حفظ کے لئے جناب حافظ محمد جان صاحب عظیم آبادی اور انگریزی کے لئے جناب ماسٹر محمد شعیب ساکن آرہ مقرر ہوئے۔

بقیہ حاشیہ ۱: انگلینڈ تشریف لے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ اور ال۔ال۔ایم کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۸۰ء میں وطن واپس آنے کے بعد کلکتہ میں بیرسٹری شروع کردی۔ ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ اپنے پیشے میں بہت مقبول ہوئے۔ تو حکومت نے مظفر پور بہار میں آپ کو منصف مقرر کیا۔ کچھ دنوں تک پٹنہ ہائی کورٹ میں سب جج بھی ہوئے۔ بعد میں بنگال کے تین ضلع بوگرا، پبنا اور راج شاہی کے مشترکہ جج مقرر ہوئے اور ۱۲۰۰ روپے تنخواہ مقرر ہوئی۔ ایک مدت تک ججی کی خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۱۱ء میں پنشن کے لئے درخواست دی۔ مدت ملازمت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اس لئے پانچ سو روپے ماہانہ پنشن ملی اور پٹنہ واپس آگئے۔ صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف کے انتظام و انصرام کے لئے جو کمیٹی مقرر تھی اس کی صدارت کے لئے ڈسٹرکٹ جج نے آپ کو منتخب کیا۔ ۱۹۳۲ء تک آپ اس کے صدر رہے۔ تمام ممبروں کو آمد و رفت کے لئے وقف اسٹیٹ سے مصارف ملتے تھے۔ لیکن آپ نے وقف اسٹیٹ سے کبھی کوئی رقم نہیں لی بلکہ اپنی جیب خاص سے

بہت جلد مدرسہ کی شہرت ہوگئی اور دور دراز سے طلبا داخلہ کے لئے آنے شروع ہوگئے۔ جناب جج صاحب کا عام حکم تھا کہ جولڑکے تعلیم کے لئے یہاں آئیں ان کے طعام وقیام کے علاوہ ناشتہ اور لالٹین کے تیل وغیرہ کا بھی نظم ہوتا کہ ان کو تعلیم میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔ مطبخ اور بوڈنگ ہاؤس کی نگرانی مولوی سید ظہور احمد کے حوالے تھی۔

ایک سال کے اندر ہی مولانا محمد شریف صاحب اپنی پرانی جگہ مدرسہ مظہر العلوم محلہ کچی باغ بنارس واپس ہوگئے۔ ان کی جگہ پر مولانا ظفرالدین صاحب کو ترقی دے کر مدرس فقہ مقرر کیا گیا اور ان کی جگہ پر مولانا سید دیانت حسین صاحب (دربھنگہ) جو مدرسہ شمس العلوم بدایون یوپی میں مدرس اول تھے دسمبر ۱۹۱۳ء میں مدرس حدیث مقرر ہوئے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد جناب مولانا مشتاق احمد صاحب

بقیہ حاشیہ ۱: آمدورفت میں خرچ کرتے رہے۔ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے۔ ۷؍جون ۱۹۳۵ء مطابق ۵؍ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور ۸؍ بجے شب میں انتقال ہوگیا۔ نوری مسجد کے ایک گوشے میں مدفون ہیں۔ نوری مسجد آپ کے ہی نام پر ہے جس کو آپ نے ۱۹۳۲ء میں تعمیر کرایا تھا۔ موجود مسجد اس کی تعمیر جدید ہے۔ آپ بڑے متقی خداترس، صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند، تلاوت قرآن کے عادی، مخیر، حق گو اور انصاف پسند تھے۔ بڑی متشرع زندگی گزاری۔ سب سے بڑھ کر علم دوست انسان تھے۔

جناب جج صاحب کا سب سے بڑا دینی اور ملی کارنامہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کا قیام ہے۔ اس قیام کے پیچھے ایک تاریخی واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار جناب جج صاحب اپنی زمین داری کی دیکھ ریکھ کے لئے موضع سانڈھا ضلع پٹنہ تشریف لے گئے۔ بغل کے ایک گاؤں میں ایک مسلمان کا انتقال ہوگیا تھا۔ نماز جنازہ پڑھانے والا کوئی نہیں ملا۔ جب ان لوگوں کو جج صاحب کی آمد کی اطلاع ملی تو لوگ آپ کے پاس آئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ کو اس جہالت پر بہت افسوس ہوا۔ آپ تشریف لے گئے۔ تجہیز وتکفین کے احکام بیان کرکے اپنے سامنے کفن ترتیب سے پہنایا اور نمازہ جنازہ پڑھائی۔ قبر تک شامل گئے۔ ناقص قبر کو دیکھ کر اور بھی افسوس ہوا۔ اسی وقت ایک مدرسہ قائم کرنے کا خیال ہوا۔

پٹنہ سیٹی میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا کہ جنازہ تیار ہے اور نماز پڑھانے والا کوئی نہیں تھا۔ جج صاحب کو بھی اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے ایک مدرسہ قائم کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اس طرح ۱۹۱۲ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ قائم ہوا۔ (بحوالہ: ''نورھدیٰ'' مصنفہ محمد محمود الحسن شمسی مطبوعہ ۱۹۴۱ء)

مدرسہ دارالعلوم رنگیان کانپور چلے گئے تو مولانا ظفرالدین صاحب کو مدرس تفسیر اور مولانا دیانت حسین صاحب کو مدرس فقہ پر ترقی دی گئی۔ ۱۹۱۵ء میں جناب مولانا مقبول احمد خاں صاحب دربھنگوی مدرس حدیث مقرر ہو کر تشریف لائے۔ ان حضرات نے نہایت محنت اور کدوکاوش سے طلباء کو تعلیم دینی شروع کی اور لڑکوں کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی۔ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں فارغ التحصیل طلباء کی پہلی دستار بندی ہوئی اس موقع پر ایک شاندار اجلاس منعقد ہوا۔ عمائدین شہر کے علاوہ مولانا سید شاہ سلیمان پھلواروی اور شمس العلماء مولانا عبدالوہاب فاضل بہاری خاص طور پر مدعو تھے۔

کچھ دنوں کے بعد مولانا ظفرالدین صاحب مدرسہ عالیہ کبیریہ سہسرام صدر مدرس ہو کر چلے گئے تو ان کی جگہ پر کچھ دنوں کے لئے مولانا عبیداللہ صاحب مدرسہ محمدی جان پٹنہ سیٹی مقرر ہوئے۔ ان کے واپس چلے جانے کے بعد اس جگہ پر مولانا عبدالشکور صاحب گیاوی مقرر ہو کر آئے۔ لیکن ان کی زندگی نے وفا نہیں کی اور ان کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ پر مولانا محمد الیاس صاحب ساکن موضع لکھمنیاں مونگیر موجودہ ضلع بیگوسرائے کا تقرر ہوا۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ حکومت کی تحویل اور ماتحتی میں

جناب جج صاحب کو کوئی اولاد نہیں تھی۔ مدرسہ کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے کہ میرے بعد مدرسہ کا کیا ہوگا؟ آپ اس کو ایک معیاری اور عظیم ادارہ کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے اور اسی خیال میں رہتے کہ مدرسہ کو کس طرح بام عروج پر پہنچایا جائے۔ پھر وہ صورت حال بھی سامنے نہ آئے جو عام طور پر وقف شدہ اداروں میں واقفین کے بعد ہوتی ہے۔ اسی کے پیش نظر جناب سر سید فخرالدین صاحب وزیز تعلیمات کے مشورہ سے جناب جج صاحب نے ۱۹۱۹ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کو تمام موقوفہ ملکیت کے ساتھ حکومت بہار کے سپرد کر دیا۔ تاکہ مدرسہ حکومت کی نگرانی میں ترقی کے مدارج طے کرے اور آئندہ کے اختلافات سے بھی محفوظ رہے۔ یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو حکومت نے اس مدرسہ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ جس وقت یہ مدرسہ جناب جج صاحب کے زیر انتظام تھا اس وقت یہاں درس نظامیہ کے تحت تعلیم ہو رہی تھی اور دس اساتذہ کرام تعلیم پر مامور تھے۔ جب حکومت نے ۱۹۲۰ء میں مدرسہ کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لیا تو اس وقت پندرہ مدرسین (بہ شمول پرنسپل اور ایک کلرک) کی منظوری دی۔ جناب خاں

بہادر محمد مصطفیٰ صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکول کو عارضی طور پر مدرسہ کے انتظام کو درست کرنے کے لئے اسپیشل آفیسر مقرر کیا۔ حکومت کا منظور کردہ نصاب تعلیم جاری کیا گیا۔ عربک اسکول کی شکل میں آٹھ درجے کھولے گئے۔ اس کے بعد چھ سال کا نصاب اعلیٰ درجوں کے لئے مقرر کیا گیا۔ اس میں انگریزی کی تعلیم اختیاری مضمون کی حیثیت سے شامل تھا۔

مدرسہ کی گورننگ بڈی کا قیام:

مدرسہ کی نگرانی اور بہتر نظم ونسق کے لئے ایک گورننگ بوڈی (مجلس منتظمہ) قائم کی گئی۔ اراکین کی تشکیل اس طرح تھی:

صدر پٹنہ ڈویزن کے کمشنر، انسپکٹر آف اسکول پٹنہ ڈویزن، پٹنہ کالج کے صدر شعبۂ عربی، پرنسپل مدرسہ، اسٹاف کا نمائندہ، پانچ غیر سرکاری اراکین جن میں بانی مدرسہ کے خاندان کے دو افراد۔ پرنسپل مدرسہ اس کے سکریٹری ہوئے۔ ایک ویزیٹنگ کمیٹی بھی قائم کی گئی تھی لیکن ۱۹۳۲ء میں یہ توڑ دی گئی۔

بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ کا قیام:

۱۹۲۲ء میں بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ قائم کیا گیا۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔)

مدرسین کی تقرری اور تنخواہ:

حکومت نے تقریباً تمام پرانے اساتذہ کی تقرری کو بحال رکھا اور حضرت مولانا محمد سہول عثمانی چشتی بھاگلپوری پرنسپل اور مولانا رحیم بخش آروی نائب پرنسپل مقرر کئے گئے۔

ابتدا میں تنخواہ کے چار اسکیل تھے۔ ۴۰، ۵۰، ۶۰ اور ۸۰ روپے ماہوار۔

نصاب تعلیم:

اس زمانہ میں جو نصاب تعلیم جاری تھا وہ مناسب حال ثابت نہیں ہوا۔ جناب مولانا محمد سہول صاحب پرنسپل مدرسہ نے جناب جج صاحب کے مشورہ سے نصاب میں ترمیم کی۔ شروع سے آخر تک پندرہ سال کا نصاب مرتب کیا گیا۔ جس میں جونیر کے سات درجے اور ملا، مولوی، عالم اور فاضل ہر ایک کے دو دو درجے قائم کئے گئے۔ ہر درجہ کے ختم پر بورڈ امتحان عموی مقرر رہوا۔ جون ۱۹۲۱ء میں حکومت نے اس نصاب کو جاری کردیا۔ نصاب کی بنیاد درس نظامی پر تھی مگر تدریجا عالم اور فاضل میں میٹرک کی

انگریزی اختیاری اور ملا میں مڈل کا حساب، اقلیدس، تاریخ، جغرافیہ کے مضامین شامل کئے گئے۔ عالم اور فاضل میں انگریزی اور طب اختیاری مضامین تھے۔ ۱۹۳۰ء سے فارسی نے طب کی جگہ لی۔

عالم اور فاضل درجوں کا کھلنا:

۱۹۲۱ء تک مولوی ثانی تک کے درجے کھل گئے تھے درجہ مولوی کا پہلا امتحان عمومی ۱۹۲۴ء میں ہوا۔ مگر اس وقت تک عالم درجے نہیں کھلے تھے۔ طلباء تکمیل کے لئے دوسرے مدرسوں میں جانے لگے تو بانی مدرسہ جناب جج صاحب کے دل پر شاق گذرا۔ حکومت کی منظوری کے بعد ۱۹۲۲ء میں درجہ حفظ کے علاوہ اور پندرہ درجے کھل گئے۔ مزید مدرسین کی ضرورت تھی۔ فارسی کے لئے مولانا سید شاہ ابوالقاسم صاحب ۴۰۔۲۔۷۰ کے اسکیل میں مقرر ہوئے اور دوسرے اساتذہ میں حافظ نورالحق، مولانا عبدالسبحان دسنوی اور مولانا عبدالشکور مظفر پوری کی تقرری عمل میں آئی۔

فارغین مدرسہ کی ڈگریوں کی منظوری اور دیگر مراعات:

جج صاحب کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر مدارس کے سند یافتہ کو حکومت نے مراعات نہ دی تو ممکن ہے کہ فکر معاش ان کو دینی تعلیم چھوڑنے پر مجبور کر دے اور یہ بھی مدنظر تھا کہ عربی اداروں کو وہی رتبہ اور وقار حاصل ہو جو انگریزی اداروں کو حاصل ہے۔ اسی خیال سے بانی مدرسہ نے کوششیں کیں اور حکومت بہار نے ۱۹۲۶ء میں درج ذیل حقوق کا اعلان کیا۔

مولوی پاس کو جونیر مدرسہ میں مدرس اول کی جگہ، انسپکٹنگ مولوی کی جگہ، مولوی ٹریننگ اسکول، ہائی انگلش اسکولوں میں ہڈ مولوی کی جگہ عالم پاس کو ملا کورس پڑھانے کی جگہ چند سال تجربہ کے بعد مولوی کورس پڑھانے کی جگہ اور نکاح کے رجسٹرار کی جگہ فاضل پاس کو، مذکورہ بالا عہدوں کے علاوہ مولوی اور عالم کورس، پھر چند سال کے تجربے کے بعد فاضل کورس پڑھانے کی جگہ۔ انگریزی کالجوں میں لکچرار کی جگہ، شعبۂ تعلیم میں تقرر کے لئے علی الترتیب مولوی، عالم، فاضل پاس میٹرک، ایف۔اے (آئی۔اے)، بی۔اے کے مقابل سمجھے جائیں گے۔ مگر ان ہی عہدوں کے لائق سمجھے جائیں گے جو ان کے علوم وفنون کے مناسب ہو پٹنہ یونیورسٹی میں، مولوی، عالم اور فاضل پاس علی الترتیب انگلش میں میٹرک، آئی۔اے۔، بی۔اے۔ کا امتحان دے سکتے ہیں۔

مدرسہ کی عمارتیں:

حکومت نے اپنی تحویل میں لینے کے بعد مدرسہ کی کئی عمارتیں بنوائیں۔

۱۔ عام شاہراہ کے قریب تعلیم گاہ کی دومنزلہ عمارت ۱۹۲۲ء میں تیار ہوئی۔ اس کی بالائی منزل میں تعلیم ہوتی تھی اور نیچے کی منزل میں کتب خانہ، مدرسہ کا دفتر، جمعیۃ الطلبا کا کتب خانہ، مدرسہ اکزامینیشن بورڈ کا دفتر جس میں جلسوں کے لئے ایک وسیع و عریض ہال شامل ہے۔ ۱۹۵۵ء میں جب ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی قائم ہوا تو حکومت نے اس کی بالائی منزل کو ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ کے حوالے کردیا۔ ۱۹۷۱ء تک یہ ادارہ اس میں چلتا رہا جب اس کی چھت مخدوش ہوگئی تو جونیر سیکشن کی بالائی منزل پر یہ منتقل ہوگیا اور آج تک ادارۂ تحقیقات اسی عمارت میں بدقت چل رہا ہے۔ جب کہ سینئر سیکشن کی وہ مخدوش بالائی منزل دوبارہ تعمیر ہوچکی ہے لیکن اب تک وہ ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی کے ہی قبضہ و تصرف میں ہے۔ دوسری عمارت میں ایک بڑا ڈائننگ ہال ہے (کھانے کا کمرہ) جس میں بیک وقت سو آدمیوں کی بہ فراغت گنجائش ہوسکتی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں تعمیر ہوئی۔ پھاٹک پر دربان کا کواٹر، مہتر کا کواٹر اور آخر میں پرنسپل کواٹر ۱۹۳۶ء میں تعمیر ہوا۔ جو آج تک اسی مصرف میں ہے۔

حکومت کی تحویل میں دینے سے قبل جناب جج صاحب نے نوری مسجد (تعمیر شدہ ۱۹۳۳ء) سے پورب جنوبی پھاٹک کے سامنے اتر ایک وسیع مربع عمارت جس کے بیچ میں ایک کشادہ جگہ ہے ۱۹۱۴ء مطابق ۱۹۳۳ء میں تعمیر کرائی۔ جن کے کمرے کافی وسیع اور کشادہ تھے۔ اس کے چاروں طرف شیشے لگی ہوئی بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں۔ اونچے اونچے ہر کمرے میں دو دو دروازے اور اس میں بھی شیشے لگے ہوئے تھے۔ اسی مناسبت سے یہ شیش محل کے نام سے مشہور تھا۔ اب یہ عمارت اپنی پرانی شکل میں نہیں ہے۔ اس کا مغربی حصہ دوبارہ تعمیر ہوا ہے اس کے دروازے اور کھڑیاں جدید طرز کی ہوگئیں۔ اس کے اوپر بھی اب دوسری منزل تعمیر ہوگئی ہے۔ اس عمارت میں اب وہ حسن باقی نہیں رہا۔ یہ پہلے تعلیم گاہ تھی اور اب یہ ہاسٹل ہے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے قبضہ میں صرف چند کمرے ہیں اور باقی پر ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی کا قبضہ ہے۔ جس میں ان کے طلباء رہتے ہیں اور اس کا ایک وسیع کمرہ ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی کے ہاسٹل سپرنٹنڈنٹ کے لئے مخصوص ہے۔

جمعیۃ الطلباء:

طلباء نے تقریر وتحریر کی مشق اور اردو زبان کی خدمت کے لئے ۱۹۲۵ء میں ایک انجمن قائم کی جس کا نام "جمعیۃ الطلباء" رکھا گیا۔ آج بھی یہ انجمن قائم ہے۔ ہر سال اس کے صدر، سکریٹری اور خازن وغیرہ کا انتخاب ہوتا ہے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام علمی وادبی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ سالانہ تقریب کے موقع پر انعامی مقابلے اور مشاعرے بھی ہوتے رہے ہیں جس میں مقامی اور بیرونی شعراء مدعو ہوتے ہیں۔ اس انجمن نے طلباء کے ذوق اور اس کی صلاحیتوں کو ابھارنے میں بڑی خدمت انجام دی ہے۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کا شاندار ماضی:

صوبہ بہار میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سب سے زیادہ مشہور دینی ادارہ ہے۔ اس کا ماضی نہایت شاندار اور قابل فخر ہے۔ اس مدرسہ نے بڑی بڑی علمی وادبی شخصیتیں پیدا کیں جنہوں نے ملک کے مختلف شعبوں میں نمایاں کارنامے انجام دئے۔ یہاں کے فارغین مدارس، مکاتب، اسکول، کالج، یونیورسٹی کے علاوہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے اور اپنی گرانقدر خدمات پیش کیں اور آج بھی یہ صورت حال باقی ہے۔ اگر صرف ۱۹۷۰ء کی دہائی کو سامنے رکھا جائے تو یہاں کے اہم فارغین میں محمد اظہار عالم (آئی۔ پی۔ ایس) مظفر عالم اشرفی (A.D.M)، شاہنواز احمد خاں (ڈپٹی لیبر کمشنر) مختار احمد (ڈپٹی لیبر کمشنر)، پروفیسر محمد عزیز شمسی مرحوم (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، پروفیسر واعظ الحق مرحوم (ام۔ اس کالج موتیہاری)، پروفیسر صفی اللہ موتیہاری کالج، پروفیسر بدیع الزماں، (آر۔ کے کالج مدھوبنی)، پروفیسر انیس صدری، (سمستی پور کالج، سمستی پور)، پروفیسر عبداللطیف حیدری، (ڈی۔ اس۔ کالج کٹیہار)، پروفیسر غفار صدیقی، (پٹنہ یونیورسٹی)، پروفیسر شمس الضحیٰ، (پٹنہ یونیورسٹی)، پروفیسر عبدالواحد (مگدھ یونیورسٹی)، پروفیسر مشتاق احمد (نبی گنج کالج سیوان)، ڈاکٹر وصی اختر مرحوم (بی۔ ان کالج پٹنہ)، پروفیسر عید محمد انصاری، (بہار یونیورسٹی مظفر پور) اور جناب عبدالقیوم انصاری (سکریٹری انجمن ترقی اردو بہار وصدر گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

قدیم طلباء میں جنہوں نے علمی وادبی دنیا میں ممتاز مقام حاصل کئے ان میں پروفیسر صدرالدین احمد فضا شمسی، جناب عمیر ثاقب رجسٹرار مرحوم فاضل پور سمستی پور، پروفیسر مختار الدین احمد

آرزو سابق وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی، پروفیسر عبد المغنی سابق وائس چانسلر ال۔ ان۔ متھلا یونیورسٹی دربھنگہ، پروفیسر ضیاء الدین احمد سابق صدر شعبۂ سماجیات و سابق وائس چانسلر مگدھ یونیورسٹی اور مولانا بیتاب صدیقی صاحب وغیرہ سب اسی چمن کے گل سرسبد ہیں۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی حیثیت ام المدارس کی ہے۔ اس نے بہار میں علوم مشرقیہ میں ایک انقلاب برپا کیا۔ یہاں کے فارغین نے عصری علوم میں بھی نمایاں کارنامے انجام دئے۔ پورے بہار میں یہاں کے فارغین بکھرے ہوئے ہیں بلکہ بنگال اور اڑیسہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس مادر علمی نے اپنی وسعت قلبی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ ہر مسلک، مکتب فکر اور عقائد کے اساتذہ اور طلباء اس کی آغوش میں شیر وشکر ہوگئے۔

شروع سے ہی یہاں بڑے قابل اور باصلاحیت اساتذہ مقرر ہوتے رہے ہیں۔ ۱۹۲۰ء کے بعد یہاں کے پرنسپل کی مکمل فہرست ذیل میں ان کی مدت کارکردگی کے ساتھ درج ہے۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل

نام	مدت
۱۔ حضرت مولانا محمد سہول عثمانیؒ چشتی بھاگلپوری	۱/۷/۱۹۲۰ء سے ۱/۷/۱۹۳۴ء تک
۲۔ حضرت مولانا اصغر حسینؒ (انچارج)	۲/۷/۱۹۳۴ء سے ۴/۱۱/۱۹۳۴ء تک
۳۔ حضرت مولانا معین الدین ندویؒ	۵/۱۱/۱۹۳۴ء سے ۱۳/۴/۱۹۴۱ء تک
۴۔ حضرت مولانا اصغر حسینؒ (انچارج)	۱۴/۴/۱۹۴۱ء سے ۲۴/۱۲/۱۹۴۱ء تک
۵۔ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب	۱/۱/۱۹۴۲ء سے ۱۵/۵/۱۹۴۸ء تک
۶۔ حضرت مولانا ظفر الدین قادری صاحب (انچارج)	۱۶/۵/۱۹۴۸ء سے ۱۸/۵/۱۹۴۸ء تک
۷۔ حضرت مولانا دیانت حسین (انچارج)	۱۹/۵/۱۹۴۸ء سے ۱۵/۷/۱۹۴۸ء تک
۸۔ حضرت مولانا ظفر الدینؒ صاحب	۱۶/۷/۱۹۴۸ء سے ۲۲/۱۱/۱۹۴۹ء تک
۹۔ حضرت مولانا ریاست علی ندویؒ صاحب	۲۲/۱۱/۱۹۴۹ء سے ۲۷/۱۰/۱۹۵۸ء تک
۱۰۔ حضرت مولانا سید شاہ ابو القاسمؒ صاحب	۲۸/۱۰/۱۹۵۸ء سے ۳۰/۶/۱۹۶۱ء تک
۱۱۔ حضرت مولانا حفیظ الرحمن صاحب	۱/۷/۱۹۶۱ء سے ۳۱/۱۰/۱۹۷۴ء تک

۱۲۔ حضرت مولانا سید محمد قاسمؒ دربھنگوی	۱/۱۱/۱۹۷۴ء سے ۳۰/۱۱/۱۹۸۲ء تک
۱۳۔ حضرت مولانا سید محمد صدر الحقؒ (انچارج) (پسر مولانا دیانت حسینؒ)	۱/۱۲/۱۹۸۲ء سے ۳۱/۳/۱۹۸۸ء تک
۱۴۔ حضرت مولانا محمد عبد القیوم صاحب	۱/۴/۱۹۸۸ء سے ۳۰/۶/۱۹۹۴ء تک
۱۵۔ حضرت مولانا ابوالکلام قاسمی (انچارج)	۱/۷/۱۹۹۴ء سے ۳۰/۱۰/۱۹۹۵ء تک
۱۶۔ حضرت مولانا محمد عبد القیوم	۳۱/۱۰/۱۹۹۵ء سے ۳۱/۱۲/۱۹۹۶ء تک
۱۷۔ حضرت مولانا ابوالکلام قاسمی (انچارج)	۱/۱/۱۹۹۷ء سے تا حال

(بحوالہ دفتر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ)

بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ سے مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ تک:

بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ پٹنہ کے ذکر کے بغیر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی تاریخ نامکمل ہے اس لئے اس کا تذکرہ ضروری ہے۔

بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ پٹنہ اپنے وجود کیلئے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا مرہون منت ہے۔ ۱۹۲۰ء میں جب حکومت بہار نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کو اپنی تحویل میں لیا تو ۱۹۲۲ء میں مدرسوں کے الحاق، زراعانت کی منظوری اور امتحانات کے متعلق تمام کاموں کو انجام دینے کے لئے بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ قائم کیا جو سولہ اراکین پر مشتمل تھا۔ جناب مسٹر سید نور الہدیٰ بانی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ اس کے پہلے صدر اور پروفیسر عظیم الدین احمد صدر شعبہ عربی و فارسی پٹنہ کالج اس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔

۱۹۲۲ء میں اسلامی تعلیم کی نگرانی کے لئے سپرنٹنڈنٹ آف اسلامک اسٹدیز کا عہدہ بھی قائم کیا گیا۔ بہار کے ایک مشہور عالم خان بہادر مولانا ابونعیم محمد مبارک کریم مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ اس منصب پر مقرر کئے گئے۔ آزادی کے بعد اس کا دفتر مدرسہ اکزامینیشن بورڈ کے ساتھ منسلک کردیا گیا اور مدرسہ اکزامینیشن بورڈ کے سکریٹری، اسلامک اسٹڈیز کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر بھی ہوتے تھے ۱۹۷۹ء میں یہ

عہدہ بھی ختم کر دیا گیا۔

جدید نصاب تعلیم اور اس کی خصوصیات:

حضرت مولانا محمد سہول عثمانی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کی نگرانی میں جو نصاب مرتب ہوا تھا حکومت نے اسکو ۱۹۲۱ء میں جاری کیا۔ یہ نصاب درس نظامی پر مبنی تھا۔ اس میں جزوی تبدیلی کی گئی۔ درجہ عالم اور درجہ فاضل میں میٹرک کی انگریزی اختیاری تھی نیز درجہ ملا (فوقانیہ) میں مڈل کی جیومیٹری، حساب، تاریخ اور جغرافیہ کی تعلیم شامل تھی۔ سابق نصاب اپنی معنوی خوبیوں کے باوجود ضروریات زمانہ کے موافق نہیں تھا۔ اس سلسلے میں حکومت اور کونسل تک اس کی شکایت پہنچی۔ ۱۹۲۸ء میں نواب مبارک علی صاحب ام۔ ال۔ سی۔ نے کونسل میں ایک ترمیمی بل پیش کی جس کو سر فخر الدین وزیر تعلیمات نے منظور کر لیا۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں اس پر غور و خوض کے لئے ایک نصاب کمیٹی بنی جس کے صدر پروفیسر عظیم الدین احمد، ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی سکریٹری، خان بہادر مولانا ابونعیم محمد مبارک کریم اور حضرت مولانا محمد سہول عثمانی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وغیرہ اس کے رکن نامزد ہوئے۔

کمیٹی نے نہایت غور خوض کے بعد اپنی رپورٹ میں یہ شفارشات کیں کہ:

(۱) نصاب میں علوم قدیمہ کے ساتھ علوم جدیدہ بھی حسب معیار داخل کئے جائیں (۲) نصاب کی ترتیب ایک گونہ یونیورسٹی سے مشابہ ہو تاکہ طلباء علوم دینیہ کے ساتھ رفتار زمانہ کا بھی ساتھ دے سکیں اور کالج والوں کے ہم پلہ ہو کر ان کے دوش بدوش کام کر سکیں (۳) فاضل میں مختلف مضامین میں سے کسی ایک کو اختیار کریں تاکہ مخصوص فن میں مہارت تامہ حاصل ہو۔ (۴) عالم تک انگریزی لازمی ہو۔

مجوزہ نصاب ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ سر فخر الدین صاحب کا وصال ہو گیا۔ مسٹر سید عبدالعزیز وزیر تعلیمات کی وزارت میں یہ پیش ہوا۔ تو آپ نے ۱۹۳۴ء میں ایک ترمیمی کمیٹی مقرر کی جس کے اراکین حسب ذیل تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی صدر، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا سید غلام مصطفیٰ، مولانا سید محی الدین تمنا پھلواروی، خان بہادر مولانا ابونعیم مبارک پوری، مولانا معین الدین ندوی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور مولوی سید نجم الہدیٰ نجم گیلانی وغیرہ۔

اس کمیٹی نے نظر ثانی کے بعد حکومت کو یہ مجوزہ نصاب پیش کر دی۔حکومت کی منظوری کے بعد یہ جدید نصاب ۱۹۳۶ء میں جاری کر دیا گیا۔اس نصاب کی اہم خصوصیات یہ تھیں ۔ (۱) عالم تک تمام مضامین کی تعلیم مخلوط (۲) فاضل میں تفسیر، حدیث، فقہ واصول فقہ، تاریخ اسلام، معقولات، عربی ادب، فارسی ادب میں سے کسی ایک ہی مضمون کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ ہر مضمون میں سات پرچے تھے۔

عالم تک اردو اور فارسی اختیاری مضمون تھا۔ مولوی اور عالم میں اردو اور فارسی علی الترتیب آئی۔اے اور بی۔اے کورس کا پڑھایا جاتا تھا۔

وسطانیہ سے عالم تک انگریزی لازمی تھی۔ عالم میں انگریزی میٹرک کے کورس کا تھا۔ نیز عالم میں جدید سائنس کی کتاب ''افکار عصریہ'' لازمی مضمون شامل تھا۔نفسیات، منطق، معاشیات اور تاریخ یورپ کو اختیاری مضامین کی حیثیت سے جگہ دی گئی تھی۔

فوقانیہ تک تاریخ، جغرافیہ، حساب اور اقلیدس کی تعلیم مڈل کے معیار کی تھی۔

درجوں کے ناموں میں اس طرح تبدیلی کی گئی۔تحتانیہ درجہ اول تا سوم، وسطانیہ چہارم تا ہفتم۔ ملا کو فوقانیہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ وسطانیہ چہارم کا امتحان مڈل انگلش اسکول کی طرح بورڈ کا امتحان رکھا گیا۔

قدیم نصاب میں فوقانیہ، مولوی، عالم اور فاضل کے صرف سال دوم کا امتحان بورڈ کے ماتحت تھا۔اس نصاب میں وسطانیہ سے فاضل تک مشترکہ طور پر دو دو سال کا نصاب مرتب ہوا اور اسکول کالج کی طرح دونوں سال کے نصاب میں امتحان لازمی قرار دیا گیا۔

فاضل کے دو سال بعد فاضل کے مضامین میں سے کسی ایک میں ریسرچ کا امتحان رکھا اور اس امتحان کا نام کامل ''دکتور العلم'' رکھا گیا۔

مذکورہ نصاب اگرچہ تمام فوائد کے لحاظ سے بڑا جامع اور مکمل تھا لیکن اس کے جاری ہونے کے بعد مدارس ملحقہ سے یہ شکایتیں بورڈ کو موصول ہونے لگیں کہ مدارس ملحقہ کے لئے موجودہ نصاب بہت دشوار کن ہے۔اس لئے کہ اس میں انگریزی کے علاوہ عصری علوم بھی شامل ہیں۔ مدارس ملحقہ کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ان تمام مضامین کے لئے الگ الگ استاد مقرر کئے جائیں۔ مدارس اس کے اخراجات کے متحمل نہیں ہونگے۔اس کے لئے حکومت نے زراعانت میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ یہ شکایتیں ڈاکٹر

سید محمود (داماد مولانا مظہر الحق) سابق وزیر تعلیمات کے گوش گزار ہوئیں تو آپ نے سابق سپرنٹنڈنٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے توسط سے تمام مدارس سے ترمیمات طلب کیں۔ آپ ہی کے ایما سے مدرسہ اکزامینیشن بورڈ نے ترمیمات پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی درج ذیل اراکین پر مشتمل تشکیل کی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ، بانی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد عثمان، مولانا ریاض احمد، مولانا سید معین الدین ندوی اور مولانا عبدالوہاب دربھنگوی اور مولانا سید مسعود عالم ندوی وغیرہ۔

۱۹۴۰ء میں سب کمیٹی نے اپنی سفارشات ڈائرکٹر محکمہ تعلیمات کے سپرد کر دیں۔ حکومت کی منظوری کے بعد یہ نصاب جاری ہوا۔ (بحوالہ ''نور الہدیٰ'' مرتبہ محمود الحسن شمسی)

۱۹۵۵ء میں نصاب پر نظر ثانی کے لئے پروفیسر ہادی حسن کی صدارت میں ایک نصاب کمیٹی مقرر ہوئی۔ ان کے ذریعہ مرتب کردہ نصاب حکومت نے منظور کیا اور ۱۹۷۰ء کے اوائل تک یہی نصاب مدرسہ بورڈ میں رائج رہا۔

مئی ۱۹۷۰ء میں محکمہ تعلیمات، حکومت بہار نے ایک نیا سرکلر جاری کیا کہ بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ پٹنہ کے ذریعہ دی جانے والی ڈگریاں (مولوی، عالم، فاضل) میٹرک ٹرینڈ کی ڈگری کے مساوی ہونگی۔ اس لئے کہ مدرسہ کی ڈگریاں کالج کی ڈگریوں کے مساوی نہیں ہیں اور اس کا نصاب بھی غیر معیاری ہے۔ اس سرکلر سے ملازمت پیشہ حضرات جو محکمہ تعلیمات میں برسرکار تھے وہ متاثر ہوئے اور ان کی تنخواہیں کم کر دی گئیں۔

اس فیصلہ کے ردعمل میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ کے طلباء نے ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا اور اس فیصلہ کے خلاف ایک سخت تردیدی بیان شائع کیا اور حکومت کے اس فیصلہ کو شرمناک اور قابل مذمت قرار دیا گیا۔ اس احتجاجی اجلاس میں حکومت سے اپنے مطالبات کو منوانے کے لئے مئی ۱۹۷۰ء میں آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین پٹنہ کے نام سے ایک تنظیم قائم ہوئی۔ جناب محمد اظہار عالم صاحب (ریٹائرڈ آئی۔ پی۔ ایس) جو اس زمانے میں ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ میں ریسرچ اسکالر تھے وہ اس کے کنوینر نامزد ہوئے۔ اس تنظیم نے ایک سخت انقلابی

فیصلہ لیا اور پورے بہار کے مدارس ملحقہ میں سہ روزہ کلاس بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ تمام مدارس ملحقہ میں یہ سہ روزہ تعلیمی مقاطعہ بہت ہی کامیاب رہا۔ اس تنظیم کے ذریعہ طلباء نے بہار گیر پیانے پر زبردست تحریک شروع کی اور حکومت بہار کو پہلی بار سترہ نکاتی مطالبات پر مشتمل ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں پہلا مطالبہ یہ تھا کہ ۱۹۲۲ء میں بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ کے طرز پر بہار سنسکرت اکزامینشن بورڈ بھی قائم ہوا تھا۔ جس طرح ۱۹۶۹ء میں حکومت نے سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم اور اس کے فروغ کے لئے دربھنگہ میں کامیشور سنگھ سنسکرت یونیورسٹی قائم کی اسی طرز پر حکومت عربی و فارسی کے فروغ کے لئے ایک عربی و فارسی یونیورسٹی قائم کرے۔ (۲) مدارس ملحقہ کے نصاب کو جدید تر کرے اور ہندی کو لازمی قرار دے۔ (۳) مدارس کی ڈگریوں کو اسکول اور کالج کی ڈگریوں کے مساوی قرار دے۔ (۴) مدارس ملحقہ کے اساتذہ کو اسکول اور کالج کے اساتذہ کے مساوی تنخواہیں دے۔ (۵) مدارس ملحقہ کے طلباء کو بھی وہی مراعات دی جائیں جو اسکول اور کالج کے طلباء کو دی جاتی ہیں۔ (۶) مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے طرز پر ہر ایک کمشنری میں ایک سرکاری مدرسہ قائم کرے۔ وغیرہ

۱۹۷۱ء میں اپنے مطالبات کو تسلیم کرانے کے لئے آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین کے اراکین نے ڈومر لال بیٹھا سابق وزیر تعلیم حکومت بہار کی رہائش گاہ کے سامنے دو روزہ بھوک ہڑتال کیا اور دھرنا دیا۔ اپنے مطالبات کو تسلیم کرانے کے لئے طلباء کی تحریک برابر جاری رہی۔ آخر کار ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا وزیر اعلیٰ حکومت بہار نے ایک نصاب کمیٹی تشکیل دی۔ جناب شاہ نبی وزیر مملکت حکومت بہار اس کے چیرمین مقرر ہوئے اور اراکین میں پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ، صدر شعبۂ عربی پٹنہ یونیورسٹی (پروفیسر امین احمد کاظمی) صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی (پروفیسر محمد صدیق)، پروفیسر سید حسن، سابق چیرمین مدرسہ بورڈ، پروفیسر علی حیدر نیر، مولانا سید شاہ اسماعیل روح، مولانا عابدی صاحب، مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ سیٹی، مولانا بیتاب صدیقی، اور آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین کے جنرل سکریٹری نامزد ہوئے۔ اس وقت مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین کے جنرل سکریٹری جناب ڈاکٹر محمد رضوان الحق ندوی تھے۔

اسٹوڈنٹس یونین کی سرکردگی میں ایک جامع نصاب مرتب ہوا۔ کمیٹی نے اپنی سفارشات کے

ساتھ مجوزہ نصاب حکومت کو پیش کر دی۔ اس نصاب کو مرتب کرنے میں جناب مولانا سید شاہ اسماعیل روحؔ، پروفیسر سید حسن، پروفیسر علی حیدر نیرؔ نے کلیدی رول ادا کیا تھا۔

۱۹۷۶ء میں مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین نے ایک اور انقلابی فیصلہ کیا کہ حکومت پر مزید دباؤ ڈالنے کے لئے بہار اسٹیٹ مدرسہ کنونشن منعقد کیا جائے۔ مدارس ملحقہ کے جمیع اساتذہ اور طلباء کے ساتھ عوام کو بھی اپنے مطالبات سے روشناس کیا جائے۔ اس کنونش کو کامیاب بنانے کے لئے اسٹوڈنٹس یونین کے اراکین پورے بہار کا دورہ کریں۔ راقم الحروف اور عبدالقیوم انصاری (سکریٹری انجمن ترقی اردو بہار) نے سمستی پور، دربھنگہ اور مدھوبنی کے علاوہ شمالی بہار کے تمام اضلاع سہسرام، اورنگ آباد اور گیا کے مدارس ملحقہ کا دورہ کیا اور ہر جگہ طلبا اور اساتذہ کے سامنے اپنے مطالبات کی وضاحت کی اور کنونشن کی اہمیت اور ضرورت پر گفتگو کی۔ تقریباً ایک ماہ کی مدت اس میں صرف ہوئی تھی۔ دورہ کے اختتام پر راقم الحروف نے ایک جامع اور وقیع رپورٹ یونین کے اراکین کے سامنے پیش کی۔ ایک عرصہ تک یہ رپورٹ یونین کے دفتر میں موجود تھی۔ معلوم نہیں اب وہ کس حال میں ہے۔

یکم و دوم مارچ ۱۹۷۷ء کو پہلی بار بہار مدرسہ بورڈ کی تاریخ میں دو روزہ شاندار بہار اسٹیٹ مدرسہ کنونشن زیر صدارت حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ سرزمین پٹنہ میں منعقد ہوا۔ جس میں اساتذہ، طلباء اور عامۃ الناس نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس کا عام اجلاس رام موہن رائے سمنری پٹنہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس وقت کے وزیر اعلیٰ جناب ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا اجلاس میں اپنی سیاسی مصروفیت اور بہار کے ریاستی اسمبلی انتخاب کے پیش نظر راجیو گاندھی کے جلسہ میں تو شریک ہوئے لیکن اس کنونشن میں شرکت سے معذرت کر لی۔ اس کنونشن کا دوسرا اجلاس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے احاطے میں ہونا طے تھا۔ دوسرے دن جناب ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا اس اجلاس میں شریک ہوئے اور اس اجلاس میں یہ اعلان کیا کہ ہم اصولی طور پر عربی و فارسی یونیورسٹی کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے لئے ۵ لاکھ روپے مختص کرنے کا بھی اعلان کیا تھا۔

۱۹۷۷ء کے اس ریاستی انتخاب میں کانگریس کی ہار ہوگئی اور بہار میں پہلی بار جنتا سرکار وجود میں آئی اور جناب کرپوری ٹھاکر وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ محکمہ تعلیم ثانوی کا قلمدان وزارت جناب الحاج

غلام سرور صاحب کے سپرد ہوا۔ جناب غلام سرور صاحب اب تک ایک وکیل کی طرح ہمارے مطالبات کی وکالت کر رہے تھے۔ روزنامہ سنگم میں اداریے لکھے، بیانات شائع کئے اور ہماری تحریک کی ہمیشہ حمایت کرتے رہے تھے۔ ان کی سرکاری رہائش گاہ پر ہم لوگ ایک وفد کی شکل میں ملے اور اپنے مطالبات کے سلسلے میں ایک میمورنڈم پیش کیا اور پرزور انداز میں اپنی باتیں ان کے سامنے رکھیں اور کہا کہ ہمارا کل کا وکیل آج جج کے عہدہ پر فائز ہے ہم ان سے جائز فیصلے کی توقع کرتے ہیں، مرحوم نے ہم لوگوں کو یقین دلایا اور بہت جلد مثبت فیصلے کی امید دلائی۔

۱۹۷۸ء میں ہی جناب ڈاکٹر رضوان الحق ندوی صاحب ڈی۔اے۔وی کالج سیوان لکچرار ہوکر چلے گئے تو ان کی جگہ پر راقم الحروف جنرل سکریٹری نامزد ہوئے۔اس وقت مدرسہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری پروفیسر واعظ الحق مرحوم تھے۔ مدرسہ اولڈ بوائز اور مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین مشترکہ طور پر اس تحریک میں بڑے سرگرم تھے اور وزیر موصوف سے برابر رابطے میں رہے۔

ایک دن وزیر باتدبیر الحاج غلام سرور صاحب نے مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین اور مدرسہ اولڈ بوائز ایسوسیشن کے اراکین کو گفتگو کے لئے اپنی سرکاری رہائش گاہ پر دعوت دی۔ راقم الحروف اور پروفیسر واعظ الحق صاحب کے علاوہ دوسرے اراکین بھی اس وفد میں شریک تھے۔ دوران گفتگو یہ مژدہ سنایا کہ میں نے آپ لوگوں کے مجوزہ نصاب کو بلا ترمیم و تنسیخ منظوری دیدی ہے بہت جلد اس کا نوٹیفکیشن ہو جائے گا۔ مدرسہ بورڈ کی تشکیل جدید ہوگی۔ میں نے ان سے اراکین کی فہرست طلب کی تو انہوں نے دکھلایا۔ بعض نام پر ہم لوگوں کو اعتراض تھا۔ انہوں نے ان کی اصلاح کی اور حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل روحؒ کے نام کو شامل کرایا۔ میں اپنے نام پر معترض تھا کہ میری جگہ پر دوسرے کا نام شامل کیجئے وہ مصر تھے کہ نہیں یہ نام تو کسی حال میں نہیں ہٹے گا۔ پروفیسر واعظ الحق نے بھی اس کی تائید کردی۔ میں خاموش ہوگیا۔ انہوں نے مجھ سے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ میں تو پٹنہ ہی میں رہتا ہوں گھر کے پتہ کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم بیوقوف ہو۔ مٹنگ میں شرکت کے لئے تم کو بھاگلپور سے ٹی۔ اے مل جائے گا۔ (حقیقت حال یہ ہے کہ میں نے بورڈ کی مٹنگ میں شرکت کے لئے کبھی کوئی رقم نہیں لی۔ جبکہ کئی سب کمیٹیوں میں بھی ممبر تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے بورڈ کو آمدنی کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا۔ ہماری اس حرکت سے ہمارے بعض احباب بددل بھی تھے۔)

ایک ہفتہ کے اندر مجوزہ نصاب اور بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ کی تشکیل جدید بہار گزٹ میں نوٹیفکیشن ہوگیا۔ اس نوٹی فیکشن میں بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ کی جگہ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کردیا گیا۔ گزٹ نوٹی فیکشن کا عکس ملاحظہ ہو:

[illegible]

बिहार गजट

असाधारण अंक

बिहार सरकार द्वारा प्रकाशित

---

26 फाल्गुन 1900 (श०)

(सं० पटना 273) पटना, शनिवार, 17 मार्च 1979

शिक्षा विभाग

अधिसूचना

12 मार्च 1979

सं० पा०/प22-01/77-शि०—309—बिहार मदरसा शिक्षा बोर्ड अध्यादेश, 1979 की धारा 8 के अधीन
प्रदत्त शक्तियों का प्रयोग करते हुये राज्य सरकार ने दिनांक 9 मार्च 1979 से बिहार मदरसा शिक्षा बोर्ड
की स्थापना की है। पुनः अध्यादेश की धारा [illegible] के अधीन प्रदत्त शक्तियों का प्रयोग करते हुये निम्नलिखित
व्यक्तियों को अधिसूचना की तिथि से सदस्य मनोनीत किया है :—

(1) श्री हजरत मौलाना सैयद शाह मोहम्मद [illegible], मारफत डा० अबु [illegible], [illegible]—अध्यक्ष।
[illegible] दिनांक 12 मार्च 1979 के अधीन नियुक्त)।
(अध्यादेश की धारा-9 के अधीन [illegible]

(2) निदेशक (माध्यमिक शिक्षा), बिहार, पटना—पदेन सदस्य।

(3) निदेशक, अरबी एवं फारसी [illegible] अध्ययन एवं शोध संस्थान, पटना—पदेन सदस्य।

(4) प्रधानाचार्य, मदरसा इस्लामिया [illegible], पटना—पदेन सदस्य।

बिहार गजट (असाधारण), 13 मार्च 1978

सदस्यगण ।

(5) प्रो० डा० मोहम्मद सिद्दीकी, विभागाध्यक्ष, फारसी विभाग, पटना विश्वविद्यालय, पटना ।
(6) प्रो० डा० शमीम अहमद, विभागाध्यक्ष, उर्दू विभाग, बिहार विश्वविद्यालय, मुजफ्फरपुर ।
(7) मौलवी सैयद मो० आबदी, मदरसा सुलेमानिया गुजरी, पटना सिटी ।
(8) मौलाना शफीक आलम, सदर मुदर्रिस मदरसा अनवारूल उलूम, इस्लामपुर, पो० खेमचन्द (पूर्णियां) ।
(9) मौलाना ऐनुलहक सलफी, मुदर्रिस, मदरसा अहमदिया सलफिया, सदर लहेरियासराय (दरभंगा) ।
(10) मास्टर मस्त अली, सहायक शिक्षक, मदरसा एशाएतुल उलूम जोगिया, पो० देवराज (प० चम्पारण) ।
(11) मो० अलीमुद्दीन, मदरसा गौसिया, नटवापारा, पो० कन्हैयाबाड़ी भाया किशनगंज (पूर्णियां) ।
(12) मो० सुलेमान ऐडवोकेट, एम० एल० ए०, मो० कुसियायारी, पो० पोटिया आर० एस० (पूर्णियां) ।
(13) हजरत मौलाना सैयद शाह मोहम्मद इस्माइल रूबी, सुल्तानगंज, पटना ।
(14) मो० अशंद जमील, [illegible] कुरुडीह, पो० बदलूचक भाया जगदीशपुर (भागलपुर) ।
(15) मो० वाएजुल हक, मो० कुशहर भाया शिवहर (सीतामढ़ी) ।

[illegible] सदस्यों को छोड़कर अन्य सदस्यों की कार्यावधि अध्यादेश की धारा (6) के अनुसार होगी ।

बिहार-राज्यपाल के आदेश से,
राम नारायण सिंह,
सरकार के विशेष सचिव ।

اس سرکاری اعلامیہ کے بعد ہم لوگ وزیر تعلیم سے دوبارہ ملے اور سخت احتجاج کیا کہ ۱۹۲۲ء سے مدرسہ اسلامیہ کی تعلیم کی نگرانی کے لئے ڈائرکٹوریٹ فار اسلامک اسٹڈیز قائم تھا، آپ نے یک لخت اس کو ختم کر دیا۔ اس پر غلام سرور صاحب نے کہا کہ حکومت ایک ڈائرکٹوریٹ فار اسلامک اسٹڈیز قائم کرنے کا بھی ارادہ رکھتی ہے۔ اس کے بعد عربی یونیورسٹی کے قیام کے لئے کوشش کی جائے گی۔

اس کے بعد جنتا سرکار میں آپسی اختلاف پیدا ہوگیا اور یہ دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک کی نیابت کرپوری ٹھاکر کر رہے تھے اور دوسرے کی رام سندر داس۔ کرپوری گروپ اقلیت میں آگئی۔ رام سندر داس کی منسٹری بنی۔ اس وزارت میں جناب محمد سعید وزیر اوقاف اور وزیر ٹرانسپورٹ بنائے گئے۔ مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین نے ان کو مدرسہ شمس الہدیٰ میں ایک شاندار استقبالیہ دیا اور ان کی خدمت میں ایک سپاسنامہ بھی پیش کیا گیا۔ لیکن آپ بہت معاون ثابت نہیں ہوئے۔

غالباً ۱۹۸۱ء کے عام ریاستی انتخاب میں کانگریس دوبارہ اقتدار میں آگئی اور ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا بہار کے دوبارہ وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ہم لوگ پھر ان کے رابطہ میں آگئے۔ اور اس کثرت سے ان سے

اپنے مسائل پر ملاقاتیں کیں کہ ان دنوں وہ ہم لوگوں سے نہ صرف متعارف تھے بلکہ نام سے بھی واقف تھے۔اس تقرب میں جناب شمائل نبی صاحب نے اہم کردار ادا کیا تھا۔وہ ڈاکٹر صاحب سے ہم لوگوں کی ترجمانی کرتے رہتے تھے۔بعد میں تو ڈاکٹر صاحب کہنے لگے تھے کہ آپ لوگ نبی جی مل کر باتیں کر لیجئے۔ہم لوگوں کا مطالبہ تھا کہ آپ ۱۹۷۶ء میں عربی وفارسی یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کر چکے ہیں۔اس لئے بلا تاخیر عربی و فارسی یونیورسٹی قائم کی جائے۔آخر کار انہوں نے ۱۹۸۲ء کے کابینہ میں مولانا مظہر الحق عربی وفارسی یونیورسٹی کے قیام کا فیصلہ لیا اور بہار اسٹیٹ یونیورسٹیز ایکٹ ۱۹۷۶ء کے دفعہ ۳ میں ترمیم کرتے ہوئے بہار میں (اس وقت جھارکھنڈ وجود میں نہیں آیا تھا) مزید پانچ یونیورسٹیوں کے قیام کا فیصلہ کیا جس میں آخری نام مولانا مظہر الحق عربی وفارسی یونیورسٹی کا تھا۔

نوٹیفیکیشن کا عکس

[1]3. [2]Establishment and Incorporation of Universities.—(1) राज्य में निम्नलिखित विश्वविद्यालय स्थापित किए जायेंगे :—

(क) बिहार विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय मुजफ्फरपुर में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण तिरहुत प्रमण्डल पर होगी;

(ख) भागलपुर विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय भागलपुर में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण भागलपुर प्रमण्डल पर होगी;

(ग) राँची विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय राँची में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण दक्षिण छोटानागपुर प्रमण्डल पर होगी;

(घ) मगध-विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय बोधगया (गया) में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण मगध प्रमण्डल और पटना प्रमण्डल के पटना और नालन्दा जिलों पर होगी;

(ङ) ललित नारायण मिथिला विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय दरभंगा में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण दरभंगा प्रमण्डल पर होगी;

(च) कामेश्वर सिंह दरभंगा संस्कृत विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय दरभंगा में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण बिहार राज्य पर होगी;

(छ) जय प्रकाश विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय छपरा में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण सारण प्रमण्डल पर होगी;

1. Subs. by Act 3 of 1[illegible].
2. Ins. by Act [illegible] of 1982.

(ज) संथाल परगना विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय दुमका में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण दुमका प्रमंडल पर होगी;

(झ) विनोबा भावे विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय हजारीबाग में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण उत्तर छोटानागपुर प्रमंडल पर होगी;

(ञ) वीर कुंवर सिंह विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय आरा में होगा और जिसकी अधिकारिता पटना प्रमण्डल के भोजपुर और रोहतास जिलों पर होगी; और

(ट) भारती-मंडन विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय सहरसा में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण [illegible] प्रमंडल पर होगी :

परन्तु राज्य सरकार [illegible] में अधिसूचना द्वारा [illegible] की [illegible] अधिकारिता में परिवर्तन कर सकेगी।

(ठ) मौलाना मजहरुल हक अरबी एवं फारसी विश्वविद्यालय जिसका मुख्यालय पटने में होगा और जिसकी अधिकारिता सम्पूर्ण बिहार राज्य पर होगी :

परन्तु राज्य सरकार सरकारी गजट में इस विश्वविद्यालय में कृत्य, विषय वस्तु का विवरण एवं अन्य कार्यों को निर्धारित कर सकेगी।]

---

(2) The first Chancellor or the first Vice-Chancellor, first member of the Senate, the Syndicate and the Academic Council and all persons who may hereafter become such officers or members and so long as they continue to hold such office or membership shall together constitute a body corporate by the name of the University specified in sub-section (1).

(3) The University shall have perpetual succession and a common seal and shall sue and be sued by the said name.

(4) No educational institution beyond the territorial jurisdiction of the University, shall, except by an order of the State Government published in the official gazette, form a part of or be admitted to the privileges of the University. And no such institution within the said territorial jurisdiction shall similarly form part of or be recognised by or seek admission to any privileges of any other University incorporated by law in India, and any such recognition granted by any such other University to any such institution within the said territorial jurisdiction prior to the commencement of this Act shall be deemed to have been withdrawn on the commencement of this Act.

4. Purpose and powers of the University.—There shall be the following purposes and powers of the University :—

(1) (a) to provide for imparting instruction in such branches of learning as the University may think fit including professional studies and technology ; and

(b) to provide for research and for the advancement and dissemination of knowledge.

(2) to conduct examinations and to grant and confer degrees, diploma certificate and other academic distinctions to and upon persons who—

(a) have pursued an approved course of study in the University and passed the examination of the University, under the conditions laid down in the statutes, the Ordinances or the Regulation;

دیگر چار یونیورسٹیاں تو قائم ہوگئیں لیکن عربی و فارسی یونیورسٹی معرض وجود میں نہیں آسکی۔ ارباب سیاست اپنے ادھیڑ بن میں لگ گئے۔ اور اس یونیورسٹی کا قیام معرض التواء میں پڑ گیا۔ مگر طلباء کی تحریک برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ کانگریس کی حکومت پھر ختم ہوگئی اور بہار میں غیر کانگریسی حکومت قائم ہوئی۔ آر۔ جے۔ ڈی برسر اقتدار آئی اور جناب لالو پرساد کی سرکار بنی۔ اعیان بست و کشا اندیشہ ہائے دور دراز کے شکار ہو گئے۔ لیکن طلباء کی تحریک ہو یا اولڈ بوائز کی حکمت عملی اور جدوجہد کبھی ماند نہیں پڑی۔

ہمارے بیشتر احباب جو اس تحریک میں اہم کردار ادا کر رہے تھے اب وہ اپنی اپنی ملازمت میں آگئے جیسے محمد اظہار عالم (آئی۔ پی۔ ایس)، ڈاکٹر رضوان الحق ندوی، مارواڑی کالج کشن گنج، پروفیسر واعظ الحق ایم ایس کالج موتیہاری، ڈاکٹر محمد بدیع الزماں آر۔ کے کالج مدھوبنی، ڈاکٹر انیس صدری سمستی پور کالج سمستی پور، ڈاکٹر عبداللطیف حیدری ڈی۔ ایس کالج کٹیہار، ڈاکٹر محمد غفار صدیقی، پٹنہ یونیورسٹی، جناب شاہنواز احمد خاں، ڈپٹی لیبر کمشنر ہزاری باغ، جناب مختار احمد مونگیری ڈپٹی لیبر کمشنر گیا، جناب احمد حسین، انکم ٹیکس کمشنر، ممبئی، جناب محمد نظام، فائنس آفیسر بھاگلپور، راقم الحروف، ڈاکٹر محمد ارشد جمیل شعبۂ اردو متھلا یونیورسٹی دربھنگہ، جناب عبدالقیوم انصاری، سادھو لال پرتھوی چند ہائی اسکول کریم چک چھپرہ، (موجودہ سکریٹری انجمن ترقی اردو، بہار)، جناب محمد خالد پٹنہ کالجیٹ اسکول پٹنہ، پروفیسر قاضی عبدالوارث ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ، ڈاکٹر عبدالواحد انصاری موجودہ نائب سکریٹری اردو اکادمی پٹنہ وغیرہ اہم ہیں۔ لیکن یہ حضرات اس تحریک سے کبھی غافل نہیں رہے۔ ۲۸ اور ۲۹ مارچ ۱۹۸۴ء کو مدرسہ اولڈ بوائز ایسوئیشن بہار کے زیر اہتمام مدارس ملحقہ کی تاریخ میں دوسرا بڑا کنونشن سری کرشن میموریل ہال پٹنہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م۔ ۱۹۹۹ء) نے کی اور افتتاح حضرت مولانا اسعد مدنیؒ (م۔ ۲۰۰۶ء) نے کیا۔ راشٹریہ جنتا دل کی حکومت میں الحاج جناب غلام سرور صاحب مرحوم اسپیکر مقرر ہوئے۔ ہر ماہ ایم۔ ایل اے فلیٹ میں ہم لوگ جمع ہوتے اور حکمت عملی طے کرتے۔ جناب غلام سرور صاحب نے ہم لوگوں کے قیام کے لئے ایم۔ ال۔ اے کلب پٹنہ میں یہ سہولت فراہم کی تھی اور ان کی سرکاری رہائش گاہ پر نشست ہوتی تھی۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں عبدالقیوم انصاری چھپرہ سے منتقل ہو کر پٹنہ آگئے۔ شاہ نواز احمد خاں

کے بعد وہ اس تحریک کے ایک بڑے پرجوش، فعال اور سرگرم قائد رہے ہیں۔ انہوں نے مدرسہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے فرنٹ سے یونیورسٹی کے قیام کی تحریک کی قیادت پورے عزم اور قوت کے ساتھ سنبھالی اور ۱۹۸۲ء کے کابینہ کے فیصلے کو بنیاد بنا کر ایک آئینی جنگ چھیڑ دی۔ آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین اور مدرسہ اولڈ بوائز کے سینئر اراکین ان کے پس پشت تھے۔ یہاں تک کہ حکومت نے ریاستی گزٹ نوٹیفکیشن نمبر LGI-039/91-LEGE -77 مورخہ ۱۹۹۲/۳/۵ء کے ذریعہ مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی کے قیام کا اعلان ہوا لیکن یہ اعلان بھی کافی نہیں تھا۔ اس کی حیثیت محض ایک اعلامیہ کی تھی۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تحریک اور تیز کردی گئی۔ ۱۹۹۸ء میں منسٹری آف ہیومن ریسورس ڈیپارٹمنٹ نے باضابطہ یونیورسٹی کے قیام کی مکمل منظوری کے لئے محکمہ جاتی نوٹیفکیشن جاری کیا۔ پروفیسر مختارالدین احمد آرزو فاضل شمسی و سابق صدر شعبۂ دینیات علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے وائس چانسلر کی حیثیت سے اس عہدہ کو جوائن کیا تو بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ سب ہوائی قلعے ہیں۔ یہ یونیورسٹی ابھی بھی کاغذ پر تھی۔ اس کا اپنا کوئی انفرااسٹرکچر نہیں تھا۔ یہ دنیا کی واحد یونیورسٹی تھی جہاں نہ اساتذہ، نہ طلبا اور نہ ہی تعلیمی نظام مگر وائس چانسلر اور رجسٹرار بحال تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر بہت جلد وائس چانسلر علیگڑھ واپس ہو گئے۔ پھر ایک بار تعطل پیدا ہو گیا۔ ۱۵/جون ۲۰۰۴ء کو پروفیسر شرف عالم صاحب سابق صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی اس کے دوسرے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ انہوں نے جوں توں اپنی مدت پوری کی۔

اسی دوران یونیورسٹی گرانٹ کمیشن (UGC) نے اپنے مراسلہ نمبر F-2 9-13 Reg UGC CPP-a Dated 20 September 2004 کے ذریعہ اس یونیورسٹی کو رجسٹرڈ کیا۔

۱۵/جون ۲۰۰۷ء کو جب دوسرے وائس چانسلر کی سہ سالہ مدت کارکردگی ختم ہو گئی تو ۲۰۰۷ء میں پروفیسر قمراحسن جو بی۔ ان منڈل یونیورسٹی مدھے پورہ میں وائس چانسلر تھے وہ مولانا مظہرالحق یونیورسٹی کے تیسرے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔

گورنر و چانسلر یونیورسٹیز آف بہار کو میمورنڈم دیا گیا کہ مولانا مظہرالحق یونیورسٹی میں تعلیمی نظام قائم کیا جائے تا کہ یونیورسٹی کے قیام کا جواز پیدا ہو۔ تو چانسلر آفس نے اپنے مکتوب نمبر-MMHU

15/2005-1482/GST- Dated 28.4.2008 کے ذریعہ مولانا مظہرالحق عربی وفارسی یونیورسٹی میں درج ذیل مضامین میں پیشہ ورانہ تعلیم شروع کرنے کا حکم نامہ جاری کیا۔

مضامین کے نام:

(۱) ڈپلوما ان فنکشنل عربک

(۲) ڈپلوما ان فنکشنل پرشین

(۳) ڈپلوما ان منسکر پٹولوجی (مخطوطات کا شعبہ)

(۴) ڈپلوما ان اورینٹل لائبریری شپ (علوم مشرقیہ کی لائبریری میں ڈپلوما)

(۵) ڈپلوما ان بیچلر آف کمپیوٹر سائنس (B.C.A.)

(۶) ڈپلوما ان لائبریری سائنس (B.Lib.Sc.)

(۷) بیچلر آف بزنس مینجمنٹ (B.B.A.)

(۸) بیچلر آف جرنلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن (B.J.M.)

(۹) ڈپلومہ ان اکسیشن آف پنچایتی راج انسٹی ٹیوشن

بلاشبہ پیشہ ورانہ تعلیم کے لئے یہ جدید علوم بے حد اہم ہیں۔ لیکن جن مقاصد کے حصول کے لئے عربی وفارسی یونیورسٹی کے قیام کے لئے تحریک شروع ہوئی تھی وہ ابھی منزل سے دور تھی۔ حالانکہ یونیورسٹی کی دو اہم اسٹیچوٹری بوڈی سینٹ اور سنڈیکیٹ کی تشکیل ہو چکی تھی۔

جناب عبدالقیوم انصاری نے ۲۰۰۰ء میں جس طرح پٹنہ ہائی کورٹ میں قانونی چارہ جوئی کے لئے مقدمہ دائر کیا تھا اسی طرح دستوری حقوق کی بازیابی کے لئے ذرا پینترہ بدل کر انجمن ترقی اردو بہار کے ذریعہ جس کے وہ خود سکریٹری ہیں، جسٹس سہیل صدیقی چیرمین نیشنل کمیشن فار مائنوریٹیز اینڈ ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنل کمیشن کی عدالت میں اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے مقدمہ دائر کیا۔ کمیشن نے سنوائی کرتے ہوئے مدرسہ کی تعلیم کو مولانا مظہرالحق یونیورسٹی سے منسلک کرنے کا حکم ۲۰۰۹ء میں جاری کیا اور حکومت کو ہدایت دی کی بلاتاخیر اس پر عمل کیا جائے۔ اس طرح ۲۰۰۹ء میں عالم اور فاضل کا پہلا

یونیورسٹی امتحان منعقد ہوا۔ اس یونیورسٹی سے مدارس عالیہ کے الحاق کا عمل اب بھی باقی ہے۔ بہار میں حکومتیں آتی اور جاتی رہیں۔ لیکن ہماری تحریک جاری رہی۔ آج بھی جاری ہے اور انشاء اللہ اس سمت میں آگے بھی جاری رہے گی۔

ایک تلخ حقیقت

۱۹۷۰ء میں آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین اور مدرسہ اولڈ بوائز کی یہ تعلیمی تحریک اس لئے بھی شروع کی گئی تھی کہ مدارس ملحقہ کا تعلیمی معیار بلند ہو۔ یہاں کے فارغین یونیورسٹی کے فارغین سے مسابقت میں کسی طرح پیچھے نہ رہ سکیں۔ زندگی کے دوڑ میں ان کے شانہ بہ شانہ رہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ۱۹۷۶ء میں بہار اسٹیٹ مدرسہ کنونشن کے انعقاد کے موقع پر اپنے دورے کے دوران راقم الحروف اور عبدالقیوم انصاری مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ چمپارن پہنچے۔ پرنسپل چیمبر میں غالباً جناب مولانا عبدالقدس صاحب سے محو گفتگو تھے کہ ایک بزرگ اور ضعیف العمر شخص وارد ہوئے۔ ان کا نام اب یاد نہیں ہے۔ ہماری گفتگو سن کر وہ برافروختہ ہو گئے اور غصہ کی حالت میں کرسی سے کھڑے ہو گئے اور اپنی چھڑی نچاتے ہوئے پُردرد آواز میں گویا ہوئے۔ ''آپ نوجوان مدارس کو بے روح کر دیں گے۔ ہمارے اسلاف نے اس کو اس لئے قائم نہیں کیا تھا کہ سرکار ہماری ڈگریوں کو منظور کرے اور ہمارے اساتذہ کو تنخواہیں دے۔ میں زندہ رہوں نہ رہوں اور آپ کے مطالبات بھی منظور ہو جائیں۔ مگر میری یہ بات یاد رکھنا اس وقت تک مدرسہ بے روح ہو چکا ہوگا''۔ یہ آواز اب بھی میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس تحریک کے آغاز میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا۔ کیا آج وہ صورت حال ہمارے سامنے نہیں ہے؟

آج مدارس ملحقہ کا تعلیمی نظام بکھر گیا ہے۔ ہمارے قدیم مدارس ملحقہ جہاں کبھی عالم اور فاضل تک تعلیم ہوتی تھی، یہاں جید اور باصلاحیت اساتذہ موجود تھے۔ آج وہی مدرسے اپنی ویرانی پر ماتم کناں ہیں۔ ہمارے امتحانات کے طریقے انتہائی مایوس کن ہیں۔ اساتذہ کرام اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو رہے ہیں۔ تعلیم تجارت بن کر رہ گئی ہے۔ ہمارے بچے جو ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں ان کی حیثیت محض کھوٹے سکے کی ہے۔ ہمارے اساتذہ عظام، مدارس ملحقہ کے ارباب بست وکشاد،

طلباء عزیز اور گارجین حضرات سوچیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہمارا مستقبل کیا ہے؟

جب ۱۹۷۰ء میں آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین نے مدارس ملحقہ سے سہ روز کلاس بائی کاٹ کی اپیل کی تھی تو علامہ اقبال کا یہ شعر ہمارا نعرہ تھا۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

ہم آپ کو چالیس سال پیچھے لے چل رہے ہیں اور وہی نعرہ ایک بار پھر آپ کے گوش گذار ہے:

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اور یاد دلا رہے ہیں کہ ہمارے عزائم کیا تھے، ہمارے ارادے کیا تھے اور ہم کس عظیم مقصد کی طرف رواں دواں تھے؟ ہمارے سامنے کبھی محدود دنیا نہیں رہی۔ ہم تو اس فضائے بسیط میں سانس لینے والے ہیں جو ناپیدا کنار ہے۔

اے میرے عزیز طلباء! اپنے ماضی کو پلٹ کر ایک نظر دیکھو، کتنا شاندار اور تابناک ہے۔ آج بھی یہ تحریک، تمہاری ہے اور مستقبل تمہارا ہے۔ تم کیوں تہی دست ہو گئے؟ اٹھو! دعوت فکر و عمل دو اور پورے نظام کو بدل دو۔

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر — چمن اور بھی، آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا — تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

ایک نئے عزم اور پختہ ارادے کے ساتھ آگے بڑھو۔ اگر چوک گئے تو نشانہ بن جاؤ گے اور زمانہ تمہیں طعنہ دے گا۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے چند نامور اساتذہ:

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے نامور اساتذہ میں حضرت مولانا محمد سہول عثمانی، مولانا معین الدین ندوی، مولانا اصغر حسین، مولانا دیانت حسین، مولانا ظفر الدین قادری اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب وغیرہ کا تذکرہ ''نورہدیٰ'' میں آچکا ہے۔ اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ذیل میں چند ایسے مشہور اساتذہ کا تذکرہ درج ہے جن سے راقم الحروف کو شرف ملاقات حاصل ہے اور انہیں قریب سے دیکھا ہے۔

مولانا ریاست علی ندویؒ:

مولانا سید ریاست علی ندویؒ محلہ آبگیلا گیا میں ۸/اپریل ۱۹۰۴ء مطابق ۲۰ صفر ۱۳۲۲ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ سن شعور کو پہنچے تو صاحب گنج ہائی اسکول گیا میں داخل کئے گئے۔ والدہ کا انتقال ہو گیا جس سے تعلیمی سلسلہ بھی درہم برہم ہو گیا۔ کچھ دنوں تک پٹنہ کے اسکول میں زیر تعلیم رہے۔ لیکن وہاں بھی زیادہ دن نہ رہ سکے اور انہیں اگست ۱۹۱۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ بھیج دیا گیا۔ اتفاق سے اس زمانے میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی بھی ندوہ میں مقیم تھے مولانا ریاست علی ندوی کو ان کی سرپرستی حاصل تھی۔ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔ خاندان کے بزرگوں تک خبر پہنچی تو انہوں نے انہیں وطن طلب کیا اور ان کی شادی کردی۔ شادی کے بہانے گھر والوں نے انہیں مکان پر روک لیا۔ ادھر سیاسی سرگرمیاں بھی رفتہ رفتہ سرد پڑ گئیں۔ اس کے بعد یہ دوبارہ ندوہ پہنچے اور ۱۹۲۴ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے انہیں اگست ۱۹۲۴ء میں اپنے ساتھ دارالمصنفین لے گئے۔ دارالمصنفین میں ان کا قیام تیرہ برس تک رہا۔ اگست ۱۹۲۴ء تا جون ۱۹۳۴ء اس زمانے میں وہ دوسری تصنیفی کاموں کے علاوہ ''معارف'' کی ترتیب و تدوین میں بھی مدد دیتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں وہ اپنے وطن گیا آئے اور ماہنامہ ''ندیم'' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ جنوری ۱۹۴۲ء میں وہ دوبارہ دارالمصنفین بطور رفیق کار چلے گئے اور ۱۹۴۹ء تک وہاں رہے۔ نومبر ۱۹۴۹ء میں وہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل ہوئے مارچ ۱۹۵۹ء تک اس عہدہ پر متمکن رہے۔ مارچ ۱۹۵۹ء سے وہ ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ میں

پروفیسر رہے۔ سات برس تک اسی عہدہ پر فائز رہے۔ اس کے بعد ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ یو۔ جی۔ سی۔ کی طرف سے مگدھ یونیورسٹی گیا میں عربی اور اسلامیات کے پروفیسر رہے۔

۱۴ر نومبر ۱۹۷۶ء کو انتقال ہوا۔ تاریخ صقلیہ، تاریخ اندلس، عہد رسالت وخلفائے راشدین کے علاوہ ان کی مطبوعہ کتابیں یہ ہیں۔ عہد اسلامی کا ہندوستان، اسلامی نظام تعلیم، ائمہ اسلام اور سرگذشت ادب ترکی اور پندرہ سولہ کتابیں منتظر طباعت ہیں۔ (ماخوذ: رفیق علماء بہار نمبر)

مولانا ریاست علی ندوی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے ایک مشہور پرنسپل ہوئے۔ ان کا عہد انتظام وانصرام اور تعلیم کے اعتبار سے ممتاز تھا۔ عملی سیاست سے ان کو دلچسپی تو نہیں تھی لیکن سیاسی حلقے میں باثر تھے۔ بڑے طنطنے اور طمطراق سے پرنسپلی کی۔ ان کے عہد کی بہت سی باتیں داستان کی شکل میں دہرائی جاتی ہیں۔ اس کروفر کے کوئی دوسرے پرنسپل نہیں ہوئے۔ آج بھی ان کی یادیں اور باتیں بہتوں کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ وہ اپنی سخت گیری کی وجہ سے اسٹیٹ علی بھی کہلاتے تھے۔ ان کا مقولہ تھا کہ ''ریاست علی جو بولتا ہے وہ قانون بولتا ہے۔'' اساتذہ اور طلبا سبھوں پر ان کا رعب غالب تھا۔

مولانا شاہ عزالدین پھلواریؒ

مولانا شاہ عزالدین ندوی بہار کے ایک بلند پایہ عالم دین تھے۔ آپ کا تعلق مشہور دینی اور علمی خانوادہ مجیبی سے تھا۔ آپ مولانا شاہ سلیمان کے نواسے اور مولانا شاہ معین الدین کے صاحبزادے اور مولانا شاہ محی الدین کے داماد تھے۔ آپ نے زندگی بھر علم دین کی خدمت انجام دی۔ ندوۃ العلماء اور دیگر درس گاہوں کے علاوہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے صدر جمہوریہ نے اعزاز بخشا۔

مولانا کے والد مولانا سید شاہ معین الدین پھلواروی کا عین جوانی میں انتقال ہوگیا۔ جبکہ مولانا کی عمر صرف ۳ رسال کی تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پھلواری میں اپنے خاندان کے بزرگوں سے خاص کر حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری سے حاصل کی تعلیم کے سلسلے میں کچھ دنوں کے بعد مدرسہ حمیدیہ

دربھنگہ میں بھی قیام رہااس کے بعد ندوۃ العلما لکھنؤ جا کر تکمیل کی اور ندوہ کے ممتاز فارغین میں شمار کیے گئے۔لکھنؤ میں کئی سال مدرس رہے اور مسجد لاہور اور کانپور کے مچھلی بازار کی مسجد میں عرصہ تک امام و خطیب رہے۔اس کے بعد استاد ادب وتفسیر کی حیثیت سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں آئے۔۱۳۶۴ھ میں مدرسہ اسلامیہ رانچی میں پرنسپل رہے۔تقریباً سترہ سال تک مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے شعبہ سنیئر میں مدرس رہے۔مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے علاوہ ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے۔مدرسہ شمس الہدیٰ ادارہ تحقیقات عربی و فارسی کے سیکڑوں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔حدیث وتفسیر اور عربی ادب میں آپ گہری نظر رکھتے تھے۔ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ہی ساتھ آپ بے مثال خطیب بھی تھے۔سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں میں شرکت کے لئے دور دور سے آپ کے نام دعوت نامے آتے تھے۔

۱۹۷۷ء کے شروع میں علوم اسلامیہ اور عربی زبان وادب کی علمی قابلیت وصلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے مولانا کو ایوارڈ سے نوازا تھا۔

مولانا کے عقیدت مندوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔خاص طور پر بہار میں ان کے عقیدت مند زیادہ تھے۔وفات سے کچھ سال پہلے ہی سے انہوں نے سفر ترک کردئے تھے۔لیکن پورنیہ کے لوگ ان کے بیحد معتقد تھے ان کی آرزو تھی کہ وہ اپنی تشریف آوری سے انہیں عزت بخشیں اور اپنے مواعظ سے مستفیض فرمائیں۔معتقدین کے بیحد اصرار پر وہ پورنیہ تشریف لے گئے۔ایک آدھ دن طبیعت ٹھیک رہی ،ایک دن اچانک سینہ میں تکلیف شروع ہوئی،پہلے مقامی ڈاکٹر سے دکھایا گیا پھر شہر سے ڈاکٹر بلائے گئے مگر ساری تگ ودو بیکار ثابت ہوئی۔وطن اور عزیزوں سے دور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

۵رمئی ۱۹۷۷ء کو پورنیہ میں ان کا انتقال ہوا۔مولانا مرحوم کی لاش پورنیہ سے بذریعہ ٹیکسی پھلواری شریف لائی گئی اور آپ کی نماز جنازہ مولانا سید شاہ امان اللہ قادری مدظلہ زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف نے پڑھائی۔باغ مجیبی میں دفن کئے گئے۔آپ کی نماز جنازہ میں متوسلین ومعتقدین کے علاوہ کثیر تعداد میں عام مسلمان شریک ہوئے۔

مولانا نے تدریسی خدمت اور خطابت کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینے کے علاوہ

گرانقدر تصانیف بھی یادگار چھوڑیں۔ ان کی تصانیف میں ''علوم الحدیث''، ''کشف الظلام''، ''حیات امام احمد بن حنبلؒ، اور ''سیدات اسلام'' قابل ذکر ہیں۔ مولانا عبدالسلام قدوائی کے بقول:

''انہیں طالب علمی کے زمانے سے عربی ادب کا خاص ذوق تھا اور بے تکلفی سے عربی بولتے اور لکھتے تھے۔ ان کے عربی مضامین شائع بھی ہوتے تھے۔ یاد آتا ہے کہ ۲۶۔ ۱۹۲۵ء میں ان کا ایک تحقیقی مضمون مصر کے مشہور رسالہ ''الزہرا'' میں شائع ہوا تھا۔ ندوہ میں عربی ادب کی اہم کتابیں پڑھاتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ دینی علوم سے بھی تعلق تھا اور حدیث و تفسیر کے کچھ اسباق بھی پڑھاتے تھے۔ اسی ذوق نے ان سے حدیث کی تاریخ اور حیات امام احمد بن حنبلؒ لکھوائی کچھ اور کتابیں بھی انہوں نے لکھیں جن میں سے بعض چھپ گئی ہیں اور بعض کے مسودے ان کے یہاں موجود ہوں گے۔ (معارف جون ۱۹۷۰ء)

مولانا کی کتاب ''علوم الحدیث''، اصول حدیث کے فن پر اردو میں ایک گرانقدر علمی سرمایہ ہے۔

مولانا نے بیعت طریقت اپنے نانا حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تھا اور ان کی طرف سے سلاسل طریقت کے مجاز تھے۔ حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اذکار واشغال کی تعلیم لی تھی اور ان کی طرف سے بھی مجاز طریقت تھے۔

تصوف میں ان کی علمی نظر بھی بہت گہری تھی وہ اس کی تاریخ ''اکابر صوفیہ کے حالات'' اصحاب سلاسل کے واقعات اور ان کے معمولات ومختارات سے بخوبی آگاہ تھے۔ یوں تو سب ہی سلسلوں سے ان کا تعلق تھا مگر نسبت قادریہ کا غلبہ تھا۔ وجد وحال کی کیفیت کے باوجود صوم وصلوٰۃ کے بے حد پابند تھے مولانا نے دوبار حج وزیارت حرمین کا شرف حاصل کیا تھا۔

اولاد معنوی کے علاوہ اولاد صلبی میں مولانا نے دو صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔

(بحوالہ: رفیق۔ علماء بہار نمبر)

مولانا سید شاہ ابوالقاسم اختر شمسی:

آپ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں مقام سر بہدی، بہار شریف، ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید شاہ ابوالفضل بہاری اور دادا کا نام سید شاہ محمد رضا تھا۔ نانا نے آپ کا تاریخی نام اختر احسن رکھا اسی رعایت سے آپ اپنا تخلص اختر کرتے تھے۔

ابتدائی تعلیم قرآن شریف اور اردو اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا صابر صاحب موضع میساں سے پڑھنے کے بعد ۱۹۱۸ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۲ء میں یہاں سے قدیم نصاب درس نظامی میں دستار فضیلت اور سند تکمیل عطا ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں فارسی کے استاد کی حیثیت سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں آپ کی تقرری ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں مدرسہ اکزامینیشن بورڈ سے عالم اور اسی سال پٹنہ یونیورسٹی سے میٹرک کا بھی امتحان پاس کیا۔ بعد میں آئی۔اے۔ کے امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ بی۔اے۔ کے امتحان کے دوران آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ امتحان میں شریک ہوئے لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں فارسی کے علاوہ تفسیر، حدیث اور تصریح جیسے مضامین آپ کے زیر درس رہے۔ آپ ۲۸/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں پرنسپل کے عہدہ پر مقرر ہوئے اور ۲۰/جون ۱۹۶۱ء تک اس عہدہ پر سرفراز رہ کر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب ایک شفیق استاد، رحم دل انسان اور کامیاب شاعر تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ جب راقم الحروف شیش محل ہوسٹل میں مقیم تھا تو آپ اکثر مدرسہ تشریف لاتے۔ خمیدہ کمر، سرخ و سفید رنگ، سر پر بڑی پگڑی، لمبا کرتا، شلوار، ہاتھ میں ایک موٹی عصا دیکھنے میں ایک بزرگ صفت انسان معلوم ہوتے۔

۱۶/مئی ۱۹۷۸ء کو شیش محل میں آپ سے طویل ملاقات رہی۔ اس دوران آپ نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کا قیام، شیش محل اور نوری مسجد کی سن تعمیر اور مدرسہ سے متعلق اہم تاریخی واقعات کا تذکرہ کیا۔ ۱۹۳۸ء میں اس وقت کے وزیر تعلیم صوبہ بہار مسٹر عبدالعزیز کی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

میں آمد پر فارسی زبان میں جو منظوم تہنیت نامہ آپ نے پیش کیا تھا اس کو برجستہ سنایا۔ جس کو میں نے نقل کرلیا۔ اور بہت سارے فارسی اور اردو کے اشعار بھی سنائے اور بطور یادداشت میری کاپی میں تحریر فرمایا۔ اس عمر میں بھی آپ کا حافظہ غضب کا تھا۔ ذیل میں وہ منظوم تہنیت نامہ درج ہے۔ ۱۹۸۰ء میں آپ کا پٹنہ میں انتقال ہوا۔ یہ ساری تفصیلات انہوں نے مجھے خود بتائی تھی۔

تہنیت نامہ

بخدمت مسٹر عبدالعزیز وزیر تعلیم صوبہ بہار

تضمین برقصیدہ قاآنی (دور قاچاریہ کا ایک مشہور ایرانی قصیدہ گو شاعر)

بگردوں تیرہ ابری، بامداداں برشداز دریا — جواہر خیز گوہر ریز، گوہر بیز، گوہر زا

بہ بزم گل فسوں انگیز، آمد بلبل شیدا — ترنم ریز و نغمہ بیز، نغمہ خیز، نغمہ زا

بہ تن بلبل، بہ جاں سنبل، بہ بوریحاں بہ نطق آوا — لبش جنباں، دہن خنداں، رخش تاباں، زباں گویا

دلِ دارد پراز ہمت، پراز جودت، پراز ارمان — پراز کیف وپراز جوش چو رنگ بادۂ حمرا

وفور شوق او دارد، کمال ذوق او دارد — شدہ شوقش ہماں رہ برشدہ ذوقش ہماں ماویٰ

چمن از لطف آں خنداں دمن از حسن ایں تابا — گل از رویش شدہ گلگوں مل از بویش سرور افزا

پیام شادمانی برلب او زندگانی بخش — سہول[1] از وی شدہ شاداں فحول از وی سرور افرز

بہ بزم علم آوردہ، بہ صحن حلم آوردہ — بہ باغ نور آوردہ، کہ شد نورالہدیٰ ملجا

قدومِ آں عزیزِ را، صدورِ آں حبیب را — رجوع آں کریم را، نزول آن حشم افزا

کہ دربزمِ طرب آید عزیز ہر دلِ باشد — نصیت جود او افشا کہ جود از لطف او پیدا

سخا از فضل او زندہ کرم از بزل او برپا — نہ فیض از ابرہا آید، نہ جود ہم چوں از دریا

صفاتش دل ربا باشد، مکانش دلکشا باشد — حریمش پرضیا باشد، ندیمش ملجا و ماویٰ

یگانہ ہست در عزت گدایا نہ بخلق اندر — عدیل اور نہ در دنیا، مثیل او نہ در عقبیٰ

---

[1] مولانا محمد سہول عثمانی پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

زحسن و لطف گفتارش عطارد شد چناں حیراں | کہ گفتہ نیست در عالم چنیں ہستی چناں گویا
بسے گشتم بحیرانی بسے بردم پریشانی | نہ دیدم ایں چنیں ہستی چہ جابلسا چہ جابلقا
خدا اورا جہاں بخشد، جناں بخشد، چناں بخشد | کہ می زیبد ہمہ سکان ایں گردون اعلیٰ را
چناں خیزد او در عقبیٰ کہ از آبِ حیوں را | بہ حشر آید او تاباں کہ مہر زمشرق اقصیٰ
ہمی امید میدارد از اختر کہ گاہ او | بہ تاباند چناں اورا کہ ذرہ را خور اعلیٰ

(نتیجۂ فکر مولانا سید شاہ ابوالقاسم سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ، ۱۹۳۸ء)

مولانا حفیظ الرحمٰن:

آپ ایک مشہور اور مردم خیز گاؤں رمضان پور ضلع مونگیر موجودہ ضلع شیخپورہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں درجہ چہارم میں داخلہ لیا۔ ابتدا سے ہی آپ محنتی اور ذہین تھے۔ فاضل تک تمام امتحانات میں نمایاں کامیابی کے ساتھ پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اپنی محنت و ذکاوت کے باعث درجہ عالم میں آنریبل سید عبدالعزیز گولڈ میڈل اور فاضل میں اعلیٰ کامیابی پر سرسید فخرالدین گولڈ میڈل کے اعزازات سے کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد سی۔ ٹی۔ اچ۔ ای، اسکول میں سکنڈ مولوی مقرر ہوئے۔ پھر بھرت پورہ میں اردو ٹیچر ہوکر تشریف لے گئے۔ ۱۹۳۸ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں استاد مقرر ہوئے۔ یکم جولائی ۱۹۶۱ء سے ۳۰راکتوبر ۱۹۷۴ء تک یہاں پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوکر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ایک باصلاحیت اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اس طویل عرصہ میں آپ کے ہزاروں طلباء بہار، بنگال اور اڑیسہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جب آپ یہاں سے سبکدوش ہوئے تو آپ مدرسہ اسلامیہ کٹک اڑیسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے طلب کر لئے گئے۔ گھر سے دوری کی وجہ سے آپ یہاں زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکے۔ اس لئے آپ مدرسہ اسلامیہ عربیہ پیار پور امانت بھاگلپور میں صدر مدرس کے عہدہ پر مقرر ہوکر چلے آئے اور کئی سالوں

تک آپ نے یہاں تدریسی خدمت انجام دی۔ اسی دوران مدرسہ امدادیہ ضلع دربھنگہ میں صدر مدرس کی جگہ خالی ہوئی تو آپ یہاں طلب کر لئے گئے۔ ۱۹۸۵ء تک آپ نے اس عہدہ کو زینت بخشا۔ جب راقم الحروف متھلا یونیورسٹی میں استاد ہو کر آیا تو اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک بار گذارش پر میری رہائش گاہ پر بھی تشریف فرماں ہوئے۔ راقم الحروف اپنی طالب علمی کے زمانہ سے ہی آپ سے متعارف تھا اور قریب رہا۔ آپ ہمارے باضابطہ استاد تو نہیں رہے لیکن نجی طور پر آپ سے بہت استفادہ کیا۔ اس اعتبار سے میں آپ کو اپنا استاد تصور کرتا رہا۔ حضرت اسی نظر سے دیکھتے بھی تھے۔ دربھنگہ میں آپ سے جب بھی ملاقات ہوتی آپ بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔

مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب ایک معروف و مقبول استاد کے علاوہ ایک کامیاب شاعر بھی تھے اور اوجؔ تخلص تھا۔ ۱۹۸۹ء میں پٹنہ میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا سید شاہ اسمٰعیل روحؔ:

مولانا سید شاہ اسمٰعیل روح یکم اگست ۱۹۲۰ء کو اپنی نانیہال میں پیدا ہوئے۔ آپ کی دادیہال موضع کاکو ضلع جہان آباد تھی۔ آپ کا تاریخی نام نصیر الدین تھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ حنفیہ داناپور میں اپنے ماموں سید شاہ محسنؒ سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں داخل ہو کر فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ نے پٹنہ یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ تک کی بھی تعلیم حاصل کی اور محکمہ تعلیمات حکومت بہار سے آرٹ آف ٹیچنگ میں ڈپلوما بھی کیا تھا۔

آپ نے اپنی ملازمت کا آغاز ٹولیس ہائی اسکول خسرو پور پٹنہ سے کیا اور یہاں ہیڈ مولوی مقرر ہوئے۔ بعد ازاں روائل اشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ کی لائبریری) میں عربی و فارسی کے کیٹلاگر ہو گئے اور یہاں فارسی اور عربی مخطوطات سے کافی استفادہ بھی کیا۔ اسی دوران تقسیم ہند کا سانحہ وجود میں آ گیا۔ آپ کے کنبہ کے کئی افراد پاکستان منتقل ہو گئے۔ لیکن آپ نے اپنے وطن عزیز کو نہیں چھوڑا۔ ۲۱ رنومبر ۱۹۴۸ء کو مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے جونیئر سیکشن میں مدرس بحال ہوئے۔ بعد میں ترقی پا کر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے سینئر سیکشن میں منتقل ہو گئے۔ یہاں درجہ علیہ کے لڑکوں کو ایک عرصہ تک

تعلیم دی۔ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو وائس پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ محلہ سلطان گنج پٹنہ میں آپ کی رہائش گاہ تھی۔

شیش محل ہاسٹل میں قیام کے دوران راقم الحروف آپ سے قریب ہوا۔ آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین پٹنہ کی تحریک میں ہمیشہ لڑکوں کی رہنمائی کی۔ ۱۹۷۶ء میں بہار اسٹیٹ مدرسہ کنونشن کے موقع پر آپ نے نہ صرف یہ کہ رہنمائی کی بلکہ اس اجلاس کو کامیاب بنانے میں بھرپور تعاون کیا۔ جب نصاب کمیٹی تشکیل ہوئی تو آپ اس میں رکن نامزد ہوئے اور نصاب کے مرتب کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ چونکہ یہ نصاب کمیٹی آل بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین پٹنہ کے مطالبہ پر حکومت بہار نے جناب شمائل نبی کی صدارت میں تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی کے تمام اخراجات اسٹوڈنٹس یونین نے برداشت کیے۔ حکومت نے اس کام کے لئے کیا رقم دی وہ چیرمین جانیں یونین کے اراکین کو اس کی کوئی خبر نہیں۔ اس موقع پر حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل روحؔ صاحب بلاناغہ اپنی رہائش گاہ سے تشریف لاتے اور دیر رات تک اس کام میں لگے رہتے۔ ایسے غیور طبیعت کے واقع ہوئے تھے کہ آمد و رفت کے لئے رکشہ کرایہ تک لینا پسند نہیں کرتے باصرار تمام کچھ رقم ان کی شیروانی میں ڈال دیتے۔

آج مدرسہ ایجوکیشن بورڈ میں جو نصاب رائج ہے اس کی ترتیب و تدوین میں بلاشبہ آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ مولانا بیحد شریف، نمونۂ اسلاف، لڑکوں سے بہت محبت کرنے والے انتہائی خوش اخلاق تھے۔ ہمیشہ آپ کا چہرہ مسکراہٹوں سے کھلا رہتا۔ آپ لڑکوں کے درمیان دیگر اساتذہ کے مقابلے میں زیادہ مقبول و محبوب تھے۔

حضرت مولانا ایک کامیاب استاد کے علاوہ بہترین خطیب اور مقرر بھی تھے۔ آپ کی تقریر بہت دل نشیں ہوتی تھی۔ انداز خطابت بہت موثر اور پرزور ہوتا۔ آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے اور روحؔ تخلص تھا۔ ۱۹۹۸ء میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ۲۲/ اپریل ۱۹۹۸ء کو حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

بلاشبہ آپ عاشق رسول تھے۔ سیرت پر جب تقریر فرماتے تو سامعین کے دلوں میں سوز اور ایک تڑپ پیدا کر دیتے۔ آنکھیں اشکبار ہوتیں اور دل بے قرار ہو جاتا۔ اپنی نجی گفتگو میں سیرت نبوی کے اہم

گوشوں پر بڑی اچھی روشنی ڈالتے اور سیرت الرسول کے مطالعہ کی تلقین کرتے۔ حضور سے محبت اصل ایمان ہے۔ ان کی چوکھٹ پر جان دینا عین حیات ہے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے اساتذہ میں آپ سب سے زیادہ صاحب کردار اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ راقم الحروف پر بڑی شفقت فرماتے۔ ۱۹۷۹ء میں جب مدرسہ بورڈ کی تشکیل جدید ہوئی تو آپ بھی اس کے ایک رکن نامزد ہوئے اور راقم الحروف بھی اس کا ایک رکن تھا۔ بورڈ کی اصلاح، تعلیمی نظام میں درستگی اور امتحانات میں بہتری کے لئے انہی کے مشورے سے بہت سے اقدامات کئے گئے۔ ہمیشہ ان کے معاون رہے اور ان کے مشوروں کی قدر کرتے۔ طبیعت میں اس قدر استغنا اور قناعت کہ کبھی پیسوں کے پیچھے دوڑتے نہیں دیکھا۔ خاندانی نجابت اور شرافت کے آپ پتلا تھے۔ بڑی پاک صاف زندگی گذاری۔ اللہ نے دنیا میں ہی ایسی دولت عطا کی کہ ارض مقدس میں آخری سانس لی اور اسی سرزمین میں پیوند خاک ہوئے۔ آخر بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔ ان کا یہ شعر ان کی تمنا اور دلی خواہش کا کس قدر ترجمان اور حسب حال ثابت ہوا۔

سرکار کی چوکھٹ سے آؤں نہ پلٹ کر
قسمت جو کبھی ہم کو دکھلائے مدینہ

☆☆☆

مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور

بھاگلپور شہر سے تقریباً ۹ رکیلومیٹر جنوب مغرب میں پختہ سڑک کے کنارے مدرسہ محمودیہ سمریا واقع ہے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ (م۔ ۱۹۲۰ء) کے تین شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالحمید صاحب (م۔ ۱۹۵۹ء) پورینی، حضرت مولانا محمد غنیؒ (م۔ ۱۹۶۶ء) سمریا اور قطب دوران حضرت مولانا حافظ دیانت احمدؒ (م۔ ۱۹۷۱ء) چکدریا نے ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۴ھ میں مدرسہ قائم کیا اور اپنے استاد کے نام پر

اس کا نام مدرسہ محمودیہ رکھا۔ یہ ادارہ ایسے دور میں قائم ہوا جب مدرسہ نعمانیہ پورینی کی روشنی ماند پڑ چکی تھی۔ اس لئے ایک ایسے دینی ادارہ کی ضرورت تھی جو اس علاقے میں دینی تعلیم کی ضرورت کو پورا کر سکے۔ یہی وہ بنیادی محرک ہے جو مدرسہ محمودیہ کے قیام کا سبب بنا۔ جس عظیم مقصد کے لئے یہ ادارہ قائم ہوا تھا۔ بلاشبہ اس ادارہ نے علم دین کی اشاعت میں ایسی سرگرمی دکھائی کہ بہت جلد یہ ادارہ مشہور ہوگیا۔ اس وقت ضلع بھاگلپور کا یہ واحد دینی ادارہ تھا جہاں بہتر ماحول میں اعلیٰ اور معیاری تعلیم دی جارہی تھی۔ بلاتفریق مسلک وعقائد یہاں کثیر تعداد میں طلبا تعلیم حاصل کررہے تھے۔

۱۹۶۳ء میں راقم الحروف یہاں درجہ فوقانیہ کا طالب علم تھا۔ اس وقت یہاں درجۂ عالم تک کی تعلیم ہورہی تھی۔ یہ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق ہے۔ حضرت مولانا عبدالحمید صاحب سابق صدر مدرس کا ۱۹۵۹ء میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن ان کی صلاحیت، علمی لیاقت اور تدریسی خدمات کی صداؤں سے مدرسہ کے بام ودراب بھی گونج رہے تھے۔ اس وقت حضرت مولانا محمد غنیؒ صاحب صدر مدرس تھے۔ درجہ علیا کے اساتذہ میں علامہ محمد رشیدؒ پورینی، حضرت مولانا سعید احمدؒ پورینی (م۔۱۹۸۴ء) ،حضرت مولانا اشفاق احمد صاحب (م۔۲۰۰۰ء) سمریا، حضرت مولانا محمد مستغنی صاحب سمریا اور ماسٹر محمد عباس علی خاں صاحب جواکھر، بھاگلپور تھے۔ درجہ فوقانیہ تک کے اساتذہ میں جناب مولانا محمد انیس الرحمٰن گرہوتیہ، حافظ عبدالرزاق سنہولی، جناب حافظ محمد ہاشم صاحب سلیم پور اور ماسٹر عبدالصمد صاحب بادے لوگائیں تھے۔ میں نے حضرت علامہ صاحب سے ترمذی شریف، جلالین شریف، شرح ہدایت الحکمت ہیدیہ سعیدیہ، مقامات حریری، مجموعۃ الادب اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب سے ہدایہ آخرین مختصر المعانی، معالم الاصول والدین، سبعہ معلقہ، السراجی فی المیراث متنبی، حماسہ اور قصیدہ بردہ۔ حضرت مولانا اشفاق احمد صاحب سے مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف، التصریح فی الہیت، حماسہ (باب الادب والمراثی)۔ حضرت مولانا مستغنی صاحب سے قدوریؒ، اصول الشاشی نورلانوار، ہدایہ اولین، جناب حافظ محمد ہاشم صاحب سے شرح وقایہ ترجمہ قرآن ۲۹ واں پارہ اور فارسی، جناب مولانا انیس الرحمٰن صاحب سے ہدایۃ الحکمت، جناب حافظ عبدالرزاق صاحب سے مرقات اور قطبی اور درجہ فوقانیہ میں حضرت مولانا محمد غنی صاحبؒ سے اخوان لالصفا اور تاریخ اسلام پڑھا تھا۔ مقام افسوس اور حیرت ہے

کہ مدرسہ کے موجودہ صدر مدرس جناب مولانا نثار احمد صاحب نے سہارا انڈیا (اردو روزنامہ) کے مدارس اسلامیہ نمبر مطبوعہ مارچ ۲۰۰۷ء میں یہ اطلاعات فراہم کی ہیں کہ مدرسہ محمودیہ کے بانی حضرت مولانا اعزاز علی صاحب استاد دارالعلوم دیوبند ہیں۔ یہاں فارسی سے لے کر مشکوٰۃ تک کی تعلیم ہوتی ہے اور یہاں دارالعلوم دیوبند کا نصاب رائج ہے۔ یہاں کے فارغین دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، شاہی مرادآباد وغیرہ اعلیٰ تعلیم کے لئے جاتے ہیں۔ یہ کس قدر گمراہ کن بیان ہے۔ مدرسہ محمودیہ سمریا جیسے باوقار قدیم دینی ادارہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کی یہ ایک کوشش ہے۔ پتہ نہیں اس کے پیچھے کیا مقصد ہے۔

جناب مولانا نثار احمد صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدرسہ محمودیہ سمریا ۱۹۳۵ء مطابق ۱۹۱۶ء میں قائم ہوا۔ یہ کس قدر لاعلمی ہے۔ مدرسہ کا قدیم مہر جو پیتل کا بنا ہوا ہے اس میں کندہ ہے کہ مدرسہ ۱۳۳۴ھ میں قائم ہوا اور یہ سنہ عیسوی میں ۱۹۱۵ء ہوتا ہے۔ آج بھی مدرسہ کا مہر شدہ ایک کاغذ میرے پاس موجود ہے۔

بہرحال یہ تمام اساتذہ کرام آسمان علم وفن کے شمس وقمر تھے اور طالبان دین ستاروں کے مانند بکھرے ہوئے تھے۔ پورا مدرسہ روشنی سے جگمگا رہا تھا اور مدرسہ مینارۂ نور بنا ہوا تھا۔ جس سے پورا علاقہ منور و روشن تھا۔ علاقے کا کون سا گاؤں ہے جہاں یہاں کے فارغین کثیر تعداد میں موجود نہیں۔ اس مدرسہ کی حیثیت ام المدارس کی ہے۔ اس کے بطن سے نہ معلوم کتنے مدارس ومکاتب وجود میں آئے۔ جو دینی اور ملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت تعلیم کا یہ حال تھا کہ تمام اسباق پابندی سے ہوتے تھے۔ رات دن لڑکوں کی نگرانی اور پوری تربیت ہوتی تھی۔ بڑی سختی سے سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحانات منعقد ہوا کرتے تھے۔ سالانہ امتحان میں فیل ہونے والے طلبا بورڈ امتحان کے لئے سینٹ اپ (Sent up) نہیں کئے جاتے تھے۔ صدائے علم سے پوری فضا گونجتی رہتی تھی۔

یہاں کے فارغین کی تعداد اور اس کا شمار ممکن نہیں۔ ساٹھ کی دہائی میں درجنوں یہاں کے فارغین، یونیورسٹی، ہائی اسکول، ضلع اسکول، مڈل اسکول اور پرائمری اسکول کے علاوہ مدارس میں تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس طرح مدرسہ محمودیہ کی دینی، ملی اور تعلیمی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اللہ اس ادارہ کو باقی رکھے اور ہمارے اساتذہ کرام کو ان کی خدمات کے صلے میں دنیا و آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین۔

اردو مکتب کوروڈیہ، بھاگلپور

اردو مکتب کورڈویہ ۱۹۲۲ء میں قائم ہوا۔ اس کے اصل محرک ڈپٹی مظاہر الحق پورینی تھے۔ حاجی عبدالصمد کے پسران حاجی لیاقت حسین اور شیخ معین الدین سے ان کے تعلقات تھے۔ انہی کی کوششوں سے اردو مکتب کو حکومت سے منظوری حاصل ہوئی اور مولانا شمس الاسلامؒ صاحب اس کے پہلے استاد مقرر ہوئے۔ علاقے کا یہ پہلا باضابطہ تعلیمی ادارہ تھا۔ ان دنوں گاؤں میں مخلوط آبادی تھی۔ آج کی طرح فرقہ واریت نہیں تھی۔ قرب وجوار کے مسلم اور غیر مسلم طلبا یہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اسکول کا مکان دو کمروں پر مشتمل تھا۔ جس کو حاجی لیاقت حسین اور شیخ معین الدین نے تعمیر کرایا تھا۔ بعد میں نامساعد حالات کی وجہ سے یہ مکتب حاجی نثار احمد صاحب کے دروازے پر منتقل ہو گیا۔ اسی دوران میں مولانا شمس الاسلام صاحب کا تبادلہ کھریک بازار، بھاگلپور ہو گیا اور ان کی جگہ پر مولوی محمد ریاست، شکراواں، بھاگلپور مدرس ہو کر آئے۔

حاجی نثار احمد صاحب نے مکتب کو اپنی زمین وقف کی اور اس پر مکان تعمیر کرایا۔ حضرت مولانا شمس الاسلام کا تبادلہ پھر کوروڈیہ مکتب میں ہو گیا۔ آپ نے بڑی ہمت اور دلجمعی سے تعلیمی فریضہ کو انجام دیا۔ ۱۹۶۰ء تک گاؤں کے بیشتر حضرات آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے میزان ومنشعب، نحو میر، گلستاں، بوستاں اور رقعات عالمگیری تک کی تعلیم دی تھی۔ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ کے قیام سے قبل یہاں کے فارغین براہ راست مدرسہ محمودیہ سمریا میں داخلہ لیتے تھے۔

یہ مکتب بڑا تاریخی ہے۔ اس نے ایسے وقت میں مسلم اور غیر مسلم طبقوں کے درمیان تعلیم کی اشاعت میں سرگرم کردار ادا کیا جب کہ اس علاقے میں کوئی دوسرا تعلیمی ادارہ نہیں تھا۔ اس مکتب نے بڑی بڑی شخصیتیں پیدا کیں۔ یہاں کے فارغین نے اشاعت علم میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آج

بھی یہاں کے فارغین علم کے میدان میں سرگرم عمل ہیں۔اس مکتب کی تعلیمی خدمات کسی بڑے ادارہ سے کم نہیں ہیں۔

مولانا شمس الاسلام صاحب کے بعد مولوی محمد فضل الرحمٰن اور مولوی محمد جواد علی صاحب کوروڈیہ، مولوی محمد بدرالدین بدلو چک، ماسٹر محمد ادریس تتریا، مولوی محمد شرف الدین، مولوی محمد اعزاز حسن بدلو چک یہاں استاد ہوئے لیکن وہ علمی روایت قائم نہیں رہ سکی۔

اب یہ اردو مکتب ترقی پاکر اردو مڈل اسکول ہوگیا ہے۔مولوی محمد ضیافت حسین اس کے ہیڈ ماسٹر ہیں اور وہ کوشاں ہیں کہ اس کی علمی روایت کو زندہ کیا جائے اور اس کو تعلیم کے لئے پھر سے فعال اور مفید بنایا جائے۔

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ

بھاگلپور شہر سے جنوب مشرق میں تقریباً ۱۲ رکیلومیٹر کے فاصلہ پر موضع پتھنہ واقع ہے۔آبادی سے الگ ریاستی شاہ راہ نمبر بارہ کے قریب مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ھ میں قائم ہوا۔ مدرسہ اعزازیہ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی (م۔۱۹۵۴ء) استاد دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب ہے۔آپ اس علاقے میں اپنی علمی کمالات اور حسن اخلاق کی وجہ سے بہت مقبول و معروف تھے۔جب مدرسہ کی کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی تو حضرت شیخ الادبؒ مدرسہ اعزازیہ کے سرپرست، حاجی نثار احمد (م۔۱۹۶۹ء) مہتمم، جناب مولانا علاءالدین (م۔۱۹۶۹ء) بدلو چک نائب مہتمم، حضرت مولانا عبدالحمید مدرسہ محمودیہ سمریا صدر اور منشی سراج الحق پتھنہ (م۔۱۹۹۲ء) خازن کے عہدوں پر سرفراز ہوئے۔

حضرت شیخ الادبؒ مدرسہ کے قیام سے متعلق مدرسہ اعزازیہ کے روئداد مطبوعہ ۱۳۶۹ھ میں رقم طراز ہیں:

''اعلاء کلمۃ اللہ کے شوق نے کمال اخلاص کے ساتھ مدرسہ اعزازیہ کی بنیاد رکھنے پر مائل کیا بعض مشاہیر اور مقدس علماء کی شرکت میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ الحاح وزاری، خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ دین کی اس خدمت کو قبول اور اہل اسلام کو اس سے استفاضہ کی توفیق عطا فرمائے۔''

(روئداد مدرسہ اعزازیہ، ص:۲)

حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدرسہ محمودیہ سمریا کی صدارت میں یہ نشست ہوئی تھی۔ جس میں علاقے کی ذی وقار اور مقتدر ہستیوں کے علاوہ قطب دوراں حضرت مولانا حافظ دیانت احمدؒ، مدرس مدرسہ محمودیہ بھی شریک تھے جو حضرت مولانا عبدالحمید صاحب (م۔۱۹۵۹ء) کے وصال کے بعد مدرسہ اعزازیہ کے صدر مقرر ہوئے۔

دوسری جگہ حضرت شیخ الادبؒ فرماتے ہیں:

''موفق حقیقی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہماری اور اہل خیر کی سعی کو مشکور و مقبول فرمایا اور مدرسہ اعزازیہ نے امن وعافیت کے ساتھ پندرھویں سال میں قدم رکھا۔'' (روائداد مدرسہ ص:۲)

ایک موقع پر حضرت مولانا خلیل احمد صدر مدرس مدرسہ اعزازیہ نے فرمایا تھا کہ:

''مدرسہ اعزازیہ کا قیام ۱۵ ر محرم الحرام ۱۳۵۴ھ کو عمل میں آیا۔''

مدرسہ اعزازیہ پتھنہ دار العلوم دیوبند کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے اسی نہج پر اس کا قیام عمل میں آیا۔ وہاں کا مروجہ نصاب تعلیم یہاں نافذ کیا گیا۔ اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ ۱۵ ر محرم الحرام کو یہ مدرسہ بھی قائم کیا گیا ہو چونکہ دار العلوم دیوبند کا قیام بھی ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ رمئی ۱۸۶۶ء کو عمل میں آیا تھا۔ (بحوالہ حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی حیات، افکار، خدمات، ص:۱۴۵)

ان حقائق کی روشنی میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ کے قیام کی تاریخ کی تعین اس طرح ہوتی ہے کہ یہ ادارہ ۱۵ ر محرم الحرام ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں قائم ہوا۔

مدرسہ اعزازیہ کے قیام میں علاقے کی مقتدر ہستیاں، علماء کرام اور علوم دینیہ سے محبت رکھنے

والی عوام کا اشتراک وتعاون شامل رہا ہے۔ انہی حضرات کی مساعی جمیلہ کا یہ ثمرہ ہے۔ مدرسہ اعزازیہ کے قیام کو کسی فرد واحد کی کوشش کہنا یا کسی خانگی مکتب کو اس کی توسیعی شکل قرار دینا لغو اور حقیقت کے منافی ہے۔

حضرت شیخ الادبؒ کا بیان ہے کہ:

''مدرسہ اعزازیہ کا محل وقوع ایسا ہے کہ نہ وہاں ڈاکخانہ ہے، نہ ریل ہے، نہ لاری ہی پہنچ سکتی ہے۔ انسانی ضروریات کے لئے کوئی بازار بھی نہیں ہے۔ اس موضع کی آبادی بہت مختصر ہے، اس کے باوجود مدرسہ اعزازیہ کی کشش پوری قوت کے ساتھ نہ صرف طلبا، علوم دینیہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے بلکہ اہل اسلام کے دیندار حضرات بھی اس کو دیکھتے اور خوش ہوتے ہیں۔'' (روائداد ص:۲)

یہ بات درست ہے کہ اس وقت مدرسہ کے سامنے سے جو پختہ سڑک شہر کو جاتی ہے اور کافی آباد ہے اس وقت اس کی حیثیت نا قابل ذکر تھی۔ اس پر سواریاں نہیں چلتی تھیں۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی نہیں کے برابر تھی، سڑک گویا برائے نام تھی۔ پیدل چلنے والوں کے لئے بس ایک گذرگاہ تھی۔ آزادی کے بعد اس کی کچھ شکل بنی۔ وہ بھی خام حالت میں۔ ۱۹۶۰ء تک اس پر کبھی کبھی بیل گاڑی چلتی تھی۔ شہر جانے کے لئے عموماً لوگ پیدل چلتے تھے۔ اب سڑک ماشاء اللہ پختہ ہوگئی ہے اور حکومت بہار کی ریاستی شاہراہوں (State High Ways) کی فہرست میں روڈ نمبر ۱۲ کے نام سے مشہور ہے۔

مدرسہ کی پہلی تعمیر اور تعلیم کا آغاز:

مدرسہ کے لئے زمین قیمتاً حاصل کی گئی۔ اس پر مٹی کے پائے بنائے گئے۔ بانس اور تاڑ کے بلے ڈالے گئے اور اس کی چھونی تاڑ کے پتے سے کی گئی تھی۔ جو ہر چہار طرف سے کھلا ہوا تھا۔ یہ تھی مدرسہ کی پہلی عمارت۔ حضرت مولانا خلیل احمدؒ (م۔ ۲۰۰۹ء) دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر آچکے تھے۔ وہ صدر مدرس بحال کئے گئے۔ درجۂ حفظ کے لئے حافظ نجابت حسین صاحب استو (م۔ ۱۹۸۵ء) کی بحالی عمل میں آئی۔ علوم عصریہ کے لئے ماسٹر محمد فخر الدین کی تقرری ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ (م۔ ۱۹۶۹ء) مدرس دوم مقرر ہوئے۔ جس خلوص اور جذبہ ایمانی کے ساتھ ان حضرات

نے تعلیم کا آغاز کیا بہت جلد اس مدرسہ کی شہرت دور دراز علاقے تک پہنچ گئی اور ہر چہار طرف سے طالبان حق پروانہ وار اس شمع ہدایت کی طرف چل پڑے۔ دیکھتے دیکھتے یہ ویران کدہ علم و آگہی کا مرکز بن گیا۔ یہاں سے قرآن کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور توحید ورسالت کے نغموں سے پوری فضا گونج اٹھی۔ گویا مدرسہ مظہر شان ملت، منبع علم وعرفان حکمت، درس گہ اخلاق نبی اور محفل ذکر یزدان بن گیا۔

مدرسہ اعزازیہ کی دینی اور معاشرتی خدمات:

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ کے قیام سے قبل بہت دنوں تک اس علاقے میں کوئی دوسرا دینی ادارہ نہیں تھا۔ تعلیم بھی عام نہیں تھی۔ گنے چنے خاندان تعلیم سے آشنا تھے۔ جہالت عام تھی۔ عوام فرسودہ رسومات اور بدعات کی عادی تھی۔ چھوٹے، بڑے، بوڑھے اور بچے سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ غیر اسلامی معاشرہ اور لہب ولعب لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ کھیتی باڑی تک ان کی دنیا محدود تھی۔ تعلیم یافتہ افراد کی دعوت پر علماء کرام تشریف لاتے تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ ضرور لیتے۔ وہ بھی رسمی طور پر۔ بابت آئی گئی ہو جاتی۔ ان دنوں ہر گاؤں میں مخلوط آبادی تھی۔ ہندو مسلم ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ آپسی اتحاد واتفاق تھا۔ دونوں کے رسم ورواج کے اثرات ایک دوسرے پر نمایاں تھے۔ مذہبی معاملات بھی رسومات کے طور پر ادا ہوتے تھے۔ نذر و نیاز، چڑھاوا اور منتیں مانی جاتیں اور دھوم دھام سے اس کو منایا جاتا تھا۔ سب ہی ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوتے۔ مسلمان بھی مرنی جینی کا بھوج کرتے اور ''شرادھ'' کی طرح دور دراز سے رشتہ دار اس تقریب میں شرکت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ محرم، ہولی، شب برات، دیوالی دونوں فرقے مل کر مناتے تھے۔ حتیٰ کہ اس موقع پر چڑھاوا بھی پیش کرتے اور اس کو عار نہیں سمجھتے تھے۔ تعلیم یافتہ حضرات کی باتیں بےصدا ہو کر رہ جاتیں۔

مدرسہ اعزازیہ کے قیام نے علم و دانش کا ایسا صور پھونکا کہ ہر دل میں حصول علم کی امنگیں انگڑائیاں لینے لگیں۔ پورے علاقے کے لئے یہ ادارہ مرکز عقیدت بن گیا۔ مدرسہ اعزازیہ نے اشاعت علم میں وسعت قلبی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ امیر وغریب، یتیم ونادار بھی اس مادر علمی کے آغوش میں آکر آپس میں گھل مل گئے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

مدرسہ اعزازیہ کے اس ماحول کو پروان چڑھانے میں ہمارے اساتذۂ کرام کی جہاں محنت و مشقت کام کر رہی تھی وہاں ان ارواح مقدسہ کی دعاء سحر گاہی بھی بے اثر نہ گئی جو وقتاً فوقتاً یہاں تشریف فرما ہوتیں اور روح پرور جلسوں میں بصیرت افروز تقاریر سے دلوں کو منور فرماتیں:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اس ماحول کے پروردہ نونہالان چمن جب اپنے اپنے علاقوں میں گئے تو وہاں کے ماحول میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی۔ معاشرہ میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ ہر گھر میں علم کی شمع فروزاں ہوئی اور جہالت کی تاریکی دور ہونے لگی۔ مدرسہ اعزازیہ علم کا ایسا مینارۂ نور ثابت ہوا کہ پورا علاقہ علم وعرفان سے منور ہو گیا۔ یہاں کے فارغین اعلیٰ تعلیم کے لئے براہ راست دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے یا مدرسہ محمودیہ سمریا پہنچتے اور پھر یہاں سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ یا کسی اور مدرسے کا رخ کرتے۔

فراغت کے بعد ملازمت آسانی سے مل جاتی تھی۔ پرائمری اسکول، ہائی اسکول اور مدارس اسلامیہ ان کی جولان گاہیں تھیں۔ ان پر اللہ کی نصرت اور مہربانی ہوئی علم کی وجہ سے عزت ملی۔ دولت ملی اور آل و اولاد میں برکت ہوئی۔ حضرت شیخ الادبؒ کی یہ پیشن گوئی درست ثابت ہوئی:

''آپ اس مدرسہ کی امداد کریں، خداوند عالم آپ کی امداد کرے گا۔ آپ کے اموال و اولاد میں برکت ہوگی، مصیبتیں دور ہونگی. فراخ دستی اور وسعت آپ کے ہمراہ ہوگی۔ (روئداد مدرسہ ص: ۷)

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ کی وجہ سے علاقے میں جہالت کا جو غلبہ تھا وہ مغلوب ہو گیا۔ غلط رسومات کی جگہ دینی شعار کی سربلندی ہوئی۔ علاقے کا شاید ہی کوئی گاؤں ہوگا جہاں مدرسہ اعزازیہ کے فارغ نہ ہوں۔ اس وقت مسلکی اختلافات اور عقائد کی موجودہ چپقلش اتنی شدید نہیں تھی۔ ہر مسلک کے طلباء یہاں پڑھتے تھے۔

ضلع بھاگلپور کے علاوہ قدیم ضلع پورنیہ، سنتھال پرگنہ، اڑیسہ اور مغربی بنگال تک کے لڑکے یہاں زیرِ تعلیم تھے۔ مدرسہ کا ماحول بہت ہی خوشگوار تھا۔ ہر عمر کے لڑکوں سے مدرسہ بھرا پرا تھا۔ صبح سے دیر رات تک مدرسہ سے علم کی صدائیں بلند ہوتیں۔ گذرنے والے ٹھہر کر اس حسین نظارہ سے لطف اندوز ہوتے اور فرحان وشاداں آگے بڑھ جاتے۔

مدرسہ اعزازیہ نے ہر چہار طرف علم ودانش کا دریا بہادیا۔ سبھوں کو باور کرادیا کہ علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ کل تک جن کے والدین ایک حرف پڑھنا نہیں جانتے تھے آج ان کے گھروں میں عالم اور حافظ پیدا ہوئے۔ اس حقیقت سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ اسی مادرِ علمی کے سب پروردہ وپرداختہ ہیں۔ راقم حروف ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک یہاں کا طالب علم رہا۔

معیارِ تعلیم: قاعدہ بغدادی سے شرح وقایہ، شرح جامی، کنز الدقائق اور اصول الشاشی تک کی یہاں تعلیم ہوتی تھی۔ سالانہ امتحانات کے موقع پر دوسرے اداروں کے اساتذہ کرام ممتحن ہوتے اور زیادہ تر تقریری امتحانات ہوتے تھے۔ یہاں کا نظام تعلیم بہت بہتر تھا۔ آموختہ لازماً سنا جاتا۔ طلبا محنت کے عادی تھے۔ بعض کتابیں ازبر تھیں۔ فارسی اور اردو کے اشعار زبان زد تھے۔ یہ اساتذہ کرام کا فیضانِ نظر اور مدرسہ کی کرامت تھی۔

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ کے اساتذۂ کرام:

۱۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب موضع پتھنہ — مدرس اول — تاحیات (۱۹۶۱ میں تنخواہ ۵۵ روپے)

۲۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب موضع کوروڈیہ — مدرس دوم — تاحیات (۱۹۶۱ء میں تنخواہ ۴۰ روپے)

۳۔ حافظ نجابت حسین صاحب موضع استو — معاون مدرس دوبارہ (بحالی ۱۹۶۰ء تا ۱۹۷۰ء)

۴۔ ماسٹر فخر الدین صاحب سنہولا بھاگلپور — ”

۵۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب موضع کوروڈیہ — ” — (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۰ء)

۶۔ مولوی محمد علیم الدین صاحب موضع بدلو چک، بھاگلپور ” — ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۳ء (تنخواہ ۳۵ روپے)

۷۔ ماسٹر ظہور الحسن صاحب ساہو پاڑہ بھاگلپور	”	۱۹۶۰ء تک
۸۔ ماسٹر ابو الحسن صاحب خنجر پور، بھاگلپور	”	۱۹۶۱ء (تنخواہ ۴۰ روپے ماہانہ)
۹۔ ماسٹر محمد ولی حسن ساقی، کوروڈیہ	”	۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۳ء (تنخواہ ۴۰ روپے ماہانہ)
۱۰۔ مولانا عبدالحکیم صاحب، کوروڈیہ	”	۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء (تنخواہ ۴۵ روپے ماہانہ)
۱۱۔ مولانا محمد ولی الدین صاحب، موضع پتھنہ	”	۱۹۶۶ء تا ۲۰۰۵ء
۱۲۔ ماسٹر محمد سالم صاحب، سمریا بھاگلپور	”	جون ۱۹۶۶ء تا مارچ ۱۹۶۸ء
۱۳۔ ماسٹر محمد بدیع الزماں صاحب، ڈہر پور، بھاگلپور	”	اپریل ۱۹۶۸ء (تنخواہ ۶۰ روپے ماہانہ)
۱۴۔ ماسٹر محمد شاکر صاحب، موضع سنہولی، بھاگلپور	”	۱۹۶۸ء (تنخواہ ۶۰ روپے ماہانہ)
۱۵۔ حافظ عبدالخالق صاحب کوروڈیہ	”	۴ر جنوری ۱۹۶۹ء میں (۶۵ روپے ماہانہ پر بحال ہوئے تھے)
۱۵۔ قاری محمد صالح، موضع کوروڈیہ، بھاگلپور	”	۱۹۷۰ء میں (تنخواہ ۷۰ روپے ماہانہ)
۱۶۔ ماسٹر محمد ابوالکلام صاحب، موضع سنہولی	”	دسمبر ۱۹۸۱ء میں (تنخواہ ۲۶۰ روپے)
۱۷۔ مولانا قاری مسعود احمد صاحب، موضع سنہولی	”	دسمبر ۱۹۸۱ء، میں (تنخواہ ۲۷۵ روپے)
۱۸۔ مولانا محمد عاصم صاحب، موضع کوروڈیہ	”	دسمبر ۱۹۸۱ء میں (تنخواہ ۲۵۰ روپے)

عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ

علوم مشرقیہ میں اعلیٰ تعلیم و تحقیق کے لئے حکومت بہار نے ۲۲؍ اگست ۱۹۵۵ء کو عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ میں قائم کیا۔ یہ ادارہ تحقیقات عربی و فارسی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے سینئر سیکشن کی عمارت میں عارضی طور پر اس کو جگہ دی گئی۔ ابھی یہ ادارہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے جونیئر سیکشن کی عمارت میں چل رہا ہے۔ نصف صدی سے زائد

مدت گذرنے کے بعد بھی اس ادارہ کو اپنی عمارت میسر نہیں ہے۔ حکومت بہار اس کے تمام اخراجات پورا کرتی ہے۔ یہ ادارہ حکومت بہار کے محکمہ اعلیٰ تعلیمات کی نگرانی اور ماتحت میں ہے۔ حکومت بہار اس کے تمام اخراجات پورا کرتی ہے۔ بہار میں یہ اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے۔

یہاں درج ذیل شعبے قائم ہیں:

۱۔ شعبۂ عربی ۲۔ شعبۂ فارسی ۳۔ شعبۂ تحقیق

۴۔ شعبۂ تربیت اساتذہ (Teacher's Training)

۵۔ شعبۂ انگریزی

تدریسی اور غیر تدریسی ملازمین کی تعداد:

۱۔ شعبۂ عربی	۲
۲۔ شعبۂ فارسی	۲
۳۔ شعبۂ تحقیق	۱
۴۔ شعبۂ تربیت اساتذہ	۲
۵۔ شعبۂ انگریزی	۱
۶۔ لائبریرین	۱
۷۔ کلرک	۲
۸۔ چپراسی	۳

اس کے سربراہ اعلیٰ ڈائرکٹر کہلاتے ہیں۔ جو بہار ایجوکیشن سروس میں سینئر کلاس ون کے ہوتے ہیں۔ یہ عہدہ D.P.I. یا ایجوکیشن سکریٹری کے ہم منصب ہے۔ اس کی تقرری براہ راست حکومت کرتی ہے باقی دیگر اساتذہ بہار ایجوکیشن سروس کے کلاس ٹو کے ہوتے ہیں۔ بہار پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ ان کی تقرری عمل میں آتی ہے۔

تمام تدریسی ملازمین کا ام۔اے ہونا ضروری ہے۔ ڈائرکٹر کے لئے فارسی یا عربی میں

ایم۔اے ہونا لازمی ہے۔شعبہ تحقیق میں بحالی کے لئے ایم۔اے۔ فارسی یا ایم ۔اے عربی کے علاوہ دکتورالعلم (کامل) کی بنیادی شرط ہے۔ یہ ریسرچ اسسٹنٹ کہلاتے ہیں۔

بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے عالم کرنے کے بعد لڑکے شعبہ عربی یا شعبہ فارسی میں داخلہ لیتے ہیں۔انہیں فاضل کی سند بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملتی ہے۔فاضل فارسی یا فاضل عربی کرنے کے بعد منتخب طلباء کا داخلہ ریسرچ میں ہوتا ہے دونوں شعبوں کے لئے دو دو جگہیں مختص ہیں۔ان جگہوں پر منتخب طلباء ریسرچ اسکالر کہلاتے ہیں۔مقررہ عنوان کے تحت دوسال کی مدت میں کسی استاد کی نگرانی میں انہیں تحقیقی مقالہ لکھنا پڑتا ہے اور زبانی امتحان (viva-voce) کے بعد انہیں دکتورالعلم (کامل) کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے۔ایم۔اے عربی یا فارسی کے بعد پی ایچ۔ڈی کے لئے پٹنہ یونیورسیٹی میں رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔ادارۂ تحقیقات انہیں اسکالرشپ دیتا ہے اور ڈگری پٹنہ یونیورسیٹی تفویض کرتی ہے۔

شعبۂ ٹریننگ میں ہائی اسکول کے ایسے اساتذہ کا داخلہ ہوتا ہے جو بغیر Training کے بحال ہوئے ہیں۔ان کی مدت تربیت ۹ رماہ کی ہے اور انہیں .Dip.in.Ed کی ڈگری دی جاتی ہے۔شعبۂ انگریزی میں عالم پاس شدہ طلباء داخلہ لیتے ہیں انہیں اسپیشل انگریزی آنرس کی سند دی جاتی ہے۔

ڈائرکٹر انتظامی امور کے علاوہ تدریسی فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ نیز شعبۂ ٹریننگ کے اساتذہ بھی فاضل کے طلباء کا کلاس لیتے ہیں۔ ریسرچ اسسٹنٹ بھی فاضل کا کلاس لیتے ہیں راقم الحروف تقریباً تین سال تک اس عہدہ پر فائز رہا اور فاضل فارسی کے لڑکوں کا باضابطہ کلاس لیا۔

ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے مشہور اساتذہ:

پروفیسر سید احمد: ۲۲ر اگست ۱۹۵۵ء کو جب یہ اداہ قائم ہوا تو اس کے پہلے ڈائرکٹر پروفیسر سید احمد صاحب مقرر ہوئے۔اس سے قبل آپ پٹنہ یونیورسٹی میں عربک کے پروفیسر تھے۔آپ نے میلزد یونیورسٹی سے عربی میں ایم۔اے۔ کیا تھا۔حکومت بہار کے وظیفہ پر قاہرہ یونیورسٹی سے ڈی۔لٹ کی ڈگری حاصل کی۔۳ر اپریل ۱۹۶۱ء کو آپ یونیورسٹی پروفیسر آف عربک ہوکر پٹنہ یونیورسٹی چلے گئے۔

پروفیسر سید حسن: آپ کا تعلق شیخ پورہ مونگیر سے تھا۔ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ بچپن سے ہی کافی ذہین تھے۔ میٹرک سے ایم۔ اے فارسی تک تمام امتحانات میں ٹاپر رہے اور گولڈ میڈل حاصل کیئے۔ ۱۹۳۷ء میں ایم۔ اے فارسی کرنے کے بعد بی۔ ان کالج پٹنہ میں فارسی کے لکچرر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں آپ کی تقرری پٹنہ کالج کے شعبۂ فارسی میں ہوگئی۔ ۱۹۵۷ء میں شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدہ پر بحال ہوئے۔

۳/اپریل ۱۹۶۱ء کو عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ڈائرکٹر مقرر ہوئے۔ ۲۰/جون ۱۹۶۴ء کو پٹنہ یونیورسٹی میں پروفیسر و صدر شعبہ فارسی ہوکر چلے گئے۔ اس مدت میں آپ بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ پٹنہ کے چیرمین اور خدا بخش لائبریری کے ڈائرکٹر کے اضافی عہدوں پر بھی کارگذار رہے۔ ۱۹۶۵ء میں جدید فارسی زبان وادب کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایران گئے اور تہران یونیورسٹی سے ڈپ۔ لٹ۔ کی ڈگری حاصل کی۔ صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو فارسی کی مسلمہ قابلیت اور لیاقت کے لئے سند عطا کی۔ ۱۹۷۲ء میں آپ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں اور وقیع مقالے لکھے جو ہندوستان اور ایران میں شائع ہوئے ہیں۔ آپ ہندوستان میں فارسی کے بلند پایہ ادیب اور نامی گرامی پروفیسر تھے۔ ۱۸/جون ۱۹۸۸ء کو پٹنہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ فارسی اور اردو کے ایک اچھے شاعر بھی تھے اور سرمد تخلص تھا۔ ہجو یہ شاعری میں چرخ تخلص کرتے تھے۔ راقم کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ (بحوالہ سید حسن مرتبہ پروفیسر شرف عالم)

پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی: آپ موضع کاکو ضلع جہان آباد میں ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید شاہ غفور الرحمٰن تھا اور وہ اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ عطا صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر والد کی نگرانی میں ہوئی۔ ۱۹۳۴ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور پورے ضلع میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ پھر پٹنہ کالج میں داخل ہوئے اور یہاں سے بی۔ اے۔ آنرس، کیا اور اسی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔ اے اور قانون کے امتحانات میں کامیاب ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اسلام پور ہائی اسکول سے اپنی ملازمت شروع کی اور اسی اسکول

میں ہیڈ ماسٹر کے عہدہ پر ترقی ہوئی۔اسی دوران ال۔ایس کالج مظفر پور میں اردو اور فارسی کے لکچرر مقرر ہوگئے،تقریباً بیس سال تک یہاں تدریسی فرائض انجام دئے۔اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی میں صدر ہوکر آ گئے۔۲۰ر جون ۱۹۶۴ء کو عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے اور ۱۱ر اپریل ۱۹۶۹ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔اس مدت میں آپ نے ادارۂ تحقیقات میں بہت سے فارسی مخطوطات کی ترتیب وتدوین کی اور اردو میں ترجمے کئے۔ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد خدابخش لائبریری پٹنہ میں فارسی مخطوطات کے توضیحی کیٹلاک مرتب کئے جو کافی اہم ہیں۔

آپ فارسی کے ایک مشہور استاد، بلند پایہ محقق اور مستند شاعر تھے۔شاعری میں آپ شادؔ عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں گذاردی۔آپ کے سیکڑوں شاگرد اونچے عہدوں پر فائز ہوئے۔آپ کی علمی صلاحیت اور ادبی خدمات کے صلے میں صدر جمہوریہ ہند نے سند عطا کی۔۱۸ر اپریل ۱۹۹۸ء کو پٹنہ میں آپ کا انتقال ہوا اور یہیں مدفون ہوئے۔(بحوالہ تاریخ ادب اردو مرتبہ پروفیسر وہاب اشرفی)

پروفیسر سید علی حیدر نیر: آپ ۴ ستمبر ۱۹۲۵ء کو کلہوادرگاہ ضلع سیوان میں پیدا ہوئے۔۱۹۵۰ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو، ۱۹۵۱ء میں ایم۔اے۔فارسی اور ۱۹۵۳ء میں ایم۔اے عربی کیا۔بہار مدرسہ اگزامینیشن بورڈ پٹنہ سے ۱۹۵۶ء میں فاضل فارسی اور ۱۹۵۷ء میں فاضل حدیث کیا۔۱۹۵۹ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے .B.L ۱۹۷۰ء میں اسی یونیورسٹی سے عبدالحمید پریشاںؔ پر پی ایچ۔ڈی۔کی ڈگری حاصل کی۔اور ۱۹۷۳ء میں مگدھ یونیورسٹی سے .B.Ed کے امتحانات میں کامیاب ہوئے۔۱۹۷۷ء میں جواہر لال یونیورسٹی سے جدید فارسی میں تخصص کی سند حاصل کی۔

پروفیسر سید علی حیدر نیرؔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک کوسی کالج کھگڑیا میں فارسی اور اردو کے لکچرر رہے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۱ء تک ال۔ایس کالج مظفر پور میں فارسی اور اردو کے لکچرر کے عہدہ پر فائز رہے۔۱۹۶۱ء میں آپ کی تقرری عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ میں ہوئی۔۱۱ر اپریل ۱۹۶۹ء سے ۱۱ر ستمبر ۱۹۷۰ء تک یہاں ڈائرکٹر کے عہدہ پر سرفراز رہے۔۱۹۸۳ء میں پروفیسر کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔

پروفیسر علی حیدر نیر اپنی مدت ملازمت کے دوران دیگر مختلف عہدوں پر بھی کارگذار رہے۔۱۱ر اپریل ۱۹۶۹ء سے ۱۱ر ستمبر ۱۹۷۰ء تک خدا بخش لائبریری پٹنہ کے اعزازی سکریٹری بھی رہے۔۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۵ء تک بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ پٹنہ میں سکریٹری اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف اسلامک ایجوکیشن کے عہدہ کو بھی زینت بخشا۔۱۹۷۹ء میں جب بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ایک خودمختار ادارہ ہوگیا تو آپ اس کے پہلے سکریٹری مقرر ہوئے۔مولانا سید نوراللہ رحمانی اس کے چیرمین تھے اور راقم حروف اس بورڈ کا ایک ممبر تھا۔

پروفیسر علی حیدر نیر خالص علمی اور ادبی آدمی تھے۔آپ نے تقریباً ۲۰ کتابیں تصنیف وتالیف کیں اور اردو فارسی اور انگریزی میں درجنوں تحقیقی مقالے لکھے۔آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے اور نیر تخلص تھا۔۶ رفروری ۱۹۹۲ء کو آبائی گاؤں میں انتقال ہوا۔دوسرے دن بروز جمعہ وہیں مدفون ہوئے۔ آپ ایک شفیق استاد، رحم دل انسان اور منکسر المزاج شخص تھے۔راقم ۷۲۔۱۹۷۰ء میں آپ کا شاگرد رہا۔ظفر خاں احسن حیات اور خدمات پر آپ کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ لکھ کر دکتورالعلم (کامل) کی سند حاصل کی۔(بحوالہ:(Bio Data)

پروفیسر افسر الدولہ فیاض الدین حیدر: آپ کا تعلق ضلع سیوان کے ایک نواب خاندان سے تھا۔آپ کی پرورش خالص دینی اور علمی ماحول میں ہوئی تھی۔مراد پور پٹنہ میں شیعہ مسجد آپ کی ذاتی اور خاندانی مسجد ہے۔اس سے متصل دکھن آپ کی رہائش گاہ تھی۔آپ اہل تشیع میں سے تھے اور مسلک کے اعتبار سے اثنا عشریہ تھے۔پٹنہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کیا۔ایک عرصہ تک پٹنہ کالج میں فارسی کے استاد رہے اسی دوران حکومت ہند کے وظیفہ پر جدید فارسی کی تعلیم کے لئے ایران گئے اور تہران یونیورسٹی میں اس وقت کے نامی گرامی استادوں سے جدید فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

۱۱ر ستمبر ۱۹۷۰ء کو آپ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے اور ۱۹۷۵ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔اس کے بعد آپ ال۔اس کالج مظفرپور کے پرنسپل ہوکر چلے گئے۔۳۰ر ستمبر ۱۹۷۶ء کو وہاں سے دوبارہ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اپنے پرانے عہدہ پر واپس ہوگئے۔ ۱۹۸۰ء میں آپ کی تقرری ڈائرکٹر ہائر ایجوکیشن کے عہدہ پر ہوئی لیکن آپ نے اس عہدہ کو قبول نہیں کیا۔

۳۰ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں صدر جمہوریہ ہند نے فارسی کی مسلمہ خدمت کے لئے سند عطا کی۔ ۲۰۰۳ء میں پٹنہ میں آپ کا وصال ہوا۔

پروفیسر افسرالدولہ فیاض الدین حیدر قدیم وجدید فارسی زبان وادب کے ایک بلند پایہ استاد تھے۔ فارسی کی مشہور اور ادق کتاب شبنم شاداب اور سہ نثر ظہوری اور شاعری میں اشعار خاقانی راقم الحروف کو آپ سے پڑھنے کا موقع ملا۔ آپ کے پڑھانے کا انداز بہت عمدہ اور دل نشیں تھا۔ آپ ایک مذہبی آدمی تھے۔ محرم کے پہلے عشرہ میں آپ کے گھر پر مجلس ہوتی تھی۔ کئی بار اس میں شریک ہوا۔ کبھی اس موقع پر تبرہ کرتے نہیں دیکھا۔ آپ اس کے شدید مخالف اور وسیع المشرب تھے۔ دوسرے مسالک سے آپ کو کوئی نفرت نہیں تھی۔ سنیوں کے جنازے میں بھی آپ کو شریک ہوتے دیکھا۔ ۱۹۷۰ء سے آخر وقت تک میں آپ سے بہت قریب رہا۔ اکثر ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوتا۔ بہت باوقار انداز میں رہتے تھے۔ ایسے بلند کردار استام کم ہیں۔ دوسروں کی شکایت اور غیبت کی عادت نہیں تھی۔ ہمیشہ علمی اور اخلاقی گفتگو کرتے۔ فضول گو قطعاً نہیں تھے۔ راقم الحروف سے بہت محبت فرماتے۔ جب راقم عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ اسسٹنٹ تھا تو آپ سے جدید فارسی پڑھتا تھا بڑی محبت اور شفقت سے پڑھاتے تھے۔ ایرانی لہجہ میں جدید فارسی زبان میں خوب گفتگو فرماتے تھے۔ Administrative policy of Safavide period پر وقیع کتاب انگریزی زبان میں تصنیف کی اور کئی بلند پائے مقالے تحریر کئے۔

پروفیسر محمد صدیق: آپ ۱۱رستمبر ۱۹۲۸ء کو خوب گنج ضلع جہاں آباد میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی پڑھنے میں کافی ذہین تھے۔ میٹرک کے امتحان میں پورے ضلع میں اول پوزیشن حاصل کی اور صوبائی وظیفہ ملا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے پٹنہ تشریف لائے اور پٹنہ کالج میں داخلہ لیا۔ ایم۔ اے تک کے تمام امتحانات میں اول آئے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے اردو میں ٹاپر رہے اور گولڈ میڈل حاصل کئے۔ ایم۔ اے فارسی اور .LL.B کے امتحانات میں بھی اول آئے۔

یکم جنوری ۱۹۵۴ء کو پٹنہ کالج میں فارسی کے لکچرر مقرر ہوئے ۱۹۶۴ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے فارسی میں .Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔ ۵رفروری ۱۹۷۴ء میں لکچرر سے براہ راست یونیورسٹی پروفیسر اور صدر شعبہ کے عہدہ پر ترقی ہوئی۔ اسی ملازمت کے دوران ۱۱ستمبر ۱۹۷۵ء سے ۳۰ستمبر ۱۹۷۶ء

تک عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر کے عہدہ پر بھی کارگذار رہے۔ بعد میں پٹنہ یونیورسٹی میں ڈین فیکلٹی آف آرٹس اور پٹنہ کالج کے پرنسپل کے عہدوں پر بھی فائز رہے۔ ۳۱ جنوری ۱۹۹۰ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

فارسی زبان وادب کی خدمت پر صدر جمہوریہ ہند نے ۱۹۸۹ء میں سند عطا کی۔ ''تحقیقی اور تنقیدی مقالے'' کے عنوان سے ۱۹۸۹ء میں آپ کی ایک کتاب شائع ہوئی۔ فارسی زبان میں آپ شاعری بھی کرتے تھے۔ آپ کا کلام ایرانی پرچہ ''سخن'' میں شائع ہوا ہے۔

۹/ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ شاہ گنج پٹنہ کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ ۱۹۹۲ء میں آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا تھا وہ بھی اسی قبرستان میں دفن ہیں۔

پروفیسر محمد صدیق ایک محبوب اور شفیق استاد کے علاوہ ایک صاحب اخلاق اور بلند کردار انسان تھے۔ میں ان سے بہت قریب رہا۔ بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے میں آپ ہمارے استاد رہے اور آپ کی نگرانی میں Ph.D. کی ڈگری حاصل کی۔ وہ کھلے دل کے انسان تھے۔ ذات برادری کی بنیاد پر نفرت کو ناپسند کرتے تھے۔ دوسروں کی غیبت کرتے اور نہ سنتے۔ مزاج میں بڑی سادگی تھی۔ کسی معاملے میں تکلف کرتے نہیں دیکھا۔ مسلم اور غیر مسلم اساتذہ میں یکساں مقبول تھے۔ یونیورسٹی میں اس مثالی کردار کے دوسرے استاد نہیں ملے۔ سبھی شاگرد آپ کے مداح اور ثنا خواں ہیں۔ میں نے کبھی ان کی شکایت کرتے کسی کو نہیں سنا۔ آپ کی تمام اولاد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور سبھی آپ کے شاگردوں سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔ آپ کی اولاد میں جناب اسرار احمد (موجودہ D.S.P پیر بہوڑ پٹنہ) سب سے زیادہ مزاج شناس اور آپ کے صحیح جانشیں ہوئے۔ وہ ہم لوگوں سے آج بھی بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔

پروفیسر سید اطہر شیر: آپ کا تعلق محسن پور بہار شریف سے تھا۔ مدرسہ عزیزیہ بہار شریف سے عالم تھے۔ بعد ازاں پٹنہ یونیورسٹی سے عربی، فارسی اور اردو میں ایم۔ اے کیا اور تمام امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور گولڈ مڈلسٹ ہوئے۔ اور اسی یونیورسٹی سے عربی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ حکومت ایران کے وظیفہ پر جدید فارسی کی تعلیم کے لئے ۱۹۶۷ء میں ایران گئے اور تہران یونیورسٹی میں اس وقت کے مشہور ایرانی پروفیسروں سے جدید فارسی پڑھی اور اچھی کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۶۸ء

میں ''لالہ زار'' کے نام سے اردو زبان میں اپنا سفرنامۂ ایران وعراق شائع کیا۔

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کی حیثیت سے اپنی ملازمت شروع کی، یہاں آپ نے عربی وفارسی مخطوطات کی چار جلدوں میں توضیحی فہرست ترتیب دی جو بعد میں شائع ہوئیں۔ جب خدا بخش لائبریری ایک خود مختار ادارہ ہوگیا اور مرکزی لائبریری (central library) بن گئی تو آپ کا تبادلہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے شعبۂ عربی میں لکچرر کی حیثیت سے ہوگیا۔ اس شعبہ میں یہ باضابطہ پہلی بحالی تھی۔ اس سے قبل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے سبکدوش اساتذہ میں سے مولانا ریاست علی ندوی (م۔۱۹۷۶ء) اور جناب مولانا سید شاہ عزالدین صاحب (م۔۱۹۷۷ء) عارضی طور پر لکچرر مقرر ہوئے تھے۔ یہ حضرات عربی ادب کے ستون تھے اور کئی کتابوں کے مصنف بھی۔

پروفیسر شیر یکم جنوری ۱۹۸۳ء کو عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے۔ اور ۳۰ر ستمبر ۱۹۹۲ء تک اس عہدہ پر سرفراز رہے۔

پروفیسر شیر ایک زندہ دل انسان تھے۔ کبھی لئے دئے نہیں رہے۔ بے تکلف گفتگو فرماتے اسٹاف کلب ان کی موجودگی میں گل وگلزار بنا رہتا۔ پروفیسر علی حیدر نیر، پروفیسر سمیع الدین حیدر، پروفیسر ایم۔ ایم کمال صبا اور پروفیسر شمس الحق وغیرہ پروفیسر شیر کی گفتگو سے بیحد محظوظ ہوتے۔ آپس میں خوب ہنسی مذاق کرتے پروفیسر قاضی عبدالوارث اور راقم الحروف اپنے اساتذہ کے درمیان عجیب کش مکش میں رہتے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کی کیفیت تھی۔ پروفیسر شیر انشائیہ نگار بھی تھے۔ تازہ تازہ ان کے انشائیے کا مجموعہ ''زیرلب'' شائع ہوا تھا۔ ان کے بیشتر کردار ان کے احباب ہیں۔ لیکن یہ حضرات کبھی بھی شیر صاحب سے نہیں الجھے اور نہ تعلقات میں تلخی پیدا ہوئی۔ سبھی اس سے لطف اندوز ہوتے۔

بااین ہمہ شیر صاحب ایک علمی آدمی تھے۔ ان کے زمانے میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں کئی اہم سیمینار منعقد ہوئے اور بلند پایہ تحقیقی مقالے اور مضامین پڑھے گئے۔ جیسے بیدل عظیم آبادی، عربی، فارسی اور علوم اسلامیہ میں بہار کا حصہ۔ بعد میں شیر صاحب نے اس پر ایک جامع مقدمہ لکھ کر کتابی شکل میں شائع کیا۔

شیر صاحب ہمارے استاد نہیں تھے۔ لیکن راقم نے ہمیشہ آپ سے استاد کا رشتہ رکھا۔ وہ بہت شفقت سے پیش آتے۔ ان دنوں وہ سلطان گنج میں ایک کرایہ کے مکان میں مقیم تھے۔ اکثر اپنے ساتھ

اپنی رہائش گاہ پر لے جاتے۔ بے تکلف گفتگو کرتے اپنے بچوں سے بھی وہ اسی انداز میں بات چیت کرتے۔ طارق، ندیم، طلعت اور الماس راقم سے بہت مانوس تھے۔ ان کے گھر پر بڑا اپناپن کا احساس ہوتا۔ سبھی محبت سے پیش آتے۔ شیر صاحب اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اکثر یاد آتے ہیں۔.....

۴ر نومبر ۱۹۹۸ء کو پٹنہ میں آپ کا انتقال ہوا اور یہیں مدفون ہوئے۔

پروفیسر سمیع الدین حیدر: آپ ۱۹۳۴ء میں موضع بین ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ فوقانیہ سے فاضل تک کی تعلیم مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں ہوئی۔ ان دنوں یہ ادارہ نہ صرف بہار بلکہ پورے ہندوستان میں مشہور تھا۔ باصلاحیت اور قابل اساتذہ یہاں درس دے رہے تھے۔ طلباء کو بھی اسٹیٹ وقف کے ذریعہ ہر ممکن سہولتیں میسر تھیں۔ مدرسہ کی تعلیم ختم کرنے کے بعد پروفیسر حیدر نے نالندہ سے میٹرک اور نالندہ کالج سے آئی۔ اے کرنے کے بعد پٹنہ کالج میں داخلہ لیا اور یہاں سے بی۔ اے آنرس اور پٹنہ یونیورسٹی سے عربی اور فارسی میں ایم۔ اے کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں رانچی یونیورسٹی سے B.Ed. کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ سکنڈری ہائی اسکول پٹنہ سیٹی میں آپ کی تقرری ہوگئی۔ اسی دوران پٹنہ یونیورسٹی سے M.Ed. بھی کیا۔ ۱۹۷۳ء میں عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے شعبۂ ٹریننگ میں لکچرر مقرر ہوئے۔ بعد میں پروفیسر کے عہدہ پر ترقی ہوئی اور ۱۹۹۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ آپ نے ملازمت کے دوران پٹنہ میں کوئی مکان نہیں بنایا اور نہ ملازمت کے بعد ہی اس طرف توجہ دی۔ پوری زندگی کرایہ کے مکان میں گذار دی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ کو کوئی اولاد نہیں تھی۔ اپنے ایک بھتیجہ کو اپنے ساتھ رکھ کر پڑھایا لکھایا۔ غالباً ان کا نام حسام الدین حیدر تھا۔

پروفیسر سمیع الدین حیدر ایک شفیق اور ہر دلعزیز استاد تھے۔ آپ بہت ہی باوقار اور وضعدار انسان تھے۔ بیحد اخلاق مند، حاجت روا۔ غیر سنجیدہ گفتگو کو پسند نہیں کرتے اور دوسروں سے بھی یہی توقع کرتے۔ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں عربی و فارسی کے بھی کلاس لیتے تھے۔ ان کی گفتگو بڑی معلومات افزا

ہوتی تھی۔ علامہ اقبال کی شاعری سے بہت متاثر تھے۔ ان کے فارسی اور اردو کلام برمحل استعمال کرتے۔ موقع اور محل کے اعتبار سے اشعار پڑھتے۔ آخر میں ان کی زندگی کچھ تکلیف میں گذری لیکن اپنی پریشانیوں کا زیادہ اظہار نہیں کرتے۔ حق گوئی اور بے باکی ان کی مشہور تھی۔ اس سے ان کے احباب بھی گھبراتے تھے۔ شیش محل ہاسٹل کے جب آپ وارڈن تھے میں اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ بڑی محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے۔ ۲۰۰۸ء میں آپ کا پٹنہ میں وصال ہوا۔ اللہ فضل ورحم کا معاملہ فرمائے۔

ڈاکٹر ابولمکارم محمد کمال صبا: آپ ۱۵؍جنوری ۱۹۳۵ء کو موضع بین ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ محمد شہاب الدین تھا۔ ڈاکٹر صبا نے اپنی تعلیم کا آغاز مدرسہ حنفیہ بہار شریف میں کیا اور یہاں درجہ فوقانیہ تک تعلیم پائی۔ اس کے بعد آپ پٹنہ چلے آئے اور مسلم اسکول پٹنہ سے ۱۹۵۰ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کیا۔ اسی سال درجہ مولوی کا بھی بورڈ امتحان دیا اور کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء میں درجہ عالم کیا اور ۱۹۵۴ء میں پٹنہ کالج سے بی۔ اے آنرس میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں رانچی یونیورسٹی سے B.Ed. اور ۱۹۵۷ء میں LL.B. کیا۔ ۱۹۵۹ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو ۱۹۶۰ء میں ایم۔ اے فارسی اور ۱۹۶۱ء میں اسی یونیورسٹی سے M.Ed. کے امتحانات میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں ایم۔ اے عربی کیا اور ۱۹۷۶ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے فارسی میں مخدوم شرف الدین احمد بہاریؒ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔

ڈاکٹر صبا نے اپنی ملازمت کا آغاز اینگلو عربک اسکول پٹنہ سیٹی سے کیا اور یہاں ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۰ تک تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد ٹی۔ پی۔ ایس کالج پٹنہ میں آپ کی تقرری ہوگئی اور یہاں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۲ء تک اردو اور فارسی کے لکچرر رہے۔ اسی دوران آپ کا انتخاب ملت کالج دربھنگہ میں ہوگیا اور آپ یہاں ۱۹۶۷ء تک شعبۂ فارسی میں لکچرر کے عہدہ پر فائز رہے۔ یہ کالج شمالی ہندوستان کا سب سے قدیم مسلم مائنوریٹی کالج ہے جو ۱۹۵۷ء قائم ہوا۔ پہلے یہ بہار یونیورسٹی مظفر پور کے ماتحت تھا اور اب متھلا یونیورسٹی دربھنگہ کا ایک کانسٹی ٹیونٹ کالج ہے۔

۱۹۶۷ میں ڈاکٹر کمال صبا کی تقرری عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ کے شعبہ Pedagogy میں عمل میں آئی اور آپ ۱۹۷۸ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۹۷۸ء ہی میں آپ ضلع سیوان

میں .D.E.O کے عہدہ پر سرفراز ہوئے اور ۱۹۸۴ء تک اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ ۱۹۸۴ء کے وسط میں آپ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ میں سکریٹری ہوکر چلے آئے اور ۱۹۸۸ء تک اس عہدہ پر مامور رہے۔

۱۹۸۸ء میں آپ کی ترقی .R.D.D کے عہدہ پر ہوئی اور آپ ضلع گیا چلے گئے۔ اس عہدہ پر ۱۹۹۰ء تک برقرار رہے۔ ۱۹۹۰ء میں ہی آپ D.P.I ہوکر پٹنہ سکریٹریٹ چلے آئے اور ۱۹۹۲ء تک اس عہدہ پر فائز رہے اور اسی سال آپ نے Special Director for primary Education کے عہدہ کا چارج لیا۔ ۳۱ر جنوری ۱۹۹۳ء کو اس عہدہ سے باعزت سبکدوش ہوئے۔

ڈاکٹر صبا نے مختلف تعلیمی اداروں میں تدریسی فرائض انجام دئے۔ حکومت بہار کے مختلف تعلیمی محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر اپنی انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ آپ جب عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں استاد تھے تو ٹریننگ کے لڑکوں کے علاوہ فاضل فارسی کے کلاس بھی لیتے تھے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۲ تک راقم یہاں فاضل فارسی میں آپ کا طالب علم تھا۔

''زبورعجم'' سبقاً سبقاً آپ سے پڑھا۔ دوران درس علامہ اقبال کی شاعرانہ عظمت اوران کے شعری امتیازات اور فلسفہ خودی کی پوری وضاحت کرتے اردو اور فارسی کے ہم خیال اشعار سے اپنی گفتگو کو باوقار بناتے۔ اقبال پر آپ کا مطالعہ بڑا وقیع تھا۔

علامہ اقبال کو اپنے تمام مجموعہ ہائے کلام میں ''زبورعجم'' سب سے زیادہ پسند تھا۔ ''بال جبریل'' کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبورعجم　　　فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں

ڈاکٹر صبا ایک شفیق استاد، کامیاب منتظم کار اور ایک دردمند انسان ہیں۔ بڑی محبت سے ملتے ہیں اور آج بھی بابو ہی کہہ کر سب کو مخاطب کرتے ہیں۔ اولاد سے محروم ہیں لیکن آپ اپنے شاگردوں کو اولاد سمجھتے ہیں اور بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ یہ تمام تفصیلات براہ راست ان سے ہی حاصل ہوئیں۔ نیو عظیم آباد کالونی پٹنہ میں آپ کا قیام ہے۔

پروفیسر قاضی عبدالوارث: پروفیسر اطہر شیر کے بعد پروفیسر قاضی عبدالوارث عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ہوئے۔

پروفیسر قاضی عبدالوارث ۱۹۴۹ء میں محلہ نبی گنج ضلع چھپرہ (قدیم ضلع سارن) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وارث العلوم چھپرہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے مولوی اور عالم کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء میں عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ سے فاضل فارسی کیا اور ۱۹۷۳ء میں ''علی نقی کمرہ: احوال و آثار'' کے موضوع پر پروفیسر علی حیدر نیر کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ لکھ کر دکتور العلم (کامل) کی سند حاصل کی۔ ۱۹۷۰ء میں پٹنہ کالج سے بی۔اے انگریزی آنرز اور ۱۹۷۲ء پٹنہ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم۔اے کیا۔ بعد ازاں اسی یونیورسٹی سے ۱۹۸۸ء میں ایم اے فارسی ۱۹۹۰ء میں ایم۔اے۔عربی کیا اور ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر آف فیلوسفی کی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔

اورینٹل کالج پٹنہ سیٹی سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا اور ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۷ء تک یہاں شعبۂ انگریزی کے لکچرر رہے۔ بعد ازاں جولائی ۱۹۷۹ء میں بہار پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے شعبہ انگریزی میں لکچرر مقرر ہوئے۔ اسی دوران ۱۷ر فروری ۱۹۹۴ء سے ۵ر اپریل ۱۹۹۴ء تک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ڈائرکٹر کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ میں دوبار ۵ر جنوری ۱۹۹۹ء سے ۹ر فروری ۲۰۰۱ء تک اور پھر مئی ۲۰۰۳ء سے جولائی ۲۰۰۴ء تک سکریٹری کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد آپ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں اپنے سابق عہدہ پر واپس آگئے اور اسی ادارہ سے ۳۱ر جنوری ۲۰۰۹ء کو اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ بحمد اللہ اسی سال حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔

۱۹۷۰ء میں جب راقم الحروف ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں فاضل فارسی کا طالب علم تھا تو اس وقت آپ یہاں ریسرچ اسکالر تھے اور ذہین طالب علموں میں آپ کا شمار تھا۔ اپنی طالب علمی کے زمانہ ہی میں آپ کافی مشہور ہو چکے تھے۔ علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور جہاں اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔ آپ اپنے وقت کے بہترین Debator (مباحث) رہے۔ مختلف تعلیمی اداروں کے علمی و ادبی مباحثے اور مذاکرے میں شرکت کی اور فاتح ٹیم کی حیثیت سے واپس آئے۔ پروفیسر انیس صدی (سمستی پور کالج) بھی اپنے وقت کے ایک کامیاب Debator تھے۔ مولانا داس

ٹیم میں آپ کے ساتھ ہوتے۔

قاضی عبدالوارث کا تعلق صحافت سے بھی رہا ہے۔ آپ نے پٹنہ کے مختلف روز نامے اور ہفتہ وار اخبارات کی کامیاب ادارت بھی کی۔ جیسے صداقت، قومی تنظیم، راہ رو، ہمارا نعرہ، پیغام نہرو، طاؤس اور وطن کے راگ وغیرہ۔ آپ اب تک علمی و ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہو چکے تھے۔ پروفیسر اقبال حسین کی انگریزی کتاب Early Persian Poets of India کا اردو میں کامیاب ترجمہ کیا جس کو بہار اردو اکاڈمی پٹنہ نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ آپ کی دوسری اہم تالیف ''سہ لسانی ڈکشنری'' ہے۔ پروفیسر ہارون الرشید شعبۂ ہندی اورینٹل کالج پٹنہ سیٹی کے اشتراک میں یہ مرتب ہوئی ہے۔ آپ نے علامہ اقبال پر کئی وقیع مقالے انگریزی اور اردو زبان میں لکھے جو قومی اور بین قومی سیمناروں میں پیش کئے گئے۔ جیسے Equbal as a present poet: Equbal and western thinker. اور ''اقبال اور ذہن جدید'' وغیرہ کافی اہم مقالے ہیں۔

پروفیسر قاضی عبدالوارث ایک کامیاب نثر نگار کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ اور غزل کے شاعر ہیں۔ غزل کے چند اشعار:

آج منصف کے بھی دامن پہ لگے ہیں دھبے — فیصلہ کون کرے کھل کے گنہگاروں کا

تاخیر ہو رہی ہے مگر ہوگی مستجاب — مجھ کو یقین ہے میری دعا بے اثر نہیں

قتل کر کے تو ہے خوش اور مر کے میں ہوں کامیاب — وہ ترا آغاز تھا اور یہ مرا انجام ہے

بایں ہمہ قاضی عبدالوارث ایک شفیق استاد، کامیاب منتظم، مخلص دوست اور اس سے بڑھ کر ایک اچھے انسان ہیں۔ ۱۹۷۰ء سے میں ان کو جانتا ہوں۔ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں تقریباً تین سال وہ ہمارے رفیق کار رہے۔ ہر جگہ آپ نے اپنی شرافت، مروت، رفاقت اور اخوت کا مظاہرہ کیا۔ انہیں اوصاف کی وجہ سے آپ ہر حلقے میں محبوب و مقبول ہیں۔

جناب محمد نظام الدین: عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ۲۱؍دسمبر ۱۹۸۶ء کو جناب محمد عبدالواسع سنہاپوری، دربھنگہ کے بعد دوسرے لائبریرین مقرر ہوئے۔ آپ بھاگلپور کے ایک گاؤں

ڈہرپور میں ۳ر ستمبر ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب حافظ محمد جمال الدین گاؤں کے ایک مقتدر اور بے باک آدمی تھے۔ جناب محمد نظام الدین نے ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے پٹنہ آ گئے اور مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے عالم اور ۱۹۷۵ء میں ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ سے فاضل فارسی کیا اور اس کے دوسرے سال فاضل اردو کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۷۸ء میں حکومت ایران کے وظیفہ پر تہران یونیورسٹی سے جدید فارسی میں اس وقت کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور سند سے سرفراز ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی اور اسی سال ادارۂ تحقیقات سے پروفیسر افسر الدولہ فیاض الدین حیدر کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ لکھ کر دکتور العلوم (کامل) کی اعلیٰ سند سے سرفراز ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۸۳ء میں ملت اکاڈمی جھریا، جھارکھنڈ میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۹۸۵ء تک اس ادارہ سے وابستہ رہے اور ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۶ء سے ادارۂ تحقیقات میں عربی و فارسی میں لائبریرین کے عہدہ پر کارگذار ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں حج کی سعادت سے سرخرو ہوئے۔

یہ گفتگو ادھوری رہے گی اگر کلرکوں میں جنا سید حسن باقر، جناب حسن امام اور شری شیام پرساد اور چپراسیوں میں ناتھن، نبو اور بھولا کا ذکر نہ کیا جائے۔ ان حضرات نے ایک عرصہ تک ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ کی خدمت کی اور اپنی ذمہ داری اور وفاداری کے گہرے نقوش چھوڑے۔

جناب ڈاکٹر حسن رضا خاں صاحب ابھی اس ادارہ کے ڈائرکٹر ہیں اور انہوں نے ۱۹۹۸ء میں جناب ڈاکٹر محمد شمس الحق صاحب سے اس عہدہ کا چارج لیا۔

تعلیم کے فروغ اور اس کی اشاعت میں اس ادارہ کا ماضی بہت ہی شاندار رہا ہے۔ یہاں کے اہم فارغین میں جناب اظہار عالم (آئی پی ایس)، جناب عبدالمنان، اے۔ڈی۔ام، ڈاکٹر محمد رضوان الحق ندوی مارواری کالج کشن گنج، پروفیسر عزیز تمنی مرحوم علیگڑھ یونیورسٹی، جناب مظفر عالم اشرفی (ADM) جناب محمد نظام الدین فائنانس آفیسر، جناب شاہ نواز احمد خاں، ڈپٹی لیبر کمشنر ہزاری باغ، جناب مختار احمد، ڈپٹی لیبر کمشنر گیا، ڈاکٹر محمد انیس صدری، سمستی پور کالج سمستی پور، ڈاکٹر محمد بدیع الزماں، آر کے کالج مدھوبنی، ڈاکٹر محمد ارشد جمیل متھلا یونیورسٹی دربھنگہ، جناب احمد حسین انکم ٹیکس کمشنر ممبئی،

پروفیسر واعظ الحق مرحوم ایم ایس کالج موتیہاری۔ پروفیسر غفار صدیقی، پٹنہ یونیورسٹی، ڈاکٹر عبداللطیف حیدری، ڈی ایس کالج کٹیہار، پروفیسر توحید عالم آر ڈی ایس کالج مظفرپور، پروفیسر انوارالحق تبسم اورینٹل کالج پٹنہ سیٹی وغیرہ کے علاوہ درجنوں فارغین مختلف کالجوں، ہائی اسکولوں، مدارس اسلامیہ، مکاتب اور سرکاری دفاتر میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ

مدرسہ کاشف العلوم کوروڈیہ، ضلع بھاگلپور ۱۹۷۶ء میں قائم ہوا۔ یہ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے درجہ وسطانیہ تک ملحق ہے۔ مدرسہ کے قیام کے اصل محرک اور بانی جناب مولانا حسین احمد صاحب ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں اردو اسکول کوروڈیہ سے متصل پھوس کی ایک جھونپڑی میں باضابطہ تعلیم شروع ہوئی۔ گاؤں کے بیشتر بچے اس میں زیر درس تھے۔ مدرسہ کی جب پختہ عمارت تیار ہوگئی تو وہ اس میں منتقل ہوگیا۔ جناب حکیم محمود حسن صاحب (م۔۱۹۹۹ء) نے اس مدرسہ کو ۱۴ کٹھہ زمین عنایت کی ہے۔ جناب محمد ریاض الدین صاحب (م۔ ۲۰۰۹ء) صدر، جناب مولانا ڈاکٹر عبدالحمید صاحب (م۔۲۰۰۴ء) سکریٹری اور مولانا محمد یامین صاحب (م۔۱۹۹۹ء) اس کے صدر مدرس تھے۔ ۱۹۷۸ء میں حکیم محمود حسن صاحب اس کے دوسرے سکریٹری مقرر ہوئے اور تاحیات اس عہدہ پر فائز رہے۔

مدرسہ کاشف العلوم کے دیگر اساتذہ میں مولانا مطہر حسن قاسمی، مولوی محمد اعظم، مولوی محمد عطاء الرحمٰن، حافظ مسرور احمد قاسمی، مولوی محمد اسلام، مولوی وصی احمد، حافظ مجیب الرحمٰن، حافظ سعود احمد، ماسٹر محمد نسیم الدین، ماسٹر محمد مناظر حسن ولد مولوی محمد زبیر حسن، ماسٹر شفیع احمد، ماسٹر محمد یونس اور ماسٹر محمد یوسف وغیرہم کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

مدرسہ کاشف العلوم نے یوم تاسیس سے دین کی اشاعت اور تعلیم کے فروغ میں گراں قدر خدمات پیش کیں۔ ۱۹۹۹ء کے بعد دیگر ملحقہ مدارس کی طرح اس میں بھی تشویش ناک حد تک گراوٹ

آگئی۔اب تو مدرسہ کاشف العلوم اپنے وجود کے لئے خود نوحہ خواں ہے۔

یہاں کے اہم فارغین میں مولانا محمد ناظم، ناظم جامعہ مدینہ سبل پور پٹنہ، مولانا حافظ مرغوب الرحمٰن صدر مدرس جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ، مولانا محمد مصباح الدین قاسمی صدر مدرس جامعہ ام کلثوم سرسونا، سمستی پور، مولانا محمد آصف انور ندوری، مولانا محمد اعزاز الحسن قاسمی، مولانا محمد ہاشم قاسمی، مولانا عبدالقادر قاسمی مدرسہ اسلامیہ بارہ مولا کشمیر، مولانا محمد نجم الحسن قاسمی، مولانا محمد ضیف الرحمٰن ندوی، اور مولانا محمد بہاءالدین قاسمی وغیرہم کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ ۱۹۸۹ء میں قائم ہوا۔ جناب مولانا محمد قاسم، استاد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ اس کے بانی اور مہتمم ہیں۔ سبل پور، پٹنہ بائی پاس پر، پچی درگاہ سے ایک کیلومیٹر شمال میں ایک قدیم اور تاریخی بستی ہے۔ جہاں کبھی شرفاء اور زمین دار آباد تھے اور یہاں ان کی زمینداریاں قائم تھیں۔ ۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فساد میں یہ علاقہ بہت متاثر ہوا تھا۔ یہاں کی بڑی آبادی دوسری جگہ منتقل ہوگئی اور جو آبادی یہاں رہ گئی وہ مالی اعتبار سے زیادہ خوش حال اور مالدار نہیں تھی۔ اس گاؤں سے اتر عام شاہراہ پر جامعہ مدنیہ واقع ہے۔ جامعہ کے قیام کی وجہ سے یہ علاقہ بڑا پر رونق ہوگیا ہے۔ مسلم آبادی بھی بڑھ رہی ہے۔

جامعہ مدنیہ، دارالعلوم دیوبند کے طرز پر قائم ہوا ہے اور وہی نصاب تعلیم یہاں رائج ہے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے بعد پٹنہ شہر میں یہ دوسرا بڑا دینی ادارہ ہے۔ جامعہ مدینہ بہار سے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھی اپنی علمی خدمات اور تعلیمی معیار کی وجہ سے معروف و مشہور ہے۔ پٹنہ جیسے قدیم تاریخی، علمی، تہذیبی اور مرکزی شہر میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا بڑا دینی ادارہ نہیں تھا جو آزاد فضا میں دینی، تعلیمی اور ملی فریضہ انجام دے سکے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ جو ۱۹۱۲ء میں قائم ہوا

تھاوہ بھی ۱۹۲۰ء میں مکمل طور پر حکومت بہار کی تحویل میں چلا گیا۔اس کے اپنے حدودوابعاد ہیں۔جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے محسوس کیا کہ اس شہر میں ایک بڑا دینی ادارہ قائم کیا جائے جو نہ صرف دینی تعلیم کی ضرورت کو پورا کرے بلکہ اس کی حیثیت ایک تحریک کی ہو اور وہ دین وملت کے اہم معاملات میں قائدانہ کردار ادا کرے۔

جناب مولانا محمد قاسم کی نگرانی اور اہتمام میں جامعہ مدنیہ دینی اور ملی فریضہ انجام دے رہا ہے اکابرین ملت کی سرپرستی اور رہنمائی اسے حاصل ہے۔انشاءاللہ یہ بہار کا ایک مرکزی ادارہ ثابت ہوگا ابھی جامعہ میں تقریباً سات سو بچے زیر درس ہیں جن کی تعلیم وتربیت کے لئے چالیس باصلاحیت اور تجربہ کار اساتذہ مامور ہیں۔مولانا محمد ناظم ایک باصلاحیت استاد، خداترس عالم دین، بے باک مقرر، صاحب قلم مصنف اور پرعزم نوجوان جامعہ مدنیہ کی نظامت فرما رہے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

☆☆☆

کورو ڈیہہ۔ جلوہ گاہِ عارفاں

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ

(۱۸۴۶ء۔۱۹۲۷ء)

مولانا محمد علی مونگیریؒ انیسویں صدی کے ان نامور بزرگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اس دور انحطاط میں اسلام کی مدافعت اور اس کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی تربیت کے سلسلہ میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اگرچہ آپ کی شہرت ندوۃ العلماء کی تحریک کے بانی ہونے کی حیثیت سے زیادہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسری حیثیتوں سے بھی آپ کا مقام نہایت بلند ہے۔ آپ نہ صرف ایک جید عالم دین تھے بلکہ ایک عظیم مبلغ اور مصلح قوم بھی تھے۔ ردِ عیسائیت اور قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کے کارنامے تجدید کی شان رکھتے ہیں۔ ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے آپ نے ہزاروں بندگان خدا کو فائدہ پہنچایا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے آپ نے ایسی گرانقدر تصانیف یادگار چھوڑیں جو آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ کا سلسلۂ نسب شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد میں حضرت شاہ بہارالحق مخدوم حبیب اللہ ملتانیؒ اور ان کے نامور فرزند حضرت شاہ ابوبکر چرم پوش جیسے اولیاء اللہ بھی ہیں۔ حضرت شاہ ابوبکر چرم پوشؒ آج سے تین سو برس پہلے ملتان سے جہاں ان کا خاندان آباد تھا ضلع مظفرنگر تشریف لائے اور قصبہ کھتولی کے قریب قیام فرمایا۔ مولانا محمد علیؒ کے جدامجد سید شاہ غوث علی مظفرنگر سے کانپور تشریف لائے اور سکونت پذیر ہوئے اور شاہ غلام مصطفٰے کے بعد ان کے جانشیں مقرر ہوئے۔ یہ پورا خانوادہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے لے کر مولانا محمد علی تک شریعت و طریقت کا ایک سلسلۃ الذہب ہے۔

۳ شعبان ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۸۴۶ء کو کانپور میں مولانا کی ولادت ہوئی۔ مولانا ابھی صرف دو سال کے تھے کہ آپ کے والد ماجد مولانا سید عبدالعلی کا انتقال ہوا۔ ابتدائی زمانہ آپ نے اپنے

دادا سید شاہ غوث علی کے ساتھ گذارا، قرآن مجید اپنے چچا سید ظہور علی سے پڑھا۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا سید عبدالواحد بلگرامیؒ سے پڑھیں۔ درسیات کی تکمیل مولانا لطف اللہ (علیگڈھی) اور مفتی عنایت احمد کاکوروی سے کی۔ دس بارہ سال کی عمر میں مولانا کے دادا اور چچا دونوں کا انتقال ہو گیا۔ ۱۲۷۷ھ میں مدرسہ فیض عام میں داخل ہوئے۔ یہاں دو سال میں درسیات کی تکمیل کی۔ مولانا لطف اللہ صاحبؒ اور مفتی عنایت احمد صاحب کے علاوہ مولانا سید حسین شاہ سے بھی بعض کتابیں پڑھیں۔ ۲۲ سال کی عمر میں مولانا کی شادی ہوئی۔ جب مولانا لطف اللہ صاحب کانپور سے علی گڈھ مدرسہ جامع مسجد علی گڈھ تشریف لائے تو مولانا بھی علیگڈھ تشریف لے گئے اور بقیہ کتابیں ختم کیں۔ معقولات کی کتابیں ختم کرنے کے بعد مولانا لطف اللہ صاحب سے صحاح ستہ بہت اہتمام سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔

مولانا کو اہل اللہ اور مشائخ سے ایک خاص نسبت تھی۔ آغاز جوانی میں ایک بزرگ حافظ محمد صاحبؒ سے اہم ذات کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا کرامت علی قادریؒ کا دامن پکڑا اور دس ماہ تک ان سے استفادہ کیا اور اس کے بعد مولانا فضل رحمٰنؒ گنج مرادابادی کی صحبت اور بیعت کا اثر یہ ہوا کہ معقولات سے جی بھر گیا اور علم حدیث کی طرف طبیعت مائل ہو گئی مشہور محدث مولانا احمد علی سہارنپوری کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے پاس گیارہ مہینے قیام کر کے موطا امام محمد اور موطا امام مالک اور صحاح ستہ پڑھی اور ان سے سند حاصل کی۔ سہارنپور سے واپس ہونے لگے تو گنج مراد آباد تشریف لے گئے اور مولانا فضل الرحمٰنؒ نے صحاح ستہ موطا امام مالکؒ اور حصن حصین کی اجازت مرحمت فرمائی اور خلافت سے بھی سرفراز کیا۔ گنج مراد آباد سے واپسی کے بعد کچھ دنوں تک دلاری کی مسجد کانپور میں درس دیا۔ اس کے بعد مدرسہ فیض عام میں قریب تین سال تک درس حدیث دیا۔ کانپور میں قیام کے دوران مولانا نے ایک انجمن، ''انجمن تہذیب'' کے نام سے قائم کی جس کا مقصد علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلامی افکار کی اشاعت اور ان کے درمیان باہمی تعاون واشتراک عمل پیدا کرنا تھا۔ مولانا کے اندر تحصیل علم اور تحقیق کا جذبہ اس قدر تھا کہ اکثر مسائل کی تحقیق کے لئے لکھنو کا سفر کرتے۔ ایک مرتبہ بعض کتابوں کے لئے پٹنہ کا سفر کیا اور خدا بخش لائبریری سے استفادہ کیا۔ مولانا کی نظر فقہ میں بڑی گہری

تھی۔ بعض مسائل میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اختلاف بھی ہوا میلاد کے مسئلہ پر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے گفتگو ہوئی تو مولانا نے فرمایا کہ وہ اس طرح کے میلاد کے خلاف نہیں ہیں جس طرح کا میلاد مولانا لطف اللہ صاحبؒ پڑھتے ہیں۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ کا ایک اہم کارنامہ ردعیسائیت کا اہم فریضہ انجام دینا ہے۔ ۱۸۱۳ء میں جب ہاؤس آف کامنس سے یہ بل پاس ہوا کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لئے اگر پادری صاحبان ہندوستان جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں۔ اس بل کے پاس ہوتے ہی یورپ کے عیسائی مشنریاں ہندوستان آنے لگیں۔ ان مشنریوں نے حکومت کے تعاون سے ہندوستان میں تعلیم و ترقی کے نام پر اپنا جال پھیلانا شروع کردیا۔ یہ مشنریاں ملک کے طول وعرض میں پھیل گئیں اور اس طرح کام کرنا شروع کردیا گویا یہ تمام باشندگان ملک کو عیسائی بنا کر ہی دم لیں گی۔ انہوں نے اپنے تبلیغی پروگرام میں مثبت طریقہ کے بجائے منفی رویہ اختیار کیا۔ یعنی لوگوں کو رسول اللہ کی سیرت کی طرف سے شک وشبہہ اور غلط فہمی میں مبتلا کرنا اور مسلمانوں کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ان خیالات کی اشاعت اس قدر زور وشور سے ہوئی تھی کہ مسلمانون کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ احساس کمتری کا شکار ہوگیا۔ ایسے نازک وقت میں مستشرقین اور عیسائی پادریوں کے اعتراضات کا عملی جواب تحقیق کی روشنی میں اور میدان خطابت میں خطیبانہ زور بیان کے ساتھ جن بزرگوں نے دیا ان میں مولانا محمد علی مونگیریؒ کی ذات نہایت اہم ہے۔

مولانا محمد علیؒ ادھر ندوۃ العلماء کے لئے کوشاں تھے اور ادھر بہار میں قادیانیوں نے بھرپور حملہ شروع کردیا تھا اور اپنے اثرات تیزی سے پھیلا رہے تھے۔ مونگیر اور بھاگلپور کے متعلق ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ضلع قادیانی ہوجائیں گے۔ اس فتنہ کا سدباب کرنے کے لئے ایک طاقت ور شخصیت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مولانا کے لئے مقدر کی تھی۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے معتقدین بہار میں بھی تھے۔ جہاں ۱۳۰۰ھ میں مولانا محمد علیؒ کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ ۱۳۱۲ھ میں مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے انتقال کے بعد لوگوں کا رجوع زیادہ تر مولانا کی طرف ہوگیا اس لئے مولانا کے لئے اس کے سوا چارہ نہ رہ گیا کہ وہ اہل بہار کی طرف خصوصی توجہ دیں۔ قادیانی فتنہ کا مقابلہ کرنے

کے لئے مولانا نے مونگیر میں مستقل قیام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔۱۳۲۰ھ کے آخر میں مولانا نے کانپور چھوڑ کر مونگیر میں اقامت اختیار کرلی۔

مولانا محمد علیؒ کا ایک اہم کارنامہ قادیانیت کا مقابلہ اور اس فتنہ کا سدباب ہے۔ مولانا نے قادیانیت کی تردید میں سو سے زائد کتابیں اور رسائل تصنیف کئے ہیں۔ ان کی کوششوں سے بہار جس پر قادیانیوں نے اس زمانے میں بھرپور حملہ کیا تھا اس خطرہ سے محفوظ ہوگیا اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی قادیانیوں کے قدم اکھڑ گئے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس فتنہ سے محفوظ ہوگئے۔ مولانا نے خانقاہ میں ایک پریس بھی قائم کیا جہاں سے سو سے زیادہ کتابیں شائع ہوئیں۔ مولانا کی سب سے پہلی اور سب سے اچھی تصنیف فیصلۂ آسمانی ہے جو قادیانیوں کے حق میں فیصلہ آسمانی ہی ثابت ہوئی یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ رد قادیانیت بھی ایک کتاب ہے جو اپنا ایک امتیاز رکھتی ہے۔ اپنے محکم طرز استدلال، دلنشیں اسلوب کی وجہ سے اس موضوع پر یہ کتاب بے مثال تصنیف ہے اس موضوع پر مولانا کی دوسری اہم تصنیف ''شہادت آسمانی'' ہے جو دو جلدوں میں ہے۔ ان کے علاوہ مولانا کی جو تصنیفات رد قادیانیت میں ہیں ان میں چشمہ ہدایت، معیار صداقت، معیار المسیح، حقیقت المسیح، تنزیہ ربانی آئینہ کمالات مرزا۔ نامۂ حقانی زیادہ مشہور ہیں۔ مولانا نے صرف اس موضوع پر سو سے زیادہ کتابیں اور رسائل لکھے ہیں۔ مولانا کی کتاب ''چیلنج محمدیہ'' عربی و فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ مولانا کی ان تصنیفات و رسائل اور خطوط و مکاتیب نے اتنا کام کیا کہ بعض اوقات قادیانیوں کو یہ علم ہوتے ہی کہ مولانا کے رسائل کی فلاں جگہ عام اشاعت ہو رہی ہے وہ جگہ چھوڑ کر چلے گئے اور جب وہاں بھی ان رسائل نے ان کا تعاقب کیا تو ان کو تیسری جگہ پناہ لینی پڑی، مولانا کا نام ہی قادیانیوں کی شکست کا راز بن گیا تھا۔ پنجاب، بنگال، مدراس، بمبئی، گجرات، حیدرآباد، سلہٹ، ڈھاکہ، نواکھالی، میمن سنگھ وغیرہ جس جگہ قادیانیوں کے قدم پہنچے مولانا کی تصنیفات بھی ان کے تعاقب میں پہنچیں اور اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔

۱۳۲۰ھ ۱۹۰۳ء کے آخر میں مولانا مونگیر میں قیام پذیر ہوئے اسی وقت سے لوگوں کا ایسا

رجوع ہوا جیسے وہ ان کے لئے منتظر بیٹھے تھے۔ آپ کی اصلاحی کوششوں کی وجہ سے ہزاروں اور لاکھوں لوگوں نے فسق و فجور سے توبہ کر کے دینداری اختیار کی۔ ایمان و ہدایت کی اس باد بہاری نے جس طرح مرجھائے ہوئے دلوں میں نئی زندگی بخشی جسے کوئی مورخ یا تذکرہ نگار فراموش نہیں کرسکتا۔ ۲۸ر رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کو مولانا حج کے لئے روانہ ہوئے اور حج سے واپسی کے بعد کتابوں سے زیادہ رغبت پیدا ہوگئی لیکن ارشاد و اصلاح اور تزکیہ و تربیت کا کام پوری طرح جاری رہا۔ بہار میں مونگیر، بھاگلپور، دربھنگہ اور عظیم آباد میں خاص طور پر مولانا کے مریدین کی تعداد تھی لیکن بہار سے باہر دوسرے صوبوں کے چند اصحاب بیرون ہند کے بھی آپ کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔ مولانا کے مریدین کی تعداد چار لاکھ بتائی جاتی ہے۔ ۹ر ربیع الاول سہ شنبہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء کو ظہر کی نماز کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کے احاطہ میں مسجد کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کے ممتاز خلفاء میں مولانا عارف ہرسنگھ پوری دربھنگہ کا نام ہے۔ مدرسہ رحمانیہ سوپول، دربھنگہ ان ہی کی یادگار ہے۔

(بحوالہ 'رفیق' کا علماء بہار نمبر)

حضرت مولانا الحاج محمد سہول عثمانیؒ

(۱۸۰۵ء۔ ۱۹۴۹ء)

آپ کا مولد و مسکن قصبہ پورینی ضلع بھاگلپور ہے۔ آپ ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں شرح وقایہ وغیرہ تک ملا چک بھاگلپور کی خانقاہ میں پڑھیں۔ اس کے بعد کانپور تشریف لے گئے اور مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور مولانا عبدالوہاب فاضل بہاری وغیرہ کی خدمات سے مستفیض ہوتے رہے اس اثنا میں مولانا فاضل بہاری مدرس ہو کر حیدرآباد دکن تشریف فرما ہوئے بعض طلبہ کی درخواست حاضری پر انہوں نے دو طالب علموں کا خرچ بھیج دیا لیکن فاضل بہاری

ممدوح کے فیض سے مستفیض ہونے کے سلسلے میں چھ طلباء جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس واسطے یہ اصحاب ستہ حیدر آباد روانہ ہو گئے۔ دو شخصوں کے کرائے میں جہاں تک ریل پر جا سکتے تھے گئے باقی راستہ پا پیادہ صحرا و بیاباں، قصبات اور گاؤں کی خاک چھانتے ہوئے حیدر آباد پہنچے۔ واقعی ان حضرات نے تحصیل علم کی راہ میں متقدمین کے قصہ کو تازہ کر دیا ان چھ رفقائے سفر میں ایک حضرت مولانا محمد سہول عثمانی بھاگلپوری بھی تھے۔ حیدر آباد میں اس وقت استاذ الاساتذہ مولانا مولوی لطف اللہ صاحب علی گڈھی محکمہ دینیات کے افسر اعلیٰ تھے۔ مگر علمی شغف کے ماتحت وہاں بھی آپ کے درس و تدریس کا دریا بہہ رہا تھا۔ مولانا محمد سہول عثمان صاحب نے اس بحر علم سے بھی سیرابی حاصل کی۔ آخر فنون عقلیہ، فقہ اور اصول فقہ سے فراغت حاصل کر کے دیوبند تشریف لے گئے اور حدیث کے دورہ میں شریک ہو کر حدیث کی تکمیل کی اور فارغ ہو کر متعدد جگہ درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد دار العلوم دیوبند میں مدرس ہوئے۔ پھر یہاں سے مدرسہ عالیہ کلکتہ مدرس ہو کر تشریف لے گئے اور وہاں سے گورنمنٹ عربی مدرسہ سلہٹ اور وہاں سے یکم جولائی ۱۹۲۰ء کو مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل ہو کر پٹنہ تشریف لائے۔ آپ نے اپنے تبحر علمی و تجربہ کی بنا پر مدرسہ کی فضا کو حتی الوسع قدیم علمی درس و تدریس کی شمیم روح افزا سے بسانے کی سعی کی۔ چنانچہ ترمیم نصاب کے سلسلہ میں درس نظامی کی کتابوں کو نصاب میں داخل کیا اور اپنے عہد ملازمت کو بحسن و خوبی پورا کر کے یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو مدرسہ سے ریٹائر فرما گئے۔ اس کے بعد مفتی اعظم ہو کر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور اس کے بعد گورنمنٹ مدرسہ سلہٹ میں بخاری شریف و مسلم شریف کا درس دیتے رہے۔ آپ دیوبند کے زمانہ تعلیم ہی میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا تھا۔ اور پیر و مرشد کی وفات کے بعد حضرت مولانا مولوی محمود الحسن صاحب شیخ الہند سے نسبت کے مقدمات طے کر کے مسند ارشاد پر متمکن ہونے کی اجازت حاصل کی۔ (بحوالہ نور ھدی) آپ کا انتقال ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں پورینی بھاگلپور میں ہوا اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

قاضی رضی الدین بھاگلپوری (م۔۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء) عہد جہانگیری کے مشہور فقیہ اور فتاویٰ

جہانگیری کے مرتبین میں سے ایک تھے۔آپ مولانا شہباز محمد بھاگلپوری کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔آپ کے اجداد کا تعلق کیلاپور بھاگلپور سے تھا جو بعد میں مصطفیٰ پور منتقل ہو گئے تھے۔حضرت مولانا محمد سہول عثمانیؒ کا تعلق اسی خانوادہ سے ہے۔(مرتب)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

(۱۸۷۸ء۔۱۹۵۷ء)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ایک عظیم محدث، اولوالعزم مجاہد، بلند پایہ شیخ طریقت اور صاحب عظیمت عالم باعمل تھے۔آپ شیخ الہند کے خاص شاگرد، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ ارشد، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر مدرس اور جمعیۃ العلماء ہند کے صدر تھے۔آپ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔اس آفتاب عالم تاب کی ضیاپاشی سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورا عالم منور ہے۔آپ شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام والمسلمین اور قطب عالم تھے۔

۱۹رشوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو بانگرمؤ ضلع اُناؤ میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے والد گرامی جناب سید حبیب اللہ صاحبؒ ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ابتدائی تعلیم وطن مالوف الہداد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں ہوئی اور درس نظامی کی تکمیل ۱۳۰۹ھ سے ۱۳۱۶ھ تک حضرت شیخ الہند کی آغوشِ تربیت میں رہ کر دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔روحانی کمالات کا اکتساب قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی فیض صحبت میں کیا۔۱۳۱۶ھ میں اپنے والد ماجد اور جملہ اہل خانہ کے ساتھ عازم مدینہ منورہ ہوئے۔حج کی سعادت سے مشرف ہو کر محرم ۱۳۱۷ھ کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ منورہ میں شرف حضور حاصل ہوا۔جہاں ۱۳۳۵ھ تک قیام رہا۔اس عرصہ میں تین بار ہندوستان کا سفر ہوا۔جس میں چار سال صرف ہوئے۔کم وبیش ۱۴رسال مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں درس کی

سعادت حاصل رہی۔ پھر حضرت شیخ الہند کے ہمراہ اسیر مالٹا ہوئے۔ ۳/سال دو ماہ ۲۳ دن کی اسارت کے بعد ہندوستان واپس ہوئے۔ اس کے بعد امروہہ، کلکتہ اور سلہٹ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کے منصب صدارت تدریس اور مسند شیخ الحدیث پر تاحیات قائم رہے۔ اس عرصہ میں تین ہزار آٹھ سو چھبیس طلباء نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

وعظ وارشاد، بیعت وتلقین کے ذریعہ لاکھوں افراد کی اصلاح ہوئی۔ ایک سو ستائیس حضرات کو آپ کی طرف سے اجازت بیعت وخلافت حاصل ہوئی اور سیکڑوں افراد آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ صدہا مدارس قائم کئے اور ان کی سرپرستی فرمائی۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں، تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت اور جمعیۃ العلماء ہند کے پلیٹ فارم سے قائدانہ کردار ادا کیا۔ حضرت شیخ الہند کے وصال (۱۹۲۰ء) کے بعد ملی قیادت کا فریضہ انجام دیا اور ان کے مشن کو کامیاب بنایا۔ حصول آزادی کے لئے چار بار قید وبند کی آزمائش سے ہم کنار ہوئے۔ تقریباً ساڑھے سات سال اسیر فرنگ رہے۔ ۱۹۲۲ء جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن ہوئے۔ اسی سال جمعیۃ العلماء ہند کے پانچویں اجلاس کی صدارت کی۔ ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کا منصب تفویض ہوا۔ جس پر تادم زیست فائز رہ کر ملک وملت کے لئے عظیم خدمات انجام دیں۔

۱۳/جمادی الاول ۱۳۷۷ھ مطابق ۵/دسمبر ۱۹۵۷ء کو دیوبند میں رحلت فرمائی اور اپنے عظیم استاد حضرت شیخ الہند کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوگئے۔ (ماخوذ "تحریک آزادی میں مسلم علماء کا کردار")

موضع کوروڈیہ میں آپ کے شاگرد اور مریدین کی خاصی تعداد ہے۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ (م۔۱۹۶۹ء) آپ کے شاگرد اور خلیفہ ومجاز تھے۔ اس بستی میں آپ کئی بار قدم رنجاں فرما ہوئے ہیں۔ بحمداللہ آج بھی آپ کے خانوادے کے افراد کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ

(۱۸۸۱ء۔۱۹۵۴ء)

آپ شیخ الہند کے ممتاز شاگرد دارالعلوم دیوبند کے باکمال استاد علم وفضل میں یکتائے روزگار اور اپنے عہد کے استاد العلماء اور اعزاز العلماء تھے۔

۳۰ ذی الحجہ ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا وطن امروہہ ہے۔ والد کا اسم گرامی مزاج علی ابن حسن علی ابن خیر اللہ ہے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ گلشن فیض تلہر، مدرسہ عین العلوم شاہجہاں پور اور قومی مدرسہ میرٹھ میں متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۱ھ ر ۱۹۰۳ء میں حضرت شیخ الہند سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا عبدالمومن دیوبندیؒ، مولانا غلام رسول ہزاروی وغیرہم جیسی عبقری شخصیات شامل ہیں۔

فراغت کے بعد اسی سال مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگلپور میں خدمت تدریس پر مامور ہوئے جہاں ۷ ر سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر تین سال مدرسہ افضل العلوم شاہجہاں پور میں درس دیا۔ اس کے بعد ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں مادر علمی کی مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ درمیان میں ایک سال چھوڑ کر اپنی وفات تک کم وبیش چوالیس سال تک ادب، فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس دیا۔ تدریسی خدمات کے ساتھ انتظام اور افتاء کی خدمت بھی انجام دی۔ عرصہ تک نظامت تعلیمی کے منصب پر فائز رہے۔ دوبار صدر مفتی کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔

درس وتدریس میں مسلمہ مہارت کے ساتھ تصنیف وتالیف کا اعلیٰ ذوق تھا۔ اسی طرح اردو اور عربی کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ نور الایضاح، کنز الدقائق، دیوان متنبی، دیوان حماسہ شرح نقایہ کے حواشی علماء اور طلبہ کے لئے بیش بہا خزانہ ہیں۔ ''نفحۃ العرب'' آپ کی گرانقدر تالیف ہے۔

اس علم وفضل کے باوجود تواضع، انکساری، فروتنی اور بے نفسی میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ اسی طرح اوقات کے بہت پابند تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بیعت تھے۔

۱۲/رجب المرجب ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء کو دیوبند میں وفات پائی اور قبرستان قاسمی میں مدفون ہوئے۔ (ماخوذ: تاریخ دارالعلوم جلد دوم، مشاہیر دارالعلوم دیوبند)

مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ ضلع بھاگلپور جو آپ کے نام سے منسوب ہے آپ اس کے تاحیات سرپرست رہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ

(۱۸۹۷ء۔۱۹۸۳ء)

آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے مولانا حافظ محمد احمد مہتمم خاص دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد رشید اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م۔۱۹/جولائی ۱۹۴۳ء) کے خلیفہ ومجاز تھے۔

محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں دیوبند کے مشہور خانوادہ قاسمی میں پیدا ہوئے۔ از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۷ھ میں مطابق ۱۹۱۸ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ اسی سال مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں نیابت اہتمام کا منصب تفویض ہوا اور ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں مسند اہتمام پر فائز ہوئے اور ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۰ء تک تقریباً پچاس سال مسند اہتمام کو رونق بخشی اور دارالعلوم کی عظمت وشہرت کو بام عروج تک پہنچایا۔

حضرت شیخ الہندؒ (م۔۱۹۲۰ء) سے بیعت ہوئے اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے سلوک کی تکمیل کی۔ ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں خلافت واجازت سے مشرف ہوئے اور پھر ایک عالم کو فیض یاب

کیا۔آپ کی ذات گوناں گوں فضائل وکمالات کا مجمع تھی۔آپ بہترین قاری، جید حافظ،صاحب کمال عالم، بے بدل خطیب،صاحب طراز ادیب، قادرالکلام شاعر اور حکمت قاسمی کے شارح وامین تھے۔درس وتدریس، وعظ وخطابت، انتظام وانصرام کے ساتھ ایک سو سے زائد کتابوں کے مصنف تھے۔جن کا مجموعہ بارہ ضخیم جلدوں میں فرید بک ڈپو دہلی نے شائع کیا۔اسی طرح آپ کے خطبات کا مجموعہ بھی بارہ جلدوں میں شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکا ہے۔آپ کے سوانح اور خدمات پر متعدد کتابیں آچکی ہیں۔

۱۹۷۲ء میں جب مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت سے تاحیات آپ اس کے صدر رہے۔ ۶ر شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء کو آسمان علم وفضل کا آفتاب سرزمین دیوبند میں غروب ہو گیا۔(ماخوذ: از فدائے ملت نمبر، ندائے شاہی)

کوروڈیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ کئی بار آپ کی یہاں تشریف آوری ہوئی۔۱۹۷۷ء میں آپ یہاں آخری بار تشریف فرما ہوئے۔راقم الحروف کو آپ سے شرف ملاقات حاصل ہے۔آج بھی یہاں آپ کے درجن بھر شاگرد موجود ہیں۔

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی

(۱۹۱۴ء۔۱۹۹۱ء)

آپ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے خلف ارشد، جید عالم دین، بے باک مجاہد، روحانی پیشوا، قائد ملت اور امیر شریعت تھے۔آپ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں خانوادۂ رحمانی مونگیر بہار میں پیدا ہوئے۔اپنے والد کی نگرانی اور تربیت میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔چار سال ندوۃ العلوم لکھنؤ میں رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔۱۹۳۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی۔آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ

کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

فراغت کے بعد آپ جامعہ رحمانی مونگیر کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔آپ کے دورِ نظامت میں جامعہ نے کافی ترقی کی اور ایک باوقار ادارہ کی حیثیت سے علمی دنیا میں متعارف ہوا۔باصلاحیت اساتذہ کو مقرر کیا اور تعلیمی معیار کو بہت بلند کیا۔یہاں کے مشہور اساتذہ میں مولانا شمس الحقؒ، مولانا اکرم علی، مولانا نظام الدین موجودہ امیر شریعت اور مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے اسماء گرامی اہم ہیں۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی جامعہ میں خود بھی درس دیتے تھے۔۲۴ر مارچ ۱۹۵۷ء کو امیر شریعت منتخب ہوئے۔اس وقت امارت شرعیہ کی کوئی مستقل عمارت نہیں تھی۔پھلواری شریف ہی میں چند کمروں میں امارت کے کام انجام دئے جاتے تھے۔امیر شریعت رابع نے امارت شریعہ کو بہت ترقی دی اور اس کو اپنی عمارت میں منتقل کیا اور اس کے دائرہ کار کو کافی وسعت دی۔ایک فعال ادارہ کی حیثیت سے یہ پورے ملک میں متعارف ہوا۔

۱۹۷۲ء میں جب مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اس کے صدر اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب اس کے پہلے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔آپ نے مسلم پرنسل لاء بورڈ کی اہمیت، ضرورت اور اس کی افادیت سے امت مسلمہ کو متعارف کرایا اور اس ادارہ کو ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک باوقار ادارہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔اس کے ذریعہ بہت سے ملی اور دینی مسائل حل ہوئے۔۱۹۷۶ء میں ملک میں ایمرجنسی کے دوران جبریہ نس (ضبط تولید) کے خلاف لسانی جہاد کیا اور اس کے خلاف تقریریں کیں۔پوری شدت سے اس کی مخالفت کی اور اس کے خلاف ایک رسالہ شائع کر کے امت کو بروقت اس فتنہ سے آگاہ کیا۔مولانا منت اللہ رحمانیؒ اپنے وقت کے ایک مدبر، سیاست داں اور بہترین منتظم کار تھے۔طالب علمی کے زمانے سے آپ کو سیاست سے تعلق تھا۔آزادی کی تحریک میں آپ نے دیوبند میں طلباء کی قیادت کی اور جیل بھی گئے۔۱۹۳۶ء کے الیکشن میں مدھے پورہ سے منتخب ہوئے اور ملک وملت کی خدمت کی۔آپ نے کئی اہم کتابیں بھی تالیف وتصنیف کیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد خاص تھے۔ جب بھی بہار میں حضرت مدنیؒ کا دورہ ہوتا تو اس کا پروگرام آپ مرتب کرتے اور خود حضرت مدنیؒ کے ساتھ شریک سفر ہوتے۔ ارشاد و ہدایت کے تحت آپ کے مریدین کی تعداد خصوصاً شمالی بہار میں بہت ہے۔ حضرت مولانا عارف ہرسنگھ پوری خلیفہ ومجاز حضرت مونگیریؒ کے آپ مرید اور خلیفہ ومجاز تھے۔

۱۹۹۱ء میں آپ کا انتقال ہوا اور جامعہ رحمانی مونگیر کے احاطہ میں مسجد سے متصل اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ بہت سے دینی مدارس کے مربی اور سرپرست رہے اور دارالعلوم دیوبند کے مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے۔ آپ بڑے حق گو اور بے باک مجاہد تھے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی

(۱۹۲۸ء۔۲۰۰۶ء)

امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی ۴ر ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷ر اپریل ۱۹۲۸ء کو جمعہ کے دن بچھرایوں ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ اسی سال محرم الحرام ۱۳۴۶ھ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ دارالعلوم کی صدارت تدریس کے منصب پر فائز کئے گئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بچھرایوں کے حکیم سید غلام علی صاحب کی چھوٹی صاحب زادی تھیں۔ جن سے شیخ الاسلامؒ نے مالٹا سے واپس آکر نکاح کیا تھا۔

آپ کی ابتدائی تربیت آپ کی والدہ معظمہ نے فرمائی۔ ابھی آپ کی عمر ۹ر سال کی تھی کہ ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کے خصوصی خادم اور

آپ کے خانوادہ کے مربی حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب سہس پوریؒ کے زیرنگرانی آپ نے تعلیم کے مراحل طے کئے اور ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ اس کے بعد ۲۸رشوال ۱۳۷۰ھ کو آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے اعزازی تقرر کیا گیا اور ۲۴رذی قعدہ ۱۳۷۲ھ کو ااستقلال منظور ہوا اور ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء تک آپ باقاعدہ دیوبند کے مدرس رہے۔ اس بارہ سالہ تدریسی دور میں زیادہ تر درجات متوسط کی کتابیں زیردرس رہیں۔ آپ تدریس چھوڑ کر قومی خدمت اور رشد وہدایت کے میدان میں آ گئے۔

جمعیۃ العلماء ہند سے فکری ہم آہنگی آپ کو گھریلو ماحول سے عطا ہوئی تھی۔ جمعیۃ العلماء سے آپ کو جذباتی لگاؤ تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلامؒ کی زندگی ہی میں آپ جمعیۃ العلماء شہر دیوبند کے نائب صدر بنا دئے گئے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں صوبہ اتر پردیش کی جمعیۃ علماء ہند کے صدر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد سے آپ نے جمعیۃ علماء کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ پوری زندگی اسی جماعت کی خدمت کے لئے وقف کردی۔ آپ کے صدر بننے کے بعد پورے صوبہ میں جمعیۃ علماء بہت فعال، مستحکم اور متحرک ہوگئی۔ آپ نے اس میں نئی زندگی ڈال دی۔

یوپی کی صدارت کے دور میں آپ نے خاص طور پر پورے صوبہ میں دینی تعلیمی بورڈ کا نظام مستحکم کرنے پر توجہ مبذول کی اور اسلامی شعائر کی حفاظت، مسلمانوں کے تشخص کے تحفظ اور جمعیۃ کی تنظیم پر زور دیا۔

اس دور میں آپ کا ایک اہم کارنامہ اجودھیا کی بابری مسجد کے بارے میں جمعیۃ علماء یوپی اور سنی سنٹرل وقف بورڈ کی طرف سے دیوانی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کرنے کا ہے۔ ۱۸ردسمبر ۱۹۶۱ء کو یہ مقدمہ سول جج فیض آباد کی عدالت میں دائر کیا۔ جمعیۃ علماء یوپی آج تک اس مقدمہ کی اہم فریق ہے۔

۱۹۶۰ء سے قبل شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب کو جمعیۃ علماء کا صدر منتخب کیا

گیا تھا۔ آپ کے عہدۂ صدارت کی دو سالہ مدت اختتام کے قریب تھی کہ جمعیۃ علماء ایک زبردست صدمہ سے دو چار ہوگئی۔ یہ حادثہ تھا جمعیۃ علما کے عظیم روح رواں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کے وصال کا۔ آپ ۲ راگست ۱۹۶۲ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ جہاں آپ کی وفات کی خبر جمعیۃ علماء کے فدائیوں کے لئے ایک صدمہ جانکاہ تھا وہیں اس حادثے نے فتنوں کے دروازے بھی کھول دئے۔ اگلی مدت میں جمعیۃ علماء کی صدارت کے نام پر کئی ایک طالع آزما میدان انتخاب میں کود پڑے۔ جمعیۃ العلماء کی صفوں میں انتشار محسوس ہونے لگا۔ ضرورت تھی کہ جمعیۃ علماء کی ازسرنو شیرازہ بندی کی جائے اور اسلاف کی امانت کو تقسیم کی زد سے بچایا جائے۔

حالات دگرگوں تھے۔ فضا ناسازگار تھی۔ اس عظیم معرکہ کو سر کرنے کے لئے فدائے ملت جمعیۃ علماء اتر پردیش کے صدر اور جمعیۃ کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سامنے آئے اور صوبائی جمعیۃ علماء کی طرف سے جمعیۃ علماء ہند کو اکیسویں اجلاس عام کی میزبانی کی دعوت پیش کی۔ ۷ تا ۱۰ جون ۱۹۶۳ء کو میرٹھ میں یہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے ذریعہ جمعیۃ العلماء کی نئی شیرازہ بندی کی۔ آپ کی اس سعی بلیغ سے جمعیۃ علماء کے اندر وہ انتشار جو مجاہد ملت کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا کافی حد تک دور ہو گیا۔

میرٹھ کا اجلاس توقع سے زیادہ کامیاب ہوا تھا۔ انتشار پسند حلقوں کے حوصلے پست کر ڈالے تھے۔ مگر خطرہ اب بھی باقی تھا۔ ادھر جمعیۃ علماء کے ناظم عمومی حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب میرٹھ کے اجلاس میں جمعیۃ کے ناظم عمومی کے عہدہ سے استعفا پیش کر دیا تھا۔ جمعیۃ کے صدر حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب نے ایسے نازک وقت میں حضرت مجاہد ملت کا مثیل اور سچا جانشیں فدائے ملت حضرت سید اسعد مدنیؒ کو اپنا دستوری حق ادا کرتے ہوئے ۹ راگست ۱۹۶۳ء کو جمعیۃ علماء کا ناظم عمومی نامزد کیا۔ آپ نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ ہر جگہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا گیا۔ حضرت مجاہد ملت کی وفات کے بعد جو حالات پیدا ہو گئے تھے وہ ختم ہو گئے۔ جماعتی صفوں میں جو مایوسی چھائی

تھی وہ امید میں بدل گئی۔

۱۹۶۴ء کی آمد آمد تھی۔ حضرت مولانا رمضان گذارنے کے لئے دیوبند سے ضلع گیا کے لئے روانہ ہوچکے تھے۔ لکھنؤ میں ۱۲۔۱۳ جنوری ۱۹۶۴ء کو ریاستی دینی تعلیمی بورڈ کا اجلاس طے تھا۔ حضرت مولانا متعلقین کو آگے روانہ کر کے لکھنؤ میں ٹھہر گئے۔ اجلاس جاری تھا کہ پے در پے یہ خبریں آنی شروع ہوگئیں کہ کلکتہ میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے۔ صوبہ بنگال کا بڑا حصہ فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری کی فضا گرم ہے۔ آپ کا دن رات کا چین و سکون کافور ہوگیا۔ اسی دوران خواب میں اپنے والد اور شیخ حضرت مدنیؒ کی زیارت ہوئی کہ وہ فرمارہے ہیں: ''کلکتہ میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور تم یہاں میٹنگ میں بیٹھے ہو۔'' پھر بس کیا تھا آپ سربکف ہوکر کلکتہ پہنچے اور آگ و خون کی ہولی میں مظلوموں کی حمایت کی خاطر کود پڑے۔ کلکتہ میں ابھی مظالم کا سلسلہ جاری تھا۔ ہزاروں لوگ رفیوجی کیمپوں میں نہایت ناگفتہ بہ حالت میں بسیرا کئے ہوئے تھے، اس وقت حضرت مولانا نے نہ صرف وزیر داخلہ، وزیر اعلی اور دیگر حکام سے ملاقاتیں کیں بلکہ اسی خطرہ کے ماحول میں اور مبارک رمضان کے روزوں کے درمیان نہایت جرأت و بہادری کے ساتھ فسادزدہ علاقوں کا دورہ کیا اور مظلوں کو ڈھارس دلاکر ان کے لئے مناسب ریلیف کا انتظام کیا۔

ابھی کلکتہ کے بھیانک فسادات کا سلسلہ پوری طرح ختم نہ ہوا تھا کہ مارچ ۱۹۶۴ء کے وسط میں بہار واڑیسہ کے شہروں (جمشید پور، راورکیلا اور چائے باسا) میں منصوبہ بند مسلم کش فسادات کی لہر دوڑ گئی اور چند ہی دنوں میں کئی ہزار مسلمان شہید کردئے گئے۔ حضرت مولانا نے ناظم عمومی کی حیثیت سے فسادات کی روک تھام، ریلیف اور بازآبادکاری کے لئے زبردست جدوجہد کی دورہ کر کے جابجا ریلیف کیمپ قائم کرائے اور علاقائی جماعت کے کارکنوں کو مسلسل ہدایات دیتے رہے۔

قومی فرقہ پرستی کے خلاف حضرت مولانا نے ۲۹۔۳۰ نومبر ۱۹۶۴ء کو وگیان بھون میں ایک شاندار کنونشن کیا جس میں اس وقت کے وزیر اعظم لال بہادر شاشتری اور وزیر داخلہ گلزاری لال نندہ

سمیت بہت سے غیر مسلم رہنماؤں نے شرکت کی اور فرقہ پرستی کو مٹانے کے لئے پختہ عزم کیا۔ اس کنونشن سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ فسادات کی لہر کافی حد تک کم ہوگئی اور مسلمانوں کو جینے کا حوصلہ ملا۔ (ماخوذ: فدائے ملت نمبر۔ ندائے شاہی)

حضرت فدائے ملت کا ایک اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کو گلی قاسم جان کی مصروف گلیوں سے نکال کر مسجد عبدالنبی[1] میں منتقل کیا اور ۱۳ر جون ۱۹۶۵ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس اس میں منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمت اللہ علیہ نے فرمائی۔

حواشی [1] شیخ عبدالنبی جس کے نام سے یہ مسجد موسوم ہے وہ مشہور زمانہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے اور شیخ احمد کے بیٹے ایدری (ضلع گنگوہ) کے رہنے والے تھے۔ علم وفضل کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری میں مشہور تھے۔ شہنشاہ اکبر نے جب سنا تو انہیں ۹۷۱ھ/۱۵۶۳۔۱۵۶۴ء میں صدر الصدور مقرر کر دیا۔ ان کے دبدبے اور داد و دہش اور جاہ و جلال کے سب قائل ہیں۔ لیکن بالآخر اکبر ان کی سخت گیری سے عاجز آگیا۔ خاندان ملا مبارک (ابوالفضل اور فیضی کے والد) کے ہاتھوں انہیں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اکبر نے ۹۶۸ھ/ ۱۵۷۸۔۱۵۷۹ء میں مکہ چلے جانے کا حکم دیا۔ ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں واپس چلے آئے اور فتح پور سکری میں حاضر دربار ہو گئے۔ یہاں ان کی غیر موجودگی میں دربار کا اور ہی رنگ ہو گیا تھا۔ ان کی بہت فضیحت ہوئی۔ آخر کار اکبر نے انہیں ٹوڈرمل اور ابوالفضل (وزیر اعظم) کے سپرد کر دیا کہ جو ستر ہزار کی رقم انہیں حجاز میں علماء مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے کو دی گئی تھی اس کا حساب سمجھ لو۔ ابوالفضل نے انہیں نظر بند کر دیا۔ اسی حالت میں آخری وقت آگیا۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ اکبر کے ایما پر ابوالفضل نے مروا ڈالا۔ یہ واقعہ ۹۹۲ھ/۱۵۸۳ء کا ہے۔ شیخ کی تاریخ وفات ہے دلی میں بہادر شاہ ظفر مارگ پر آج جمعیۃ علماء ہند کا صدر دفتر ہے جس مسجد میں ہے وہ الٰہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ نارنول (پنجاب) میں مدفون ہیں۔ (منتخب التواریخ، طبقات اکبری، دربار اکبری، ماخوذ: از حواشی تذکرہ مولانا آزاد)

۱۱/اگست ۱۹۷۳ء کو آپ جمعیۃ علماء ہند کے صدر مقرر ہوئے۔ اپنے دورِ صدارت میں ملک وملت کے لئے آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ۱۹۷۷ء میں فرقہ واریت کے خلاف ملک وملت بچاؤ تحریک شروع کی۔ ۱۹۸۲ء میں فتنہ قادیانیت کے سدباب اور استیصال کے لئے دارالعلوم دیوبند میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام پر زور دیا اور اس کے ذریعہ ملت کو قادیانی فتنوں سے آگاہ کرنے کے لئے بڑے بڑے اجلاس منعقد ہوئے۔ ۱۹۸۹ء میں بھاگلپور کے فرقہ وارانہ فسادات میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ متاثرہ علاقوں کا دورہ فرمایا اور متاثرین کی بازآبادکاری کے لئے مکانات تعمیر کرائے اور حکومت کی سطح پر قانونی چارہ جوئی کی۔ جس کی وجہ سے جلد فساد پر کنٹرول ہوا۔ متاثرین کی راحت رسانی کے لئے مختلف علاقوں میں ریلیف کیمپ قائم کئے اور ان کی بھرپور امداد و مالی تعاون فرمایا اور جمعیۃ کے کارکنوں کی بذات خود نگرانی کی۔ اس سلسلے میں کئی بار آپ کا بھاگلپور کا

بقیہ حواشی: مسجد عبدالنبی بہادر شاہ ظفر مارگ میں بہت اونچی جگہ پر واقع ہے۔ غالبًا چھوٹی پہاڑی پر یہ مسجد بنائی گئی تھی اور نیچے پہاڑ کاٹ کر آبادی بڑھتی گئی۔ تیس بڑی بڑی سیڑھیوں پر چڑھنے کے بعد مسجد کے صحن میں قدم رکھ سکتے ہیں۔ ۴۷-۱۹۴۶ء میں جب مسلمان، دہلی سے ہجرت کرنے لگے تو آس پاس کی آبادی مسلمانوں سے خالی ہوگئی۔ مسجد ویران ہوگئی اور غالبًا اس پر سکھوں کا قبضہ ہوگیا۔ بعد میں جب کچھ سکون ہوا تو امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد (م۔۱۹۵۸ء) کی نظر شفقت، پنڈت جواہر لال نہرو کی انسانیت وشرافت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن (م۔۱۹۶۲ء) کی محنت اور حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی انتھک کوششوں سے یہ مسجد واگذاشت ہوکر آثار قدیمہ کے ماتحت زیر اہتمام جمعیۃ علماء ہند آگئی اور اب یہاں آل انڈیا جمعیۃ علماء ہند کا صدر دفتر ہے۔ واگذاشت ہونے کے بعد اس کی حالت بڑی خراب تھی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صاحب نے بڑی محنت، جانفشانی اور سعی بلیغ سے اس کو سنوارا اور لاکھوں روپے خرچ کر کے قوم کے اہل خیر حضرات سے تین طرف کافی مرصع کمرے بنوادیے ہیں۔ جن پر چند تعمیر کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ تمام کمروں میں پنکھے، فرش اور ملحقہ سیپٹک لیٹرین اور باتھ روم بھی ہیں۔ مہمان خانہ، میٹنگ ہال، معزز مہمانوں کے لئے الگ شاندار کمرے ہیں۔ باورچی

دورہ ہوا اور حالات کا جائزہ لیا۔

بھاگلپور کے فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر موضع کوروڈیہ ایک ریفیوجی کیمپ بن گیا تھا۔تقریباً ڈھائی ہزار افراد یہاں پناہ گزین تھے۔ان کے خورد ونوش کے لئے گاؤں والوں نے بڑی اولوالعزمی کا ثبوت دیا۔حضرت مولانا ان حالات سے باخبر تھے۔اس نازک گھڑی میں آپ کوروڈیہ تشریف فرما ہوئے اور لوگوں کی خیریت دریافت کی اور ڈھارس بندھائی۔اس وقت آپ کی پریشانی اور بیچینی کا عالم یہ تھا کہ گویا آپ پر یہ افتاد پڑی ہے۔جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ موضع لوگائیں بری طرح متاثر ہوا ہے اور اس گاؤں کی کوئی خبر نہیں ہے تو آپ وہاں جانے کے لئے بلا تامل تیار ہو گئے۔اس وقت حالات اس قدر ناگفتہ بہ تھے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا ناممکن معلوم ہو رہا تھا۔راستے مخدوش اور غیر مامون تھے۔لیکن آپ کی ہمت اور جرأت کا یہ عالم تھا کہ اس آگ وخون میں بے خطر کود پڑے۔اس گاؤں میں ۱۲۲ افراد شہید کر دیئے گئے تھے اور ان کی لاشوں کو کنوؤں میں موند دیا گیا تھا۔آپ کی وجہ سے ان لاشوں کا پتہ چلا جو بعد میں دو

بقیہ حاشیہ: خانہ، متعدد غسل خانے اور بہت اچھا کتب خانہ (محمودیہ لائبریری) بھی ہے۔دو ٹیلیفون ہیں اور ۲۴ گھنٹے دفتر کے افراد کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ٹھنڈے اور گرم پانی کا الگ الگ بہت اچھا نظم ہے۔مسجد کے چاروں طرف پھول سبزیاں اور سیکڑوں قسم کے شاداب درخت لہلہا رہے ہیں جو آفتاب کی تمازت اور سردی کی لہر کو باہر ہی روک دیتے ہیں۔یہ مسجد بہت شاعرانہ جگہ پر واقع ہے۔یہ حیثیت شاہ جہانی مسجد کو بھی حاصل نہیں ہے۔رات میں حلقۂ مسجد سے باہر نکل کر اگر آپ دیکھیں گے تو دلی کا آدھا حصہ پستی میں پھیلتا ہوا نظر آئے گا۔ مسجد اور دفتر بھولے بھٹکے، غریبوں اور مسکینوں، مسافروں مریضوں اور بے سہارا لوگوں کا مامن او[ر ٹھک]انا ہے۔میرا ذاتی خیال ہے کہ دلی میں مسلمانوں کا کوئی دوسرا ایسا ادارہ نہیں ہے، جہاں اتنے متنوع کام ہوتے ہوں۔(ماخوذ: منثورات آسی، ص:۸۹_۸۸)

قبروں میں اجتماعی طور پر دفن کی گئیں۔ ایسے حالات میں بھی آپ کی بصیرت اور تدبر کا عالم یہ تھا کہ آپ جہاں جاتے تاکید فرماتے کہ دہشت گردوں کے خلاف نام سے ایف آئی آر ضرور کرو۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جب حالات بہتر ہوئے تو ان مہلوکین کے ورثاء کو معاوضہ کی رقمیں ملیں اور جن لوگوں کا ایف آئی آر نہیں ہوا تھا وہ اس رقم سے محروم رہے۔ ملزمین کے خلاف مقدمے درج ہوئے۔ بلاشبہ آپ فدائے ملت تھے۔ پورے ہندوستان میں آپ کا کوئی نظیر اور مثیل نہیں۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں اپنی اولوالعزمی، خدمت خلق اور ایثار کے لئے بہت مشہور و معروف تھے تو دوسری طرف علمی وجاہت، تدبر و تفکر اور اصابت رائے کے لئے بھی آپ کی شخصیت بڑی قدآور تھی۔

آپ کی شخصیت بڑی متنوع اور کثیر الجہات تھی۔ آپ نے کئی جہتوں سے قوم و ملک اور ملت اسلامیہ کی خدمات انجام دیں۔ آپ راجیہ سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔ ایم پی کی حیثیت سے تین ٹرم پورے کئے۔ اس کے علاوہ آپ کئی اداروں کے رکن رہے۔ ان میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، شوریٰ دارالعلوم دیوبند، مرکزی وقف کونسل، ہمدرد ٹرسٹ دہلی، مرکزی حج کمیٹی، مجمع البحوث اسلامیہ قاہرہ، موتمر اسلامی تیونیسیا، موتمر فقہی ریاض، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، آل انڈیا مجلس مشاورت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۷۶ء میں آپ بہار مدرسہ اسٹوڈنٹس یونین پٹنہ کی دعوت پر بہار اسٹیٹ مدرسہ کنونشن میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور ہم طالب علموں کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس کنونشن کی صدارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م۔ ۱۹۹۹ء) نے فرمائی تھی۔

حضرت فدائے ملت کا بہار سے خصوصی تعلق تھا۔ آپ کی صحت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ چلنا پھرنا دوبھر تھا۔ وھیل چیر پر چلتے تھے۔ اس کے باوجود جمعیۃ علماء بہار کا آٹھواں اجلاس جو شری کرشن میموریل ہال پٹنہ میں ۴ ستمبر ۲۰۰۵ء مطابق ۲۹ رجب ۱۴۲۶ھ کو منعقد ہوا تھا اس میں پوری قوت اور عزم کے ساتھ نہ صرف شریک ہوئے بلکہ اس کی صدارت بھی فرمائی اور اپنے صدارتی خطبہ میں ملک و ملت کے

درپیش مسائل کو اجاگر کیا اور صوبائی اور مرکزی حکومت کے وزراء کو للکارا جو اس اجلاس میں شریک تھے۔ جسم ضرور نحیف و ناتوان ہو گیا تھا لیکن عزم، ارادہ، ہمت اور آواز میں کوئی کمی اور تبدیلی نہیں تھی۔ یہ بہت ہی کامیاب اجلاس تھا۔ اجلاس کے دوسرے دن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی دعوت پر جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ تشریف لے گئے اور جامعہ کی مسجد کی سنگ بنیاد کے بعد ایک جامع تقریر فرمائی جس میں قرآن کے خلاف پوری دنیا میں چلنے والی سازشوں سے آگاہ کیا اور تحفظ قرآن پر زور دیا۔ وہیں سے آپ دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ افسوس کہ بہار میں آپ کا یہ آخری دورہ ثابت ہوا۔

عین عید کے دن آپ وھیل چیر سے گر گئے۔ سر میں شدید چوٹ آئی۔ اپولو ہسپتال دہلی میں انتہائی نگہداشت یونٹ میں رکھے گئے۔ کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ ۳ مہینہ ۵ دن اپولو ہسپتال میں بے ہوشی کے عالم میں رہے۔ ۶ فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ محرم الحرم ۱۴۲۷ھ کو وقت موعود آ گیا اور آپ نے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جسد خاکی دہلی سے دیوبند لایا گیا۔ مزار قاسمی میں آسودۂ خاک ہوئے۔ حضرت مولانا طلحہ صاحب خلف ارشد شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریا نے نماز جنازہ پڑھائی۔

''آہ وفات مدنی'' اور ''وفات فدائے ملت امیر الہند''

۲۰۰۶ء ۱۴۲۷ھ

سے عیسوی اور ہجری سال وفات کا استخراج ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

حضرت مولانا خلیل احمدؒ

(۱۹۱۰ء۔۲۰۰۹ء)

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کی ذات بڑی بابرکت اورفیض رساں تھی۔آپ نے اپنی پوری زندگی تحصیل علم اوراشاعت علم میں صرف کردی۔آپ ۱۹۱۰ء میں ایک دینی اور علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد جناب حافظ محمد حبیب اللہ صاحب علاقے کے پہلے حافظ تھے۔ان دنوں علاقے میں کوئی دینی ادارہ نہیں تھا۔انہوں نے حافظ وارث علی ضلع مؤ (یوپی) سے کلام اللہ حفظ کیا تھا۔ان کے والد کا بڑے پیمانے پر چمڑے کا کاروبار تھا اور مجاہد پور، بھاگلپور میں گدام تھا۔ضلع مؤ (یوپی) سے محمد ضامن علی صاحب چمڑے کی خریداری میں اکثر بھاگلپور آیا کرتے تھے۔کبھی حافظ وارث علی صاحب بھی اپنے والد کے ساتھ بھاگلپور تشریف لاتے۔حافظ محمد حبیب اللہ صاحب کا ان سے تعارف ہوا اور وہ اپنے ساتھ آپ کو مؤ لے گئے اور قرآن حفظ کرایا۔حافظ حبیب اللہ صاحب پڑھنے میں بہت ذہین تھے۔چند ماہ میں ہی قرآن حفظ کرلیا۔

تکمیل حفظ کے بعد جناب حافظ محمد حبیب اللہ نے اپنے دروازہ پر ایک خانگی مکتب قائم کیا۔گھر کے بچوں کے علاوہ دوسرے بچے بھی یہاں پڑھتے تھے۔جناب مولانا حافظ دیانت احمدؒ صاحب چکدریا، ضلع بھاگلپور نے بھی اسی مکتب میں تعلیم پائی اور قرآن حفظ کیا تھا۔

حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔مزید تعلیم کے لئے مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا عبدالحمیدؒ، حضرت مولانا محمد غنیؒ اور مولانا حافظ محمد دیانت احمدؒ سے فوقانیہ تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔۱۳۵۰ھ میں فارغ التحصیل ہوکر وطن واپس آئے اور اپنے والد کے قائم کردہ مکتب میں مدرس ہوگئے۔جناب مولانا محمد یونس صاحب (م۔۲۰۱۰ء) کوروڈیہ کا بیان ہے کہ ''میں نے حضرت مولانا

سے ان کے دروازہ پر تعلیم حاصل کی تھی۔

۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں جب مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ، موضع پتھنہ میں قائم ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اس میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اس وقت تک اس علاقے میں کوئی دوسرا دینی ادارہ نہیں تھا۔ مدرسہ محمودیہ سمریا جو ۱۹۱۵ء میں قائم ہوا ہے وہ یہاں سے کافی دور تھا۔ اس لئے مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ کے قیام کے بعد دور دراز سے تشنگان علم اس مدرسہ میں آنا شروع ہو گئے۔ اس کے ایک سال بعد حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مدرس دوم کی حیثیت سے بحال ہوئے۔ درجۂ حفظ میں حافظ نجابت حسین استاد اور عصری تعلیم کے لئے ماسٹر محمد فخر الدین مقرر ہوئے۔ اس طرح مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ میں بڑی آب و تاب کے ساتھ تعلیم شروع ہوگئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد کی صدارت میں مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ نے بہت ترقی کی اور ہر چہار طرف اس کی شہرت ہوگئی۔ یہاں کا معیار تعلیم بلند تھا اور طلبا بھی باصلاحیت ہوتے اور دوسری جگہوں میں بھی وہ نمایاں رہتے۔ یہاں کے فارغین عموماً مدرسہ محمودیہ سمریا اور دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے تھے۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ امروہوی اس مدرسہ کے سرپرست تھے اور آپ حضرت مولانا کے استاد بھی تھے۔ آپ یہاں تشریف لاتے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں یہاں شرح وقایہ، کنزالدقائق، اصول الشاشی اور نورالانوار تک کی تعلیم ہوتی تھی۔ اس وقت طالب علموں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔ اس مدرسہ کا فیض ہے کہ نہ صرف یہ علاقہ بلکہ مشرقی بھاگلپور، بنگال اور اڑیسہ تک کے بچے یہاں زیر درس تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ایک فرض شناس، اعلیٰ منتظم کار، ماہر تعلیم، شفیق استاد، اور سب سے بڑھ کر ایک اچھے انسان تھے۔ آپ کی شہرت نے مدرسہ کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا سوز جگر، حضرت مولانا اعزاز علی کی فکر و نظر، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی کا تدبر، نکتہ رسی اور علامہ انور شاہ کشمیری کے رموز درس اور ژرف نگاہی نے آپ کی شخصیت کو بڑی پرکشش، ہمہ گیر اور ہمہ جہت بنا دیا تھا۔ حضرت مولانا کو تعلیم سے بے پناہ محبت تھی۔ جب آپ مدرسہ میں موجود ہوتے تو چہرے اور بشرے سے آپ کی بشاشت اور سرشاری کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ صبح سے شام تک اس

کیف و مستی میں درس دیتے۔ درس کا انداز بھی بڑا دلچسپ اور دل نشیں ہوتا۔ سارے لڑکے آپ کے گرویدہ ہوتے۔ آپ بڑے نرم اور شیریں بیان تھے۔ درس میں بھی یہی انداز رہتا۔ سبق کے رموز اس قدر کھول کر بیان کرتے کہ باتیں دل میں اترتی چلی جاتیں اور لوحِ دل پر نقش ہوتی جاتیں۔ آج بھی آپ کے درس کا وہ منظر آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔ صحیح معنوں میں آپ استاد کامل تھے۔ پوری زندگی علم کو دونوں ہاتھوں سے لٹاتے رہے۔ اس وقت آپ کی تنخواہ کیا تھی محض ۳۵ روپے ماہوار جو بعد میں بڑھ کر ۶۵ روپے ہوئی۔ مولانا کا کردار اور اخلاق بڑا بے مثال تھا۔ آپ سے جو بھی ملتا آپ کا گرویدہ وشیدا ہو جاتا۔ آپ اپنے پرانے شاگردوں سے بڑی محبت وشفقت سے ملتے۔

پورے علاقے میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے۔ کوئی گاؤں ایسا نہیں جو آپ کے شاگردوں سے خالی ہو۔ آپ نے تین نسلوں کی آب یاری کی ہے۔ آپ کے معمولات میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ وہی جوش وجذبہ، وہی ذوق وشوق اور وہی کیف وسرور جو شروع میں تھا وہ آخر وقت تک باقی رہا۔ ع گفتار میں کردار میں اللہ کا برہان

مدرس کی حیثیت سے علاقے میں آپ کا کوئی نظیر ومثیل نہیں۔ ۲۰۰۵ء سے اپنی علالت کی وجہ سے مدرسہ آنا بہت کم کر دیا تھا۔ پھر بھی وقفہ وقفہ سے مدرسہ تشریف فرما ہوتے اور گھنٹوں اس گلشن علم میں باغباں کی طرح چہکتے۔ راقم نے آخر عمر میں دیکھا ہے کہ جب کبھی آپ مدرسہ میں تشریف فرما ہوتے تو ایک نئی قوت، نئی توانائی وفورِ شوق سے آپ چہرہ گل وگلنار ہو جاتا اور جب تک آپ یہاں قیام فرما ہوتے اسی کیف وشرشاری میں رہتے۔ مسکراہٹیں آپ کے چہرہ پر کھیلتی رہتیں۔ تبسم ریز لبوں سے حکمت ودانائی کے پھول جھڑتے اور پوری مجلس عطر بیز ہو جاتی۔ اس تصور سے آج بھی مشام جاں معطر ہے۔

۲؍دسمبر ۲۰۰۹ء مطابق ۱۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ بروز چہارشنبہ آسمان علم وفضل کا یہ آفتاب سرزمین مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشینِ دل
می بینمت عیاں و دعامی فرستمت

☆☆☆

حضرت مولانا اشفاق احمدؒ

(۱۹۳۵ء۔۲۰۰۰ء)

حضرت مولانا اشفاق احمد صاحب موضع سمریا، ضلع بھاگلپور کے ایک متوسط خاندان میں ۱۹۳۵ء پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب محمد عبدالجبار صاحب کا انتقال حج کے دوران مکہ مکرمہ میں ہوا اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔ والدہ اور بڑے بھائی مشتاق احمد کی نگرانی اور تربیت میں ابتدائی تعلیم مدرسہ محمودیہ سمریا، ضلع بھاگلپور میں حضرت مولانا عبدالحمید صاحبؒ، حضرت مولانا محمد غنی صاحبؒ اور حضرت مولانا حافظ دیانت احمد صاحبؒ سے حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ امروہوی، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا نصیرالدین احمد خاں اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند وغیرہ جیسے جید اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ۱۹۵۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مادر علمی مدرسہ محمودیہ سمریا میں استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں آپ مدرسہ میں ایک باصلاحیت اور مشہور استاد کی حیثیت سے متعارف ہو چکے تھے۔ حدیث، تفسیر، عربی ادب اور تاریخ سلام آپ کے زیر درس تھیں۔ مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف، حماسہ اور علم ہیئت میں التصریح وغیرہ راقم الحروف نے آپ سے پڑھیں۔ موضوع اور مطالب بیان کرنے میں آپ وضاحت اور تشریح کا انداز اختیار کرتے اور درس کو باوقار بناتے۔ آپ پڑھانے میں کبھی بددلی اور بے رغبتی کا اظہار نہیں کرتے۔ تعلیمی ذمہ داری کو عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔

آپ کی شخصیت بڑی باوقار اور بارعب تھی۔ آپ لڑکوں کے اندر عالمانہ شان پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے لڑکوں کی بدخلقی اور بدتمیزی کبھی برداشت نہیں کرتے۔ آپ خود ایک عالم باعمل تھے اور عالمانہ شان میں رہتے تھے۔ لایعنی اور فضول گوئی آپ کو پسند نہیں تھی۔ طلبا اور اساتذہ کے درمیان ممتاز اور فائق تھے۔ آپ ایسی مجلس سے احتراز کرتے جہاں پست درجہ کی گفتگو ہوتی یا اس قماش کے لوگ ہوتے۔ چھوٹے بڑے سبھی آپ کا احترام کرتے۔ کوئی محفل یا مجلس ہو آپ اس میں نمایاں نظر آتے اور

مرکز نگاہ رہتے۔ حق گوئی اور بیبا کی آپ کا شعار تھا۔ حق بات کہنے میں کبھی مصلحت کیسی نہیں کرتے۔

حضرت مولانا کا شب و روز مدرسہ میں قیام نہیں تھا۔ آپ صبح تشریف لاتے اور مغرب کی نماز کے بعد گاؤں واپس ہو جاتے۔ آپ کی موجودگی میں تمام لڑکے مؤدب اور شائستہ رہتے۔ حضرت مولانا عبدالسلام رحمتہ اللہ علیہ کے بعد میں نے حضرت مولانا اشفاق احمد صاحب کو ہی دیکھا کہ لوگ ان کے بالمقابل ہونے میں کتراتے اور سہمتے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد پورے ہاسٹل میں ایک بار گشت کر جاتے۔ اس وقت تک تمام لڑکے اپنے اپنے مطالعے میں مصروف ہو چکے ہوتے اور اگر کسی کو ادھر ادھر گھومتے دیکھتے تو اس کی سرزنش ہوتی۔ ایک بار درجہ عالم کا ایک طالب علم ابتک مطالعہ کے لئے نہیں بیٹھا تھا۔ اتنے میں مولانا کے روبرو ہو گئے۔ مولانا نے فرمایا: ''رستم! تو اب تک پڑھنے نہیں بیٹھا ہے۔'' اس نے کچھ ناگواری سے جواب دیا۔ مولانا نے اس زناٹے دار طمانچہ لگایا کہ وہ دم بخود ہو گیا۔ بعد میں اس نے بتایا کہ اس وقت میرے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا..... میں مولانا کو دیکھ کر کچھ اکڑتا اور مولانا کو بہت خاطر میں بھی نہیں لاتا تھا۔ لیکن اس ایک طمانچہ نے میری ساری اکڑفوں نکال دی۔ میری دنیا ہی بدل ڈالی۔ اس کے بعد سے ابتدائی درجوں کے استاد بھی میری نگاہ میں نہ صرف یہ کہ باوقار ہو گئے بلکہ ان کی عظمت وجلال کا ایسا رعب دل پر طاری ہو گیا کہ جب بھی کوئی استاد سامنے ہوتے تو میں مؤدب ہو جاتا۔ یقیناً مولانا کی ذات تمام لڑکوں کے لئے بڑی بابرکت اور فیض رساں تھی۔ آج بھی مولانا کے اخلاق و کردار کی سبھی تعریف کرتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں آپ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے تھے۔

حضرت مولانا پوری زندگی مجرد رہے۔ طالب علمی کے زمانہ ہی میں آپ تپ دق کے مریض ہو گئے تھے۔ ڈاکٹروں نے ازدواجی زندگی سے گریز بتایا تھا۔ تاعمر آپ اس کے پابند رہے۔ آپ اپنے چھوٹے بھائی محمد احمد کے ساتھ تھے اور والدہ بھی انہی کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ ایک عرصہ تک مدرسہ سے کوئی تنخواہ نہیں لی۔ کاشت کی زمین تھی اور گذر بسر کے لئے وہ کافی تھی۔

حضرت مولانا علم دوست آدمی تھے۔ بہت سے اداروں کے سرپرست اور مربی رہے۔ غریب

اور نادار طالب علموں کی امداد کرتے۔ اپنے طالب علموں کو اکثر یاد رکھتے۔ آپ جب بھی ہمارے گاؤں آتے سبھوں کی خیریت دریافت کرتے سبھوں کے احوال سے باخبر رہنا چاہتے اور نماز کی بڑی تاکید کرتے۔ آپ کئی اداروں میں سالانہ امتحان لینے کئے لئے مدعو ہوتے تھے اور ملاحظہ میں بغیر کسی رو رعایت کے خامیوں کی نشان دہی کرتے اور بہتر تعلیم کے لئے مفید مشورے ارقام فرماتے۔ بعض مدرسوں کے ملاحظات کو میں نے دیکھا ہے۔ آپ کی شخصیت میں کیسی کیسی خوبیاں پوشیدہ تھیں؟ دراز قد، کشادہ پیشانی اور اس پر سجدے کے گہرے نشان، تنی ہوئی بھوئیں، گھنی داڑھی، تراشیدہ لب، بارعب آنکھیں، کھڑی ناک، سر بڑا اور اس پر کلف دار سفید ٹوپی، جو دیکھتے ان پر رعب طاری ہو جاتا۔ ہمیشہ لنگی میں رہتے میں نے کبھی پائجامہ میں نہیں دیکھا۔ چلتے وقت گردن تنی ہوئی، سرنگوں، لمبے لمبے قدم، دیکھنے والے یہ سمجھتے کہ کسی اہم امور کے لئے رہ سپار ہیں۔ راستے میں لوگ دائیں اور بائیں کترا کر نکلتے اور سلام کر کے گذر جاتے۔ آپ راستے میں چلتے پھرتے گفتگو کرنا سخت ناپسند کرتے تھے۔ لیکن احباب کی محفل میں باچھیں کھول کر مسکراتے اور پورے انہماک کے ساتھ محوِ گفتگو ہوتے۔ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۰ء تک راقم الحروف آپ کا شاگرد رہا۔ لیکن کبھی آپ کو سلام کرنے میں سبقت نہیں کر سکا۔ ہوتا یہ تھا کہ آپ کچھ فاصلے پر ہوتے، سوچتا کہ اور قریب ہو جائیں تو سلام کریں۔ ابھی ادھر ارادہ ہوا ادھر سے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کی صدا بلند ہو جاتی۔ ناچیز محجوب و شرمسار ہو کر رہ جاتا۔

مولانا کے احباب میں جید اور باوقار علماء تھے۔ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں تھی۔ چھوٹے بڑے سبھی نظر آتے۔ مختلف موضوعات پر خوب بحثیں ہوتیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے آپ متاثر تھے۔ ان کی ''غبار خاطر'' کو نہ معلوم آپ نے کتنی بار پڑھا تھا۔ جب آپ کے سبق میں حاضر ہوتا تو اس کتاب کو آپ کے پاس اکثر دیکھتا۔ مولانا کو شاعری سے زیادہ شوق نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ ''غبار خاطر'' کے منتخب اشعار آپ کو پسند ہوں۔ غبار خاطر کی تحریر پر نہ معلوم کتنے فدا ہوئے ہیں۔

مولانا شریعت کے سخت پابند تھے۔ میں نے کبھی کھلا جسم نہیں دیکھا۔ گرمی خواہ کتنی ہی ہو کبھی ننگے بدن نہیں ہوتے۔ گھر پر بھی آپ کو اسی وضع قطع میں دیکھا۔ عجز و انکسار آپ کا طبعی خاصہ تھا۔ آپ اس کا اہتمام

کرتے کہ ہمیشہ باوضو رہیں۔ آپ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے خلیفہ اور مجاز تھے۔ بڑی پابندی سے قیام رمضان اپنے مرشد کے ساتھ دیوبند میں کرتے۔ ۱۹۸۱ء حج بیت اللہ سے سرفراز ہوئے تھے۔

آخر عمر میں آپ گردہ کے مریض ہو گئے تھے۔ جسم ورم کر گیا تھا اور کافی کمزوری لاحق ہو گئی تھی۔ آپ کی عیادت کے لئے احباب، شاگرد اور رشتہ دار آتے جاتے رہے لیکن کبھی کسی سے اپنی پریشانی اور تکلیف کا اظہار نہیں کیا۔ تہجد کی نماز آخر وقت تک نہیں چھوٹی۔ آپ کے چھوٹے بھائی محمد احمد کا بیان ہے کہ جس شب آپ کا وصال ہوا دو بجے کے قریب آپ کے بیدار ہونے کی آہٹ ملی۔ میں بغل والے کمرہ میں سو رہا تھا۔ سمجھا کہ تہجد کے لئے بیدار ہوئے ہیں۔ کچھ دیر بعد جب میں اپنی ضرورت سے باہر آیا تو دیکھا کہ مولانا کا ایک پیر چارپائی سے نیچے لٹک گیا ہے۔ قریب جا کر دیکھا اور آپ کے پیر کو سیدھا کرنا چاہا لیکن اس میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ نبض ٹٹولا وہ ہم سب کو الوداع کہہ کر اپنے مالک حقیقی سے مل چکے تھے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون (۱۶ر مئی ۲۰۰۰ء مطابق ۱۱ر صفر ۱۴۲۱ھ بروز سہ شنبہ)

دوسرے دن گاؤں سے باہر خاندانی قبرستان میں حضرت مولانا محمد غنی صاحبؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات میں داخل کرے اور درجات کو بلند فرمائے۔ آمین

در رہِ عشق نہ کس بہ یقیں، محرمِ راز
ہر کسے بر حسب فہم گمانے دارد

ان حضرات باصفا کے علاوہ دیگر مشاہیر علماء میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی، حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری، حضرت مولانا اشہر رشیدی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد، حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری، (استاد مدرسہ شاہی و مدیر ندائے شاہی)، حضرت مولانا سید اسجد مدنی اور حضرت مولانا محمود اسعد مدنی وغیرہم موضع کوروڈیہہ تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اس چھوٹے سے گاؤں سے علماء کرام کا جو تعلق ہے وہ اس سے عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فیض کو جاری رکھے۔ آمین۔

☆☆☆

نقشہائے دگر

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے خط کا عکس

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خط حضرت مولانا عبدالسلامؒ کے نام کا عکس

15 INDIA

Madarsa Islamia
Shamsul Hoda
Patna
Bihar

Ghulam Sarwar
Speaker
Bihar Legislative Assembly

229856 | Off.
226082
222892 | Res.
224723

غلام سرور

2, DESH RATAN MARG
PATNA-1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتوب نمبر 12261

تاریخ 28-1-92

برادرعزیز ارشد جمیل صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

22 جنوری کا آپ کا خط مجھے مل گیا ہے ۔

ان دو برسوں میں پہلی دفعہ مذکورہ مسئلہ پر کھلے ہوئے دماغ کے ساتھ دیانتداری کو راہ دیتے ہوئے کسی نے بلکل وہی بات لکھی ہے جو اتنے دنوں سے میرے دل میں ہے اور جو میں چاہتا ہوں ۔

آپ لوگوں کی جو ..... بیٹھک ہوئی تھی اس میں بھی میں نے اس بلاک کا ذکر کیا تھا ۔ آپ شاید اس میٹنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ شاید اولڈ ہوائز کے بوتے سے باہر ہے ، بیراؤ کا سدھار ۔ 9 فروری کو ..... کو آپ ضرور اس میں یہ سوال رکھیں۔ مجھ کو امید نہیں ہے کہ کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو گا پھر بھی بات کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔

فقط والسلام

۲۸/۱/۹۲

(غلام سرور)

ارشد جمیل کے نام الحاج جناب غلام سرور صاحب کے خط کا عکس

GOVT. OF BIHAR

बिहार राज्य अल्पसंख्यक आयोग

بہار ریاستی اقلیتی کمیشن

BIHAR STATE MINORITIES COMMISSION

Chairman
Prof. Sohail Ahmad

Phone : 650006 (R)
Fax : 223983 (Home Sec.)
: 224296 (Spl. Sec. Home)

Old Secretariat
Patna - 800 015

Ref 3185

Date 23.2.2000

सूचना

बिहार राज्य अल्पसंख्यक आयोग की बैठक दिनांक- 2-3-2000 के अपराह्ण 3.00 बजे मेरे कार्यालय कक्ष में आयोजित की गयी है । इस बैठक में आयोग के कार्यकलाप तथा अल्पसंख्यको के आर्थिक, सामाजिक एवं शैक्षणिक स्थिति के सर्वेक्षण पर विचार किया जायगा ।

उक्त बैठक में उपस्थित होने का कष्ट करेंगे ।

Ahmad 23.2.2000.
। सोहैल अहमद ।
अध्यक्ष

सेवा में,

श्री डा. एम. अरशद जमील,
सदस्य बिहार राज्य अल्पसंख्यक आयोग,
रीडर, विश्वविद्यालय उर्दू विभाग,
एल. एन. मिथिला विश्वविद्यालय, दरभंगा ।

ارشد جمیل کے نام چیئرمین بہار ریاستی اقلیتی کمیشن کے خط کا عکس

arbbangi

ارشد جمیل کے نام جناب

دار النوادر

محمد کبیر الدین رازی
ایم بی اے

ارشد جمیل کے نام جناب شاہ نواز احمد خاں (ڈپٹی لیبر کمشنر) کے خط کا عکس

[illegible] ۲/۲/۲۰۰۰

برادرم ڈاکٹر ارشد جمیل صاحب

سلام و خلوص

آپ کا ۲۶ جنوری کا عنایت نامہ باعث سرفراز ہوا۔

آپ کے جذبۂ خلوص کا میں تہہ دل سے قدردان ہوں۔

آپ کے خطوط شرافت اور نجابت کی

زندہ مثال ہیں۔ آپ نے جس سعادت مندی

کا اظہار کیا ہے وہ بذات خود آپ کے

کردار کی عظمت کی دلیل ہے۔ سچ یہ

تو کہہ نہیں سکتا کہ زندگی میں مجھے دوبارہ

جانے کا موقعہ ملے گا یا نہیں لیکن آئندہ تو ہو سکتا

ہے کہ [illegible] ملاقات ہو۔ اللہ کوئی سبیل پیدا

کر دے۔

آپ سب کے لئے میری دعائیں اور نیک

تمنائیں۔ علی [illegible]
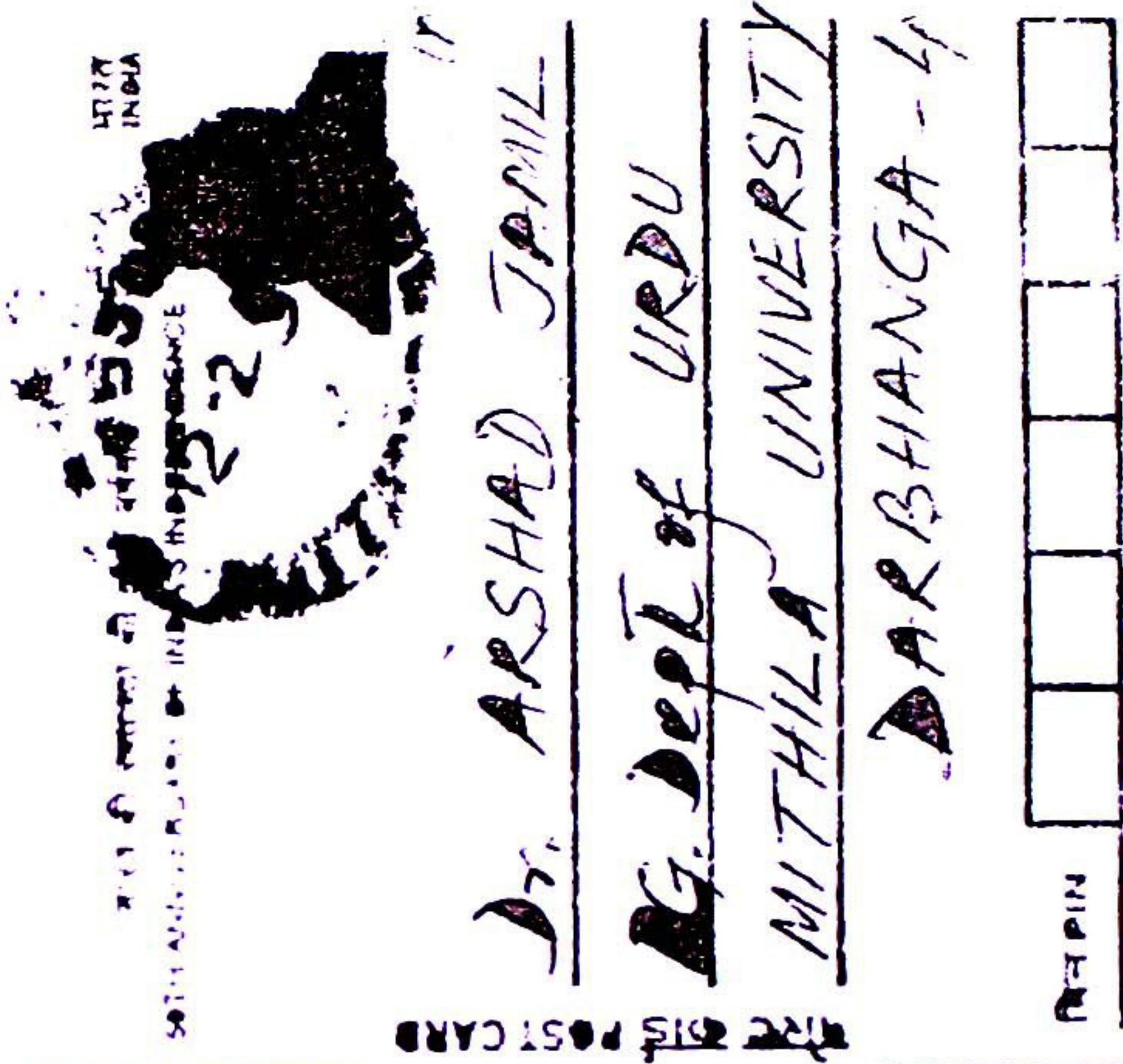
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ

موفقِ حقیقی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ

روئداد ۹ سالہ

مدرسہ اسلامیہ عربیہ اعزازیہ

واقع

موضع پتھنہ ڈاکخانہ اگرپور ضلع بھاگلپور

بابت

سنہ ۱۳۶۰ھ لغایۃ سنہ ۱۳۶۸ھ

حسب فرمائش

جناب حاجی نثار احمد صاحب مہتمم و جناب محمد علاء الدین صاحب نائب مہتمم

مدرسہ موصوفہ

ہمدرد پرنٹنگ پریس سہارنپور میں چھپکر

دفتر مدرسہ اعزازیہ پتھنہ سے شائع ہوئی

۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رودادِ نُہ سالہ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ واقع موضع پتھنہ ضلع بھاگلپور

از محرم الحرام ۱۳۶۰ھ لغایۃ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اما بعد۔ مولیٰ حقیقی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُس نے ہماری اور اہلِ خیر کی سعی کو مشکور ومقبول فرمایا اور مدرسہ اعزازیہ نے امن و عافیت کے ساتھ پندرھویں سال میں قدم رکھا۔

اس مدرسہ نے اپنے فریضہ (تدریس وتعلیم) ہی کی انجام دہی میں تا بمقدور استطاعت سعی نہیں کی بلکہ تمدن اسلامی، اخلاقی، معاشرتی، دینی، اسلامی کی تبلیغ میں بھی سرگرمی کے ساتھ کام کیا۔ اور کوشش کی کہ اہلِ اسلام صرف نام ہی کے مسلمان نہ ہوں بلکہ وہ مصالحانہ و مسلمانہ طریقہ پر رہ کر اپنے امورِ دینیہ پر عامل رہیں۔

مدرسہ مذکورہ اپنی ان مساعی میں کس قدر کامیاب ہوا؟ اس کا جواب ہم کارکنانِ مدرسہ مذکورہ اپنی زبان سے، اپنے قلم سے، اپنے رجسٹروں سے دینا زیادہ قوی دلیل نہیں سمجھتے ہیں بلکہ اس کا جواب مدرسہ کے اطراف وجوانب کے رہنے والے حضرات سے، ضلع بھاگلپور بلکہ صوبۂ بہار کے واقف کار حضرات کی زبان سے سننا چاہتے ہیں۔

مدرسہ اعزازیہ کا محلِ وقوع ایسا ہے کہ نہ وہاں ڈاکخانہ ہے نہ ریل ہے، نہ لاری ہی پہونچ سکتی ہے۔ انسانی ضروریات کے لئے کوئی بازار بھی نہیں ہے۔ اس موضع کی آبادی بہت ہی مختصر ہے۔ اس کے باوجود مدرسہ اعزازیہ کی کشش پوری قوت کے ساتھ نہ صرف طلبۂ علومِ دینیہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے بلکہ اہلِ اسلام کے دیندار حضرات بھی اسکو دیکھتے اور خوش ہوتے ہیں۔

طلبہ کی تعداد مدرسہ مذکورہ میں آمد ورفت کا کوئی ذریعہ سہل نہ ہونے کے باوجود ایک سو سے زائد طلبہ موجود ہیں ان میں سے باون طلبہ شب وروز مدرسہ ہی میں رہتے ہیں۔ باوجود گرانی اور قلتِ آمدنی کے بیس طلبہ کی خوراک کا کفیل مدرسہ اعزازیہ ہے۔ بقیہ مقامی حضرات طلبہ سے صرف

۳

پندرہ سیر چاول، تین سیر دال، اور ایک روپیہ نقد دیکر کھانے کا پورا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ کھانے کے اسی انتظام کی اُن کو کوئی تشویش نہیں کرنی پڑتی ہے تاکہ مطمئن ہو کر تعلیم میں مشغول رہیں۔ البتہ علاوہ کسی قسم کا کوئی خرچ اُن سے وصول نہیں کیا جاتا ہے۔ نہ دارالاقامہ کی فیس، نہ روشنی یا پانی، صفائی وغیرہ کے اخراجات غرض یہ کہ کسی مد میں ان سے کوئی فیس وصول نہیں کی جاتی اور اس صورت میں یہ جماعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مہمان رہتے ہیں اور اس کا اجر اُن کو ملتا ہے۔

نصاب مدرسہ

حکومت نے سیکولر اسٹیٹ ہونے کی وجہ سے مذہبی تعلیم کی ذمہ داری اپنے ذمہ نہیں رکھی ہے اس لئے ہمکو ایک طرف اپنی مذہبی ذمہ داری بھی پوری کرنی ضروری ہے اور اسلامی احکام کی تبلیغ کو اپنے کاندھوں پر اٹھانا ہے اور دوسری طرف دنیاوی مشاغل کے لئے بھی طلبہ کو اس طرح ہموار کرنا ہے کہ اگر وہ عربی نصاب کی تکمیل نہ کر سکیں تب بھی حکومت کی مشین کے کل پرزے بنکر اس کو مضبوط کر سکیں۔

اس لئے عربی میں فی الحال شرح تہذیب، کافیہ وغیرہ اور فارسی میں گلستان، بوستان، اخلاق محسنی وغیرہ پڑھائی جا رہی ہیں۔ اور ضروریات زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے ہندی، انگریزی، حساب، جغرافیہ، تاریخ بھی اسقدر اضافہ کر دیا جاتا ہے کہ اگر علوم عربیہ کی تکمیل سے پہلے ترک تعلیم پر مجبور ہوں تب بھی اپنی ضروریات کو اپنے ہی ہاتھوں سے پورا کر لیں۔

طلبہ کی نگرانی

طلبہ کی نگرانی مدرسہ عزیزیہ کے تمام مدرسین و مہتمم صاحبان کے ذمہ فرض ہے اسکی دو صورتیں ہیں (الف) نگرانی عام۔ اس سے کوئی طالبعلم مستثنیٰ نہیں ہے۔ مدرسہ کے ہر مدرس اور ذمہ دار (مہتمم صاحب ہوں یا نائب مہتمم صاحب یا دوسرے حضرات ارکان مدرسہ) کو حق ہے کہ اگر مدرسہ کے کسی طالبعلم کو خواہ مدرسہ میں یا کسی دوسری جگہ کوئی نامناسب حرکت کرتے ہوئے دیکھیں تو رفق و ملاطفت سے فہمائش کریں۔ نہ ماننے پر دفتر مدرسہ کو اطلاع دیں تاکہ مناسب طریقہ پر زجر کیا جاوے۔ (ب) نگرانی خاص۔ یہ نگرانی اُن طلبہ کے ساتھ مخصوص ہے جو مدرسہ عزیزیہ کے دارالطلبہ میں مقیم ہیں۔ ان کی نگرانی ہر وقت ہوتی ہے حتی کہ آپس میں رہنے سہنے کا طریقہ بھی بتایا جاتا ہے۔ اجتماعی معاشرت کے فوائد بتائے جاتے ہیں [illegible] کے ساتھ رہنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ نماز کی پابندی کرائی جاتی ہے اور ضمنی طور پر حسن اخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس نگرانی کے لئے جناب مولوی عبدالسلام صاحب و حافظ نجابت حسین صاحب و جناب ماسٹر فخرالدین صاحب

۴

مدرسہ ہی میں قیام فرماتے ہیں اور جناب مدرس دوئم صاحب وقتاً فوقتاً جانچ کرتے ہیں کہ نگرانی صحیح طور پر ہوتی ہے یا نہیں۔

درجہ حفظ قرآن شریف مدرسہ ہذا نے اپنی تھوڑی سی عمر میں تعلیم قرآن کی بڑی خدمت انجام دی اور طلبہ کی معتدبہ تعداد حفظ قرآن شریف سے مشرف ہوئی۔ اس وقت بھی مدرسہ ہذا میں سترہ طلبہ درجہ حفظ میں ہیں۔

کارکنانِ مدرسہ کی سعی ہے کہ ہر سال دو چار طلبہ تکمیل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کر لیا کریں اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے آپ حضرات کے اخلاص کی برکت اور خداوند عالم کی توفیق سے ہو رہا ہے کہ

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہو گا	ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کچھ کہ ہوا کرم سے تیرے	جو کچھ ہو گا تیرے کرم سے ہو گا

مالی حالت خدام مدرسہ نے بارہا عرض کیا کہ مسلمانان ہند پر عموماً اور صوبہ بہار کے مسلمانوں پر خصوصاً اور ضلع بھاگلپور کے باشندوں پر اخص خصوصی کے طور پر ضروری ہے کہ وہ اس مدرسہ کی دامے، درمے، قدمے، سخنے امداد کر کے رضائے خداوندی حاصل کریں اور اسلام دوستی کا ثبوت دیں۔ اور ہمکو مسرت ہوئی کہ بہت سے حضرات نے ہماری گذارش پر توجہ فرمائی لیکن ظاہر ہے کہ قومی ادارہ قوم ہی کی امداد سے چل سکتا ہے۔ افراد کی اعانت زیادہ مفید نہیں ہوتی ہے اس لئے افسوس کے ساتھ یہ تلخ حقیقت سامنے رکھنی ہوتی ہے کہ پوری توجہ نہ فرمائی گئی۔

خدام مدرسہ بڑی بڑی رقموں ہی کے خواہشمند نہیں ہیں بلکہ ہم تھوڑی تھوڑی امداد کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اور "قطرہ قطرہ بہم شود دریا" سے واقف ہیں۔

ہمارا ارادہ تھا کہ مدرسہ میں داخل ہو کر پڑھنے والے تمام طلبہ کی امداد اس طرح کریں کہ ان کے تمام اخراجات (خواہ خورد و نوش کے ہوں یا دیگر ضروریات کے) کے ذمہ دار ہوں لیکن افسوس ہے کہ مالی حالت کا اقتضا اس سے بالکل متضاد ہے۔

مالی حالت کا اقتضا یہ ہے کہ جس طرح حضرات مدرسین و ملازمین کو کم سے کم تنخواہ دیجاتی ہے اسی طرح طلبہ کی امداد بھی کم سے کم کیجاوے یا بالکل نہ کی جاوے مگر ظاہر ہے کہ جس طرح فراخ ہمتی کے ساتھ وہ نہیں ہو سکتا ہے یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

ہم اپنی اس قلبی بے چینی کی کیفیت کا منظر آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتے ہیں جبکہ غربا اور نادار والدین کے بچے مدرسہ ہذا کی تعلیمی خوبیاں سُنکر آتے ہیں اور مالی امداد کی درخواست کرتے ہیں اور ہم مالی حالت کے پیش نظر ان کی درخواست کو رد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں پھر اس سے

بھی زیادہ وہ وقت سخت ہوتا ہے کہ بعض بچے ایسے ہونہار معلوم ہوتے ہیں اور ہم مالی عدم وسعت کی وجہ سے مجبور ہوکر انکار کرتے ہیں سہ

صبا نیا ! خجلت صائب بر سینہ در گرد		بے زری کرد ہمیں انچہ بتاروں زر کرد

اگر اہلِ خیر مسلمان ہمت کریں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ مدرسہ ہذا میں اس قدر وسعت ہو جائے کہ وہ پچاس ساٹھ طلبہ کی ضروریات کی کفالت کر سکے۔

دار الاقامہ یہ جگہ طلبہ کے رہنے کے لئے ہے۔ مگر سکولوں کالجوں، قومی مدارس کے بورڈنگ ہاؤس کو دیکھنے والے آپ کے مدرسہ کے اس دار الاقامہ کو سرائے یا مسافر خانہ سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتے ہیں۔ ضرورت تھی کہ اُن کی آسائش کی تمام چیزیں ایسا دار الاقامہ میں موجود ہوں مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایسا دار الاقامہ بھی نہیں کہ اُس میں زیادہ تعداد میں طلبہ اقامت کر سکیں

بس ضرورت ہے کہ دار الاقامہ وسیع بھی ہو اور ضروریات اقامت کے لئے کتنی بھی ہو۔ سردی گرمی بارش تینوں موسموں میں وہ باطمینان رہ سکیں۔ طلبہ علوم دینیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوتے ہیں۔ ان کی ضروریات پوری کرنی بہت زیادہ موجب ثواب ہے۔

کتب خانہ قومی مدارس میں ایک کتب خانہ موقوفہ ضروری ہوتا ہے اُس میں نادر شروح، قلمی کتب کی بڑی تعداد اس لئے ہوتی ہے کہ حضرات مدرسین کرام اُن کا مطالعہ کرکے اپنے علوم میں ترقی کریں اور طلبہ کی ضروریات کے مناسب طلبہ کو بھی بتا دیں تاکہ شروع ہی سے ان میں بھی علمی تحقیقات کا مادّہ پیدا ہو۔

اور ایسی کتابیں بھی ہوتی ہیں کہ طلبہ کو مستعار دی جاتی ہیں وہ اُن سے استفادہ کرکے وقت معیّن پر واپس کر دیتے ہیں۔

مگر افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ آپ کے اس کتب خانہ میں دونوں قسم کی کتابوں کا ذخیرہ اگر مفقود نہیں تو مثل مفقود ضرور ہے۔

روئداد مدرسہ مدرسہ اعزازیہ واقع موضع پچھنہ ڈاکخانہ سبور ضلع بھاگلپور کی نو سالہ روئداد آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ روئداد کا سال بسال پیش ہونا ضروری تھا تاکہ اہلِ خیر کو معلوم ہو جاتا کہ اُن کی مالی امدادیں مدرسہ ہذا میں پہونچیں یا نہیں۔ اور پہونچیں تو اُن سے کیا نتائج حاصل ہوئے۔

مگر (۱) مالی آمدنی کی کمی (۲) کاغذ کی گرانی بلکہ نایابی (۳) طباعت کے اخراجات کا حد سے تجاوز (۴) عصرِ حاضر کا ناقابلِ ذکر انقلاب مانع تھا۔

خادم مدرسہ نے نہایت جانفشانی کے ساتھ اور تفتیش مواقع کا ارادہ کیا۔ اب اگرچہ سارے مواقع میسر نہ ہونے (اور اسی وجہ سے بہت سے ضروری اور قابل ذکر امور کا ذکر ترک کرنا پڑا) تاہم روئداد کو موجودہ صورت میں بارِ شائع کرنا پڑا اور اختصار کی بنا پر امور ذیل کو ملحوظ رکھا گیا۔

(۱) سابق میں جو غلہ قرب و جوار کی بستیوں سے وصول ہوتا اسکو معطیان کے نام بنام درج کیا جاتا تھا۔ مگر اس روئداد میں صرف بستیوں کے نام پر اکتفا کیا گیا۔

(۲) نقد رقوم عطا کرنے والوں کی مفصل فہرستیں نام بنام از محرم ۱۳۶۶ھ تا ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ کیجائیں۔ (۳) باقی ہشت سالہ آمد و خرچ کے ماہواری گوشواروں پر اکتفا کیجائے۔

سرپرست مدرسۂ ہذا کی اپیل

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ اما بعد۔ مدرسہ اعزازیہ کے خدام میں سے بوقت افتتاح بعض نے تو یہ سمجھا کہ اسلامی فریضہ اور وقت کی ضرورت کا اقتضا ہے کہ علوم اسلامیہ کو مسلمانوں کے گوش گذار کیا جاوے اور جبکہ منعم حقیقی نے ہمکو علوم شرعیہ سے سرفراز فرمایا ہے تو "احسن کما احسن اللہ الیک" کے موافق ہمارے ذریعہ سے بھی یہ نعمت دوسروں کو ملنی چاہیئے۔ بعض نے یہ سمجھا کہ اس طریقہ پر ہمکو دینی امور میں مالی یا جسمی خیر کرنے کا موقع ملے گا۔ بعض کا خیال تھا کہ ہم خود تو اغنیاء سے نہیں ہیں مگر ہماری شرکت سے اصحاب خیر پوری توجہ کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو جائینگے۔ غرض یہ کہ جس قدر مخلص قلوب تھے اُسی قدر اخلاص کے مختلف گوشے اُن کے سامنے تھے۔

اعلاء کلمۃ اللہ کے شوق نے کمال اخلاص کے ساتھ مدرسہ اعزازیہ کی بنیاد رکھنے پر مائل کیا۔ بعض مشاہیر اور مقدس علما کی شرکت میں اسکی بنیاد رکھی گئی۔ الحاح و زاری خشوع خضوع کے ساتھ دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ دین کی اس خدمت کو قبول اور اہل اسلام کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرماوے۔

خیال تھا کہ مدرسۂ اعزازیہ کے عالم وجود میں آتے ہی اصحاب خیر متوجہ ہو جائینگے اور چند ہی دنوں میں یہ خام عمارت پختہ عالیشان عمارت ہو جاویگی، جس جگہ بچے الف با پڑھتے ہیں وہاں ہی اساتذہ اور تلامذہ قال اللہ اور قال الرسول کرینگے۔ لیکن بنیاد رکھنے اور تقریباً

پندرہ سال تک مسلسل شب و روز کی مساعی کے بعد بھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلنے کے بعد ان بزرگان طاری ہو جاتا ہے اور فکر ہے کہ اسکی ترقی کے ذرائع کس طرح مہیا کئے جائیں۔ اور اس خیر کثیر اور صدقۂ جاریہ کی طرف اصحاب خیر کو کس طرح متوجہ کیا جائے۔

میرے ان دوستوں کو چاہیے کہ ایک دانشمند شاعر کے ان اشعار کو پیش نظر رکھیں اور یاد رکھیں کہ ذرۂ بے مقدار کو آفتاب عالمتاب بنا دینا قادر مطلق کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ سہ

روزہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش — صوفیے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

ہفتہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل — شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن

ماہہا باید کہ تا یک نطفہ از پشت و رحم — صفدرے خیزد میداں یا عروسے انجمن

سالہا باید کہ تا یک سنگ قابل ز آفتاب — لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

عمرہا باید کہ تا گردون گرداں یک شبے — عاشقے را وصل بخشد یا غریبے را وطن

قرنہا باید کہ تا یک کودکے از فیض طبع — عالمے دانا شود یا شاعر شیریں سخن

دورہا باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود — بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

اس کے بعد میں اپنے اُن مخدوموں سے عرض کرتا ہوں جو اسلام سے محبت رکھتے ہیں، شعائر اسلامی کی وقعت اُن کے قلوب میں ہے اور چاہتے ہیں کہ سفر آخرت کے لئے اُن کے پاس کافی زاد راہ ہو، کہ اُن سے جو کچھ بھی ہو سکے مدرسہ کی امداد کریں' یہ خدمت قومی اور اسلامی خدمت ہے۔ قوت اجتماعیہ ہی کے ذریعہ سے اس کو انجام دیا جا سکتا ہے۔ آپ اس مدرسہ کی امداد کریں خداوند عالم آپکی امداد کرے گا۔ آپ کے اموال و اولاد میں برکت ہوگی، مصیبتیں دور ہونگی، فراخ دستی اور وسعت عیش آپ کے ہمراہ رہیگی۔

محمد اعزاز علی امروہوی

۷ رجمادی الاول ۱۳۶۹ھ

۸ یوم شنبہ

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ سرپرست مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ کی تحریر کا عکس

باسمہ سبحانہٗ

سرزمین کوروڈیہہ، بھاگلپور بہار پر

بتاریخ ۱۵/۱۶ مئی
بروز سنیچر و اتوار
بوقت شب

دو روزہ اجلاس سیرت النبی ﷺ

زیر صدارت:
نمونۂ اسلاف حضرت مولانا
ڈاکٹر عبدالحمید صاحب
کوروڈیہہ

جس میں
ملک کے مشاہیر علمائے کرام و مشائخ عظام سیرت نبوی ﷺ
کے موضوع پر بصیرت افروز خطاب فرمائیں گے

زیر نقابت:
حضرت الحاج مولانا
محمد عصمت اللہ صاحب رحمانی
خطیب و امام مسجد خیر دلین، چاندنی، کلکتہ

اسمائے گرامی حضرات علمائے کرام

- سید اشہد رشیدی
- سید اظہر مدنی
- سید محمد حسن مدنی
- سید محمد طاہر حسین گیاوی، مہتمم مدرسہ حسینیہ، پلاموں، بہار
- احمد نصر بنارسی
- عبدالہادی
- محمد قاسم
- محمد عثمان
- محمد حسین

اسمائے گرامی شعرائے اسلام

ترجمانِ حقیقت و شاعرِ اسلام
جناب غلام ربانی قلعہ
چمپانگر، بھاگلپور، بہار

☆

قاری محمد اسعد صاحب
چمپانگر، بھاگلپور، بہار

اسم گرامی عالم:
لطافت حسین صاحب

حضرات اہل اللہ و علماء
آج جبکہ ہر طرف شرک و بدعت، رسم و رواج اور بے دینی کا دور دورہ ہے
ایسے پرفتن دور میں اور پر آشوب ماحول میں ہماری ملی، دینی، اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسے اجلاس میں شرکت کر کے علمائے کرام کے ارشادات سنیں اور اپنی اصلاح کی سعی بلیغ کریں

اسم گرامی عالم:
عبدالمالک صاحب

لہٰذا فرزندانِ اسلام سے بلا تفریق مذہب و مسلک اجلاس میں شرکت کی درخواست ہے

الداعیان: اراکین مجلس استقبالیہ اجلاس سیرت النبی کوروڈیہہ بھاگلپور بہار

رابطہ کوروڈیہہ:
0641 2330 495
2330 494

خطبۂ استقبالیہ

جلسۂ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

منعقدہ ۱۵/۱۶/مئی ۲۰۰۴ء

بمقام

موضع۔ کوروڈیہ

ضلع۔ بھاگلپور

(بہار)

زیرِ صدارت نمونۂ اسلاف حضرت مولانا ڈاکٹر الحاج عبدالحمید صاحب کوروڈیہہ

از۔ ڈاکٹر محمد ارشد جمیل

۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حاضرین کرام!

موضع کوروڈیہ، ضلع بھاگلپور کا ایک قدیم گاؤں ہے۔ مسلم دور حکومت میں اس کا پرانا نام عصمت اللہ پور تھا۔ موجودہ گاؤں سے نصف فرلانگ جنوب میں ایک سو بیگھ پر پھیلا ہوا ایک قطعۂ اراضی ہے جو ڈیہہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ جگہ یہاں کی قدیم تہذیب وثقافت اور تاریخ و آثار کی امین ہے۔ موقع بموقع اسکی کھدائی سے قدیم ظروف، آلات اور مختلف عہد کے سکے، پختہ عمارت کی بنیادیں، تالاب پر پختہ سیڑھیاں اور گھاٹ ہے ایک عدد پختہ کنواں کی دریافت۔ یہ سب اس کی عظمت رفتہ کی یادگاریں ہیں۔ زمانے کے دست و برد سے جب یہ گاؤں ویران ہو گیا تو یہ جگہ ڈیہہ بن گئی۔ اسکی ویرانی کی کوئی تاریخی شواہد ہمارے دسترس میں نہیں ہے۔ اس کے قریب ایک دوسری بستی آباد ہوئی جو اب کوروڈیہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ بستی بھی کب سے آباد ہے اس کی بھی تاریخ دستیاب نہیں۔

یہ گاؤں علوم دینیہ اور شریعت مطہرہ کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو کافی معروف ہوئیں۔ ان میں الحاج نثار احمدؒ مرحوم سابق مہتمم مدرسہ اعزاز یہ پتھنہ۔ معلم اول مولانا شمس الاسلام صاحب مرحوم، حافظ اطہر حسین مرحوم، معلم ثانی مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم ،مولانا عبدالحکیم صاحب مرحوم، مولانا عبدالمجید صاحب مرحوم، فقید المثال حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم اور الحاج ڈاکٹر عبدالحمید صاحب قبلہ کے اسماء گرامی ناقابل فراموش ہیں۔

اپنے عہد کے علماء ربانین اور دین مبین کی معروف پیر طریقت ہستیوں کا اس گاؤں سے بڑا

۳

گہرا رشتہ رہا ہے۔ان کے نقوش پا اس سرزمین کی پیشانی پر غرۂ امتیاز ہے۔یہاں کا ذرہ ذرہ ان کی عظمتوں کا گواہ ہے ان کی صدائے حق کی گونج آج بھی یہاں کی فضاؤں میں محفوظ ہیں۔ایسی مایۂ ناز ہستیوں میں شیخ طریقت حضرت عارف کامل مولانا محمد علی مونگیریؒ قدس سرہ بطیل جلیل آزادی ہند کے سرخیل قطب الاقطاب شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نوراللہ مرقدہٗ، نازش بہار حضرت مولانا محمد سہولؒ بھاگلپوری سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، بے باک مجاہد آزادی حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ سابق امیر شریعت بہار، فخر دارالعلوم شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ، خطیب الامت مفکر اسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، فخر بہار حضرت قاری مولانا محمد فخرالدین صاحب گیاویؒ، فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنی، صدر جمعیتہ العلماء ہند، وحید العصر استاذ الاساتذہ حافظ مولانا سید ارشد مدنی، ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند، حضرت قاری محمد عثمان، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے بھاگلپور کے مایۂ ناز شاگرد اور مدرسہ محمودیہ سمریہ بھاگلپور کے بنیاد گذار اساتذہ حضرت مولانا عبدالحمید صاحبؒ پورینی، حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ سمریا، قطب دوران حضرت مولانا حافظ دیانت احمد صاحبؒ، رحمھم اللہ جیسی گرانمایہ شخصیتیں کوروڈیہ کی خاک کو قدم بوسی کا شرف عطا کر چکی ہیں۔ان ارواح مقدسہ اور انفاس قدسیہ سے یہاں کی فضا آج بھی مشک بیز ہے۔

انہیں بزرگوں کا فیضان نظر ہے کہ ماشاءاللہ پچاسوں حفاظ قرآن اور سو سے زاید علماء کرام ۶۳ کے قریب حجاج کرام سے یہ گاؤں مفتخر اور ممتاز ہے۔

موجودہ عالموں میں مولانا حسین احمد، مولانا حاذق القاسمی، مولانا محمد فاروق، الحاج مولانا

۴

محمد قاسم، مولانا لطافت حسین، مولانا محمد ناظم، مولانا فیضان وغیرہ کی ذات والا صفات گاؤں کے لئے وجہ افتخار ہے۔ الحاج حافظ قاری محمد صالح، حافظ محمود حسنؒ، حافظ عبدالخالق، حافظ محمد اویس، حافظ مرغوب عالم، حافظ محمد عفان، حافظ محمد شمیم، حافظ مسرور احمد، حافظ منور حسن، قاری محمد شوکت وغیرہ کی قرات وتلاوت کلمات ربانی سے پورا گاؤں دارالسرور ہے۔

ایسی ہی سرزمین پر نونہالان وطن نے ذوق نغمہ کی کمیابی کے سبب تلخ نوائی کے لئے علماء کرام کو دعوت الی الحق دے کر عاشقانِ رسول اور شیدایان سنت مصطفویؐ کے لئے دو حسین اور پرنور راتوں کا جلسۂ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے انعقاد کا اہتمام کیا ہے۔ تا کہ غلامان سید الکونین فخر موجودات سرکار دو جہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں اور فیضان کی مطہر بارشوں سے کشت دل کو سیراب کر کے گلشن زندگی کو سنواریں۔

غبار راہ کو بخشا جس نے فروغ وادیٔ سینا

ہم اس تاریخی سرزمین پر آپ تمام مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہیں اور صوبہ اور بیرون صوبہ سے آئے ہوئے علماء کرام کا پرتپاک استقبال کرتے ہیں۔

''آئے آمدنت باعث خوشنودیٔ ما''

راقم

(ڈاکٹر) محمد ارشد جمیل

استاد شعبۂ اردو

متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ

منظوم استقبالیہ

بموقعہ

دو روزہ جلسہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مورخہ ۱۵/۱۶/ مئی ۲۰۰۴ء بروز شنبہ و یکشنبہ

بمقام: کوروڈیہہ، ڈاکخانہ بدلو چک

ضلع بھاگلپور (بہار)

ڈاکٹر عبدالمنان طرزی

محلہ: فیض اللہ خاں

دربھنگہ۔۴

لائق حمد و ثنا اک ذات ہے اللہ کی
پھر درودِ پاک کے ہیں مستحق پیارے نبی

جلسۂ دو روزہ بر سیرت بیانِ رسول
ساکنانِ کورو ڈیہہ کی کاوشوں کا ہے حصول

عصمت اللہ پور بھی ہے کورو ڈیہہ کا ایک نام
اُن دنوں تھا ملک میں مُسلم حکومت کا قیام

قطعۂ اراضی سو بیگھے کا ہے گاؤں کے پاس
ڈیہہ موسومہ ہے تہذیبِ قدیمی کی اساس

معتبر آثار بھی ہیں کچھ کھدائی سے ملے
اس میں تہذیب و ثقافت کے جواہر تھے چھپے

دست و بردِ وقت سے ویران گاؤں جب ہوا
ڈیہہ یہ اک باقیات العصر کی صورت رہا

دوسری بستی ہوئی آباد اک اس کے قریب
جلسۂ دو روزہ کا موسومہ کورو ڈیہہ نقیب

جو علوم دینیہ کا اک بڑا گہوارہ ہے
خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاس کا نظارہ ہے

ہستیاں کچھ جن کو کہئے انتخابِ روزگار
جن کا مولد ہونے سے ہے کورو ڈیہہ کچھ باوقار

ایک الحاجِ نثار احمد بہت مشہور تھے
مہتمم، وہ مدرسہ اعزازیہ، کے تھے رہے

حافظِ اطہر حسین و مولوی عبدالسلام
شمس اور اسلام کے ہے وصل سے پھر ایک نام

درسِ قرآں کے لئے اک ذات سرمایہ عظیم
یاد رکھئے جن کو ہیں وہ حضرتِ عبدالحکیم

اور پھر درس و تلاوت حافظِ محمود کی
پنجگانہ باجماعت کی تھی پابندی بڑی

حافظ عبدالرحماں اک تھے اور پھر عبدالمجید
ذاکر الحاج بھی کہئے جنہیں عبدالحمید

ہیں متاعِ بے بہا اس سرزمیں کے یہ سبھی
علم کی جن کے علاقے بھر میں پھیلی روشنی

رشتہ پیرانِ طریقت سے بھی ہے جن کا رہا
اس زمیں پر ثبت ہیں ان ہستیوں کے نقشِ پا

ذرّہ ذرّہ ان کی عظمت پہ یہاں کا ہے گواہ
حق کی دعوت دیتے، دکھلاتے ہدایت کی وہ راہ

ان کے ہی رشد و ہدایت سے یہاں پھیلا ہے نور
بادۂ عرفاں سے اُن کے میکشوں میں ہے سرور

(۳)

عارفِ کامل وہ مولانائے مونگیری کی ذات
جن سے انوارِ سحر پاتی تھی ہر تاریک رات

اک حسین احمد وہ مدنی ،نوراللہ مرقدہ
ذرّے بن جاتے تھے جن سے آفتاب ایسی نگہ

مفتی و مولانا بھاگلپوری اک حضرت سہول
اصل ہے شرعِ نبی اس کے سوا سب ہیں فضول

تھے جناب منّت اللہ جو شریعت کے امیر
درسیاتِ راشدہ کا جن کے عالم ہے اسیر

حضرتِ مولانا تھے جو ایک اعزاز علی
ایک اعلیٰ شخصیت جو قاری طیّب کی بھی تھی

اور فخرالدین گیاوی یعنی وہ فخرِ بہار
وہ بھی اپنی ذات میں تھے علمِ دیں کا اعتبار

اسعدِ مدنی امیرالہند جن کو جانئے
صدر ہیں بیشک جمعیۃ علمائے ہند کے

پھر وہ نائب مہتمم کہیے جنھیں دیوبند کا
قاری عثمان ہیں، اہلِ قلم، ذی مرتبہ

ارشدِ مدنی وحیدالعصر اک عالم کا نام
یاد کرتا ہے زمانہ جن کو باصد احترام

ساکن پورینی مولانا وہ اک عبدالحمید
اعتبارِ علمِ دیں بیشک تھی وہ ذاتِ سعید

اوراک مولانا یعنی حضرتِ عبدالغنی
دولتِ علمی کو پاکر بن گئے تھے وہ دھنی

حافظ و مولانا پہ رکھ دیجئے دیانت اگر
علم و عرفاں کے تھے بیشک ایک تابندہ گہر

اُن نقوشِ پاک کے رشد و ہدایت کا ورق
ساکنانِ کورو ڈیہہ کے واسطے تھا اک سبق

یہ سبق کچھ اِس طرح اُن کے رہا پیشِ نظر
حافظ و الحاج عالم سب یہاں کے معتبر

چھوٹے سے اِس گاؤں کا اعزازِ علمی دیکھئے
یعنی ہیں پچاس حافظ سینے میں قرآں لئے

شکر ہے اللہ کا سو سے ہیں زائد علماء
اور وقار اِس گاؤں کا حجاج ترسٹھ سے بڑھا

دورِ حاضر میں یہاں کے وارثینِ انبیا
عالمانِ بالیاقت میں ہیں رکھتے مرتبہ

ہوں وہ مولانا حسین احمد کہ حاذق قاسمی
صاحبِ علمِ حدیث اور اہلِ فکر و آگہی

علمِ دیں کا لطف مولانا لطافت ہیں اگر
دوسرے مولانا قاسم، صاحبِ فکر و نظر

اور پھر قرآں کی تجوید و تلاوت کے لئے
معتبر افراد اس گاؤں کے یہ ہیں، جانئے

قاری صالح، عبدِ خالق، حافظِ عفّان بھی
اور مرغوب و اویس و حافظِ عمران بھی

(۴)

اک منور، دوسرا سرور احمد کا ہے نام
قاری شوکت یعنی ہیں تجوید کے عالی مقام

ان کی قرآں خوانی سے ساری فضا پُرنور ہے
اعتبارِ علم ان سب کا بہت مشہور ہے

فیض بخش و فیض آگیں اور ہے پھر فیض بار
مدرسہ اعزازیہ سے ہے علاقے کا وقار

نونہالانِ چمن میں شوق جاگا نور کا
جلسۂ دو روزہ ہے جیسے خزانہ نور کا

نغمہائے نور ہیں ان کے دلوں کی آرزو
علمائے حق بیاں کی ان میں ہے کچھ جستجو

حق رسائی، حق نمائی آپ کی اے میہماں
ہم سبھوں کے واسطے لاریب لطفِ جاوداں

امر بالمعروف اور نہی عنِ المنکر کی بات
عالمِ انسانیت کی ہے جو اک راہِ نجات

واعظینِ معتبر! اے علمائے محترم!
ارضِ کوروڈیہہ پر کرتے ہیں استقبال ہم

آپ کے آنے سے ایماں کی ہوئی کھیتی ہری
آمدی خوش آمدی خوش آمدی خوش آمدی

خواہش ارشد کا تھا ملحوظ طرز کی احترام
آپ نے پایا نتیجے میں اُسی کے یہ کلام

❀❀❀❀

DIST. BHAGALPUR

استاذی پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب (م-۲۰۰۴ء) کے ذریعہ تیار کردہ نقشہ

ڈاکٹر محمد رضوان الحق ندوی
صدر شعبۂ اردو، مارواڑی کالج کشن گنج، بہار

ایک سفر کوروڈیہہ (بھاگلپور) کا

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو روئے زمین کے سیر کی بڑی تاکید کی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بڑی ترغیب آئی ہے۔ جا بجا سیروا فی الارض کا حکم آیا ہے۔ اس ربانی حکم کی حکمت یہ ہے کہ سیر سے چشم بصیرت کھلتی ہے۔ نا سمجھ اقوام کے جور و جبر اور شرانگیزی کا عبرتناک انجام کھلی آنکھوں دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ بڑی عبرت ملتی ہے سیر سے۔ خیر کے علمبرداروں کی درگاہوں کی رونق اور نفوس قدسیہ کی خانقاہوں کی عظمت، قدسیت، نورانیت اور معنوی فیضان کا تسلسل کا سیر میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ سیر کا حکم بڑی حکمتوں اور موعظتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور یہ مسافر سیر سے بہت کچھ پاتا ہے۔ دل کی دنیا آباد کرتا ہے، گزشتہ باغی اقوام کے عبرتناک انجام کو دیکھ کر نفس کے تقاضوں اور تمرد کے رجحانات کو لگام لگاتا ہے، معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ سفر علمی و ادبی ذوق کی تسکین کا وسیلہ ہے۔ اس سے مشقتوں اور کٹھنائیوں کو جھیلنے کا حوصلہ ملتا ہے، اس سے مسرتوں اور شادکامیوں کا لطف دوبالا ہوتا ہے۔ سفر بڑی برکتوں اور کامیابیوں کا ضامن ہے۔ راقم نے بھی بھاگلپور کے ایک دیہی علاقہ موضع کوروڈیہہ کا سفر کیا۔ بڑا دلچسپ، مفید اور علمی و ادبی لحاظ سے بابرکت رہا یہ سفر۔ اس کا موقعہ اس طرح نکل آیا کہ:

میرے ایک موقر، محترم، خلیق، صاحب صدق و صفا اور بامروت، مخلص، اعلیٰ تعلیم کے زمانے کے بے لوث دوست ڈاکٹر ارشد جمیل استاذ شعبۂ اردو، متھلا یونیورسٹی دربھنگہ (بہار) کی دختر نیک اختر سعدیہ زریں کا نکاح مسنون ۲ر جون ۲۰۰۹ء کو ہونا طے پایا تھا۔ ارشد صاحب کا حکم اس نکاح میں شرکت کا ہوا۔ میرے لئے ارشد کا حکم ٹالنا ممکن نہ تھا۔ ٹال مٹول تو حاکم کے حکم کا مقدر ہے۔ اس لئے کہ حاکم کا حکم دل پر ایک جبر ہوتا ہے۔ یہ جبر بہانہ بازی اور حیلہ سازی سے کام لے کر حاکم کے حکم کو التوا میں،

ڈال دیتا ہے۔ دوست کا حکم تو دل کی پکار ہے۔ دل کی پکار کو حیلہ بہانہ اور التواء سے کیا رشتہ! چنانچہ میں راقم سطور محمد رضوان الحق ندوی استاذ شعبۂ اردو، مارواڑی کالج کشن گنج اپنے سب سے چھوٹے نورنظر عزیزی نظر رضوان سلمہ جو پٹنہ میں بارہویں درجہ کا طالب علم ہے اور چھٹیاں گزارنے گھر آیا ہوا تھا' کو ساتھ لیا اور ۳۱ر مئی ۲۰۰۹ء کو ۱۱ر بجے دن کشن گنج سے روانہ ہوا۔ دو گھنٹے میں بذریعہ بس پورنیہ پہنچا۔ اپنی بڑی لخت جگر عزیزہ شہلا نگار سلمہا کے یہاں قیام کیا۔ مہمانداری تو بیٹی کے یہاں سے ہی شروع ہوگئی، ضیافت میں باصرار باپ کا سادگی کا حکم کچھ کام نہ آیا اور کام آتا بھی نہیں ہے۔ باپ کا یہ حکم بیٹی مانتی ہی نہیں ہے۔ بھلا کیوں مانے؟ والدین کے لئے بیٹی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام بیٹیوں کو بے انتہا جزادے، ترقی دے اور پھلائے پُھلائے۔ خیر یکم جون کی صبح چائے کے بعد کرم فرما ڈاکٹر احمد حسن دانش کے دولت کدہ پر دونوں باپ بیٹا ناشتہ کے لئے پہنچے۔ گزشتہ شام ہی پروفیسر صاحب نے مدعو کر دیا تھا۔ دانش صاحب ہم لوگوں کے بیچ بڑے محترم ہیں۔ چند برس قبل بی این منڈل یونیورسیٹی مدھے پورہ سے شعبہ اردو کے صدر کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی میدان کے ممتاز اسکالر ہیں۔ کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ ابھی زیر طباعت ہے، راقم کا اس مجموعہ پر ایک بسیط مقدمہ ہے۔ شاعری میں اچھی دستگاہ حاصل ہے۔ خیر ان کے یہاں پُر تکلف ناشتہ کے بعد کوئی ۱۰ر بجے دن دانش صاحب کی معیت میں ہم لوگ پورنیہ بس اسٹینڈ روانہ ہوئے۔ کوئی سو گز مغرب کی جانب بڑھنے پر ایک مکان پر کچھ بھیڑ نظر آئی دانش صاحب کو واقعہ کی خبر تھی بھیڑ کی طرف بڑھ گئے۔ ہم دونوں باپ بیٹا بھی ان کے پیچھے تھے۔ معلوم ہوا ایک نوجوان گزشتہ روز دہلی ذاکر نگر علاقہ میں ایک عمارت جس میں وہ رہتا تھا، کی تیسری منزل سے دن کے کوئی ۳ر بجے کود گیا اور اپنی قیمتی جان گنوا بیٹھا۔ وہ جان جس کو پوری کائنات بلکہ بہت ساری کائنات بھی دے کر کوئی حاصل نہیں کر سکتا، نوجوان اسے لمحوں میں گنوا بیٹھا۔ نوجوان ڈپلوما انجیرنگ کر کے کچھ دنوں سے جاب کی تلاش میں دہلی میں مقیم تھا۔ ملازمت کی یافت میں مسلسل ناکامی سے اس قدر حوصلہ شکست ہوا کہ خودکشی کر بیٹھا۔ مادہ اور مادی وسائل کی یافت میں ناکامی حوصلوں کو اس طرح چکنا چور کر دے کہ زندہ رہنے کی تمنا بھی دل سے نکل جائے،

ایسا سوچا تک بھی نہیں تھا۔ واقعہ سن کر معاً ''اصحاب کہف'' یاد آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا قصہ اپنی کتاب مبین میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ایک وہ غار والے نوجوان بھی تھے جن کی زندگی کا مقصد مہمان اور ایمان کی حفاظت تھا۔ ایمان کے لئے خطرہ پیدا ہوا، گھر بار، مال و دولت، خویش و اقارب سب کچھ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہیں زندگی کا مقصد صرف ایمان نظر آیا۔ اس لئے سخت ترین حالات بھی ان کی ہمت کو پست نہ کر سکے۔ ایمان تو ابدی فلاح کا ضامن ہے۔ اس راہ میں ہمت کے ٹوٹنے اور حوصلہ کے پست ہونے کا کوئی مقام سرے سے ہے ہی نہیں۔ بڑے مبارک ہیں اس راہ کے راہی۔ اس کے برخلاف مادہ کے پیچھے سرگرداں آج کا نوجوان ہمت و حوصلہ کو تو گویا جانتا ہی نہیں ہے۔ اس لئے جب اس کے لئے مادہ مسخر نہیں ہوتا ہے وہ ہمت ہار جاتا ہے۔ ہمت کے ٹوٹنے کی صورت میں وہ کچھ بھی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ کچھ بھی کرنا، اگر متعدی ہوتا ہے سماج کے لئے خطرہ اور ناسور بن جاتا ہے، اور اگر اسی '' کچھ بھی کرنا'' میں لزوم ہوتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا ہے۔ جان تک گنوا دیتا ہے۔ آج ہمارا نوجوان مادہ کے اسی دام فریب میں گرفتار ہے۔ نتیجہ میں اپنے کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور سماج کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ مقصد کے تعین میں ٹھوکر کھانا ہر طرح نقصان دہ ہے۔ ایمان زندگی کا مقصود ہے اور مادہ زندگی کا ایک ذریعہ۔ ذرائع مختلف و متنوع ہو سکتے ہیں۔ کسی بھی ذریعہ کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف مقصود میں ممکن نہیں ہے۔ ایمان کے بجائے اگر ذریعہ یعنی مادہ کو مقصود بنا لیا جائے تو یہ ابدی تباہی کا راستہ ہے۔ اس راہ کا راہی مقصود یعنی ایمان تک پہنچتا ہی نہیں۔ آج بڑی خطرناک حالت میں ہمارا نوجوان طبقہ گرفتار ہے۔ انہیں فوراً سے پیشتر اس حالت سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ ایک ایک نوجوان مادہ کے لئے جان دے دیگا اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ امت کے ایک ایک فرد کو یہ فکر لینا ہے اور امت کے نوجوانوں کی سوچ کو صحیح سمت دینا ہے ورنہ مادہ پوری امت کو نگل جائیگا۔ سورہ کہف کا یہی موضوع ہے۔ غار والے نوجوانوں کا عمل یہی تھا۔ '' مادہ اور ایمان کی کشمکش'' میں ایمان کو اختیار کر لینا، نتیجہ میں مادہ از خود مسخر ہو کر '' ایمان گر'' بن جاتا ہے، ورنہ مادہ ایمان کے لئے '' غارتگر'' بن جاتا ہے۔ آج کا فتنہ '' مادہ'' ہے جس کا شکار ہمارا نوجوان بنا ہوا ہے۔ آیئے! ہم جوان کے ہاتھ میں

ایمان کا مشعل تھما کر اسے کائنات کی تسخیر کی مہم پر روانہ کریں اور غار والے نوجوانوں کی سی کامیابی حاصل کریں۔ اللہ پاک ہمیں توفیق دے، ہدایت دے اور سمجھ دے۔

تو ہم لوگ اس نوجوان کے والد سے تعزیت کر کے بس اسٹینڈ پہنچے۔ بھاگلپور کی بس پر سوار ہوئے۔ ۱۱ر بجے دن میں بس روانہ ہوئی اور ڈیڑھ بجے دن کے قریب ہم لوگ بھاگلپور شہر پہنچ گئے۔ بس سے اتر کر میزبان کی ہدایت کے مطابق بذریعہ ٹمپو تا تار پور مدنی مسافر خانہ پہنچے۔ مسافر خانہ میں میزبان کے فرستادے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ مسافر خانہ میں تھوڑی دیر کے جھلسا دینے والی دھوپ کی شدت کو یک گونہ بے اثر کیا اور پھر اپنی منزل کورو ڈیہہ کے لئے بذریعہ جیپ روانہ ہوئے۔ پندرہ سولہ کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے تین سوا تین بجے دن کو اس دیہات میں اپنی منزل پر پہنچ گئے اور یکم جون ساڑھے تین بجے دن سے لیکر ۴ر جون صبح آٹھ بجے گنتی کے چار اور وقت کے حساب سے کوئی تین دن بڑے قیمتی یادگار رہے۔ یہ ساٹھ ستر گھنٹے پر علمی، دینی مذاکرے و مباحثے، عصر حاضر میں ملی، ملکی اور عالمی مسائل پر گفتگو اور ان کے باوقار حل کی تلاش جیسے موضوعات چھائے رہے۔ تقریب میں شریک ہر کوئی ادب نواز، تخلیق کار اور ادیب تھا۔ اس لئے از خود یہ اجتماع ہمہ وقت ایک ادبی سیمینار یا محفل مشاعرہ بنا رہتا تھا ، اور ان سب پر خلوص کا سایہ، برجستگی و بے تکلفی کا سماں ایسا چھایا رہتا کہ جس کی کوئی مثال نہیں دی جاسکتی ہے۔ خوب بیتے یہ اوقات، بڑے قیمتی رہے یہ لمحات۔

ہاں تو ہم لوگ ساڑھے تین بجے کے قریب مسجد کے سامنے جیپ سے اترے، بازو میں جنوب کی طرف بھائی احسن کا مکان ہے اس کے بازو میں ہمارے میزبان ڈاکٹر ارشد جمیل کا دولت کدہ ہے۔ اس سے متصل دکھن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی حویلی ہے۔ جیپ سے اترنے کے بعد ہی ملنے جلنے والوں کی ایک بڑی تعداد سے سامنا ہوا۔ اکثر چہرہ شناسا تھا۔ سب سے آگے ڈاکٹر ارشد جمیل۔ علیک سلیک مصافحہ و معانقہ کے بعد مولانا قاسم صاحب کی حویلی کی طرف بڑھے۔ وہیں ہم لوگوں کے قیام کا نظم تھا۔ حضرت مولانا قاسم صاحب پٹنہ میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں شیخ الحدیث والتفسیر ہیں۔ انہوں نے سبل پور، پٹنہ میں جامعہ مدنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو بہت بڑا دینی تعلیمی

مرکز کے طور پر ابھر رہا ہے۔ مولانا کا علم وتقوی اس ادارہ کو مرکز علم وعرفاں بنا رہا ہے جو بڑے روشن و تابناک مستقبل کی خبر دے رہا ہے۔ مولانا کا علمی وروحانی مقام بڑا اونچا ہے۔ بڑے خلیق اور ملنسار ہیں اور اسی وجہ سے ہر دلعزیز ہیں۔ پٹنہ میں تو ان کی ہر دلعزیزی اور وقار دیکھا ہی تھا، گاؤں میں اس سے بھی کچھ سوا پایا۔ مہمان نوازی تو گویا انہیں کا حصہ ہے۔ بہر حال مولانا کی حویلی اور اپنی قیام گاہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کا منظر ہی عجیب تھا۔ پہلا کمرہ میں داخل ہوئے۔ السلام علیکم، ارے یہ انیس صدری۔ ڈاکٹر حافظ، انیس صدری..... جن سے تعلقات کولنگوٹیا عمر سے جوڑیئے، لپٹ گئے۔ عرصہ بعد تو ملاقات ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صدری سمستی پور کالج سمستی پور میں اردو کے ممتاز استاذ ہیں۔ شعر تو طالب علمی کے زمانے سے کہتے ہیں۔ نثر کے بھی اچھے قلمکار ہیں۔ ان سے چھوٹے اور ڈاکٹر منصور عمر سے لپٹ گئے۔ عہد ملازمت سے ان سے گہرے مراسم ہیں۔ بڑے صاحب فضل وکمال ہیں یہ منصور عمر۔ شاعر ہیں، ناقدانہ تخلیق کار ہیں۔ ابابیل ان کی بڑی معرکۃ الآرا نظم ہے۔ گرم سورج کا لہوان کی غزلوں کی روح اور جان ہے۔ شوقیہ شاعری نہیں کرتے ہیں، دل چھوٹ کھا کر چیختا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔

ارے بھائی مختار۔ محترم مختار مونگیری۔ منصور کو گویا دھکا دے کر جدا کیا اور مختار سے بغلگیر ہو گئے۔ بڑا صاف ستھرا خوش مزاج ہے یہ میرا عزیز دوست۔ عزیز تو کلاس کے لحاظ سے ہیں۔ مجھ سے دو ایک سال پیچھے تھے۔ فی الحال گیا میں ڈپٹی لیبر کمشنر ہیں۔ پتہ نہیں کیسے افسری کرتے ہیں۔ افسری کی تو کوئی خو بوان کے چال ڈھال میں نظر نہیں آتی ہے۔ بڑا خلیق اور ہمدرد ہے یہ شخص مختار مونگیری۔ ابھی ۲۰۰۷ء کے ۲۵ رجون کو پاپولر نرسنگ ہوم پٹنہ میں جب میرے بائیں پیر کا دوبارہ آپریشن ہوا اور ہڈی کی پیوندکاری ہوئی تو اس موقع پر مختار بابو پٹنہ میں ہی تھے۔ عیادت کے لئے آتے تھے پابندی کے ساتھ اور سہارا نہیں گود میں اٹھا کر یہاں وہاں جانچ اور ایکسرے کے لئے لے جاتے اور لاتے تھے۔ بڑا کرم رہا انکا اللہ بدلہ دیگا۔ ضرور بدلہ دیگا۔ خیر مختار بابو سے الگ ہوئے اور... لپٹ گئے۔ بس لپٹ گئے خان سے، جی ہاں! جناب شاہنواز احمد خاں سے۔ متحرک اور فعال طالبعلمی ہی دور سے ہیں۔ افسری کی لائن پکڑنے کے بعد بھی یہ فعالیت اور حرکت ماند نہیں پڑی ہے۔ تحریکی ذہن لیے اور دوسروں کو متحرک بنانے

رکھنے کا ہنر انہیں خوب آتا ہے۔ بڑا قلبی لگاؤ ان سے ابتدا سے ہے۔ ان کا اخلاص و محبت اس تعلق کی لو کو ابتک تیز تر ہی کرتی رہی ہے۔ فی الحال ہزاری باغ (جھارکھنڈ) میں ڈپٹی لیبر کمشنر ہیں۔ ان کے منصب کے بارے میں نہ بتایا جائے تو اس سے ملنے والا شخص ان کو بڑا ادیب، شاعر اور فنکار ہی گردانے گا۔ افسری کی طرف ذہن بھی نہ جائے گا۔ اردو فارسی کے اشعار کثرت سے یاد ہیں اور ترنم سے پڑھتے ہیں۔ کشادہ مدوّر چہرہ، لحیم و شحیم نکلتا ہوا بدن، چہرے پر ڈاڑھی، بڑی بھاری بھرکم اور جاذب شخصیت، عمر کے ساتھ توند نے بھی اپنی الگ شناخت بنالی ہے۔ بڑا نیک، ہمدرد، صدق و صفا کا مجسم ہیں خان صاحب۔

ڈاکٹر عبداللطیف حیدری صدر شعبۂ اردو و فارسی ڈی ایس کالج کٹیہار معنوی طور پر کشن گنج اور پورنیہ ہی سے ساتھ تھے جسمانی طور پر مدنی مسافر خانہ بھاگلپور سے ساتھ ہوئے اور سہ نفری قافلہ کو چار نفر کے کارواں میں تبدیل کیا۔ ہم چاروں شخص کوروڈیہ میں ساتھ رہے۔ بڑی ہی دلنواز اور دوست نواز شخصیت ہے ان کی۔ تحریکی ذہن ہے۔ سیاست سے بھی اچھا لگاؤ ہے۔ تعلیمی اصلاحی امور میں ان کی سرگرمیاں قابل ذکر ہیں۔ ادھر محترم جناب محمد قیصر عالم صاحب سے پہلی بار ملاقات ہوئی۔ دربھنگہ میں انہیں کے مکان میں ڈاکٹر ارشد جمیل رہتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالعلیم ہلال صاحب سے بھی پہلی بار ملاقات ہوئی۔ آپ ملت کالج دربھنگہ سے چند سال قبل ایک کامیاب پرنسپل کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ ادھر استاذ الاساتذہ پروفیسر ڈاکٹر مطیع الرحمٰن صاحبؒ کے صاجزادے جناب اختر رشید عرف عطی صاحب سے بھی پہلی بار ملاقات ہوئی۔ علیک سلیک، مصافحہ و معانقہ کا یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اخیر میں ایک ایسی شخصیت سے ملاقات ہوئی جن سے برسوں سے مراسم ہیں۔ بڑے پر خلوص اور مستحکم مراسم لیکن ملاقات آج پہلی بار ڈاکٹر ارشد جمیل کے طفیل ہوئی۔ مراسم جتنے پرانے تھے، ملاقات کی تمنا بھی اتنی ہی قدیم تھی جو آج یکم جون ۲۰۰۹ کو کوئی چار بجے دن کے بعد ہی ہوئی، بلکہ اس تمنا کے برآنے کی خبر نے کوروڈیہہ کے سفر کے عزم کو مزید مستحکم کیا تھا! اس سلسلہ ملاقات کی ہماہمی سے وہ الگ پیچھے خوبرو نورانی بشرہ والے طرزیؔ مسکرا رہے تھے۔ سلام کے ساتھ مصافحہ تو کچھ رسمی سا رہا البتہ معانقہ اصلی ہوا۔ دیر تک چمٹائے رکھا۔ پیار کے ساتھ انہیں فیض بھی تو پہنچانا تھا۔ ڈاکٹر حافظ عبدالمنان طرزیؔ متھلا

یونیورسٹی دربھنگہ کے شعبہ اردو سے چند سال قبل سبکدوش ہوئے ہیں۔ شعر تو پہلے ہی سے کہتے ہیں۔ لیکن سبکدوشی کے بعد گویا شعر گوئی کا سوتہ جاری ہوگیا ہے۔ تحریک ہوئی کہ خیالات شعر کے قالب میں ڈھلنے لگے۔ "ڈھلنا" راقم نے خاص طور سے استعمال کیا ہے۔ اس لئے کہ طرزیؔ کے اشعار بھرتی کے نہیں ہوتے ہیں۔ چند برس قبل "رفتگاں و قائماں" منظوم تذکرہ و تاریخ میں موصوف کی ایسی معرکتہ الآرا تصنیف آئی کہ راقم نے اس کتاب پر ایک بسیط مقالہ تحریر کر دیا۔ ارباب علم نے مقالہ کو پسند کیا اور طرزیؔ نے اسے ایک مجموعہ میں شائع کر دیا۔ صنف نعت شریف میں "طلع البدر علینا" ان کی بڑی وقیع تصنیف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو جزو ایمان ہے۔ طلع البدر جذب وکیف اور محبت و جاں نثاری کا بول ہے۔ راقم نے اس پر بھی ایک مقالہ لکھا ہے۔ ابھی حال میں "آہنگ غزل" طرزیؔ کی ایک غضب کی منظوم تصنیف آئی ہے۔ غزل کی تنقید، تبصرہ، ارتقاء، محتویات غزل کی زبان میں ایسے وقیع اشعار بیان کئے گئے ہیں کہ اس سے طرزیؔ کے جوہر شعری کھل کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ راقم اتنا متاثر ہوا کہ اس پر بھی ایک بسیط مقالہ تحریر کر دیا۔ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں طرزیؔ۔ ابھی چند دنوں قبل ان کی ایک تازہ منظوم تصنیف "دیدہ وران بہار" منظر عام پر آئی ہے۔ پہلے بھی "سود یدہ ور" شائع ہو چکی ہے۔ درجنوں کتاب کے مصنف ہیں، سب شعر کی زبان میں ہیں اور امتیاز یہ ہے کہ اشعار میں بھرپور شعریت ہے۔ بڑے زود گو اور بسیار گو ہیں طرزیؔ۔ خوب صحبت رہی ان سے اور خوب سنا ان کو کوروڈیہہ میں۔

اخیر میں طرزیؔ صاحب کے عقب میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ملے ۱۹۷۴ء یا ۷۵ء میں اقبال ہاسٹل سے نکلنے کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی۔ خوب گزرتی تھی اقبال ہاسٹل پٹنہ میں۔ اسی زمانے سے ان کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ اب تو سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ملک کے نامور اہل قلم میں ان کا شمار ہے۔ کوروڈیہہ آنا بڑا کامیاب رہا۔ اس کے بعد غسل کیا، کھانا کھایا، عصر کی اذان ہوئی۔ مسجد میں عصر کی نماز باجماعت ادا کر کے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق یہ پورا قافلہ **معہد الدینیہ الحمیدیہ** کوروڈیہہ پہنچا۔ ڈاکٹر ارشد جمیل کے عم زاد بھائی مولانا اسلم صاحب نے اس ادارہ کو چند برس قبل قائم کیا ہے۔ محمد اسلم صاحب بڑے نیک، دیندار اور علم دوست ہیں۔ صباحت ثروت و جائداد

ہیں۔گاؤں سے باہر مشرق کی جانب سڑک کنارے کھلی فضامیں اپنی زمین پر یہ ادارہ قائم کیا ہے۔خاصی جائیداد بھی وقف کی ہے۔اللہ تعالیٰ تو اپنی مرضی سے اس کائنات کو چلاتا ہے۔قضائے الٰہی سے جناب محمد اسلم صاحب لاولد ہیں۔یہ امر بھی ان کے لئے محرک بنا،انہوں نے اپنے بے شمار معنوی اولاد پیدا کرنے کا یہ کارخانہ کھول دیا ہے۔کتنے قرآن ناظرہ وحفظ کرنے والے یہاں سے پیدا ہونگے۔دینی تعلیم میں مہارت پیدا کر کے کتنے فضلاء نکلیں گے اللہ ہی جانتا ہے،اوران سب کا پڑھنا لکھنا،نقل و حرکت اور دینی علمی سرگرمی مولانا محمد اسلم صاحب کے کھاتے میں درج ہوتی رہینگی۔اپنی ثروت و جائیدااور وجاہت کا بہترین مصرف مولانا نے لیا۔اللہ پاک انہیں بے حدوحساب جزاعطافرمائے اور اس کے ثمرات دور دور تک اور دیر تک قیامت تک برآتے رہیں۔آمین

معہد پہنچے،طلبہ،اساتذہ منتظر تھے۔معہد کی عمارت کے مغربی برآمدے میں سب بیٹھ گئے۔ یہ اجتماع ایک جلسہ میں تبدیل ہوگیا۔ڈاکٹر ارشد جمیل نے کاروائی شروع کرتے ہوئے راقم کا نام صدارت کے لئے پیش کردیا بغیر مجھ سے مشورہ کئے۔پتہ نہیں کوئی سازش تھی کیا،فوراً صدری اٹھے،مختار کھڑے ہوئے اورتائید کر کے میری صدارت کو مستحکم کردیا۔خیراب باضابطہ کارروائی شروع ہوئی۔پہلے ڈاکٹر ارشد جمیل نے تمام لوگوں کا تعارف کرایا۔پھر خطاب کا سلسلہ شروع ہوا۔مخلص محترم جناب شاہنواز احمد خاں نے جامعیت کے ساتھ مدرسہ،مدرسہ کے طلبہ،علم دین کی اہمیت وافادیت اورضرورت پر گفتگو کی۔عصر حاضر میں مادی سیلاب میں ملحقہ مدارس کے بہہ جانے پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی۔بڑا پُر مغز خطاب تھا۔پھر ڈاکٹر حافظ انیس صدری کھڑے ہوئے،مختار مونگیری اٹھے،یکے بعد دیگرے صاحبان علم ودانش مسند خطابت پر آتے رہے اور خطاب فرماتے رہے۔خاص بات جوراقم نے نوٹ کیا کہ ہردل دین کے درد سے لبریز ہے۔ہر کوئی عصر حاضر کی جفاکاری کا مداوادین اور علم دین ہی میں دیکھتا ہے۔مادے کی چمک دمک میں انسانیت اور انسانی قدروں کی درگت کا ہر کسی کو احساس ہے۔ حالات کی زبونی سے جتنا دکھ راقم کو ہے اور ہوتا رہتا ہے،اس سے زیادہ ڈھارس بندھی یہاں مقررین کے خطاب سے۔پھر ’’لیلائے محفل‘‘ کی باری آئی۔ڈاکٹر حافظ عبدالمنان طرزی کھڑے ہوئے اور

انہوں نے وہ ترانہ سنایا جوانہوں نے اس معھد کے لئے تحریر کیا ہے اور معھد کے طلبہ روزانہ جسے گا کر اپنی تعلیمی سرگرمی کو شروع کرتے ہیں۔خوب ترانہ ہے۔ برجستگی اور بے تکلفی ہر مصرعہ کی خصوصیت ہے۔علم دین کی عظمت اور طلبہ علوم دینیہ کے عزائم واہداف کی تعیین بڑے خوبصورت اور پر جوش انداز میں ترانے میں بیان ہوئے ہیں۔اخیر میں خاتم المسلک بن کر ڈاکٹر احمد حسن دانش کھڑے ہوئے۔ظالم نے اس راگ کو الاپ دیا کہ جس کو سنتے ہیں ہر معمولی شعور تک کا مسلمان آبدیدہ ہو جاتا ہے اور کوسنے لگتا ہے۔ اپنے آپ کو، بھائیوں کو، اپنے نوجوانوں کو، اپنے قائدین کو اور زعماء کو، ہر کسی کو۔ڈاکٹر دانش نے کھلے لفظوں میں بہار کے مدارس ملحقہ کے، سرکاری کرن، اور اس کے ایمان سوز نتائج کا ذکر کر دیا، سبق مقررین نے بھی اس کا اشارہ دیا تھا۔اس لئے یہ ٹولی تھی جن کی کوششوں سے مدارس ملحقہ کو یہ سب کچھ ملا۔اتفاق سے اس ٹولی کی سربراہی اس وقت اسی راقم سطور ننگ اسلاف کے ذمہ تھی۔ یہ ڈگریوں کی مساوات ،اساتذہ کی تنخواہ، بورڈ کی خودمختاری اور آج کی مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی کا داغ بیل اس راقم کے جنرل سکریٹری شپ کے زمانے کی چیزیں ہیں۔چھوڑیے اس قصہ درد کو راقم کے بعد شاہنواز خاں ان کے بعد ہیں ڈاکٹر ارشد جمیل نے آج کے ہمارے میزبان نے اس عہدہ کو سنبھالا اور سب کچھ حکومت سے پکا کرایا۔نیت درست تھی ،امید اچھی کی گئی تھی۔بڑی امنگوں اور توقعات کے ساتھ پٹنہ میں آل بہار مدرسہ کنونشن، اسی راقم سطور کے سکریٹری شپ میں منعقد کیا گیا۔بڑی مضبوط سکریٹری رپورٹ پیش کی گئی تھی۔بڑا کامیاب کنونشن تھا وہ۔کنونشن کا مقصد تاریخ بنانا تھا۔پتہ نہیں کنونشن نے تاریخ سازی کی یا نہیں، لیکن اتنا تو ضرور ہے کہ یہ تاریخی کونشن تھا۔اس سے پہلے نصاب کمیٹی بنی تھی ۔راقم اس کمیٹی کا رکن رکین اس حیثیت سے تھا کہ تمام مواد کی فراہمی، ترتیب یا ہم موازنہ اور فاضل اراکین کمیٹی سے اپنے منشا کے مطابق رائے حاصل کر کے نصاب کو حتمی شکل دینا اسی راقم کے ذمہ تھا۔ان سب امور کی انجام دہ میں یہی ٹولی تھی جو یہاں کوروڈیہہ میں جمع ہوئی۔ٹولی میں اور بھی پندرہ سے بیس افراد تھے۔ یہ سب مخلص اور سرگرم لوگ تھے۔باقی پورا بہار ساتھ تھا۔اس تحریک کے پہلے قائد محترم جناب اظہار عالم (آئی پی ایس) ہیں جو ابھی ۳۱ر مارچ ۲۰۰۹ء کو آئی جی ہو کر سبکدوش ہوئے ہیں ابھی گرگاؤں میں رہ

رہے ہیں۔ان کے بعد اس ٹولی کی قیادت محترم جناب شاہنواز احمد خاں نے فرمائی جو ہزاری باغ میں ڈپٹی کمشنر ہیں۔ پھر خاکسار راقم نے یہ جوا اپنے کندھے پر رکھا اور اس ٹولی کا آخری سپہ سالار ڈاکٹر ارشد جمیل ہوئے اور انہیں پر اس کا زریں دور منتہی ہوا۔ پھر اس کے بعد تو یونین میں وہی ''ہوس کی ہے میری ہوس کی وزیری'' کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ دیکھنا چاہئے اللہ کب اس کے لئے راست روی کا فیصلہ فرماتا ہے؟ بہر حال جن لوگوں نے یہ کیا ان کی نیت درست تھی اور ان کے توقعات بڑے پاکیزہ تھے۔

لیکن امت مجاہد بھول گئی کہ وہ تو طائر لاہوتی ہے اور دریوزہ گری اس کے مسلک میں حرام ہے۔دریوزہ گری اس کی موت ہے۔ جب ہی تو علامہ اقبال کو اس طائر لاہوتی میں سہل پسندی نے بے انتہا اذیت میں مبتلا کر دیا اور انہوں نے اس کی غیرت کو للکارا ؎

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

عجیب بات ہے جس طائر لاہوتی کی کوتاہی پرواز اقبال کے لئے سوہان روح تھی۔اس طائر لاہوتی کی درگت اور ذلت کی موت ناز مظفر آبادی (پاکستان) نے اپنی آنکھوں دیکھا اور ہم تک (عالمی سطح پر) یہ خبر پہنچائی ؎

باعث توقیر جس کو عمر بھر سمجھا گیا تذکرہ اقبال جس کا شاعری میں کر گیا
چند دانے کی طلب میں غیر کی دہلیز پر آج سنتے ہیں کہ وہ لاہوتی طائر مر گیا

چھوٹے پیمانے پر، آل بہار مدرسہ یونین کے حصے میں یہ ذلت کی موت آئی اور بڑے پیمانے پر مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی میں اس کو گلے لگایا۔نتیجہ میں آجتک یوروپی یونین کی ممبری تو عملاً فضا میں معلق ہے۔اللہ نے اس امت مسلمہ کے لئے دریوزہ گری کو حرام قرار دیا ہے۔اللہ کے اس فیصلے سے بے خبر بن کر یہ سب کچھ چھوٹے اور بڑے پیمانے پر کیا گیا۔نتیجہ وہی برآمد ہوا جو ہمارے سامنے ہے۔

نازمظفر پوری سے راقم کے مراسم اسی طرح ہیں جس طرح ڈاکٹر طرزی سے ہیں۔ابتک ان سے بھی ملاقات نہیں ہے۔انہوں نے اپنا شعری مجموعہ ''یہاں آنے تک'' راقم کو براہ سعودی عرب بھجوایا اور تبصرہ، خیال آرائی کی فرمائش کی۔اشعار دل کو چھونے والے تھے۔راقم نے ایک مقالہ تحریر کر کے ان کو

بھیج دیا۔ مقالہ ناز صاحب، ہمارے مہربان ڈاکٹر اقبال واجد، کرم فرما اقبال فرید میسوری اور آہ اللہ ان کی قبر کو ٹھنڈی... مخلص، میری شادی کے رقعات کو اپنے ہاتھ سے باصرار تحریر کرنے والے بھائی محمود خاں نے بہت پسند کیا اور بالآخر اس مقالہ کو ناز صاحب اپنے دوسرے شعری مجموعہ کا مقدمہ بنالیا۔ ان کے دونوں مجموعے ہمارے پاس ہیں۔ بات نکل آئی کیا کرتے، دانش صاحب نے تو دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی تھی۔ خیر

اخیر میں مجھے تو اپنی صدارت بھی جتلانی تھی۔ بچوں، اساتذہ و سامعین سے کچھ دیر تک مخاطب رہا اور دینی مدارس کے اساتذہ کو مرعوبیت کی نفسیات سے نکلنے کی فہمائش کی۔ اسی پر یہ مجلس ختم ہوئی۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ اذان ہوئی۔ جماعت سے نماز ادا کی گئی پھر نماز کے بعد ضیافت تو ہونی ہی تھی۔ قسم قسم کے پھل، میوے بسکٹ کے ساتھ چائے سے ضیافت ہوئی۔ راقم کو پان بھی ملا۔ اچھی صحبت رہی۔ پھر لوٹ کر میزبان کی مسجد میں عشاء کی نماز ادا کی۔ مولانا قاسم کے آنگن میں چارپائیاں اور چوکی لگائی گئیں تھیں۔ دیر تک گفتگو، شعر و شاعری اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا اور کوئی ۱۱ر بجے رات کا کھانا کھایا اور سو گئے۔

صبح ہوئی ۲ر جون کی تاریخ آن پہنچی۔ یہی نکاح کی تاریخ تھی۔ نکاح ۱۱ر بجے دن میں ہونا طے تھا۔ صبح کی چائے کے بعد ہم لوگوں کے پاس کافی وقت تھا۔ کوروڈیہہ پہنچنے کے بعد ہی سے گاؤں والوں کا پیار، خلوص اور استقبال ہم لوگوں کو بہت متاثر کئے ہوئے تھا۔ قاری صالح صاحب گاؤں کے بزرگ اور ذمہ دار لوگوں میں ہیں۔ ارشد صاحب کے قریبی بزرگوں میں ہیں۔ ان کے یہاں چائے کی دعوت تھی۔ ارشد صاحب کے مکان سے دکھن پچھم کی جانب کوئی ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر ان کا مکان ہے۔ پورا قافلہ ان کے بنگلے پر پہنچا۔ چارپائیاں، تخت اور کچھ کرسیاں لگی ہوئی تھیں سب لوگ بیٹھ گئے۔ مہمانوں کا تعارف شروع ہوا۔ جب محترم صالح صاحب کو بتایا گیا کہ یہ شاہنواز صاحب ہیں تو قاری صاحب کا ذہن بھاگلپور کے ایم پی سید شاہنواز کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہ کانگریسیوں کی بستی، جمعیت علماء کا نمائندہ گاؤں، بی جے پی کے لئے یہاں پذیرائی کہاں! قاری صاحب کچھ اسی انداز میں شاہنواز

صاحب سے مخاطب ہوئے۔ فوراً انہیں کہا گیا کہ یہ ایم پی شاہنواز نہیں ہیں یہ شاہنواز احمد خاں، ڈپٹی لیبر کمشنر ہیں۔ تب ان کا انداز کلام معمول پر آیا۔ خیر چائے اپنے لوازمات کے ساتھ مہمانوں کو پیش کی گئی۔ مختلف موضوعات پر الگ الگ ٹولیوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ معلوم ہوا کہ بڑے بڑے بزرگوں اور علماء نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس گاؤں کو نوازا ہے۔ یہاں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا اعزاز علی شیخ الادب دارالعلوم دیوبند، مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ صدر جمعیت علمائے ہند اور اس سلسلہ ذھبیہ کے دیگر بزرگان دین بارہا تشریف لا چکے ہیں۔ گاؤں کا تعلق بزرگوں، علماء اور مرشدین سے بڑا پرانا ہے۔ اب بھی اس کے اثرات پورے گاؤں میں نمایاں ہیں۔ سر پر ٹوپی، چہرے پر ڈاڑھی تو یہاں عام بات ہے۔ کرتا اور لنگی یہاں کے لوگوں کو پسندیدہ لباس ہے۔ کالر والی قمیض، شرٹ پینٹ، دو چار جدید فضا کے جوانوں کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے جو یہ جوان سفر اور اپنے تعلیمی مراکز ہی میں زیب تن کرتے ہیں۔ گاؤں میں استعمال نہیں کرتے ہیں۔ اذان ہوتے ہی مسجد بھر جاتی ہے۔ نماز ادا کرنے کا عام معمول ہے۔ بڑا دینی اور روحانی ماحول ہے گاؤں کا۔

قاری صالح صاحب کی چائے سے فراغت کے بعد یہ قافلہ ایک دوسرا مدرسہ دیکھنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ قاری صاحب کے مکان سے ذرا پورب دکھن کی جانب معہد ارشد کوروڈیہہ ہے۔ یہ مدرسہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے قائم کیا ہے۔ مولانا عالم، علم دوست، صالح اور مصلح ہیں۔ علم دین کو پھیلانا ان کا مشن ہے۔ علاقے میں مدارس تو ہیں۔ قریب ہی مدرسہ اعزازیہ پتھنا ہے، جو مولانا اعزاز علی شیخ الادب کے نام پر بہت پہلے غالباً ان کی حیات مبارکہ ہی میں قائم ہوا تھا۔ مدرسہ اعزازیہ خوب بڑھا، ترقی کیا، علاقہ کو خوب فیض پہنچا، گھر گھر علم دین کا چرچا ہوا، لیکن ابھی حال کے برسوں میں کچھ اختلاف بھی ہوا۔ مسلمانوں کے ادارے میں اختلافات کے رونما ہونے کو لوازمات ہی میں شمار کرنا چاہئے۔ مولانا قاسم صاحب نے یہ مدرسہ قائم کیا ہے۔ ماشاءاللہ مدرسہ چل رہا ہے۔ مولانا کا خلوص اسے چلا رہا ہے۔ مدرسہ کی مسجد میں ہم لوگ بیٹھے اور یہاں ہم لوگوں نے صرف بچوں ہی کو سنا بلکہ جانچا بھی۔ تجوید و

ترتیل سے بچے قرآن پڑھتے اور یاد کرتے ہیں۔ تلفظ کی درستگی اور حروف کی ادائیگی سے جی خوش ہوا۔ نعت اور حمد بھی بڑے اچھے انداز میں بچوں نے سنائے۔ بڑا پسند آیا۔ مولانا کے لئے دعائیں نکلیں۔ اللہ پاک تعلیم اور علم دین کی تعلیم کو عام کردے۔ آج مسلمانوں کے ہر مرض کا صرف یہی ایک علاج ہے۔ عصری تعلیم اور علم دین کی تعلیم اور بس۔ یہاں بھی چائے معہ لوازمات ہمیں ملی۔ چائے سے فراغت کے بعد ہم لوگ اپنے مستقر پر نو بجے کے قریب لوٹ آئے۔ یہاں ناشتہ تیار تھا، اصل ناشتہ تو یہی تھا۔ اس سے پہلے جو کچھ ہوا اس کا عرفی نام صرف 'چائے' ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ اس کے لوازمات کی مقدار کتنی تھی۔ چنانچہ اس اصلی ناشتہ کے ساتھ ہم لوگوں کا رویہ رسم کی ادائیگی ہی کا رہا۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد گھر والے اصلی تقریب کی تیاری میں لگ گئے اور مہمان اس کے انتظار میں۔

بارات گاؤں سے آنے والی تھی۔ ارشد صاحب کے مکان کے سامنے کوئی ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلہ پر مشرق کی جانب سیدھ میں ہونے والے داماد حافظ ابصر حسین کا مکان ہے۔ ان کا بڑا بھائی حافظ منور پٹنہ ہی سے ہم لوگوں کے عزیزوں میں ہیں۔ یہ گاؤں اصلاً ایک ہی خاندان پر مشتمل ہے۔ بہت قدیمی باشندے ہیں یہ لوگ یہاں کے۔ کوئی بارہ پشتوں کا مسلسل شجرہ موجود ہے۔ وہی خاندان پھیل کر اب بڑا گاؤں ہوگیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ عام طور سے شادی بیاہ گاؤں ہی میں آپس میں انجام پاتا ہے۔ سب آپس میں رشتہ دار ہیں۔ اس کی وجہ سے آپس میں پیار و محبت اور احترام کا رشتہ مستحکم طور پر قائم ہے۔ خاندانی جھگڑا اور بھائیوں کا آپسی اختلاف عام طور پر یہاں نہیں ہے۔ معاملات تنازعات آپس میں سلجھا لینے کا عام چلن ہے۔ بزرگوں کے فیصلے کو ماننے کی خوبی یہاں کے لوگوں میں اب بھی ہے۔

بارات کوئی ۱۱ بجے آئی۔ نکاح کی تیاری شروع ہوئی۔ سب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ نکاح حضرت مولانا قاسم صاحب کو پڑھانا تھا۔ ہم سب لوگ مسجد پہنچ گئے۔ طرفین سے گواہ اور وکیل دلہن سے اجازت کے لئے بھیجے گئے۔ اجازت مل جانے کے بعد مولانا نے خطبہ پڑھا اور مہر فاطمی پر قبول کرایا۔ پھر دعا کرائی۔ بڑی پرسوز اور دل سے نکلی ہوئی دعا تھی۔ نئے جوڑے کے لئے خوب دعائیں ہوئیں۔ انبیاء و رسل کے ازدواج کی دعائیں پھر مسنون طریقے پر خرما لٹائے گئے اور بانٹے گئے۔ نمائش اور نام و

نمود کے اظہار کا کوئی طور نکاح میں نظر نہ آیا۔ وہ جو نئے جوڑے کے کپڑوں کی نمائش، زیورات کے دکھانے کا رواج، مہر پر ردو قدح ایسی کوئی صورت یہاں نظر نہ آئی۔ ڈھول، باجا یا عورتوں کا گیت گانا وغیرہ جو مسلمانوں کی شادی کی تقریبات کا حصہ بن گئے ہیں، یہاں ایسی خرافات دیکھنے میں نہ آئیں۔ اللہ ایسی سادگی اور مسنون طریقہ کو عام کردے۔ آج امت مسلمہ نے ہندوستان میں نکاح کو اس قدر مشکل بنا دیا ہے کہ بڑی عمر تک لڑکیاں نکاح کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہیں۔ والدین مادی لوازمات کی تکمیل کی سکت نہیں رکھتے ہیں۔ جہیز رقوم کا مطالبہ پورا نہیں کر پاتے ہیں۔ نتیجے میں لڑکیاں بن بیاہی رہ جاتی ہیں پھر جو سماجی برائیاں جنم لیتی ہیں، ان سے ہر کوئی واقف ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ہر آدمی ان خرافات کو بُرا کہتا ہے لیکن جب معاملہ اپنا ہوتا ہے تو پھر وہی سب کچھ کرتا ہے۔ یہ دوہرا رویہ اور عملی نفاق اس وقت مسلمانوں میں عام ہے۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ عفاف کا ذریعہ بننے کے بجائے نکاح حصول مال کا وسیلہ بن گیا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ کوروڈیہہ والے اس لعنت سے محفوظ ہیں۔ خیر نکاح ہوا ظہر کی نماز ہوئی۔ دیر سے ہم لوگوں نے کھانا کھایا۔

اب کچھ یہاں کی دعوت کے بارے میں بھی سنئے۔ یہ تو بیان ہو چکا کہ یہ گاؤں اصلاً ایک خاندان اور کنبہ پر مشتمل ہے۔ کچھ کی معاشی حالت بہت اچھی ہے، کچھ معاشی طور پر ٹوٹ گئے ہیں۔ لیکن بدحال کوئی نہیں ہے۔ تقریباً ہر گھرانے کا کوئی نا کوئی اسکول، مدرسہ اور کالج میں برسرروزگار ہے۔ اس لئے یہ کنبہ افلاس زدہ نہیں ہے۔ اس خاندان اور کنبہ کے علاوہ بھی ایک بڑی تعداد اس گاؤں میں بسی ہوئی ہے۔ یہ لوگ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۸۹ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد مختلف جگہوں سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ یہ سب مزدور طبقہ کے لوگ ہیں۔ اب ان کے بچوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ توقع ہے کہ جلد ان کا افلاس بھی دور ہو جائے گا۔ بہر حال دونوں طبقہ کے لوگوں کو ملا کر بستی بڑی ہے۔ صاحبِ حیثیت شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر پورے گاؤں والوں کو کھلاتے ہیں۔ سب کی دعوت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایک سال تک کی عمر کے بچے مدعوئین میں شمار ہوتے ہیں۔ سب کے لئے کھانا پکتا ہے۔ پہلے ہر گھر کے افراد کی ایک فہرست مرتب کر لی جاتی ہے اور خواتین کی تعداد اس گھر کے سامنے لکھ لی جاتی

ہے۔ پھر تعداد کے مطابق ہر گھر میں کھانا پہنچا دیا جاتا ہے۔ صاحبِ تقریب کے یہاں عورتیں اور لڑکیاں کھانے کے لئے بالکل نہیں آتی ہیں۔ اس لئے بہت بڑا بھوج ہونے کے باوجود بھیڑ اور افراتفری نہیں ہوتی ہے۔ ہمارے میزبان ڈاکٹر ارشد جمیل نے آٹھ کوئنٹل چاول کا پلاؤ پکوایا۔ اسی کے ہم وزن گوشت بھی پکا۔ لیکن ہم لوگوں کو آٹھ کوئنٹل کیا، آٹھ من بلکہ ایک من کا بھی بھوج معلوم نہ پڑا۔ دروازے پر نہ کھلانے کی افادیت کے بارے میں ہمارے میزبان نے بتایا کہ ایک تو اس میں عورتوں کا بے حجاب ہو کر مردوں سے اختلاط نہیں ہو پاتا ہے، دوسرے یہ کہ کھانا برباد نہیں ہوتا ہے۔ کھانا زیادہ ہونے پر بھی وہ کھانا دوسرے وقت میں کام میں آجاتا ہے۔ اور ایسی بھیڑ بھی نہیں ہوتی ہے جو کنٹرول سے باہر ہو۔ دروازے پر صرف مرد اور باہر سے آنے والے مہمان، خاندان کے مرد اور بزرگ اور کام کرنے والے معاون افراد ہی کھانا کھاتے ہیں۔ اتنے بڑے بھوج کی لئے ایک دن قبل ہی سے تیاری ہوتی ہے۔ جانوروں کو ذبح کرنا، مسالحہ جات اور لوازمات کو مہیار کرنا سب تقریب کی رات تک ہوجاتا ہے۔ پھر آدھی رات سے پکنا شروع ہوتا ہے صبح ہی سے گھروں میں کھانا پہنچانے کا کام شروع کردیا جاتا ہے۔ ہمارے میزبان کے یہاں صبح سے شروع ہوکر کوئی دن کے چار بجے تک کھانا پہنچانے کا کام ہوا۔ کھانے پکانے، مہمانوں کو کھلانے، گھروں میں کھانا پہنچانے اور تمام خدمات محلہ والے اور گاؤں کے لوگ باہمی تعاون کے جذبے سے اپنی ذمہ داری سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ اس طرح صاحب تقریب ہر طرح کے تردد اور تناؤ سے بالکل آزاد ہوتا ہے۔ اس طرح یہ تقریب بحسن وخوبی ۲؍جون ۲۰۰۹ء کو انجام پا گئی۔ اب مہمانوں کی واپسی شروع ہوئی۔

ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی پناس ضلع کشن گنج کے رہنے والے دربھنگہ میں شعبہ اردو متھلا یونیورسٹی میں ہیں۔ بڑے اسکالر اور اب مجاز طریقت محترم جناب اکمل یزدانی کے صاحب زادے ہیں۔ علمی، ادبی اور دینی گھرانہ ہے۔ سب سے پہلے وہ عصر سے قبل روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ پروفیسر خواجہ غلام اشرف شعبۂ سماجیات متھلا یونیورسٹی دربھنگہ بھی لوٹ گئے۔ دونوں ساتھ ہی آئے تھے۔ انہیں کے ساتھ اس چمن کے بلبل ڈاکٹر عبدالمنان طرزی اور ڈاکٹر اس ایم رضوان اللہ ملت کالج دربھنگہ،

صاحبِ خانہ کی اجازت لیکر بھاگلپور کے لئے روانہ ہوگئے۔ پروفیسر شمیم احمد باروی جو دربھنگہ سے اس تقریب میں شرکت کے لئے آئے تھے وہ بھی عصر کے بعد واپس ہو گئے۔ باقی پورا قافلہ مزید دو دنوں تک کوروڈیہہ میں سکونت پذیر رہا۔

مغرب بعد ہم لوگ حسب وعدہ پروگرام حضرت مولانا حسین احمد کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ مولانا حسین احمد صاحب بڑے پائے کے عالم ہیں۔ جامعہ خانقاہ رحمانی مونگیر میں مدرس رہ چکے ہیں۔ خانقاہ کے بعد مدرسہ انوار العلوم، اسلامپور پورنیہ چلے آئے اور وہیں سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ مولانا سے راقم کے بڑے قدیمی تعلقات ہیں۔ ڈاکٹر ارشد جمیل کے نزدیکی رشتہ دار ہیں۔ میزبان کی حیثیت سے ہمہ وقت ہم لوگوں کے ساتھ رہے۔ بڑے مخلص اور خلیق شخص ہیں مولانا۔ ان کے یہاں ٹھنڈا اور گرم دونوں طرح کے مشروبات معہ لوازمات سے ہم لوگوں کی ضیافت ہوئی۔ عشاء تک ان کے یہاں مجلس جمی۔ علمی، ادبی، سیاسی، و دینی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ گرمی شدید تھی۔ کھلی فضا میں دروازے کے صحن میں ہم لوگ بیٹھے تھے۔ ہلکی ہوا چلنے لگی تھی۔ دن بھر گرمی کی شدت رہی۔ بجلی پنکھے کی ہوا بھی گرمی ہی کا ساتھ دیتی تھی۔ اب مولانا حسین احمد صاحب کے دروازے پر قدرتی ہوا نے بڑی راحت پہنچائی۔ بڑا سکون ملا۔ لوٹ کر اپنے مستقر پر آئے۔ عشاء کی نماز کے بعد پھر وہیں مولانا قاسم صاحب کے آنگن میں بچھی ہوئی چارپائیوں اور تخت پر سب جم گئے۔ کوئی لیٹ گیا، کوئی بیٹھا رہا اور مزے کی باتیں ہوتی رہیں۔ شعر و شاعری سننے اور سنانے کا سلسلہ چلا اور حالات حاضرہ پر تبادلۂ خیال اور حل کی تلاش کا عمل جاری رہا۔ دیر تک مجلس رہی۔ آج رات کا کھانا چند لوگوں نے ہی کھایا پھر سب سو گئے۔

دوسری صبح ۳ر جون کو دیر سویر بھی طلوع آفتاب تک جاگ ہی گئے۔ نماز وغیرہ سے فراغت کے بعد چائے کا دور چلا۔ قاعدے سے سے آج ہملوگوں کی واپسی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن وہ ایسی رکاوٹ پیش آئی کہ جس کو ہم لوگ ٹال نہ سکے۔ ایک تو بھائی احسن کے صاحبزادے کا آج عقد تھا۔ شرکت پر وہ مصر ہو گئے۔ بلکہ یہاں پہنچنے کے بعد ہی سے ان کا اس پر اصرار شروع ہو گیا تھا، بھائی احسن ڈاکٹر ارشد جمیل کے اپنے چچازاد بھائی ہیں۔ عالم اور متشرع آدمی ہیں اور ان سے بھی تعلقات اتنے ہی

پرانے ہیں جتنے ارشد صاحب سے۔ یہ بھی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے فارغین ہی ہیں۔ اس لئے ان کے اصرار کے آگے جھکنا ہی پڑا۔ دوسری رکاوٹ ساری خدائی کے بالمقابل کی جانب سے پیش آئی۔ ڈاکٹر ارشد جمیل کے نسبتی بھائی محمد عمادالدین بڑا خوبصورت اور وجیہہ نوجوان ہے۔ ارشد ہی کے زیر تربیت رہا اور پڑھا لکھا ہے۔ ہم لوگوں کا بڑا عزیز رہا ہے۔ ابھی چند سال قبل ان کے والد یعنی ارشد صاحب کے خسر کا انتقال ہو چکا ہے۔ آج رات کے کھانے کی دعوت اس حکم کے ساتھ لے کر آئے کہ قبول کرنا ہی ہے، دعوت کھانی ہی ہے۔ بھائی ارشد نے اس میں یہ بھی جوڑا کہ ان کی اہلیہ کی بھی باصرار یہی خواہش ہے۔ اب بھلا ایسی ضیافت کو رد کرنے کی کس میں ہمت تھی۔ قافلہ نے سپر ڈال دیا اور آج کا قیام پکا ہو گیا۔ دوپہر کے قریب بھائی احسن کے بیٹے کے عقد میں سبھی شریک ہوئے۔ بارات وہی سامنے مشرق کی جانب سے دو ڈھائی سو گز کے فاصلہ پر گئی تھی۔ ان لوگوں کی کوئی ۸۰، ۹۰ فیصد ازدواجی رشتہ داریاں گاؤں ہی میں ہیں اور ہوتی ہیں۔ کھانا کھایا اور آرام کیا۔

عصر کی نماز کے بعد ہم لوگ اس ڈیہہ کو دیکھنے چلے جو اسی گاؤں کے نام کا اخیر جزو ہے۔ گاؤں سے جنوب کی جانب جو سڑک جاتی ہے، اس پر ہم لوگ چل پڑے۔ کوئی آدھ کیلومیٹر کے فاصلہ پر سڑک کے مغربی کنارے وہ ڈیہہ ہے جو اس گاؤں کے نام کا جزو ہے۔ سڑک سے اتر کر کوئی سو گز کے بعد وہ ڈیہہ ہے۔ اب تو اس کی اونچائی کوئی ایسی خاص نہیں ہے۔ بس ذرا اونچی سی جگہ ہے۔ ڈیڑھ دو کیلومیٹر یہ ڈیہہ ہے۔ پرانے زمانے کے اینٹ کے ٹکڑے، ٹھیکرے اور کچھ ٹوٹے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے جگہ جگہ مل جاتے ہیں۔ درخت اور کہیں کہیں جھاڑیاں اس مقام کی اب رکھوالی کرتی ہیں اور ساتھ ہی کسی پرانی آبادی کا پتہ بھی دیتی ہیں۔ یہ مقام پُر فضا بھی ہے اور یک گونہ ہولناک اور شعراء حضرات کو یہاں بیانیہ اور کیفیہ دونوں طرح کی شاعری کی اچھی تحریک بھی مل سکتی ہے۔ اندازہ ہوا کہ یقیناً یہ ڈیہہ کسی پرانی پرشکوہ اور پرعظمت آبادی کا مرثیہ خواں ہے۔ ایسے مقامات اپنے میں عبرت کے بڑے سامان رکھتے ہیں۔ یہ ڈیہہ بھی بڑا عبرات آموز معلوم پڑا۔

رات میں ارشد کے سسرال کی دعوت انتہائی پرتکلف تھی۔ انواع و اقسام کی چیزیں، ہر قسم

کے گوشت، کباب، سبزیاں، آم اور بھی بہت قسم کی چیزیں انہیں کہہ لیجئے خوب کھایا۔ ویسے کیا خوب کھایا؟ مسلسل دعوت کے بعد ایسے اہتمام کی دعوت کے ساتھ انصاف تو ہو نہیں سکتا تھا۔ بہر حال ارشد کے سسرال کا کھانا تھا۔ سسرالی تکلفات کے ساتھ، جہانتک ہو سکا خوب کھایا اور مستقر پر آکر آرام کیا۔ اس سفر میں کوروڈیہہ کی یہ آخری رات تھی۔ گرمی کی شدت سے طبیعت پر پڑنے والے اثر کے باوجود پوری مدت میں طبیعت بشاش اور نشیط رہی، آج رات بھی پورا انبساط رہا۔ اس احساس کے ساتھ کہ صبح پھر بچھڑ جانا ہے۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں، یاد رکھنے کی تلقین، پھر ایسا موقعہ میسر آنے کی تمنا، بہت سے نئے موضوعات بھی آج کی گفتگو کا حصہ ہے۔ پرانوں کو ملانے کی ارشد کی اس کرامت کا ہر کوئی قائل تھا۔ ہر دل اس کے لئے دعاء گو تھا۔ باتیں کرتے آخر نیند آ ہی گئی اور پھر ۴ر جون کی صبح بھی ہو ہی گئی۔ واپسی کی صبح، ایک دوسرے سے بچھڑنے کی صبح۔

۴ر جون کی صبح ہر شخص کو جلدی تھی۔ خیر پہلی کھیپ مولانا قاسم صاحب کی گاڑی سے محترم شاہنواز احمد خاں، محترم مختار مونگیری، محترم ڈاکٹر حافظ انیس صدری اور ڈاکٹر عبد اللطیف حیدری پر مشتمل بھاگلپور شہر روانہ ہوئی۔ اس کے بعد دوسری گاڑی بھاگلپور سے منگوائی گئی اور اس سے ہم لوگ یعنی میں، میرا بیٹا نظر رضوان، ڈاکٹر احمد حسن دانش، پروفیسر ریاض احمد بھاگلپور یونیورسٹی، ڈاکٹر منصور عمر، جناب محمد قیصر عالم، جناب عطی صاحب، پروفیسر عبد العلیم ہلال اور ان کے صاحبزادے حکیم غزالی انور ہلال دربھنگہ کی پوری جماعت کوئی ۸ر بجے بھاگلپور کے لئے روانہ ہوئی۔ ۹ر بجے سے قبل ہم لوگ بھاگلپور اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ وہاں دربھنگہ والے اسٹیشن پلیٹ فارم کی طرف بڑھے اور ہم لوگ یعنی راقم، نور نظر، نظر رضوان اور ڈاکٹر احمد حسن دانش پورنیہ کی بس پر بیٹھے۔ ۱۲ بجے سے پہلے ہی ہم لوگ پورنیہ پہنچ گئے۔ میں اپنے بیٹے کے ساتھ اپنی بیٹی شہلا نگار کے یہاں پہنچا۔ ڈاکٹر دانش اپنے گھر گئے۔ عصر کے بعد پہلے سے طے پروگرام کے مطابق میں اپنی بیٹی شہلا نگار، نواسے عبد اللہ، عبید اللہ اور نواسی عالیہ سلمہا کو لیکر کشن گنج کے لئے روانہ ہوا اور کوئی آٹھ بجے شب گھر پہنچ گیا۔

یہ روداد سفر تشنہ رہیگی اگر کوروڈیہہ گاؤں کے بارے میں چند جملے نہ تحریر کئے جائیں۔ یہ

اکیسویں صدی جہاں دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ پورا انسانی معاشرہ انسانیت سے عاری ہوکر مشینی پاٹ پرزہ بن گیا ہے۔ مشین سے اخوت، مروت، باہمی تعاون، ایثار، اقدار اور اخلاق کی توقع تو کی نہیں جاسکتی ہے۔ مشین تو بٹن کا غلام ہے۔ بٹن سے چلتی ہے، بٹن سے بند ہوجاتی ہے اس کا اپنا ارادہ اور اختیار کچھ بھی نہیں ہے۔ آج کا انسان بھی اسی طرح بے جان ہوگیا ہے انسان اپنی افادیت کھو چکا ہے، انسانیت کھو چکا ہے اور اس کے بالمقابل تمام غیر انسانی خرابیاں اور برائیاں انسانوں میں آچکی ہیں۔ آج کا انسان اپنی ذات میں سمٹ کر اپنے نفس کی خواہش کا غلام بن چکا ہے۔ کوروڈیہہ کے باشندے ابھی تک ایسی بے حسی اور ان خرابیوں سے کسی حد تک محفوظ ہیں۔ اس کی وجہ راقم سطور کے خیال میں یہ ہے کہ کوروڈیہہ آج کی تاریخ تک مکمل طور پر دیہات ہے۔ شہر کی اڈے بازیاں، لہو ولعب اور خرافات کے مراکز، چوک چوراہے پر چائے پان اور نشیلی چیزوں کی دکانیں اس گاؤں میں کہیں بھی نظر نہ آئیں۔ یہ چوک چوراہے کی دکانیں تو مفاسد کے اڈے ہیں۔ اسی چوک بازی سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ عبادت الٰہی سے بندہ غافل ہوتے ہوتے عبادت ہی سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ سرے سے عبادت سے بے نیازی تو انسان کی فطرت میں ہے نہیں۔ تو جب وہ عبادت الٰہی سے غافل ہوجاتا ہے تو نفس اور شیطان کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ برائیاں چلن اور رواج کی حیثیت اختیار کرلیتی ہیں۔ ایسے معاشرے میں برائیاں پسندیدہ ہوجاتی ہیں اور برائیوں پر حرف گیری کرنے والا ''رجعت پرست'' اور دقیانوس'' کہلاتا ہے جسکی ایسے بے لگام سماج کو ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ نفس وشیطان کے پیروسماج میں برائیوں کا ارتکاب، عیب متصور نہیں ہوتا ہے۔ یہی سوچ ایسے سماج کو کشاں کشاں تباہی کے گڑھے تک پہنچادیتی ہے۔ کوروڈیہہ کا معاشرہ ایسی برائیوں اور خرابیوں سے ابتک پاک ہے۔ یہاں کے لوگ عیب کو عیب جانتے ہیں اور اس پر حرف گیری کو اپنا فرض اور مستحسن خیال کرتے ہیں۔ ایک بات ذہن میں رہے ''پاکیزہ'' معتر اا اور انسانی معاشرہ میں بھی برائیاں ہوتی ہیں، جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ خود حضور ﷺ کے زمانے میں ماعز اسلمی اور غامدیہ خاتون سے اخلاقی جرم کا صدور ہوا۔ چوری کی وارداتیں ہوئی تو آج کے مسلم معاشرے میں صدفی صد تورع اور تقوی کا دعوی پاگل پن سے پہنچ آگے ہی کی چیز ہوگی۔

برائیوں کے صدور کی کسی بھی معاشرے سے نفی نہیں کی جاسکتی ہے۔ اصل مسئلہ "مزاج" کا ہے۔ مسلم معاشرے کا مزاج برائی اور مفاسد پرستی نہیں ہے۔ یہ مزاج آج کے لحاظ سے کورو ڈیہہ میں موجود ہے۔ بڑی بات ہے۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اللہ اپنے اس فضل کو بالکل عام کردے، برائی کو برائی کہنے کی ہر کسی کو ہمت دیدے۔ آمین

اب یہ روداد تمام ہوتی ہے۔ ویسے اس سفر کے ابھی اور بہت سارے عنوانات ہیں جنہیں ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت ہے۔ لیکن فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جو لکھا گیا وہی تو کافی طویل ہو گیا۔ لیکن کیا کہا جائے۔

☆☆☆

رشتوں کی تلاش

(خاندانی شجرے)

''رشتوں کی تلاش'' درحقیقت موضع کوروڈیہ کی قدیم آبادی کے شجروں کی تفصیلات ہیں۔ یہاں کی قدیم آبادی آٹھ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک خاندان کا شجرہ نہایت احتیاط سے مرتب کیا گیا ہے اور حروف تہجی کے اعتبار سے ان شجروں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جیسے الف، ب، ج، د، ہ وغیرہ۔ اگر ایک خاندان کے جدامجد کے کئی بھائی اور بہنیں ہیں تو حروف تہجی کے بعد بالترتیب اس میں نمبر شمار دے کر ہر ایک خاندان کو پھر الگ الگ کر کے دکھایا گیا ہے۔ جیسے الف (۱)، الف (۲)، الف (۳) وغیرہ۔

شادی کے بعد لڑکیوں کے شجروں کو شامل نہیں کیا جاتا ہے۔ لیکن میں نے اس شجرہ میں لڑکیوں کے شجروں کو بھی اس لئے شامل کیا ہے اس لئے کہ ان خاندانوں میں ایک عرصہ سے شادی بیاہ اور آپسی رشتہ داریاں قائم ہیں۔ آپسی رشتۂ مناکحت کی وجہ سے ایک لفظ ''برادری'' عام ہو گیا ہے۔ نئی نسل اپنی پرانی ''برادری'' سے نابلند ہوتی جارہی ہے اور آپسی دوری بڑھتی جارہی ہے۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ ان کو باور کرایا جائے کہ تمہاری رشتہ داریاں کن کن لوگوں سے ہیں اور کس طرح کی ہیں۔ اگر ''برادری'' میں کوئی مالی طور پر پچھڑ گیا ہے تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ان کو یہ علم نہیں ہے کہ یہ بھی ہماری برادری اور خاندان کا ایک فرد ہے۔ ان شجروں کے مطالعہ سے ایک حد تک یہ غلط فہمیاں دور ہوں گی۔

ایک عرصہ سے ایک خاندان میں دوسرے خاندان کا ازدواجی رشتہ قائم ہے۔ جس سے آپسی رشتہ داریاں بڑی گنجلک ہوگئی ہیں۔ رشتے کی ان گتھیوں کو سلجھانے والے بھی

اب نہیں رہے جس سے اور بھی دشواری پیدا ہوگئی ہے۔ انشاء اللہ ان شجروں سے ان کی رہنمائی ہوگی۔

میں نے تمام شجروں کو متعلقہ خاندان کے بزرگوں کے ذریعہ مرتب کردہ شجروں سے نقل کیا ہے اور متعلقہ خاندان کے شجروں کے سلسلوں کو بڑھا کر حال تک پھیلا دیا ہے۔ اس کے لئے بڑی محنت اور مشقت کرنی پڑی ہے۔ اب گاؤں کے تمام خاندانی شجرے یکجا مرتب ہوگئے ہیں۔ اسی مناسبت سے میں نے ان جامع شجروں کو ''رشتوں کی تلاش'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین

☆☆☆

الف ۔ ا

قاضی بدرالدین
|
قاضی نورالدین
|
شاہ محمد

- بڑی لڑکی
- لڑکی
- حاجی شیخ علی محمد
  - شیخ جان علی
    - شیخ لطف علی
    - شیخ شرف علی
    - شیخ عباس علی
      - شیخ وقاء اللہ
        - ولی الدین مرحوم
        - سکینہ
        - مولانا شمس الدین
          - ثناء اللہ
          - امان اللہ
          - فضیلت
          - طلعت
          - رفعت
      - توفیقا — والدہ مولوی شمس الہدیٰ
      - شیخ غریب اللہ
      - رفیقا
        - لڑکی
        - نظیر احمد
          - تاج الدین
          - رشیدہ — زوجہ محمد مکرم
          - سیدہ — زوجہ مولوی شمس الہدیٰ
    - شیخ اشرف علی
    - شیخ محبوب علی
    - بی بی لطیفا — لاولد
  - شیخ عمر علی
  - شیخ نور علی
  - شیخ وزیر علی
  - شیخ میر علی
  - شیخ مہر علی
  - بی بی قسیما زوجہ امیر اللہ (شجرہ ب)
- شیخ مبین
- لڑکی

الف۔ا

شیخ غریب اللہ

محمد شفیق — مولوی جواد علی — حافظ محمود حسن — مولوی جمال الدین — رمیزہ والدہ محمد قاسم ڈھرپور — عبدالحمید

مولوی جمال الدین: لاولد

حافظ محمود حسن → محمد اختر → محمد اسحار

محمد شفیق: محمد سالم — لڑکی — محمد اسعد

محمد سالم → محمد ناظم

عبدالحمید: نسیمہ — مظاہر — عطاء اللہ — نعیمہ — امامہ — شمیمہ — عبداللہ

مولوی جواد علی

محمد اظہار الحق — محمد فیروز — محمد ظفیر — محمد ذوالفقار — سروری — سرمدی

محمد اظہار الحق: حنا زریں (روبی) — انتظار نازش — محمد شارق

محمد ذوالفقار: محمد مغیث — جویا — طاہرہ

محمد ظفیر: شمس العارفین — محمد ندیم — تسنیم کوثر — محمد التمش

محمد فیروز: نرگس — غوثیہ — افروز عالم — نازیہ — گل افشاں — ناظمہ — فرحان

الف۔۱

شیخ جان علی

- شیخ لطف علی
  - لڑکی — زوجہ حاجی ضیاء الدین بدلو چک
  - لڑکی — زوجہ نیر الاعظم
- شیخ شرف علی
  - توشیقا
  - ظہیرا
    - شیخ تصدق علی
      - تصور حسین
- شیخ عباس علی
- شیخ اشرف علی — لاولد
- شیخ محبوب علی
  - شیخ نیر الاعظم
    - ولی الدین وغیرہ بھیکن پور بھاگلپور
  - شیخ بارک الاعظم
    - بی بی غریبہ
      - حنیفہ — زوجہ مولوی فضل الرحمٰن
      - مصلح الدین سنہولی
      - نور جبیں — زوجہ مولوی مسعود سنہولی
  - شیخ ولی الاعظم — لاولد
  - شیخ نقیب الدین
  - بی بی رسولا — والدہ حاجی عبد العلیم
  - بی بی بتولا
    - وجیہہ
      - نہال الدین
      - مہناج الدین
      - لڑکی (۳)
  - بی بی رضیقا — لاولد زوجہ شیخ غریب اللہ
  - بی بی علیگا
    - زرینہ لاولد
- بی بی لطیفا — لاولد

الف ۔ ا

شیخ نقیب الدین

نجم النساء — محمد نجیب الدین — شمس النساء (زوجہ مولوی عبدالعزیز)

محمد مجیب الدین — محمد وقار الدین

دانش مجیب — مظفر نازیہ — تابش مجیب — نازش مجیب — نوازش مجیب — عرفانہ اعظمی

نبیلا — نقیبہ — ابودردا

اکرام الحق (بدلو چک) — احتشام الحق — نزہت — رضوان الحق — طلعت — دلکش

مدحت فاطمہ — ناصرہ — احترام الحق — ناظرہ

کامران — فرحان — ریان — عمران — عفوان — شاہین پروین — کہکشاں — ساقیہ آسیہ

انعام الحق — احرار الحق — انظار الحق — انتصار الحق — ندیم الحق — نصر الحق — دانستہ — امام الحق — تابندہ — انضام الحق

الف۔۲

شیخ عمر علی

- محفل علی — لاولد
- نقیمہ — حافظ مسرور احمد کی دادی
- حاجی نثار احمد
- حکیمہ — عبداللہ پتھنہ کی دادی
- علیمہ — حافظ عبدالرحمٰن کی دادی
- وحیدہ — مولانا عبدالسلام کی دادی
- توثیقہ — لاولد

حاجی نثار احمد

- تقیمہ — والدہ حافظ مسرور احمد
- حکیم محمود حسن
- صغریٰ — والدہ عبداللہ پتھنہ
- جویرہ — والدہ حافظ منور
- ہویرہ — والدہ حدیثہ
- حلیمہ — م۔۲۰۰۹ء والدہ محمد ارشد

حکیم محمود حسن

محل اول:
- محمد حسن
- مرشدہ — اہلیہ مولوی نجیب الدین
- خورشیدہ — اہلیہ حبیب اللہ پتھنہ

محل ثانی:
- مسعود احمد
- راشدہ — اہلیہ بشیر الدین
- سعید احمد — لاولد
- ذاکرہ — اہلیہ حافظ مسرور احمد

محل ثالث:
- حافظ محمد سعود
- محمد مسجود
- محمد داؤد
- محمد امجود

نجیب الدین: مجیب الدین، وقار الدین

محمد حسن (محل اول)

- عائشہ
- حفصہ
- سید حسن
- پرویز حسن

مسعود احمد

- ناجدہ
- ناہدہ
- مودود احمد
- صالحہ
- منشود احمد
- معاذ احمد
- مشہود احمد
- ندرت
- نکہت

الف۔۲

حافظ سعود احمد

سیدہ خاتون | انور احمد | شگفتہ یاسمین | اظہر | قمر الزماں | یاسمین پروین | وحید الزماں | نسرین سلطانہ | سعد الزماں

محمد مسجود

ازہد | امجد | اشہد | ارقم | رافعہ

محمد داؤد

عبدالمعبود | محفوظ | مجوب | بدر الدجیٰ | آسیہ | محسنہ

محمد اجود

محمد اسعد | محمد اخلد | محمد اظفر | بی بی شافعہ

الف۔۲

شیخ عمر علی

حاجی نثار احمد

تقیمہ حافظ مسرور احمد کی والدہ
حکیم محمود حسن
صغریٰ والدہ عبداللہ پتھنہ
جویرہ
ہویرہ حدیثہ
حلیمہ م۔۲۰۰۹ء

عائشہ
حفصہ
سید حسن
پرویز حسن

کشور
روشن
حافظ منور حسن
گلشن
مطہر حسن
اطہر حسن
عمرانہ
ابصر حسن

محمد ارشد جمیل
رشدیٰ
محمد اصدق مرحوم
محمد اسجد
نسیقہ مرحومہ
مظفر نسیمہ

محمد اشہر
محمد امجد
محمد انس
محمد اسمر

واجدہ
واعظہ
صوفیہ
عمیر احمد
اسید احمد
علی احمد

دانش مجیب
مظفر نازیہ
تابش مجیب
نازش مجیب
نوازش مجیب
عرفانہ اعظمی

سعدیہ زرین
محمد معاذ ارشد
محمد وقاص ارشد
صبیحہ ناز
محمد اسامہ ارشد
محمد بشار ارشد
فاریہ ارشد

الف۔۳

- شیخ نورعلی
  - بی بی غریباً — لاولد
  - بی لطیفاً
    - شیخ بقاء اللہ
      - مولانا محمد شمس الدین
    - شیخ غریب اللہ
      - مولوی جواد علی وغیرہ
    - بی بی توفیقاً
      - محمد تسیر الدین
        - عبدالسئوف
          - عبدالودود
          - محمد نفیس
          - محمد صدر عالم
          - رضیہ
        - مولوی شمس الہدیٰ
          - مظفری بیگم — زوجہ حافظ مقیم
          - نجم الہدیٰ
            - عبدالمقتدر
            - عبدالمنتقم
          - قمر الہدیٰ — منتسب
          - طالع عذرا
            - کائنات
            - ادیبہ
          - نور الہدیٰ
          - شاہدہ
          - شائقہ — مرحومہ
        - زیتونہ — والدہ بدیع الزماں ڈہرپور
      - رئیس الدین — لاولد
    - بی بی رفیقاً
      - عابدہ
      - شیخ نظیر احمد
        - تاج الدین — مرحوم
        - رشیدہ — زوجہ محمد مکرم
        - سیدہ — زوجہ مولوی شمس الہدیٰ

الف-۴

شیخ وزیر علی

- شیخ مشرف علی — لاولد
- شیخ ناصر علی — لاولد
- رضیقاً — لاولد
- وحیدہ — لاولد
- فریدہ
  - حافظ اطہر حسین
  - محمد سعید
  - عبدالرشید
  - عبدالشافعی
  - مقبولاً — والدہ حافظ صالح
  - رضیقاً — والدہ ریاض الدین
  - سبولاً — والدہ مولوی خالد
- زلیخا — مولوی یونس کی دادی
- شیخ توحید علی — سبوجاً
- شیخ ولایت علی
  - عبدالسبحان عرف منگل
    - محل اول
      - تاج النساء
        - مسرور بدلو چک
        - حماد
    - مولانا عبدالسلام
      - مولانا حسین احمد — لاولد
      - شفیع احمد — مرحوم
      - حافظ عبدالخالق
        - حافظ مرغوب عالم
        - معروف عالم
        - مشکور عالم
          - نورالاسلام
        - مبرور عالم
        - محجود عالم
        - منضود عالم
        - رونق ضمیرہ
        - ماتمہ
        - روشن ضمیرہ
      - ریحانہ — مرحومہ
      - عبدالرازق — مرحوم
    - محل ثانی
      - وجیہہ
        - نہال الدین
        - منہاج الدین
        - لڑکی
        - لڑکی
        - لڑکی
  - بی بی صغریٰ عرف سکدو
- شیخ عنایت علی

(تفصیلات شجرہ-ہ-۴ میں دیکھئے۔)

الف ۔ ۴

شیخ عنایت علی

شیخ بھتو — شیخ عرفان علی — شیخ ریاست علی — ولایت علی — ستارا والدہ مولوی محمد یونس — نوریہ والدہ امیر حسن سنہولی

شیخ ریاست علی:
رقیہ — مولوی محمد خالد

رقیہ: سیف الرحمٰن

مولوی محمد خالد:
عابدہ زوجہ محمد اخلاق — شاداب احمد

عابدہ زوجہ محمد اخلاق: سرفراز

شیخ عرفان علی:
رویدہ زوجہ حاجی عبدالحلیم — محمد احسان

محمد احسان:
محمد اخلاق — بشریٰ — محمد اقبال — محمد ابصار — زہرہ زوجہ محمد امان اللہ — امتیاز

محمد اخلاق: سرفراز
بشریٰ: اسحار
محمد اقبال: ارمغان
محمد ابصار: فوزیہ — عالیہ — مبشرہ

شیخ بھتو:
تبو جاً زوجہ امیر حسن سنہولی — اسودہ زوجہ نظیر احمد — عبدالکریم — عبدالمجید — حاجی عبدالحلیم

عبدالمجید: حدیثہ

عبدالکریم:
فاطمہ زوجہ عبدالرقیب (ڈہرپور) — محمد مکرم لاولد — اکبری زوجہ مولوی احسن

حاجی عبدالحلیم:
علی احمد محمد حسن — وصی احمد — شبانہ زوجہ محمد ضیافت حسین

وصی احمد:
عبدالدیان — ریان — امامہ — ھمام — عمارہ — لبابہ

الف۔۵

شیخ امیر علی

بی بی شریفاً غیاث الدین ڈہرپور
بی بی نصیباً لاولد
بی بی نجیباً احسان کی نانی
بی بی خلیقاً والدہ توفیق
شیخ وحید علی
بی بی حفیظا والدہ کفایت اللہ
بی بی حمیداً لاولد

شیخ وحید علی ← حاجی محیط علی

بی بی مسعودہ زوجہ حافظ عبدالرحمٰن
بی بی سعودہ زوجہ مشتاق ڈہرپور
زبیر احمد
رزینہ زوجہ عبداللہ پٹھنہ
عزیر احمد
حافظ مسرور احمد
بی بی مقیمہ زوجہ محمد شفیع الرحمٰن ولد محمد جمن

حافظ مجیب الرحمٰن حبیب الرحمٰن انیس الرحمٰن حسیب الرحمٰن حسن آرا

محل اول — محل ثانی

فضیل احمد سہیل احمد صالحہ شاہدہ خالدہ زہیر احمد آسیہ مسرت عشرت

واجدہ
واعظہ زوجہ حسیب الرحمٰن
صوفیہ زوجہ سید حسن
عمیر احمد
اسید احمد
علی احمد

ابوالعاص ابورافع ابوذر ابونصر ابوبکر صادقہ مصدقہ

الف۔۶(i)

شیخ مہر علی

شیخ داوٗد علی — شیخ طہور علی — شیخ الفت حسین — شیخ سلطان علی — بی بی لطیفا — بی بی ملیکا — بی بی سلیفا

محمد کفایت علی — تقدیرہ — مخدومہ والدہ بی بی کبریٰ — میمونہ

حافظ محفوظ حسین — حافظ صالح وغیرہ — غلام علی

نیرا عظم — ولی الدین وغیرہ — نقیب الدین — نجیب الدین

مولوی محمد عبدالعزیز — مولوی محمد حاذق

حافظ مستقیم — مولوی عبدالقیوم — محمد وسیم — مولوی محمد نسیم الدین

شرافت حسین یحییٰ (ہرنا) — مقبولا والدہ نجیب الدین — شکیلہ والدہ محمد مولانا لطافت — سفیرہ والدہ حاجی اسعد ہرنا

نعیمہ زوجہ عبدالقدوس پتھنہ — شمیمہ زوجہ عبدالکریم پتھنہ — لیلا زوجہ منیر الدین بدلو چک — مولانا محمد لطافت حسین — مولوی محمد ضیافت حسین — مولوی محمد حمایت اللہ

محمد ولی اللہ — لڑکی مرحومہ — محمد صفی اللہ

فصاحت — صیانت — نجم السحر — نورالسحر — وجاہت — اکمل — حنا کوثر — نجم النہار — اجمل

درخشاں — گل فشاں — کنیز فاطمہ — محمد حبیب اللہ — جویریہ — زہرہ

الف۔۶(ii)

شیخ مہر علی
شیخ طہور علی

- محمد صادق علی
- سکدو — والدہ حافظ خلیل احمد چکعابدہ
- بی بی قریشہ — والدہ عبدالسمیع سنہولی
- بی حسنی — والدہ مولوی محمد مسعود سنہولی

محمد صادق علی (محل اول):

- مولوی عبدالعزیز
- مولانا محمد حاذق القاسمی

مولوی عبدالعزیز:

- عارفہ — زوجہ محمد اکرام الحق بدلوچک
- عبدالاحد

عبدالاحد:

- غاشیہ
- محمد شاکر
- محمد ذاکر

مولانا محمد حاذق القاسمی:

- عمرانہ — زوجہ عبدالاحد
- محمد شاہد
- فرحانہ — زوجہ حذیفہ ذہرپور
- محمد عابد
- ریحانہ — زوجہ محمد مسعود
- شہوانہ
- محمد زاہد
- سکینہ
- شمیمہ — زوجہ انجاز عالم
- محمد راشد

الف۔۶(ii)

محمد صادق علی

محل ثانی

حافظ مستقیم — محمد عبدالقیوم — محمد وسیم الدین — محمد نسیم الدین

محمد شاہ جہاں — محمد شاہ نواز — محمد آفتاب — محمد اویس — نسوانہ — گل افشانہ

معز الدین — مفیض الدین — مغیث الدین — مقیط الدین — نصرت — قسمت — عفت

شمیم اختر — شمشاد — نوشاد — شہباز — سرفراز — شارب — ثاقب — راشدہ — زاہدہ

راضیہ — واعظ الدین — تاج الدین — نجم الدین — زینت — زینب

الف۔۶(iii)

- شیخ مہر علی (م۔۱۹۲۰ء)
  - شیخ الفت حسین (م۔۱۹۶۶ء)
    - مولوی محمد یٰسین م۔۱۹۹۴ء
      - مولوی محمد یامین
        - محل اول
          - فضل عالم
            - عدش
            - شارقہ
          - انوار عالم
            - سمیہ
            - صائمہ
          - تنویر آرہ
          - تفضیلہ
          - امجد عالم
          - عدیلہ
          - عبدالقہ
        - محل ثانی
          - اوصاف عالم
          - شہلا
          - الطاف عالم
          - رشیقہ
          - انبساط عالم
          - توثیقہ
          - ازہار عالم
      - نجمہ خاتون زوجہ محمد احسان
      - اصغری خاتون زوجہ مولانا لطافت حسین
    - مولانا عبدالحکیم م۔۱۹۸۹ء
      - مولوی محمد حماد الرحمٰن
        - تقدیس فاطمہ
          - نورالعابدین
          - فرحان
          - کامران
          - عرفان
        - سعد الرحمٰن
        - نشاط فاطمہ
          - تسنیم کوثر
          - ندیم احمد
          - توقیر احمد
          - توحید نظامی
        - وثیق الرحمٰن
      - محمد سجاد الرحمٰن
        - فائزہ
          - عدی
          - ثنا
        - آفاق
        - سلیم مرحوم
        - ثاقب
        - عاطف
        - ندا
        - بلال
        - زیبا
    - ڈاکٹر عبدالحمید م۔۲۰۰۴ء
    - حاجی محمد عبدالرزاق
    - بی بی تسلیمہ زوجہ حاجی عبدالرشید
      - سلمٰی
        - رضاء الرحمٰن
      - آسیہ
        - عابدہ
          - سرفراز احمد
        - شاداب

الف۔۶(iii)

شیخ مہر علی

شیخ الفت حسین

ڈاکٹر عبدالحمید (م۔۲۰۰۴ء)

مولوی محمد اسلم لاولد

مولوی محمد احسن

مولوی محمد اعظم

انجم آرا زوجہ حکیم عبدالسمیع (بدلوچک)

مولوی محمد انذر

ظفر آرا زوجہ محمد مجیب (سنہولی)

اولادِ مولوی محمد احسن: تصدیقہ زوجہ محمد اقبال، ضیاءالحسن، اعزازالحسن، نجم الحسن، تبشیرہ، نزہت زوجہ قمرالہدیٰ، راشدالحسن، فائزالحسن

اولادِ مولوی محمد اعظم: محمد ازہد، نسرین سلطانہ، محمد اظفر، ماہ نور زہرہ، محمد انعم، محمد ازہر

اولادِ مولوی محمد انذر: آصفہ، طالعہ، محمد اکمل، واضحہ، محمد اشفق، محمد اخضر

الف۔۶ (iii)

شیخ مہر علی

شیخ الفت حسین

حاجی محمد عبدالرزاق

- محمد ارشد جمیل
  - سعدیہ زرین
    - شائقہ ابصر
  - محمد معاذ ارشد
  - محمد وقاص ارشد
  - صبیحہ ناز
  - محمد اسامہ ارشد
  - محمد بشار ارشد
  - فاربہ ارشد
- بی بی رشدی
  - واجدہ
  - واعظہ
  - صوفیہ
  - عمیر احمد
  - اسید احمد
  - علی احمد
- محمد اصدق (مرحوم)
- محمد اسجد
  - محمد اشہر
  - محمد امجد
  - محمد انس
  - محمد اسمر
- نسیقہ (مرحومہ)
- مظفر نسیمہ
  - دانش مجیب
  - مظفر نازیہ
  - تابش مجیب
  - نازش مجیب
  - نوازش مجیب
  - عرفانہ اعظمی

الف ۔ ٦ (iv)

- شیخ مہر علی
  - شیخ سلطان علی
    - محمد طیب م ۔ ۲۰۰۷ء
      - شفیع احمد
        - ثریا نسرین
          - عبدالحق
          - ثمیہ
          - جویریہ
        - مطلوب احمد
        - ماموراحمد
        - اسلوب احمد
        - مشہود احمد
        - ماریہ
        - اشہد احمد
        - غلام محمد
      - رفیع احمد
        - شگفتہ
        - منتظر
        - منتصر
        - مقتدر
      - ذکی احمد
        - سیما
        - رقی
        - عظیمہ
        - صبیحہ
        - زیبا
        - قمر عالم
      - ظہیرہ
      - رضی احمد
      - مسیح احمد
    - محمد عبدالستار
    - عبدالغفار (م ۔ ۱۹۸۹ء)
    - بی بی مسلمہ زوجہ محمد عبدالعزیز عرف بتو (بدلو چک)

الف۔۶ (iv)

- شیخ سلطان علی
  - محمد طیب
  - محمد عبدالستار
    - محمد عمار
      - حمیرہ
      - سمیدہ
      - منشار
      - اسیرہ
      - راحنہ
      - ثمیہ
      - ساقیہ
    - محمد اقبال
      - نصیبہ
      - سابقہ
      - آصفہ
      - حبیب الرحمٰن
    - محمد اشفاق
      - سعدیہ
      - صہیبہ
      - اصعب
    - صفوانہ
    - افسانہ
    - رخسانہ
  - عبدالغفار
    - محبوب
      - منیب
      - صہیب
      - ساریہ کوثر
      - عارفہ
    - احمد
      - عائشہ
      - ریان
    - لڑکیاں (۵)
  - بی بی مسلمہ زوجہ محمد عبدالعزیز عرف بتو (بدلوچک)

الف ۔ ۷ (i)

شاہ محمد

حاجی شیخ علی محمد ۔ لڑکی ۔ بڑی لڑکی ۔ شیخ مبین ۔ لڑکی

بڑی لڑکی: شیخ غلام علی

شیخ غلام علی: شیخ جعفر ۔ شیخ لالو ۔ شیخ اکرام علی

شیخ لالو: لڑکی (لاولد) ۔ شیخ مدار بخش عرف مداری

شیخ مدار بخش عرف مداری: بی رفیقاً زوجہ حاجی عبداللطیف (بدلو چک) ۔ شیخ اشرف علی ۔ شیخ طالب کریم

شیخ اشرف علی (محل اول): مریم والدہ مکرم ۔ جمیلہ والدہ نعیم الدین ۔ محمودہ ۔ زلیخا والدہ محمد یامین

(محل ثانی): امیر حسن ۔ محمود حسن ۔ رقیہ ۔ زبیدہ ۔ قریشہ ۔ نورالحسن ۔ سہراب ۔ شہیرہ

امیر حسن: ابوالحسن

محمودہ: حاجی جمال الدین (م۔ ۱۹۹۱ء) ۔ حاجی کمال الدین (م۔ ۱۹۸۸ء) ۔ حبیبہ والدہ مولوی داؤد حسن ۔ عروجہ والدہ رفیع الدین ۔ صفیہ زوجہ نعیم الدین

حاجی کمال الدین: محمد ناظم (مرحوم) ۔ رضیہ زوجہ قاری مسعود ۔ منور زوجہ مولوی شمس الضحیٰ ۔ ثریا زوجہ مظفر ۔ نجیبہ زوجہ مولوی محمد اعظم ۔ محمد شاہد ۔ محمد خالد ۔ زہرہ زوجہ اخلد ۔ محمد زاہد

محمد شاہد: شاطیہ

محمد خالد: فوزیہ ۔ محسنہ شاہین ۔ میتب ۔ سکینہ خاتون ۔ محمد حسین ۔ شمائلہ

محمد زاہد: شمامہ

الف۔۷(i)

شاہ محمد

بڑی لڑکی

شیخ غلام علی

شیخ لالو — شیخ جعفر — شیخ اکرام علی

(شیخ لالو کی اولاد)

لڑکی (لاولد) — شیخ مدار بخش

(شیخ مدار بخش کی اولاد)

بی رفیقا زوجہ حاجی عبداللطیف (لاولد) — شیخ اشرف علی — شیخ طالب کریم

(شیخ اشرف علی)

محمودہ

حاجی محمد جمال الدین

احمدی زوجہ مولوی داؤد حسن — محمدی زوجہ عبدالواسع — شمس النساء زوجہ محمد عیاض الدین — محمد اعظم

(محمد اعظم)

محل اول

حفصہ زوجہ ضرار — عاصمہ زوجہ مولوی ذکی احمد — محمد عالم — محمد معظم — خدیجہ — عائشہ — محمد اکرم

محل ثانی

نغمہ — صوفیہ — غوثیہ — شمیہ — فالحہ — نمسہ — رفیعہ

الف۔ ۷ (ii)

شاہ محمد
|
بڑی لڑکی
|
شیخ غلام علی
|
شیخ لالو
|
شیخ مدار بخش
|
شیخ طالب کریم

- حاجی احمد حسن
  - مولوی داؤد حسن سہولی
    - طاہرہ زوجہ محمد جاوید
    - رابعہ زوجہ مولوی محمد قاسم
    - آسیہ زوجہ محمد عمر
    - عارفہ زوجہ محمد عالم
    - صفوانہ زوجہ محمد مطلوب احمد (کوروڈیہہ)
    - مرغوب الرحمٰن
      - اطیع الرحمٰن
  - بی بی حسنیٰ زوجہ رفیع الدین بدلو چک
  - قاری مسعود احمد
    - محمد مطلوب
    - محمد عمار
    - محمد سلمان
    - فاطمہ
    - رقیہ
    - غفران
  - سعود احمد
    - فریدہ زوجہ حافظ شمیم
    - رشیدہ
    - نشاط احمد
    - امینہ
    - ماریہ
- ڈاکٹر محمد حسن
- حاجی قمر الحسن

الف۔۷۔ا(ii)

شاہ محمد
- بڑی لڑکی
  - شیخ غلام علی
    - شیخ لالو
      - شیخ مدار بخش
        - شیخ طالب کریم
          - حاجی احمد حسن م۔۱۹۹۶ء
          - ڈاکٹر محمد حسن م۔۱۹۸۸ء
            - عبدالاحد
              - اطہر
              - حسانہ
            - محمد اسعد
              - رخسانہ
              - روبینہ
              - صوفیہ
              - تزکیہ
              - تسمیہ
              - حبیب اللہ
            - محمد عمر
              - امان اللہ
              - ساقیہ
              - شاکرہ
            - عرفانہ زوجہ قاری مجیب
            - محمد اخلد
              - سعدانہ
              - شبینہ
              - عظمٰی
              - امجد
              - حلیمہ
              - ناظرین
          - حاجی قمر الحسن م۔۱۹۸۱ء

الف۔۷۔ا (ii)

شیخ غلام علی
|
شیخ لالو
|
شیخ مدار بخش
|
شیخ طالب کریم
|
حاجی قمر الحسن

- دین آرا زوجہ مولوی محمد اسلم کوروڈیہ
- مولوی محمد شمس الضحیٰ
  - سیدہ زوجہ مولوی محمد انذر (کوروڈیہہ)
  - محمد قمر الزماں
  - فرخندہ
  - عطیہ
  - عمیمہ
- قاری محمد مجیب الرحمٰن
  - محمد عامر
  - ناھدہ
- زمیں آرا زوجہ سعود احمد
- اظفار عالم
  - حنا
  - شہزاد عالم

الف۔۷۔۲(i)

شیخ جعفر علی

بی بی رشیدا

شیخ ناصر الدین

شیخ ولی الدین | شیخ تمیز الدین | حافظ عظیم الدین | عبدالستار

حاجی محمد نعیم الدین | خورشیدہ زوجہ ڈاکٹر محمد حسن | جہاں آرا زوجہ مولوی علیم الدین | حاجی محمد نسیم الدین

محمد مظفر | راشدہ زوجہ مولوی محمد اسعد | محمد کوثر | شاہدہ زوجہ محمد قاسم

عافیہ | رافعہ | عاتفہ

محمد خورشید | بی بی حفیہ | یاسمین | پروین | محمد وقار | آفرین

محمد شمیم الدین | عزیزہ زوجہ مولوی عبدالاحد | محمد جاوید | محمد ریحان مرحوم

محمد نوشاد | عاتکہ | بریرہ

نکہت | فرحت | نزہت

الف۔۷۔۲ (ii)

شیخ جعفر علی

بی بی رشیدا

شیخ ناصر الدین

شیخ ولی الدین — شیخ تمیز الدین — حافظ عظیم الدین — عبدالستار

حافظ عظیم الدین: صالحہ زوجہ محمد نسیم الدین پسر ولی الدین — محمد اختر الاسلام — محمد حیدرا لاسلام

عبدالستار: محمد ظفر عالم — خالدہ زوجہ مرتضیٰ (مرحوم) — علیمہ زوجہ ماسٹر شاکر — شاہینہ زوجہ شمیم الدین — شبینہ زوجہ مولانا حیدر الاسلام

شیخ تمیز الدین: مولوی محمد علیم الدین — محمد وسیم الدین — محمد مجتبیٰ — محمد مرتضیٰ — حافظ سمیع الدین م۔۲۰۰۵ء — بی بی ریحانہ خاتون زوجہ محمد شمس الدین

الف۔ ۷۔ ۲(iii)

شیخ جعفر علی

بی بی نصیباً
زوجہ
شیخ مدار بخش

بی بی رسیداً
زوجہ
امین الدین (تحصیلدار)

بی بی سفولاً

شیخ عباس علی

(شیخ عباس علی کی اولاد)
نجابت علی (لاولد)
بدو
صدیقاً

(امین الدین کی اولاد)
حاجی عبداللطیف (لاولد)
م ۱۳۶۱ھ
۱۹۴۲ء

شیخ ناصر الدین

شیخ طہور علی

(شیخ طہور علی کی اولاد)
اسودہ
غریباً

(شیخ ناصر الدین کی اولاد)
شیخ ولی الدین
شیخ تمیز الدین
حافظ عظیم الدین
عبدالستار

(حافظ عظیم الدین کی اولاد)
صالحہ خاتون
زوجہ نسیم الدین

مولوی اختر الاسلام

مولوی حیدر الاسلام

(مولوی اختر الاسلام کی اولاد)
نرگس
زوجہ محمد کوثر
بشریٰ
محمد ارقم

(مولوی حیدر الاسلام کی اولاد)
محمد فیروز عالم
محمد مزمل
نازیہ خاتون
محمد مذکر
الیفہ
الفیلہ

الف ـ ۷ (iv)

- شاہ محمد
  - حاجی شیخ علی محمد
  - لڑکی
  - بڑی لڑکی
    - لڑکی
    - شیخ اسد علی
    - شیخ غلام علی
    - شیخ قاسم علی
      - محب علی
        - شیخ نبی حسن
        - شیخ محفوظ حسن
      - لڑکی
        - شیخ انسان علی
          - شعیب علی
          - لڑکی
          - لڑکی
        - شیخ طہور علی
        - لڑکی
          - شیخ دیانت (ڈہرپور)
            - عظیم النساء زوجہ محمد زبیر ڈہرپور
            - مشتاق احمد
              - حافظ اشفاق احمد
              - مولوی اشتیاق احمد
              - مولانا شائق احمد (م ـ ۲۰۰۵)
              - دین آرا
              - فائق احمد
              - محمد سالک
            - نور جبیں
            - مختار احمد
          - مہیرن والدہ محمد زبیر
          - حافظ صبیح الدین
            - قمر الہدیٰ ڈہرپور
            - مولوی محمد بدر الدجیٰ
            - نسیمہ خاتون
              - احمد رضا
              - احسن رضا
              - ارشد
              - عبداللہ
              - فرحت
              - راحت
              - نکہت زوجہ ابصار احمد کوروڈیہ
              - شبنم
              - ثریا
            - حافظ قطب الدین
              - زوجہ ماسٹر مجیب الدین ڈہرپور
        - لڑکی
          - لڑکی
          - لڑکی
    - شیخ قمر علی
  - مبین
  - لڑکی

ب۔ا

ہدایت اللہ
|
عظمت اللہ
|
قاضی صبیح اللہ
|
قاضی نعیم اللہ

- قاضی حبیب اللہ
  - امیر اللہ
    - شیخ مظہر علی
      - افضل
      - صفدر
        - امینہ
          - سہراب ڈہرپور
      - مجاہد
      - لڑکیاں (۵)
    - شیخ رحمت علی (لاولد)
    - شیخ نجابت علی
    - بی بی سبو جاں
      - شیخ کرامت علی
      - شیخ وصام علی
        - شیخ حفیظ الرحمن
    - لڑکی (لاولد)
  - عبد اللہ
- لڑکی

ب۔۲

شیخ نجابت علی

صدیقاً

محمد زاہد علی (سلیم پور)

مسعودہ (استو) لاولد — عبدالرقیب — ظفیر الدین — عبدالغفار — عبدالقدوس

شرافت حسین عرف دکھا

محمد ادریس — مولوی محمد یونس (م۔۲۰۱۰ء) — فضل الرحمٰن — خدیجہ زوجہ محمد زاہد علی سلیم پور — زبیدہ زوجہ قاری محمد صالح

مولوی محمد یونس:
نفیسہ زوجہ مولوی محمد یامین — سنجری زوجہ ماسٹر نسیم الدین (استو) — محمد یوسف — محمد آصف انور — فرزانہ زوجہ حافظ مصلح الدین — رضوانہ زوجہ محمد اسلم — محمد ہاشم

محمد آصف انور:
طارق انور — ثاقب انور

محمد ادریس:
حسن آرا زوجہ بدرالحسن (سمریا) — مظفر عالم — اظہر — مظہر — منظور — منظر — حفصہ

فضل الرحمٰن:
حفظ الرحمٰن لاولد — سیف الرحمٰن

سیف الرحمٰن:
ضیف الرحمٰن — رفیقہ — سنجیدہ — عتیق الرحمٰن

ج۔۱

مرزا عبداللہ بیگ (صوبہ دار)

مرزا لال بیگ
مرزا عزیز بیگ

مرزا جنگ جو بیگ
مرزا بھوجو بیگ
مرزا مراد بیگ

مرزا عبدالعلی بیگ
لڑکی

مرزا شہادت بیگ
لڑکی

مرزا ولی بیگ
مرزا محبوب بیگ
مرزا شہوب بیگ

مرزا سکندر بیگ
لاولد
مرزا چھکن بیگ
مرزا دارا بیگ
لاولد
مرزا طغرل بیگ
مرزا مزمل بیگ

مرزا عبدالغنی بیگ
لڑکی
مرزا داول بیگ
مرزا اسماعیل بیگ

مرزا قاسم بیگ
مرزا ہاشم بیگ
لڑکی
مرزا انورالحسن بیگ
لڑکی
مرزا حیات بیگ

لڑکی
لڑکی

ناصرہ
زوجہ محمد شفیق
محمد عباس وغیرہ
لڑکی
برہ پورہ میں شادی
لڑکی
برہ پورہ میں شادی

مرزا ستار بیگ
لڑکی
مرزا ابرار بیگ

عبدالجبار بیگ
مرزا عبدالغفار بیگ
مرزا عبدالحمید بیگ
لڑکی

ج۔۲

مرزا داول بیگ

مرزا فقیر الحسن بیگ

مرزا یعقوب بیگ

مرزا انوار الحسن بیگ
لاولد

محمودہ بیگم
زوجہ مرزا یونس بیگ

مرزا علی حسن بیگ

قمر النساء بیگم
مرزا شمیم بیگ
(حبیب پور)

مہر النساء بیگم
محمد ہاشم، ناظم
(تمونی)

زیب النساء بیگم
مولوی محمد ابرار
(کورو ڈیہہ)

نجم النساء بیگم
الیاس مجمل
(تمونی)

مرزا ولی حسن بیگ

مرزا یونس بیگ

بدر النساء بیگم
زوجہ نور الحسن بیگ
لاولد

مرزا حسنین بیگ

ج-۳

مرزا فقیر الحسن بیگ
(م-۱۹۴۷ء)

مرزا علی حسن بیگ
(م-۱۹۹۶ء)

مرزا برہان بیگ — مرزا اسلام بیگ — مرزا ریحان بیگ (م-۱۹۸۹ء) — مرزا مقصود بیگ (لاولد) — رضیہ بیگم (زوجہ رضوان خاں) — مرزا منصور بیگ

مرزا اسلام بیگ:
مرزا جاوید بیگ — زبیدہ بیگم — مرزا پرویز بیگ — مرزا غفران بیگ

مرزا برہان بیگ:
مرزا انعام بیگ — مرزا اکرام بیگ — مرزا ھشام بیگ — مرزا احتشام بیگ — بی بی بیگم — نسیمہ بیگم — شمیمہ بیگم — مرزا قادر بیگ — مرزا فیصل بیگ — مرزا افضل بیگ

ج ـ ۴

مرزا فقیر الحسن بیگ
(م ـ ۱۹۴۷ء)

- مرزا ولی حسن بیگ
  - محل اول: مہ جبیں بیگم، رخسانہ بیگم
  - محل ثانی: افسانہ بیگم، شبنم بیگم، مرزا محمد غفار ہمایون بیگ (عرف طارق)، شگفتہ بیگم عرف سنبل
  - شیریں بیگم، شائستہ بیگم، مرزا شارق اختر بیگ، شہلا بیگم
- مرزا یونس بیگ
  - نور جبیں بیگم، ارشدی بیگم، مرزا یوسف بیگ، مرزا نفیس بیگ، احمدی بیگم، شمیمہ بیگم
- مرزا حسنین بیگ
  - شہناز بیگم زوجہ محمد ناظم (تمونی)، مرزا دلشاد بیگ، گلناز بیگم زوجہ محمد ابصار، ماہ ناز بیگم، طاہرہ بیگم، شاہینہ بیگم، راہ ناز بیگم
    - مرزا دلشاد بیگ: زینت بیگم

د۔۱

- شیخ اکبر علی
  - شیخ عنایت علی
    - شیخ ریاست علی
      - ارشاد علی عرف کیلو م۔۱۹۸۸ء
        - محمد ابرار
        - محمد اسرار
        - محمد ابصار
        - خیر النساء زوجہ وارث علی (تمونی)
        - سیر النساء زوجہ شوکت (بداو چک)
        - بلقیس زوجہ نسیم (تمونی)
        - نور جہاں زوجہ برہان بیگ
        - انوری زوجہ جمن (بھتوڑیا) کوروڈیہہ
        - اختری زوجہ نور عالم (پورینی)
      - عبدالغنی (م۔۲۰۰۴ء)
        - محمد مستغنی
        - عبدالمغنی
        - حافظ محمد مقیم الدین
        - محی الدین
        - اکبر علی
        - شرف الدین
        - حافظ وارث علی
        - مسرورہ زوجہ محبوب (ہرنا)
        - مسعودہ زوجہ عبدالرحیم (سنبھولی)
      - محمد آفاق لاولد
      - غفورا والدہ ابوبکر وشمس الدین ہرنا
      - طفولا والدہ عبدالعزیز پتھنہ
      - صفیرہ زوجہ تاج الدین بدلو چک
    - شیخ لیاقت علی
    - مولانا محمد شمس الاسلام (م۔۱۹۶۹ء)
    - بی بی فریدہ والدہ ریاست پتھنہ
    - کنیز فاطمہ والدہ حکیم نجیب ہرنا
    - بی بی وحیدہ والدہ رمضانی بدلو چک

د۔۲

شیخ اکبر علی

شیخ عنایت علی

حاجی لیاقت علی

- حاجی انصر علی م۔۱۹۹۳ء
  - جہاں آرا زوجہ محمد سئوف
  - صفیرہ
  - راحنہ
  - ہریرہ زوجہ حافظ مستقیم
  - مظہری
- مریم زوجہ نصیر الدین عرف نبی حسن
- زینب زوجہ ریاست پتھنہ
- محمد ریاض الدین عرف چنی
  - محمد مرتضیٰ
    - ہدایت اللہ
    - کلیم اللہ
    - امیر النساء
    - قمر النساء
    - نجم النساء
  - محمد مصطفیٰ
    - نعمت اللہ
    - عصمت اللہ
    - عظمت اللہ
    - تسیر النساء
    - سبیلا
  - نظر الحسن
    - خورشید عالم
    - ممتاز عالم
    - ممشاد عالم
    - گلشاد عالم
    - دلشاد عالم
    - معروفہ
    - معصومہ
    - معروضہ
  - لڑکیاں (۷)
- صدیقہ زوجہ محمد سعید والدہ مولوی محمد کمال الدین (م۔۲۰۰۳ء)

د۔۳

مولانا محمد شمس الاسلام (م۔۱۹۶۹ء)

- مولانا محمد شہاب الدین (م۔۱۹۹۲ء)
- مولوی محمد فضل الرحمٰن (م۔۲۰۰۲ء)
- زیب النساء (م۔۲۰۰۳ء) زوجہ مولوی محمد زبیر
- حمیرہ خاتون زوجہ ماسٹر نصیب (ہرنا)
- آمنہ خاتون زوجہ مولوی صلاح الدین (سنہولی)

مولانا محمد شہاب الدین

- (۱) حافظ محمد عمران
- (۲) مولوی محمد نعمان
- (۳) مولوی محمد رضوان (م۔۱۹۸۵ء)
- (۴) مولانا محمد فیضان
- (۵) مولوی محمد سلمان
- محمد صبغۃ اللہ
- (۶) مولوی محمد صفوان لاولد
- (۷) قاری محمد عفان
- (۸) رابعہ خاتون زوجہ مولوی محمد کمال الدین
- (۹) راضیہ خاتون زوجہ مظہر الحق
- (۱۰) عائشہ خاتون زوجہ محمد اسرار

(۱) حافظ محمد عمران

- حافظ نور اللہ
- حافظ محمد سعد اللہ
- محب اللہ
- محمد عبد اللہ
- ارجمند
- مفروضہ
- سلمہ
- مسعودہ

(۲) مولوی محمد نعمان

- مولوی محمد ثنا اللہ
- محمد روح اللہ
- صبیحہ
- رومانہ
- روحانہ
- ثمینہ
- سکینہ

(۴) مولانا محمد فیضان

- حافظ عبد الملک
- عبد الرحمٰن
- عفت آرا

(۵) مولوی محمد سلمان

- حافظ سمیع اللہ
- محمد عطا اللہ
- محمد سیف اللہ

(۷) قاری محمد عفان

- حافظ محمد رحمت اللہ
- محمد ذبیح اللہ
- محمد وصی اللہ
- محمد ولی اللہ
- محمد حزب اللہ
- ترنم
- یاسمین
- ام امارہ
- عائشہ
- ظفر اصدق بانی

د۔۴

مولانا محمد شمس الاسلام (م۔۱۹۶۹ء)

- مولانا محمد شہاب الدین (م۔۱۹۹۲ء)
- مولوی محمد فضل الرحمٰن (م۔۲۰۰۲ء)
  - شہزادی بیگم زوجہ مولوی محمد سلمان
  - مولوی علی حیدر
  - مولوی علی احمد
  - مولوی مطیع الرحمٰن
    - تسنیم کوثر
    - ندیم
    - توقیر
    - توحید نظامی
  - محمد علی عمر
  - محمد منت اللہ
- زیب النساء (م۔۲۰۰۳ء) زوجہ مولوی محمد زبیر
- حمیرہ خاتون زوجہ ماسٹر نصیب (ہرنا)
- آمنہ خاتون زوجہ مولوی صلاح الدین (سنہولی)

۵۔ا

شیخ محمد عرف بھکاری

- عبدالواحد — استو میں شادی ہوئی اور وہیں مقیم ہو گئے
- عبدالاحد — بدلو چک میں شادی
- حاجی عبدالصمد (م۔۱۹۰۵ء)
  - حاجی لیاقت حسین (م۔۱۹۳۳ء)
    - حافظ محمد اطہر حسین (م۔۱۹۴۶ء) (محل اول)
      - محمد فضل الرحمٰن
        - خالدہ
        - راشدہ
      - بی بی طیبہ
        - محمد ظہیر الاسلام (م۔۲۰۰۴ء) پسر مولوی محمد طالب الدین
      - محمد ضیاء الرحمٰن
        - محمد رضاء الرحمٰن
      - بی بی زبیدہ — زوجہ محمد ریاض الدین (م۔۲۰۰۹ء)
        - حافظ منہاج الدین
        - کہکشاں (مرحومہ)
        - درخشاں زوجہ محمود احمد
        - منعام الدین (م۔۲۰۰۷ء)
          - عدی
          - عالیہ
      - بی بی سفینہ — زوجہ مولوی اعزاز حسن بدلو چک
      - محمد عطاء الرحمٰن — لاولد
      - بی بی صفیہ — لاولد
    - محمد سعید (م۔۱۹۷۲ء)
    - عبدالرشید (م۔۱۹۸۸ء) محل ثانی
    - عبدالشافی (م۱۹۸۲ء)
    - مقبولاً (م۱۹۶۲ء) والدہ حافظ صالح
    - رضیقاً (م۔۱۹۴۵ء) والدہ ریاض الدین
    - سفولاً والدہ محمد خالد
  - محمد معین الدین (م۔۱۹۲۳ء)
  - بی بی توشیقاً
- بی بی روشن (ڈہر پور میں شادی)

۵-۲

محمد سعید (م۔۱۹۷۲ء)

(محل اول)

- عبدالعزیز
  - عبدالحفیظ
  - عبدالمعز
  - فرحانہ — زوجہ سیف الرحمٰن
  - ساجدہ
  - فاخرہ
  - نسیمہ
- نور جہاں — ماسٹر ناظم پسر ماسٹر ہاشم
- علی الرحمٰن
  - فرقان
  - رضی الدین
  - وجیہ الدین
  - وصی الدین
  - مسیح الدین
  - لڑکی (متوفیہ)
- خلدہ — زوجہ مولوی شفقت چک عابدہ
- شمع

(محل ثانی)

- محمد بدیع الزماں
  - محمد افتخار
  - محمد مظاہر
    - محمد اسعد
    - محمد اخلد
    - محمد ارشد
    - محمد اسلم
    - محمد دلشاد
    - بی بی رابعہ
    - بی بی ذکیہ
  - محمد خلیق الزماں
  - محمد شمس الزماں
  - بی بی دین آرا
  - جہاں آرا
  - جبیں آرا
  - شمس آرا
- فاطمہ — زوجہ مولوی محمد فاروق
- آمنہ — زوجہ بدھو
- کمال الدین (م [illegible])
  - محمد فائق
  - محمد شائق
  - محمد واثق
  - محمد وافق
  - محمد واقب
  - محمد واسط
  - شامیہ
  - ثانیہ
  - ناظمہ
  - نازیہ
- جمال الدین
  - عبیداللہ
  - خلیل اللہ
  - ضیاء اللہ
  - حبیب اللہ
  - امانت اللہ
  - ذبیح اللہ
  - مسرت
  - نصرت
  - رفیعہ
  - ظفیرہ
  - رقیبہ
  - سیما
- فریدہ — زوجہ محمد عمر
- فہمیدہ — زوجہ محمد فاروق

۵۔۳

حاجی عبدالرشید (م۔۱۹۸۸ء)

(محلِ اول) (محلِ ثانی)

سلمٰی — رضاالرحمٰن

آسیہ — عابدہ، شاداب

ارشدی زوجہ محمد بدالدجیٰ (ڈہرپور)

مسعوداحمد (مرحوم)

مقصوداحمد (مرحوم) — شاکرہ، امجد، اسعد، انور

عبدالودود — کہکشاں

سعوداحمد — فالحہ، رافعہ، مبشرہ، عارف

رخسانہ زوجہ حافظ محمد منور حسن (م۔۱۹۸۶ء) — مظاہر انور (عرف چاند)، فرخندہ سرور (عرف لالی م۔۲۰۱۰ء)

حافظ شمیم احمد (م۔۲۰۰۶ء) — مفلحہ، عفیفہ، معوذہ، عائشہ

۵-۴

عبدالشافعی
(م-۱۹۸۲ء)

- بی بی شوکت
  - لاولد
- محمد عبدالباقی
  - صنوبر
  - آفرین
  - عبدالقادر
  - صائمہ
- محمد عبدالہادی
  - حیدر
  - عبدالباسط
- بی بی ہاجرہ
  - لاولد
- نزہت
  - زوجہ محمد مقصود
- عبدالوالی
  - ذکریٰ
  - عابیہ
  - عبدالرافع
- عصمت
  - زوجہ مولانا محمد سجاد الرحمٰن
- طلعت
  - لاولد

۵-۵

شیخ محمد بھکاری

- عبدالواحد
- محمد عبدالاحد
- حاجی عبدالصمد (م-۱۹۰۵ء)
- بی بی روشن
  - اجابت حسین
    - ماسٹر ہاشم (بدلو چک)
  - نجابت حسین

حاجی عبدالصمد (م-۱۹۰۵ء)

- حاجی لیاقت حسین (م-۱۹۲۳ء)
- محمد معین الدین (م-۱۹۲۳ء)
  ان کی شادی استو میں چچا عبدالواحد کی لڑکی سے ہوئی
- بی بی توسیقاً (زوجہ نجابت حسین)

بی بی توسیقاً

- محمد اقبال
- ابریکہ
- محمد آصف
  لاولد

محمد اقبال

- طاہرہ خاتون عرف طیر النساء
- ظاہرہ خاتون عرف جبر النساء
  زوجہ محمد فضل الرحمٰن

ابریکہ

- محمد فضل الرحمٰن
  - خالدہ
  - راشدہ
- طیبہ خاتون (م-۱۹۸۸ء)
  زوجہ مولوی طالب الدین

طاہرہ خاتون عرف طیر النساء

- بی بی سعیدہ
  زوجہ مولوی محمد نعمان
- حافظ محمد شوکت
- شہناز
  زوجہ بدر الزماں (پورینی)
- رضوانہ
  زوجہ اظہار الحق
- شاہینہ
  زوجہ محمد فیروز
- شبینہ
  زوجہ محمد نسیم
- محمد داؤد

۶۔۵

حاجی عبدالصمد
(م۔۱۹۰۵ء)

محمد معین الدین
(م۔۱۹۲۳ء)

محمد غیاث الدین
(م۔۱۹۴۹ء)

بی بی رفیقا
لاولد

محمد ریاض الدین
(م۔۲۰۰۹ء)

محمد عیاض الدین
(م۔۱۹۹۹ء)

محمد منہاج الدین

کہکشاں
(مرحومہ)

درخشاں
زوجہ
سعود احمد

محمد منعام الدین
(م۔۲۰۰۷ء)

غفرانہ
زوجہ
محمد ارشد جمیل

ناز آرا
زوجہ
محمد اسجد

زیب النساء
زوجہ
محمد آصف انور

سبیلا
زوجہ
عبد الوالی

محمد عماد الدین

امامہ

عصام الدین
(م۔۱۹۸۶ء)

ذیشان احمد

فراز احمد

عظام الدین

عبادالرحمٰن

نظام الدین

و۔۱

محمد سلیم اللہ

محبت علی

(محل اول) (محل ثانی)

حافظ محفوظ حسین (م۔۱۹۶۱ء) — محمد غلام علی (م۔۱۹۸۱ء) — محمد سخاوت حسین — ملکہ

محمد سخاوت حسین: استو میں مقیم ہوگئے

ملکہ: محمد یوسف — سائرہ — محمد ایوب

محمد غلام علی: مولوی عبد السمیع — محمد غلام رسول — بی بی طاہرہ زوجہ مولانا محمد شمس الدین

حافظ محفوظ حسین: بی بی حمیرہ (م۔۱۹۹۴ء) زوجہ مولانا عبد السلام — مولوی محمد طالب الدین (م۔۱۹۸۸ء) — محمد ثابت حسین (م۔۱۹۹۷ء) — حافظ محمد صالح — مولوی محمد عبد الرقیب آزاد

مولوی محمد طالب الدین: محمد ظہیر الاسلام (م۔۲۰۰۴ء)

محمد ثابت حسین: مولانا محمد قاسم — عزیزہ (م۔۲۰۱۰ء) زوجہ حافظ عبد الخالق — مولانا محمد عاصم — شاہدہ زوجہ علی امام — نفیسہ زوجہ محمد شفیع الدین (بدلو چک) — محمد سالم — وکیلہ زوجہ وصی احمد — عامرہ — عنیزہ زوجہ محمد تاج الدین — مولانا محمد ناظم — تہذیب زوجہ منا (گورا)

مولانا محمد عاصم: محمد عامر — محمد یاسر — محمد کاشف — محمد نادر

مولانا محمد قاسم: خلیدہ زوجہ حافظ محمد مرغوب — عمیدہ زوجہ مولوی محمد عابد — ولیہ زوجہ مولوی سعد الرحمن — غزالہ — حافظ محمد حارث

و۔۲

محمد سلیم اللہ
- محبت علی
  - حافظ محفوظ حسین (م۔۱۹۶۱ء)
    - بی بی حمیرہ (م۔۱۹۹۴ء) زوجہ مولانا عبدالسلام
    - مولوی محمد طالب الدین (م۔۱۹۸۸ء)
      - محمد ظہیر الاسلام (م۔۲۰۰۴ء)
    - محمد ثابت حسین (م۔۱۹۹۷ء)
    - حافظ محمد صالح
      - رابعہ خاتون زوجہ ڈاکٹر شفیع احمد
      - صدیقہ زوجہ مولوی مظفر عالم
      - حافظ مصلح الدین
      - عفیفہ زوجہ ماسٹر ناظم (بدلو چک)
      - زہرہ زوجہ مولوی محمد یوسف
      - مولوی محمد بہاء الدین
      - مولوی عضدا لدین
      - حافظ محمد فریدا لدین
    - مولوی عبدالرقیب آزاد
      - مقصودہ مرحومہ
      - مولوی مصباح الدین
      - مولوی محمد تاج الدین
      - محمد معراج الدین مرحوم
      - عمرانہ
      - مقرودہ
      - صفوانہ زوجہ مشکور عالم
      - ناظرہ مرحومہ

ز

- محمد امام الدین
  - محمد کفیل الدین
    - محمد سلیمان (م ۱۹۹۰ء) لاولد
    - محمد علاء الدین
      - محمد عبدالرحمٰن
        - محمد مظہرالحق
        - لڑکا
        - لڑکی
        - لڑکی
        - لڑکی
      - حاجی محمد علیم الدین لاولد
      - وظیفہ لاولد
      - ساجدہ لاولد
      - ھاجرہ
    - محمد اسحاق
      - حسن آرا لاولد

ح

بیچو علی

سید علی (دفعدار)

محمد علی

ماریہ زوجہ محمد بشارت

بی بی شریفاً (لاولد)

لڑکی خورشید (بیہہ پور)

لڑکی زوجہ عبدالرحمٰن پسر علاء الدین

محمد بشارت

شریکن (م۔۱۹۸۳ء) زوجہ مولانا شمس الاسلام

محمد معین الدین

صفیرہ والدہ ممونت (ڈھرپور)

لڑکی لاولد

لڑکی — محمد فاروق — چاند

لڑکی زوجہ محمد ممونت (ڈھرپور)

محمد ابراہیم

بی بی خیرالنساء

بی بی مہرالنساء

لڑکی

ثناء اللہ

رفعت

مولوی شہاب الدین (م۔۱۹۹۲ء)

زیب النساء (م۔۲۰۰۳ء)

مولوی فضل الرحمٰن (م۔۲۰۰۲ء)

بی بی حمیرہ

آمنہ خاتون

پروفیسر عبدالمنان طرزی، دربھنگہ

پروفیسر محمد ارشد جمیل کی معرکۃ الآرا تصنیف ''تاریخ کوروڈیہہ'' کے سالِ طباعت پر قطعہ تاریخ

اک اہلِ دل تو اہلِ نظر اور باوقار — ارشد جمیل، صاحبِ دستارِ طرح دار
اُردو کا پی۔جی۔شعبہ، ال ان متھلا جامعہ — اٹھارہ برسوں ہم رہے باہم رفیق کار
وہ لطف کے زمانے، محبت کی ساعتیں — آتے ہیں یاد آج وہ ایامِ خوشگوار
اُس صحبتِ گذشتہ کی دوں کیا کوئی مثال — دامان و رنگ و بو و گل و موسمِ بہار
ہر دل عزیز شعبے میں ارشد رہے مدام — محبوب مشترک ہی میں اُن کا تھا کچھ شمار
میخانہ آگہی کا ہیں یہ اپنے آپ میں — پیتے ہیں حسبِ ظرف ہی ہر ایک بادہ خوار
ہے عربی و فارسی پہ دسترس اگر — اُستاذ ہیں وہ اُردو کے ذی علم و پختہ کار
مولد کا اپنے قرض ادا کر گئے ہیں آج — سر پر ہیں مثلِ تاج کوروڈیہہ کے غبار
شعبہ، قیام گاہ، پلاتے ہیں ہر جگہ — ملتی یہاں پہ مفت ہی، کیا نقد، کیا اُدھار
اُن سے تعلقات ہیں اُنتیس سال سے — میرے مشاہدات کا بس یہ ہے اختصار
دینی شعور، حسن عمل، علمِ معتبر — بے شبہ اُن کی ذات پہ ہے فضلِ کردگار
اک علمی شاہکار جو اُن کا ہے سامنے — تصنیف یہ جناب کی، دولت ہے پائیدار
مشہور اک شہر ہے ''بھاگل'' پہ رکھیں ''پور'' — ہے گاؤں کوروڈیہہ جہاں مثل لالہ زار
تھے علم دیں کے پاسباں اُس گاؤں میں اگر — نیک و شریف، قاضی و مومن تھے دیندار
استانی و سپاہی بھی مہر علی بھی تھے — کچھ اُن میں تھے جو نامور کچھ اُن میں نامدار
تاثیر میں بھی زور ہے پاکیزہ گر بیاں — پڑھیے جو ماں کا حال تو آنکھیں ہو اشکبار
ارشد نے اُن نقوش کو محفوظ کر دیا — تاریخ میں وہ بن گئے اوراقِ اعتبار
پھر باحیات لوگوں کا بھی اس میں ذکر ہے — وہ ساز گارِ عہد ہیں یا عہد ساز گار
ایسے عظیم علماء بھی کوروڈیہہ آئے — جو گلستانِ دین کی بے شبہ تھے بہار
فضل خدا سے لائے ہیں تصنیف جو عظیم — اقلیمِ فن کے ہوگئے وہ آج تاجدار

''تاریخ کوروڈیہہ ہے اک کاوشِ وقیع''

۱۴۶۲ ۱۵ ۲۱ ۳۲۷ ۱۸۶ = ۲۰۱۱ء

ارشد جمیل لائے ہیں یہ نقشِ افتخار

ڈاکٹر منصور عمر
شعبۂ اردو، سی۔ ایم۔ کالج، دربھنگہ

قطعۂ تاریخ بر سال طباعت

''تاریخ کوروڈیہہ''

خامہ ترا جب ہوگیا بانگِ رحیل
باغِ ادب میں گویا راہِ سلسبیل

تاریخ ہو یا تذکرہ جو بھی کہیں
تونے نکالی ہے کچھ ایسی ہی سبیل

ہم عصر ہوں تیرے کہ ''یادوں کے چراغ''
نظروں میں تیری ہوگئے وہ سب نبیل

زنبیل میں تیری جو ہیں لعل و گہر
قیمت پہ اس کی خوب ہے لایا دلیل

قامت کا اندازہ کرے کا یہ جہاں
تصنیف ہے تیری یہ بے شک ایک جلیل

محفوظ تونے کر دیے تاریخ میں
قسمت میں اُن کی تھا لکھا ہونا شکیل

منصوؔر نے پوچھا تو ہاتف نے کہا
تاریخِ کوروڈیہہ نقوشِ جمیل

۲۰۱۱ء

TARIKH-E-KURUDIH

(Bhagalpur) Vol.Ist

By

Dr. Arshad Jamil

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

978-81-8223-890-9